بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ ﷺ:

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ.

(صحیح البخاري ۱۶/۱ رقم: ۷۱، صحیح مسلم ۳۳۳/۱ رقم: ۱۰۳۷)

کتابُ النَّوازِل

منتخب فتاویٰ: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ اول)

عقائد وایمانیات، رد بدعات ورسومات

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

○ نام کتاب : کتاب النوازل (جلد اول)
○ منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
○ ترتیب و تحقیق : مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی
○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
○ ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد
09412635154 - 09058602750
○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی
011-23289786 - 23289159
○ اشاعتِ اول : ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۴ء
○ صفحات : ۶۸۸
○ قیمت : ۴۰۰/روپئے

ملنے کے پتے:

○ مرکز نشر و تحقیق لال باغ مرادآباد
○ کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور
○ کتب خانہ نعیمیہ دیو بند

❐❖❐

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب:

احقر اللہ رب العزت کا شکرادا کرتے ہوئے اس حقیر کاوش کو درج ذیل حضرات کی طرف منسوب کرتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے احقر کے لئے بظاہر اسبابِ خیر تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا ہے:

❑ مخدوم معظم والدِ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم ومدت فیوضہم — جو اس ناکارہ کے صرف مشفق والد ہی نہیں؛ بلکہ محسن ترین استاذ بھی ہیں۔

❑ مخدومہ ومعظّمہ والدۂ محترمہ زید مجدہا (صاحبزادی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ) - جن کی مثالی تربیت، بے پایاں مخلصانہ توجہات اور سحرگاہی دعائیں ہر وقت شامل حال ہیں۔ ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْراً﴾ [بني اسرائيل: ٢٤] (میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسے پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا) آمین، برحمتک یا أرحم الراحمین۔

❑ اپنے شیخ ومرشد، سیدی وسندی، جانشین شیخ الاسلام، فدائے ملت، امیر الہند، حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند- جن کی دعائیں، شفقتیں اور توجہات وعنایات احقر کو قدم بہ قدم حاصل رہیں۔ رحمه اللّٰه تعالیٰ رحمةً واسعةً۔

❑ اپنے تمام اساتذۂ کرام بالخصوص:

❍ استاذِ معظم، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

❍ استاذ الاساتذہ، نمونۂ اسلاف، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہٗ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

❍ حضرت الاستاذ، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

❍ حضرت الاستاذ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نوراللہ مرقدہٗ مفتی دارالعلوم دیوبند

❍ حضرت الاستاذ، مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاط عثمانی نوراللہ مرقدہٗ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند- جن سے اکتسابِ فیض ہم جیسے ہزاروں شاگردوں کے لئے باعثِ فخر ہے۔ فجزاهم اللّٰه تعالیٰ أحسن الجزاء۔

❑ نیز مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے نام — جن کے چشمۂ فیض سے آج ایک عالم مستفیض ہورہا ہے — خدا کرے یہ علمی مراکز تادیر آباد وشاداب رہیں، آمین۔

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ

۱۴۳۵/۱۱/۱۹ھ مطابق ۲۰۱۵/۹/۱۵ء

❍❖❍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ الذي هدانا لهٰذا وما كنا لنهتدي لو لا أن هدانا اللّٰه، وأشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، وأشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أشهد أنه قد أدى الأمانة وبلّغ الرسالة ونصح الأمة وجاهد في اللّٰه حق جهاده، فجزاه اللّٰه تعالىٰ عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء وأحسن الجزاء، وصلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ على سيدنا ومولانا محمد وعلى اٰله وأصحابه وذرياته أجمعين، أما بعد!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے اپنے خاص فضل وکرم سے اس ناکارہ کو فقہ وفتاویٰ کے مشغلہ میں لگے رہنے کی توفیق سے نوازا، اس نعمت کا شکر بجالانے سے احقر قاصر ہے۔

احقر نے ۱۴۰۷ھ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد ۱۴۰۸ھ سے ۱۴۱۰ھ تک تین سال تکمیل افتاء اور تدریب الافتاء والتدریس کے شعبوں سے وابستگی کی سعادت میسر آئی۔

دارالافتاء میں جن جلیل القدر حضرات اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا، اُن میں حضرت الاستاذ المعظم، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم، حضرت الاستاذ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نور اللہ مرقدہ اور حضرت الاستاذ مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاطؔ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ اس پورے عرصہ میں مذکورہ اساتذۂ عظام کی شفقتیں اور توجہات بفضلِ خداوندی حاصل رہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے تدریب الافتاء کے بعد مشفق ومربی مخدومی حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہ کی خواہش اور اصرار پر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تدریس اور نیابتِ افتاء کی خدمت کے لئے احقر کو مامور کیا گیا، چناں چہ شوال ۱۴۱۰ھ سے آج تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی خدمت میں لگے رہنے کی توفیق بخشی ہے۔

بالخصوص دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے وابستگی کو احقر اپنے لئے نہایت موجبِ سعادت اور باعثِ خیر سمجھتا ہے؛ کیوں کہ دارالافتاء مدرسہ شاہی کو ملک وبیرون ملک میں خاص اعتماد کا درجہ حاصل ہے، اس وجہ سے یہاں بکثرت مختلف نوع کے مسائل واستفتاءات کے حل کے لئے ملک وبیرونِ ملک سے رجوع کیا جاتا ہے، زمانۂ ماضی میں اس شعبہ سے اَکابر علماء ومفتیان کا تعلق رہا ہے، مثلاً: حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مفتی عجب نور صاحب سرحدی، حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب بچھرایونی اور حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (اس بارے میں مزید تفصیل مقدمہ کے باب ۱/۷ میں ملاحظہ فرمائیں)

احقر کے مدرسہ شاہی آنے سے تین سال قبل محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ بھی یہاں مفتی کے منصب پر فائز ہوچکے تھے، اور موصوف نے اپنی خداداد صلاحیت، تربیت کے خاص انداز اور عزم وعمل کی پختگی کی بدولت دارالافتاء مدرسہ شاہی کو ایک نئی جہت بخشی اور محنت ومجاہدہ کا ماحول قائم کیا۔ احقر جیسے متساہل شخص کو بھی اس ماحول سے بحمدہ تعالیٰ کافی فائدہ پہنچا، اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور اُمت کو اُن سے تادیر مستفیض ہونے کی توفیق بخشیں، آمین۔

احقر نے کئی سال قبل موجودہ مہتمم برادر مکرم حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مدظلہ کی اجازت سے اپنے فتاویٰ کی ترتیب کا کام شروع کیا تھا، اس وقت ذہن میں درج ذیل باتیں پیشِ نظر تھیں، جو اس کام کو انجام دینے کا محرک بنی تھیں:

الف:- دنیا کی زندگی مختصر ہے، اور آخرت کے لئے توشہ قلیل ہے، اور آنحضرت ﷺ نے موت کے بعد جن باتوں کا ثواب جاری رہنے کا ذکر فرمایا ہے، ان میں ایک ''علم نافع'' بھی

ہے۔ (مسلم شریف۲؍۳۴۱) اس لئے خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ اِن فتاویٰ کو پڑھ کر کوئی اللہ کا بندہ نفع اٹھائے اوراس بہانے اس سیاہ کار کے لئے کچھ آخرت کا توشہ فراہم ہوجائے۔

ب:- دوسرے یہ کہ زندگی میں اگر یہ کاوشیں شائع ہوجائیں تو اپنے ذوق کے اعتبار سے ان کی ترتیب اورترمیم وتبدیلی وغیرہ بآسانی کی جاسکتی ہے، اورموت کے بعد نہ جانے کون اس کام کو کرے اور نہ جانے کس طرح کرے؟ اس لئے بھی یہ خواہش ہوئی کہ جیسی بھی ٹوٹی پھوٹی کوشش ہو، وہ زندگی میں ہی ہوجائے۔

ج:- اوراس کی اشاعت کا ایک بڑا داعیہ اس لئے بھی پیدا ہوا کہ زندگی میں اشاعت کی صورت میں اگر کوئی غلطی سامنے آئے (جس کا احقر کی کم علمی کی وجہ سے عین امکان ہے) تو حضرات اہل علم کے توجہ دلانے پر اس سے رجوع کرنا آسان ہوگا۔

بہرحال درج بالا محرکات کو سامنے رکھ کر رجسٹروں کی کمپیوٹر کتابت کا کام شروع ہوا، اولاً تمام رجسٹروں کی کتابت ہوئی، پھر ہر سوال وجواب پر عنوانات لگائے گئے، عبارات کی مراجعت کی گئی، پھر تصحیح کے بعد ہر باب سے متعلق مسائل کو یکجا کیا گیا، غیر ضروری مکررات حذف کئے گئے، پھر ہر باب کی ترتیب قائم کی گئی، اب محنت کے بعد جو مرتب شکل سامنے آئی وہ آپ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں، آمین۔

احقر کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اَکابر مفتیانِ کرام کے مطبوعہ فتاویٰ کی موجودگی میں احقر جیسے کم علم شخص کے فقہی جوابات کی اشاعت کوئی معنی نہیں رکھتی؛ لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ’’ہر گلے را رنگ وبوے دیگر است‘‘ اس لئے یہ تحریریں گو کہ اُنہی اکابر اوراساتذۂ کرام کی توجہات وعنایات کا پرتو اورانہیں کے علوم کا ایک نیا قالب واسلوب ہیں، لیکن تعبیر اورانداز بدلنے سے ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے لئے مزید نفع کا ذریعہ بن جائیں۔ **وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ**۔

خاص کر اس لئے بھی کہ دارالافتاء مدرسہ شاہی میں ہر فتویٰ کو باحوالہ لکھنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے اور پوری کوشش کی جاتی ہے کہ جب تک صریح عبارت یا حوالہ نہ ملے فتویٰ نہ تحریر کیا جائے؛ اس

لئے زیرِ نظر فتاویٰ کے ذریعہ بالخصوص طلبۂ افتاء اور عام مفتیانِ کرام کے لئے عموماً پوچھے جانے والے مسائل کے مراجع تک پہنچنا آسان ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس مجموعۂ فتاویٰ کا نام کسی شخصیت کی جانب منسوب کرنے کے بجائے عمومی انداز میں رکھنا مناسب معلوم ہوا، اور مختلف کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی کہ فقہِ حنفی کے فتاویٰ پر ابتدائی مرحلہ میں جو کتابیں مدون ہوئیں، ان میں علامہ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کی ''کتاب النوازل'' بھی شامل ہے، نوازل؛ نازلۃ کی جمع ہے، جس کے معنیٰ ''پیش آمدہ واقعہ'' کے آتے ہیں، اور یہ لفظ ''جدید قابلِ توجہ مسائل'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے، اسی مناسبت سے پیشِ نظر مجموعہ کا نام ''کتاب النوازل'' تجویز کیا گیا ہے۔

پہلی جلد کے آغاز میں ۱۷/ابواب پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ بھی ہے، جس میں مصادرِ شریعت، تقلیدِ ائمہ اور فقہ وفتاویٰ کے بارے میں ضروری اور مفید معلومات جمع کردی گئی ہیں، جن کے ضمن میں گمراہ فرقوں کی جانب سے اٹھائے جانے والے بہت سے شبہات واعتراضات کے جوابات بھی درج ہیں، مقدمہ کی بحثیں اگرچہ مختصر ہیں؛ لیکن ان کے ذریعہ سے شائقین حضرات کو تفصیلی مراجع تک پہنچنا انشاء اللہ آسان ہوگا۔

احقر کی سستی وکاہلی اور پھر مختلف النوع ہموم ومشاغل اور اسفار وغیرہ کی وجہ سے یہ کام بہت طویل وقت چاہتا تھا؛ لیکن اللہ کا فضل یہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک ہونہار فاضل اور متخصص فی الحدیث، عزیزم مولوی مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی زید علمہ وفضلہ نے ۳۳-۱۴۳۴ھ میں دارالافتاء مدرسہ شاہی سے تکمیلِ افتاء سے فراغت حاصل کی، تو احقر کی خواہش پر موصوف نے ترتیبِ فتاویٰ کے کام میں ایک سال لگانے کا ارادہ کرلیا، اور پھر شوال ۱۴۳۴ھ سے انہوں نے ٹائپ شدہ فتاویٰ کی تصحیح، مراجعت اور عنوانات لگانے کا کام پوری تندہی سے انجام دیا، موصوف کی محنت ہی کی بدولت ایک سال میں یہ کام کسی حد تک سمٹنے کے قابل ہوسکا ہے، اگر یہ احقر کے اوپر منحصر رہتا تو ابھی نہ جانے کتنا وقت لگ جاتا، اللہ تعالیٰ موصوف کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین۔

نیز تصحیح فتاویٰ اور مراجعت میں عزیزم مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری سلمہ اور مولوی مفتی عبدالحق رسول پوری سلمہ نے بھی جزوی طور پر حصہ لیا۔ اِسی طرح محبِّ مکرم جناب مولانا مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی استاذِ دارالعلوم دیوبند نے بھی اِن جلدوں پر نظر ڈال کر تصحیح فرمائی اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ اِن سب کو جزائے خیر سے نوازیں۔ آمین۔

ابتدائی دو جلدوں کی تیاری کے بعد ان کا مسودہ حضراتِ اساتذہ واَکابر کی خدمت میں برائے ملاحظہ واصلاح پیش کیا گیا تھا، ان حضرات نے انتہائی شفقت وحوصلہ افزائی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے نہایت وقیع تقریظات تحریر فرمائیں (جو احقر کی حیثیت سے کہیں بلند ہیں) احقر اِن تحریرات کو اپنے لئے انتہائی موجبِ سعادت سمجھتا ہے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اَکابر واساتذہ کے حسنِ ظن کو قبول فرماتے ہوئے احقر کے ساتھ لطف وکرم اور دارین میں ستر پوشی کا معاملہ فرمائیں۔ **وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔**

اخیر میں احقر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے موجودہ مہتمم برادر مکرم جناب مولانا سید اشہد صاحب رشیدی زید کرمہم کا بھی بے حد ممنون ہے کہ موصوف نے دارالافتاء کے رجسٹروں سے فتاویٰ نقل کرنے کی خوش دلی سے اجازت مرحمت فرمائی۔

اسی طرح رجسٹروں سے کمپیوٹر کتابت اور ترتیب میں جناب مولوی محمد اسجد قاسمی مظفرنگری زید علمہ نے سب سے زیادہ محنت کا ثبوت دیا، ان کے علاوہ جناب مولانا کمال احمد صاحب سیتاپوری استاذ شعبہ کمپیوٹر مدرسہ شاہی مرادآباد، مولوی محمد انظارالحسن قاسمی ہردوئی مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ مظفرنگر، مولوی محمد نعیم محرر شعبۂ محاسبی مدرسہ شاہی، جناب محمد عارف مرادآباد اور محمد حمران اعظمی دہلی نے بھی مختلف وقتوں میں اور مختلف انداز میں کتابت وترتیب میں حصہ لیا۔ **فجزاهم اللّٰه تعالیٰ أحسن الجزاء۔**

فتاویٰ کی اشاعت وطباعت میں رفیقِ مکرم جناب مولانا معزالدین احمد صاحب قاسمی ناظم امارتِ شرعیہ ہند دہلی اور جناب محمد ناصر خان مالک فرید بک ڈپو دہلی نے بہت توجہ فرمائی، اس پر بھی احقر بہت مشکور ہے۔

اللہ تعالیٰ سبھی معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائیں، اور اس مجموعہ کو احقر کے سبھی اساتذۂ کرام، والدین محترمین مدظلہما اور تمام معاونین ومحسنین اور جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا، ان کے مؤلفین ومصنفین کے لئے صدقۂ جاریہ بنادیں، اور جو کام باقی ہے اس کی بسہولت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

بلاشبہ عافیت کے ساتھ دین کی خدمت کا موقع ملنا اور اسباب کا فراہم ہونا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے، ورنہ کمزور بندے کے بس میں کچھ نہیں، یہ اس کی شانِ کریمی ہے کہ خود ہی توفیق عطا کرتا ہے، اور پھر استحقاق کے بغیر قبولیت سے بھی نوازتا ہے، جس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے :

منّت مَنہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی

منّت شناس کہ اُو ترا بخدمت گذاشتت

(**ترجمہ**:- بادشاہ کی خدمت کرنے پر اس پر احسان مت رکھو؛ بلکہ اس کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کے لئے قبول کرلیا)

﴿**فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوَاتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ**﴾ [الجاثية: ٣٦-٣٧]

﴿**سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. وَسَلَامٌ عَلٰى الْمُرْسَلِيْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ**﴾ [الصّٰفّٰت: ١٨٠-١٨١-١٨٢]

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۴۳۵/۱۱/۱۹ھ

۲۰۱۴/۹/۱۵ء بروز پیر

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

عرض مرتب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

فقہ وفتاویٰ کی ترتیب وتدوین قدیم زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے، چناں چہ سب سے پہلے سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس کام کے لئے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت بنائی، جو بحث وتمحیص کے بعد طے ہونے والے فقہی مسائل کو لکھتی اور انہیں مذہب کا حصہ قرار دیتی، پھر حضرت امام ابویوسفؒ نے اپنے زمانہ میں یہ کام حضرت امام محمدؒ کے سپرد کیا، اورانہوں نے چھ ضخیم کتابوں میں پورے فقہ حنفی کو جمع کیا، پھراسی طرح سلسلہ وارمختلف کتابیں متون اورشروح کے نام سے مرتب ہوتی چلی گئیں، جن میں سے بہت سی کتابیں آج بھی درسِ نظامی میں شامل ہیں۔

کتبِ فقہ کے بعد ایک مرحلہ کتب فتاویٰ کا ہے، فتاویٰ میں دراصل ہر انسان کو اس کی ضرورت کے پیش نظرنوازل وحوادثات اورپیش آمدہ مسائل کوفقہی اصول وجزئیات پر منطبق کرکے اس مسئلہ کا حل پیش کیا جاتا ہے، فتاویٰ کے نام پر علیحدہ سے جزئیات ومسائل کی تدوین مقصود نہیں ہوتی؛ بلکہ وقت کی نزاکت کے پیش نظراستخراج واستنباط کا جوکام فقہاء کرام کرتے چلے آئے ہیں، انہی کے مستنبط کردہ اصول اورجزئیات کی روشنی میں مسئلہ کا حکم بتانا فتویٰ کہلاتا ہے۔

فقہ حنفی میں ایسی بہت سی کتابیں ہیں جن میں مسائل وجزئیات کو خاص ترتیب سے جمع کیا گیا ہے، مثلاً عربی میں: فتاویٰ خانیہ (علامہ فخر الدین اوزجندیؒ م۲۹۵ھ) فتاویٰ ولوالجیہ (علامہ ابوالفتاویٰ ظہیر الدین عبدالرشید ابن ابی حنیفہ الولوالجیؒ م۵۴۰ھ) فتاویٰ تاتارخانیہ (علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلویؒ م۷۸۶ھ) فتاویٰ بزازیہ (علامہ حافظ الدین محمد بن محمد المعروف بابن البزازؒ م۸۲۷ھ) فتاویٰ عالمگیری (جسے حضرت ملا نظام الدینؒ نے مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے حکم پر علماء کی ایک جماعت کے تعاون سے مرتب فرمایا تھا) اورفتاویٰ شامی (المعروف بحاشیۃ بن عابدین الشامیؒ م۱۲۵۲ھ) قابلِ ذکر ہیں۔

مذکورہ عربی فتاویٰ کے علاوہ اردو فتاویٰ کا بھی ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے، چناں چہ اردو فتاویٰ میں امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ ''فتاویٰ رشیدیہ'' کے نام سے شائع ہوئے۔ اسی طرح مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ (م۱۳۷۲ھ) کے فتاویٰ ''کفایت المفتی'' کے نام سے شائع ہوکر مقبول ہوئے۔ پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتاویٰ انتہائی جامعیت اور تحقیق کے ساتھ ۶؍جلدوں میں ''امداد الفتاویٰ'' کے نام سے مرتب فرمائے۔ اسی طرح ''فتاویٰ دارالعلوم'' (جدید) (مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ م۱۳۴۷ھ) مرتب کردہ: حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ (م۱۴۳۰ھ) ''امداد الاحکام'' (حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ م۱۳۹۴ھ وحضرت مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ م۱۳۶۸ھ) ''فتاویٰ شیخ الاسلام'' (شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ م۱۳۷۷ھ) ''فتاویٰ محمودیہ'' (فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ م۱۴۱۷ھ) ''احسن الفتاویٰ'' (مفتی رشید احمد لدھیانویؒ ۱۴۲۲ھ) وغیرہ، یہ سب حضراتِ اکابر کے انتہائی جامع اور محقق فتاویٰ ہیں، جن کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ اپنے اپنے زمانہ میں مرتب کیا گیا۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی نواسۂ شیخ الاسلام استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم، استاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے ۲۵؍سالہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو ۱۴۱۰ھ سے ۱۴۳۵ھ تک کے طویل مدت میں دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے حضرت کے قلم سے لکھے جاتے رہے۔

حق تو یہ تھا کہ دیگر اکابر اہل علم کے فتاویٰ کی تحقیق وترتیب کی طرح کوئی صاحب علم وعمل، عالم باوقار ہی ان کی ترتیب وتحقیق کا کام انجام دیتا؛ لیکن احقر اسے اپنی خوش قسمتی اور سعادت سمجھتا ہے کہ مجھ جیسے حقیر اور کم علم شخص سے ۱۴۳۵ھ میں دارالافتاء مدرسہ شاہی کی تکمیل کے بعد حضرت الاستاذ نے اپنی نگرانی میں اس مجموعہ کی ترتیب وتحقیق کا کام کرانے کا اشارہ فرمایا، جسے احقر نے اپنے لئے حضرت کی صحبت سے مستفید ہونے اور اپنے علم کی ترقی کا ذریعہ خیال کرکے بسروچشم قبول کرلیا۔ اللّٰھم اعنی علی ھٰذا الأمر۔

اس مجموعۂ فتاویٰ کے بارے میں درج ذیل باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۱) ان فتاویٰ میں اکثر فتاویٰ با حوالہ تھے؛ کیوں کہ دارالافتاء مدرسہ شاہی کا اصول ہے کہ کوئی فتویٰ حوالہ کے بغیر جاری نہ کیا جائے، احقر نے ان حوالہ جات کی مراجعت کی اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی، وہاں مزید حوالے بڑھائے، اور بہت سی جگہ عبارتیں بھی بڑھائی گئیں؛ تاکہ حضرات اہل علم کے لئے مراجعت میں سہولت ہو۔

(۲) فتاویٰ کی ترتیب میں اولاً عقائد سے متعلق مسائل کو لیا گیا ہے، مثلاً سب سے پہلے کتاب الایمان جس میں عقائد وایمانیات، کلماتِ کفر وشرک اور ردِ بدعات پر مشتمل فتاویٰ ہیں، جب کہ دوسری جلد میں ردِ فرق باطلہ اور کتاب العلم، جس میں متعلقاتِ قرآن، تفسیر وحدیث، فقہ وفتاویٰ، تصوف، دعوت وتبلیغ اور سیر وتاریخ سے متعلق فتاویٰ کو لیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی جلدوں کی ترتیب فقہی ابواب پر ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۳) عبادات کے ابواب میں بعض جگہوں پر حضرت الاستاذ کی مشہور کتاب ''کتاب المسائل'' سے استفادہ کرتے ہوئے ضروری مسائل کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۴) حوالہ جات کی ترتیب میں مسئلہ سے متعلق کتبِ فقہیہ کی عبارتوں کے ساتھ حتی الامکان قرآن کی آیت، حدیثِ مرفوع یا کم از کم کسی صحابی یا تابعی کا اثر تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چناں چہ اِن دو جلدوں میں کئی سو اَحادیث وآثار حوالہ میں درج کئے گئے ہیں۔

(۵) تحقیق اور حوالہ جات کے لئے کتبِ فقہ وفتاویٰ میں زیادہ تر درمختار، رد المحتار، البحر الرائق، ہندیہ، مجمع الانہر، تبیین الحقائق، فتاویٰ تاتارخانیہ، فتح القدیر اور ہدایہ سے مراجعت کی گئی ہے، ان کے علاوہ کہیں کہیں الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، الموسوعۃ الفقہیہ، الفتاویٰ السراجیۃ اور المحیط البرہانی وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(۶) ان فتاویٰ کی زبان الحمد للہ بہت سلیس، عام فہم اور آسان ہے، اور فتاویٰ نویسی کے اصول وآداب کے موافق ہے، اور فتویٰ کی عبارتیں تکرار اور حشو وزوائد سے پاک ہیں، جس کا اندازہ قارئین خود لگالیں گے۔

(۷) فتاویٰ میں مکررات کو حذف کردیا گیا ہے؛ البتہ ایک ہی قسم کے مسائل میں اگر کوئی

زائد بات یا سوال موجود ہو، تو پھر اس کو بھی باقی رکھا گیا ہے۔

(۸) کتاب کے شروع میں حضرت مفتی صاحب کا ایک طویل اور مبسوط مقدمہ ہے، جس میں مصادرِ شریعت، (کتاب وسنت، اجماع وقیاس) فقہِ اسلامی کی تدوین، ائمۂ اربعہ کی تقلید امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے فقہ کا تعارف، طبقات فقہا، فقہ وفتاویٰ کی اہمیت، اصولِ افتاء وآدابِ فتاویٰ نویسی، فقہِ حنفی کی بنیادی کتابوں کا تعارف وغیرہ، بہت سے اہم موضوعات زیر تحریر آئے ہیں، جن کو پڑھ کر نہ صرف طالب علم؛ بلکہ ایک فقیہ اور مفتی کو بھی اپنے فن میں نئی روشنی ملے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۹) ہر مسئلہ پر حضرت مفتی صاحب نے نظر ثانی فرمائی ہے اور ترتیب میں بھی حضرت کی خاص توجہ رہی ہے، اور اپنے ذوق کے اعتبار سے حک واضافہ اور ترمیم وتنسیخ فرمائی ہے۔ **فجزاهم الله تعالیٰ أحسن الجزاء۔**

اخیر میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر اس مجموعہ کی ترتیب، مراجعت اور تحقیق میں کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں؛ تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

تشکر وتہدیہ

یہ حقیر کاوش درحقیقت حضرت مفتی صاحب کی توجہ کا نتیجہ اور خلاصہ اور تکمیلِ افتاء کے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ کی شاگردی کی برکات ہیں، نیز مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند، مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے عظیم اساتذہ اور والدین محترمین کی دعاؤں اور توجہات کے ثمرات ہیں، اس لئے احقر اپنے تمام اساتذہ، والدین محترمین، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی طرف اس خدمت کو منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان اداروں کو قائم ودائم رکھیں، اور والدین واساتذہ کی عمروں میں برکت فرما کر ان سے کسبِ فیض کی مسلسل توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

والسلام

احقر محمد ابراہیم غازی آبادی
مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد
۱۹؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ بروز پیر

دعائیہ کلمات:

جگر گوشۂ شیخ الاسلام، مخدومِ مکرم، استاذ معظم، حضرت اقدس

مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم العالیہ

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی خاتم الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، اما بعد:

اس وقت میرے پیشِ نظر ایک جدید تصنیف ''کتاب النوازل'' ہے، یہ عزیز محترم مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری نائب مفتی واستاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے تحریر کردہ فتاوی کا مجموعہ ہے، ابتداء میں فقہ وفتاوی سے متعلق سو صفحات سے زائد ایک مبسوط مقدمہ ہے، جو بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے جس میں فقہ اسلامی بالخصوص فقہ حنفی کے بارے میں بڑی مفید اور اَہم باتیں بڑے سلیقے سے جمع کردی گئی ہیں، جن کا جاننا ایک مفتی اور فتوی نویس کے لئے ضروری ہے، اس کے بعد جلد اول میں عقائد وایمانیات سے متعلق موصوف کے فتاوی ہیں، یہ فتاوی بالعموم مفصل ومدلل ہیں جو تمام ہی شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ہوں گے اور ۱۳ یا ۱۴ ر جلدوں میں ان شاء اللہ مکمل ہوں گے۔

احقر اپنی گوناگوں مصروفیات اور عدیم الفرصتی کی بنا پر اِس گراں قدر مجموعے کو بالاستیعاب تو نہیں دیکھ سکا؛ البتہ جس قدر بھی دیکھنے کا موقع ملا اور توفیق میسر آئی، اسکی بنیاد پر مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ مجموعہ اہلِ علم وبصیرت کے حلقہ میں بنظرِ استحسان دیکھا جائے گا اور اوساطِ علمیہ میں اسے قبولیت حاصل ہوگی۔

اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ فتاوی کا یہ مجموعہ موصوف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور زیادہ سے زیادہ علمی ودینی خدمات کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد　　　　والسلام

ارشد مدنی غفرلہٗ

۱۴۳۵/۱۱/۳ھ م ۲۰۱۴/۸/۳۰ء

تـــقـــديـــم :

مخدوم ِمکرم، والدِ ماجد، حضرت الاستاذ

مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری زید مجدہم ومدظلہم

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

خداوندِ کریم نے جنات وانسانوں کو عبث و بے مقصد پیدا نہیں کیا؛ بلکہ اپنی معرفت و بندگی واطاعت کو ان کا مقصدِ تخلیق بتایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذریت: ٥٦] (اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی ہی کے لئے پیدا کیا ہے)

لیکن واضح ہو کہ صرف انسانی عقل اطاعتِ خداوندی کے طریقے پوری طرح جاننے سے قاصر ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر زمانے میں ان طریقوں کو سمجھانے کے لئے بھیجا ہے، جو صحیح عقائد و اعمال کے سلسلہ میں اپنی اپنی امتوں کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے، آخر میں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل ومکمل شریعت دے کر قیامت تک کے لئے مبعوث فرمایا ہے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قولاً وفعلاً وتقریراً پوری مدتِ نبوت ۲۳؍ سالہ زندگی میں واضح فرماتے رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور ہر زمانہ میں فقہاء ومحدثین کرام یہ خدمت انجام دیتے آ رہے ہیں۔

اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ ملتِ اسلامیہ (امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) قیامت تک باقی رہے گی، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا

أَوَّلُهَا وَالْمَهْدِيُّ وَسَطُهَا وَالْمَسِيْحُ آخِرُهَا وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ فَيْجٌ أَعْوَجُ لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَا أَنَا مِنْهُمْ. (مشکوٰۃ المصابیح ۵۸۳/۲، مرقاۃ المفاتیح ۴۱۹/۱۱)

ترجمہ:- وہ امت کیسے ختم ہوسکتی ہے جس کے شروع میں، میں (خود پیغمبر علیہ السلام) ہوں اوراس کے درمیانی زمانہ میں مہدی ہیں اوراس کے آخری زمانہ میں مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ہیں؛ لیکن ان کے درمیان میں کچھ گمراہ جماعتیں ہوں گی جو میرے طریقے پر نہیں ہوں گی، اور میرا اُن سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

الغرض یہ تینوں ذواتِ قدسیہ اپنے اپنے زمانہ میں امتِ محمدیہ کی دیکھ بھال کے لئے مقرر ہیں، اُن کے بعد اُن کے متبعین راسخین فی العلم علماء یہ فریضہ انجام دیتے رہیں گے، جس کے نتیجہ میں امت کا سوادِ اعظم عقاید صحیحہ واعمال صالحہ پر ثابت قدم رہے گا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو ضلالت وگمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور ملتِ اسلامیہ کی تاقیامت بقا کا یہی مطلب ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ملتِ اسلامیہ کی بقاء وتحفظ کے لئے ہر زمانے میں دینی رہنماؤں کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ پیش آمدہ ہر قضیہ کے وقت ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اس کے بارے میں شریعت کا حکم معلوم کرے، مگر یہ کام نہ تو ہر کس وناکس کے بس میں ہے، نہ اربابِ عقل وخرد کی محض عقل سلیم اس کو مکمل طور پر جاننے کی صلاحیت رکھتی ہے، یہ تو صرف وحی الٰہی کے ذریعہ معلوم ہوسکتا ہے، اس لئے اولاً انبیاء علیہم السلام اپنی اُمتوں کو دینی اَحکام بتاتے رہے، اور اُن کے بعد اُن کے متبعین علماءِ راسخین ہر زمانہ میں یہ خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔

حضرت اقدس مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس خدمت کو ''سیاستِ ملیہ'' کا نام دیا ہے، اور بتایا ہے کہ جس طرح ''سیاستِ مُدن'' ضروری ہے، اسی طرح سیاستِ ملی (ملت کی دیکھ بھال کرنا) بھی ضروری ہے، اور اپنی تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں نقلی وعقلی دلائل کے ساتھ اس مضمون کو مبحثِ سادس ''مبحث السياسية الملية'' کے باب : الحاجة إلى هُداة السُبل ومُقيمي المِلل'' کے تحت تحریر فرمایا ہے، اس موقع پر اس کو نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے، حضرت فرماتے ہیں:

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ واعلم: أن السنن الكاسبةَ لانقيادِ البهيمية للملكية، والآثامَ المباينةَ لها، وإن كان العقلُ السليم يدل عليها، ويُدرك فوائدَ هٰذه، ومَضَارَّ تلک، لكن الناسَ في غفلة منها؛ لأنه تَغلِبُ عليهم الحُجُبُ، فيفسُد وجدانُهم، كمثل الصفراوي؛ فلا يتصورون الحالةَ المقصودةَ ولا نفعَها، ولا الحالةَ المَخُوفَةَ ولا ضررَها، فيحتاجون إلى عالم بالسنة الراشدة: يَسُوسُهم، ويأمر بها، ويَحُضُّ عليها، ويُنكر على مخالفتها.

ومنهم: ذو رأي فاسدٍ، ولا يقصُد بالذات إلا لأضدادِ الطريقة المطلوبة، فيَضِلُّ ويُضِلُّ، فلا يستقيم أمرُ القوم إلا بكَبتِهٖ وإخماله.

ومنهم: ذو رأي راشدٍ في الجملة، لا يُدرک إلا حصةً ناقصةً من الاهتداء، فيحفظُ شيئاً، ويغيب عنه أشياءُ، أو يَظُنُّ في نفسهٖ أنه الكاملُ الذي لا يحتاج إلى مُكَمِّلٍ، فيحتاج إلى من يُنَبِّهُهٗ على جهله.

وبالجملة: فالناس يحتاجون لا مُحالة إلى عالمٍ حقَّ العلم، تُؤْمَنُ فَلَتَاتُهٗ.

ولما كانت المدينةُ – مع استبدادِ العقلِ المعاشي الذي يوجد عند كثير من الناس بإدراکِ النظام المُصلِحِ لها – تَضطرُّ إلى رجل عارف بالمصلحة على وجهها، يقوم بسياستها، فما ظنک بأمة عظيمة من الأمم، تَجمعُ استعداداتٍ مختلفةً جداً، في طريقةٍ لا يقبلها بشهادة القلوب إلا الأذكياءُ: أهل الفطرة الصافية أو التجريدِ البالغ، ولا يُهدىٰ إليها إلا الذين هم في أعلى درجة من أصنافِ النفوسِ، وقليل ما هم؟

وكذٰلک أيضاً لما كانت الحَدادةُ والنِّجارة وأمثالُها لا تَتَأَتّٰى من جمهور الناس إلا بسنن مأثورة عن أسلافهم، وأساتذةٍ يهدونهم إليها، ويحضونهم عليها، فما ظنک بهٰذه المطالب الشريفة التي لا يَهتدِي إليها إلا الموفَّقون، ولا يرغب فيها إلا المخلصون. (حجة اللّٰه البالغة)

ترجمہ: ''مبحثِ ششم ملی سیاست کا بیان:- دینی راہوں کے راہ نماؤں کی اور ملتوں کو استوار کرنے والوں کی ضرورت کا بیان:

اللہ پاک کا ارشاد ہے:'' آپ صرف ڈرانے والے ہیں، اور ہر قوم کے لئے راہ نما ہوتے رہے ہیں''۔

اور جان لیں کہ نیکی کے وہ طریقے جو کمانے والے ہیں (یعنی جن کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے) بہیمیت کی تابع داری کو ملکیت کے لئے، اور وہ گناہ جو نیکی کی اُن راہوں کے مبائن ہیں، اگر چہ عقلِ سلیم اُن پر دلالت کرتی ہے (یعنی عقل سے اُن کو سمجھا جاسکتا ہے) اور عقل سمجھتی ہے اِس (سننِ برّ) کے فوائد کو، اور اُن (گناہوں) کے نقصانات کو؛ لیکن لوگ ان کے بارے میں غفلت میں ہیں؛ اس لئے کہ لوگوں پر حجابات چھا جاتے ہیں، پس لوگوں کا وجدان خراب ہو جاتا ہے، جیسے صفراوی مزاج آدمی کا حال ہے، پس وہ تصور نہیں کر پاتے حالتِ مقصودہ کا (یعنی بہیمیت کی ملکیت کے لئے تابع داری کی حالت کا) اور نہ اس کے نفع کا، اور نہ خوف ناک حالت کا (یعنی حالتِ مقصودہ کی برخلاف حالت کا) اور نہ اس کے ضرر کا۔

پس وہ محتاج ہوتے ہیں راہِ ہدایت کے ایسے جاننے والے کی طرف جو اُن کے اُمور کا نظم انتظام کرے، اور اُن کو اُن اُمور کا حکم دے، اور اُن پر اُبھارے، اور اُن کی مخالفت کرنے پر نکیر کرے۔

اور کچھ لوگ فاسد الرائے ہوتے ہیں، وہ بالذات قصد نہیں کرتے مگر مطلوبہ طریقہ (بہیمیت کی اِطاعت واِنقیاد) کی اضداد ہی کا، پس وہ گمراہ ہوتا ہے اور گمراہ کرتا ہے، پس قوم کا معاملہ درست نہیں ہوسکتا، مگر اس کو ذلیل کرنے سے اور اُس کو گمنام کرنے سے۔

اور کچھ لوگ کسی درجہ میں درست رائے والے ہوتے ہیں، نہیں پاتے ہیں وہ مگر راہ یابی کا ناقص حصہ، پس وہ ایک چیز کو محفوظ رکھتا ہے اور اس سے بہت سی چیزیں غائب ہوجاتی ہیں، یا وہ اپنے بارے میں گمان کرتا ہے کہ وہ ایسا کامل ہے جس کو کسی تکمیل کنندہ کی حاجت نہیں، پس وہ (بھی) محتاج ہے اُس شخص کی طرف جو اُس کو اس کے جہل پر متنبہ کرے۔

اور حاصل کلام: پس لوگ لامحالہ محتاج ہیں ایسے جاننے والے کی طرف جو واقعی جانتا ہو،

جس کی غلطیوں کا اندیشہ نہ ہو۔

اور جب مملکت - عقل معاش کے مستقل ہونے کے باوجود جولوگوں میں سے بہت سوں کے پاس ہے، اس نظام کو سمجھنے میں جولوگوں کوسنوارنے والا ہے - مجبور ہوتی ہے ایسے شخص کی طرف جوملکی مصلحت کو بخوبی جاننے والا ہو، جواُن کوسنوارنے کا فریضہ انجام دے، پس کیا خیال ہے آپ کا اُمتوں میں سے ایک بہت بڑی اُمت کے بارے میں، جو بے حد مختلف استعدادوں کو اِکٹھا کئے ہوئے ہے، ایک ایسی ’’دینی راہ‘‘ کے بارے میں جس کو دل کی گواہی سے قبول نہیں کرتے، مگر اچھی نشو ونما پانے والے لوگ، صاف ستھری فطرت والے، یا انتہائی درجہ باطن کی صفائی کرنے والے، اور نہیں راہ نمائی کئے جاتے ہیں، اُس دینی راہ کی طرف مگر وہ لوگ جو اِنسانوں کی اَقسام میں سے اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں، اور وہ بہت ہی کم لوگ ہیں۔

اور نیز اِسی طرح جب آہن گری، نجاری (بڑھئی کا پیشہ) اور ان دونوں کے مانند (معمولی) پیشے، آسان نہیں ہوتے عام لوگوں کے لئے، مگر اُن طریقوں سے جو اُن کے اسلاف سے مروی ہیں، اور ایسے اَساتذہ سے جو اُن کے اُن پیشوں کی طرف راہ نمائی کریں اور اُن کو اُن پیشوں کی ترغیب دیں، پس کیا گمان ہے آپ کا اُن عمدہ (دینی) مقاصد کے بارے میں، جن کی طرف راہ نہیں پاتے مگر باتوفیق لوگ، اور جن کی رغبت نہیں کرتے مگر مخلص لوگ‘‘۔ (ترجمہ از رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ ۲/۳۴-۳۶، از: حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم)

بہر حال ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جب بھی اُس کو کوئی معاملہ پیش آئے، تو از خود شرعی رائے قائم کرنے کے بجائے سچے علماء راسخین کی طرف رجوع کرے، اور اُن سے شریعت کا حکم معلوم کر کے اُس کے مطابق عمل کرے، امتِ محمدیہ کے قیام و بقاء کے لئے یہ امر لازمی ہے۔

اِسی لئے بفضلہٖ تعالیٰ شروع سے آج تک یہ طریقہ رائج ہے کہ شخصی طور پر علماءِ راسخین کی طرف بھی عامۃ المسلمین اپنے معاملات میں رجوع کرتے ہیں، اور اُن اداروں کے دارالافتاء کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں جن کے متعلق اُن کو مکمل اعتماد ہے کہ وہاں سے جو جواب آئے گا وہ

عین شریعت کے مطابق ہوگا، جواب لکھنے والا مفتی وعالم کوئی بھی ہو۔

عزیز گرامی قدر مولوی مفتی محمد سلمان سلمہ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تکمیلِ افتاء وتدریبِ افتاء کرنے کے معاً بعد برادر مکرم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی قدس سرہٗ سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد کی نظرِ انتخاب آں عزیز پر پڑی اور مدرسہ شاہی کے نائب مفتی کی حیثیت سے ان کا تقرر ۱۹۹۰ء میں فرمایا، ساتھ میں یہ کرم فرمائی بھی کی کہ کتبِ افتاء کے علاوہ مسلم شریف، ہدایہ آخرین وغیرہ کے اسباق بھی آں عزیز سے متعلق کردیئے۔

بفضل اللہ تعالیٰ وتوفیقہ آں عزیز نے پورے انہماک واحساس وذمہ داری کے ساتھ فتویٰ نویسی اور تدریسی خدمات کو بخوبی انجام دینے کی ہمیشہ سعی کی ہے۔

دارالافتاء مدرسہ شاہی میں جوسوالات آئے، اورآں عزیز کے حوالہ کئے گئے، اُن کے جوابات مع حوالہ جات کتبِ فتاویٰ آں عزیز نے تحریر کئے، تقریباً ۲۵؍سالوں میں اُن کی بڑی مقدار جمع ہوگئی ہے، انہی میں سے منتخب فتاویٰ مرتب کرکے طباعت کا سلسلہ ''کتاب النوازل'' کے نام سے آں عزیز شروع کررہے ہیں، امید ہے کہ تیرہ چودہ جلدوں میں یہ کام پائے تکمیل کو پہنچے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

خداوندِ کریم اِس کو قبول فرماکر عوام وخواص کے حق میں مفید ترین بنائے، اورآں عزیز سلمہ کے حسنات میں اضافہ فرماکر مزید علم وعمل میں ترقی بخشے اورآخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے، اور آں عزیز کے لئے اوران کے والدین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد عثمان عفی عنہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۹؍ذی قعدہ؍۱۴۳۵ھ

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

ابتدائیہ

تقریظات وتأثرات

مُقَدِّمَۃ

باب:-۱۰ فقہ حنفی کا بنیادی منشور ۱۶۳

باب:-۱۱ فقہ حنفی کی تدوین اور بنیادی کتابیں ۱۷۶

باب:-۱۲ فقہاءِ احناف کے طبقات ۱۹۰

باب:-۱۳ فتویٰ نویسی کے چند اہم اصول ۱۹٦

باب:-۱۴ فتویٰ نویسی کے کچھ اہم آداب ۲۰۰

باب:-۱۵ فقہ حنفی کے موجودہ مراجع ۲۱۷

چند اردو فتاویٰ

باب:-۱۶ فقہ وفتاویٰ کی اہمیت ۲۳۲

باب:-۱۷ دارالافتاء مدرسہ شاہی اور اس کا منہج ۲۴۲

عقائد وایمانیات ۲۴۵

بدعات ورسومات ۴۴۹

مخصوص ایام کی رسومات ۴۹۲

مزارات اور قبروں سے متعلق بدعات و رسومات ۲۵۷

متفرقات

تقریظات وتأثرات:

□ محترم المقام حضرت مولانا **مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی** دامت برکاتہم
(خلیفۂ اجل حضرت فقیہ الامتؒ) مہتمم دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

عزیز گرامی مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری نائب مفتی واستاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، ان موفق علماء واَعیان میں سے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف النوع علمی ودینی خدمات کی سعادت سے سرفراز فرمایا ہے۔ وہ دور ابھی نگاہوں میں تازہ ہے جب عزیز گرامی دارالعلوم دیوبند کے ہوشیار اور سعادت مند طلبہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

اوران کی علمی لگن، جدوجہد، وقار ومتانت اوراساتذہ کے اعتماد سے بجا طور پر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ انشاء اللہ فراغت کے بعد علماء کرام کی صف میں موصوف نمایاں مقام کے حامل ہوں گے۔

بالائے سرش ز ہوش مندی ❖ می تافت ستارۂ بلندی

اور مستقبل نے اس اندازہ کو صحیح ثابت کردیا، چناں چہ فراغت کے بعد سے ہی مفتی صاحب درس وتدریس، وعظ وارشاد، تصنیف وتالیف، مضمون نویسی اور ''ندائے شاہی'' کی ادارت کے ساتھ ساتھ مدرسہ شاہی جیسے مرکزی ادارہ کے ''دارالافتاء'' سے وابستہ رہ کر ''فتویٰ نویسی'' کی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں۔

اب تک ان کے ذاتی فتاویٰ اور مسائل پر مشتمل کئی مجموعے زیور طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم کے درمیان مقبول ہوچکے ہیں، اوراب دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد سے جاری شدہ مفتی صاحب کے تحریر کردہ منتخب فتاویٰ کا مجموعہ ''کتاب النوازل'' کے نام سے طباعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ اس وقت میرے سامنے ''کتاب النوازل'' کی دو جلدیں ہیں، پہلا حصہ ''عقائد وایمانیات'' پر مشتمل ہے، جب کہ دوسرا ''کتاب العلم وغیرہ اور ردفرق باطلہ'' سے متعلق فتاویٰ پر مشتمل ہے۔

موصوف نے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اور استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ جیسے ماہرین فقہ وفتاویٰ کے زیر سایہ فتویٰ نویسی کی مشق کی ہے، اور خود مسلسل مطالعہ اور تحقیق وجستجو ان کا مزاج ہے، اس کا اثر ان کے فتاویٰ میں نمایاں ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ ''کتاب النوازل'' شائع شدہ کتب فتاویٰ میں ایک معتبر اور مقبول اضافہ کی شکل میں شامل ہوگی، اور اس سے علم وتحقیق کے دل دادہ افراد کو بہترین رہنمائی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے علمی افادات کا سلسلہ برابر جاری رکھے اور اس میں برکت عطا فرمائیں، آمین۔

(مفتی) ابوالقاسم نعمانی غفرلہ دارالعلوم دیوبند

۵/۷/۱۴۳۵ھ

❑ محترم المقام حضرت الاستاذ مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم

استاذ حدیث ونگراں شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمد سلمان منصور پوری استاذِ حدیث ومفتی مدرسہ شاہی مرادآباد جب سے جامعہ شاہی میں استاذ مقرر ہوئے ہیں، افتاء کا شعبہ بھی ان سے منسلک رہا ہے، وہ اس سے قبل رسم المفتی کی شرح ''فتاویٰ نویسی کے رہنما اصول'' کے نام سے تصنیف کر چکے ہیں، جو اہل علم کی نظر میں ایک معیاری کتاب سمجھی جاتی ہے۔

پیش نظر ''کتاب النوازل'' میں مولانا محمد سلمان منصور پوری نے اپنے فتاویٰ کو شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، جس کی ترتیب وتہذیب مولانا محمد ابراہیم صاحب غازی آبادی سے متعلق ہے، اس کی ترتیب وتہذیب میں مکرر فتاویٰ سے اجتناب کیا گیا ہے، الا یہ کہ خود سوال میں پہلے سوال سے زائد بات کا تذکرہ ہو، فی الحال ''کتاب النوازل'' جس قدر مبوب ومرتب ہوکر منظر عام پر آرہی ہے، وہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، کتاب الایمان والعقائد، کتاب العلم، تاریخ وسیر، تصوف وسلوک، دعوت وتبلیغ اور بدعات ورسومات سے متعلق مسائل ومباحث ہیں، اور فرقِ ضالہ کی ضلالت وگمراہی کے بیان پر مشتمل یہ مسائل تقریباً چھ سو فتاویٰ پر مشتمل ہیں، سابقہ کتابوں کی بنیاد پر اور اس کے ساتھ

جستہ جستہ خود کتاب کے ابواب پر نظر کرنے کے بعد، امید ہے کہ تمام مسائل صحیح ہیں اور ان کا بیان عمدہ وبہتر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

والسلام

نعمت اللہ غفرلہ

خادم الفقہ والحدیث دارالعلوم دیوبند

۲۶؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

❒ محترم المقام حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم

(مرتب وجامع ''ایضاح البخاری'' شرح صحیح البخاری) استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

مدرسہ شاہی مرادآباد کے دارالافتاء سے محترم مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری زید مجدہم کے قلم سے جاری کردہ فتاویٰ ترتیب وتعلیق کے بعد شائع ہو رہے ہیں، ترتیب وتعلیق کا کام عزیزم مولانا ابراہیم غازی آبادی سلمہ کر رہے ہیں۔

فتاویٰ کو صحاح کی ترتیب کے مطابق مدون کیا جارہا ہے کہ سب سے پہلے کتاب الایمان اور اس کے متعلقات، پھر کتاب العلم جس میں متعلقاتِ قرآن وحدیث، فقہ وفتاویٰ اور بدعات ورسومات سے اجتناب وغیرہ سے متعلق فتاویٰ ہیں۔

''کتاب النوازل'' کے نام سے شائع ہونے والے ان فتاویٰ کی دو جلدیں احقر کے سامنے ہیں، معلوم ہوا کہ ان دو جلدوں میں کئی ہزار فتاویٰ میں سے ایک ہزار سے کم فتاویٰ لئے گئے ہیں۔

تمام مسائل کے لئے مستند کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، زبان وبیان میں علمی اسلوب کے ساتھ سلاست وسہولت پائی جاتی ہے۔

راقم الحروف، صاحب فتاویٰ جناب مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری زید مجدہم اور مرتب فتاویٰ مولانا محمد ابراہیم غازی آبادی سلمہ کو سلیقہ کے ساتھ اس علمی خدمت کے انجام دینے پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہے کہ ان کو اپنی رضا کے لئے زیادہ سے

زیادہ علمی خدمات انجام دینے کی توفیق دے کہ اس سے ان پر عمل کرنے والوں کو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا، اور ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول کی دولت سے سرفراز کرے۔ آمین۔

والحمد للہ اولاً وآخراً

ریاست علی غفرلہ خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۲۵/رجب ۱۴۳۵ھ

❏ محترم المقام حضرت الاستاذ مولانا **مفتی حبیب الرحمٰن** صاحب خیرآبادی

دامت برکاتہم صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد!

اس میں شک نہیں کہ فتویٰ نویسی بہت اہم اور نازک کام ہے، مفتی کے لئے اصولِ فقہ پر گہری نظر، فقہی جزئیات، مسائل کا وسیع مطالعہ، کسی ماہر مفتی کی طویل صحبت اور احوالِ زمانہ سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے۔ مفتی کا لکھا ہوا فتویٰ حرفِ آخر ہوتا ہے؛ لیکن یہ کام پرخطر بھی ہے۔

اس کے باوجود دنیا کی زندگی سے فرار ممکن نہیں، ایسی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیش آنے والے مسائل سے آنکھیں بند کر کے رہنے کا جواز بھی نہیں نکلتا، لوگوں کی رہنمائی کے لئے اور انہیں شرعی احکام سے آگاہ کرنے کے لئے پیش آمدہ مسائل میں مفتیانِ کرام فتویٰ دینے کی خدمت انجام دیتے رہتے ہیں، اور الحمد للہ یہ مبارک سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

زیرِ نظر کتاب ''کتاب النوازل'' اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے، جو عزیز محترم، شاگرد رشید، مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری سلمہ نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے لکھے ہوئے ہیں۔

عزیز موصوف ماشاء اللہ صاحبِ صلاحیت، ذی استعداد، کتبِ فتاویٰ پر وسیع نظر رکھتے ہیں، مدرسہ شاہی مرادآباد میں عرصۂ دراز سے تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں، اس سے پہلے ''کتاب المسائل'' کے نام سے تین جلدوں میں نہایت مدلل چھپ کر

منظرِ عام پر آ چکی ہے، جو عوام وخواص میں مقبول ہے۔ (اور آگے بھی کام جاری ہے)

عزیز موصوف نے بڑی عرق ریزی اور محنتِ شاقہ کے ساتھ اس مجموعہ کو مرتب فرمایا ہے، غالبًا بارہ یا تیرہ جلدوں میں منظرِ عام پر آ رہی ہے، میں اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے پوری کتاب بالاستعاب نہ دیکھ سکا؛ لیکن سرسری طور پر مختلف مسائل پر نظر ڈالی، ماشاء اللہ سوالات کے جوابات بہت سلیقے کے ساتھ اور مدلل لکھے گئے ہیں۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی کاوشوں کو خوب قبول فرمائے اور لوگوں کو اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ مستفیض فرمائے، اور مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

والسلام

حبیب الرحمٰن خیرآبادی عفا اللہ عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۷/۷/۱۴۳۵ھ

□ محترم ومکرم حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی صاحب دامت برکاتہم

استاذِ ادب عربی وچیف ایڈیٹر ماہنامہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے استاذ ومفتی مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری قاسمی کے فتاویٰ کا مجموعہ دو ضخیم جلدوں میں راقم کے سامنے ہے، پہلی جلد ''عقائد وایمانیات'' اور دوسری جلد ''کتاب العلم ورد فرق باطلہ'' کے مسائل پر مشتمل ہے۔ راقم نے جستہ جستہ دونوں جلدوں کے مشمولات پر نظر ڈالی اور حتی المقدور اُن سے استفادہ کیا۔ جیسا کہ مفتی صاحب موصوف نے خود ہی فرمایا ہے کہ اِن سارے مسائل پر جن سے موصوف نے تعرض کیا ہے، اکابر علما ومفتیانِ سلف کام کر چکے ہیں؛ لیکن اُن کی تحقیقات کو ہی موصوف نے تعبیرات دی ہیں اور عصری تقاضوں کی روشنی میں شرعی واُصولی دلائل سے کام لیا ہے، جس سے تازہ واردان بساطِ اِفتا کو کام کرنے کا ڈھنگ اور دلائل سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کا ہنر معلوم ہوتا ہے۔

مسائل کی زبان بہت رواں وبرجستہ ہے اور استدلال کا رنگ انتہائی واضح اور آسان

ہے۔موصوف حسبی ونسبی عظمت وذاتی صالحیت کے حامل، وسیع العلم وعمیق العلم عالم اور دقیق النظر مفتی ہیں اور ساتھ ہی اچھے خطیب وشستہ قلم اہل قلم ہیں؛ اس لئے جو کچھ لکھتے اور بولتے ہیں اس میں علمی پختگی کے ساتھ ایک تجربہ کار قلم کار کی روانی وجولانی بھی ہوتی ہے؛ ورنہ ''فقیہ'' و''ملاّ'' کی زبان کی پیچیدگی ضرب المثل کا درجہ رکھتی تھی۔ مفتی صاحب جیسے نسلِ نو کے مفتیانِ کرام وعلماے عظام نے اپنی سلیس اور خوبیوں بھری علمی تحریروں کے ذریعے اس خیال کے بطلان پر مہر لگا دی ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک بڑا عالم ومفتی بڑا اہل قلم بھی ہوسکتا ہے اور اپنی علمی تحریروں کے ذریعہ تحریری جمال وکمال کے لعل وگہر بھی لٹا سکتا ہے۔ اس طرح یہ کتاب عام مسلمانوں کی دلچسپی کا بھی اپنے اندر بے پایاں وسامان رکھتی ہے۔ دینی معلومات میں اضافے کے لئے کوئی عجمی پڑھا لکھا شوق وذوق سے اس کو پڑھے گا اور کسی اُکتاہٹ کے بغیر پڑھتا چلا جائے گا۔

توقع ہے کہ فتاویٰ کا یہ مجموعہ بہت مقبول ومحبوب ہوگا اور طلبہ وعلما اور فقہ وفتویٰ واجتہادی عمل سے وابستہ لوگ اس سے بے پناہ فائدہ اٹھائیں گے اور صاحبِ فتاویٰ کے لئے یہ صدقۂ جاریہ اُن کی میزانِ حسنات کے پلڑوں کے توقع سے کہیں زیادہ وزنی ہونے کا سبب بنیں گے۔ وذٰلک ہوالفوز العظیم۔

۲۶؍رجب ۱۴۳۵ھ — نور عالم خلیل امینی

۲۶؍مئی ۲۰۱۴ء — استاذِ ادب عربی ورئیس التحریر ''الداعی''

۱۱بجے صبح دوشنبہ — دارالعلوم دیوبند

❑ محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی زید کرمہم

مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذي نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، والصلاة والسلام على شمس الهداية واليقين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

يا رب صل وسلم دائماً أبداً ❖ على حبيبك خير الخلق كلهم

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد کی

دینی خدمات قابلِ رشک ہیں، اُنہیں اللہ تعالیٰ نے رسوخ فی العلم کی نعمت سے نوازا ہے، اور اُن کے اوقات میں برکت عطا فرمائی ہے، ماضی میں اُن کا قلم متعدد وقیع، علمی تصانیف اُمت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے، جنہیں عام مسلمانوں میں قبول عام حاصل ہوا ہے، اور علماء کرام نے ان کی تحریروں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔**

اس وقت احقر کو بے پناہ خوشی ہو رہی ہے کہ لگ بھگ ۲۵؍ سالہ دور میں اُنہوں نے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے دارالافتاء سے جو فتاویٰ اپنے قلم سے جاری کئے ہیں، وہ معرضِ اشاعت میں آرہے ہیں، اور ان جاری شدہ فتاویٰ میں سے ہر ایک اس نا اہل کی نظر سے گذر چکا ہے، الا یہ کہ کسی موقع پر مختصر یا طویل سفر کے دوران غیبوبت کی وجہ سے جو فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں، وہ احقر کی نظر سے نہیں گذر سکے، اور ایسے فتاویٰ کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے دارالافتاء سے ہر فتویٰ معتبر کتابوں کے حوالوں کے ساتھ مدلل کر کے جاری کرنے کا معمول رہا ہے، اور بعض جوابات میں کئی کئی کتابوں سے جزئیات اور حوالے درج کئے جانے کا دستور رہا ہے، فتاویٰ کے اس طرز تحریر کی وجہ سے منظر عام پر آنے والے اِس ذخیرہ سے اہلِ علم اور فقہ و فتاویٰ سے مناسبت اور ذوق رکھنے والے علماء اور طلبہ کو انشاء اللہ تعالیٰ حیرت انگیز فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

احقر مفتی صاحب موصوف کو اس موقع پر تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ ربِ کریم فتاویٰ کے اس ذخیرہ کو قبول عام فرمائے اور موصوف کے لئے ذریعہ نجات بنائے، آمین۔ **والحمد للّٰہ أولاً وآخراً۔**

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

□ **محترم و مکرم حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب دامت برکاتہم**

(مرتب: فتاویٰ محمودیہ) شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

مکرم و محترم حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری زید مجدہم استاذِ حدیث

ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کو سعادت ونجابت شرافت خاندانی ورثہ میں ملیں، اپنے خاندانی بزرگوں اور مشائخ کے زیر سایہ بچپن میں پرورش پائی۔

پھر دارالعلوم دیوبند کا پاکیزہ اور نورانی ماحول میسر آیا، دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور تکمیل علوم کے بعد دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں اکابر مفتیان دارالعلوم بالخصوص فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور فقیہ النفس حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی خاص نظر شفقت وعنایت کے زیر سایہ فتویٰ نویسی کی مشق کی اور فقہ وفتاویٰ میں خاص بصیرت وتعمق حاصل کیا۔

اور اپنی فطری ذہانت وذکاوت اور فطانت، طبیعت میں سلامت روی وجذبۂ خدمتِ خلق اور دیگر خداداد صفاتِ حمیدہ کی وجہ سے اپنے اساتذہ کی نظر میں وقعت وعظمت، محبت وقبولیت اور اعتمادِ خاص کا درجہ حاصل کیا اور پھر درس وتدریس، فتویٰ نویسی، تصنیف وتالیف، رشد وہدایت، کتاب وسنت کی اشاعت اور احیاءِ علوم کے لئے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد جیسا باعظمت وباوقار ادارہ اور مرکز میسر آیا۔ جس میں ایک طویل عرصہ سے صبر واستقامت، اخلاص وللّٰہیت، ریاضت ومجاہدہ، عزیمت وتوکل اور بزرگانہ صفات؛ تواضع وعبدیت کے ساتھ خدماتِ جلیلہ انجام دے رہے ہیں۔ اصلاحِ امت کا خاص جذبہ اور فکر ودرد کی وجہ سے متعدد اصلاحی کتب بھی شائع ہوکر قبولِ خاص وعام حاصل کرچکی ہیں، اور شروع ہی سے فتویٰ نویسی کا سلسلہ بھی جاری ہے، اور حضرت مفتی صاحب زیدمجدہم کے فتاویٰ اکابر اہل علم کی نظر میں خاص وزن رکھتے ہیں، اور کسی مضمون اور فتویٰ کی نسبت حضرت مفتی صاحب زیدمجدہم کی طرف ہونا ہی اس کے اعتماد کے لئے کافی ہے۔

اس طرح حضرت مفتی صاحب زیدمجدہم کے ظاہری وباطنی علوم اور فیوض وبرکات کا سلسلہ ملک وبیرونِ ملک میں پھیلا ہوا ہے۔

حضرت مفتی صاحب زیدمجدہم کے ہزاروں فتاویٰ میں سے انتخاب کرکے ''کتاب النوازل'' کے نام سے دوجلدیں شائع کی جارہی ہیں، جن میں موجودہ دور کی اہم ضرورت سے متعلق فتاویٰ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بندہ نے سرسری نظر سے دونوں جلدوں کے فتاویٰ کو دیکھا ہے،

سب فتاویٰ مستند اور مدلل ہیں۔ امید ہے کہ بقیہ جلدیں بھی جلد اشاعت پذیر ہوکر امت کی ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنیں گی۔

بندہ عاجز حضرت مفتی محمد سلمان صاحب زید مجدہم اور ان کے رفقاء کار کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہے، اور دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بے حد قبول فرمائیں، ان کی افادیت کو عام وتام فرمائیں، اور حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کا سایہ صحت وعافیت اور فیوض وبرکات کے ساتھ درازتر فرمائیں، اور بے شمار مخلوق کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائیں، اور ان کے تمام رفقاء کار کو بھی جزائے خیر عطا فرمائیں اور قبول فرمائیں، آمین۔ فقط والسلام

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ یوپی

۲۷/۷/۱۴۳۵ھ

❏ برادرِ مکرم حضرت مولانا **اشہد رشیدی صاحب** زید کرمہم
مہتمم واستاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، اما بعد!

ملک میں موجود مراکزِ افتاء میں مدرسہ شاہی کے دارالافتاء کو ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے، ہر دور میں اصحابِ فضل وکمال اور ماہرینِ شرع مبین اس سے وابستہ رہے ہیں، ذمہ دارانِ مدرسہ کی بھی اس شعبہ کی ترقی پر خاص نظر رہی ہے، بالخصوص والدِ مرحوم حضرت اقدس مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم جامعہ ہذا کو مدرسہ شاہی کے دارالافتاء کو معیاری اور قابلِ اعتبار بنانے کی بڑی فکر رہتی تھی، حضرت والد صاحب مرحوم مستقل ایسے افراد کی تلاش میں رہے جو اِس شعبہ کی نیک نامی کا ذریعہ بن سکیں، اُنہوں نے ہی حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب اور حضرت مفتی محمد سلمان صاحب (صاحبِ فتاویٰ ہذا) کا تقرر فرمایا اور صرف اِن حضرات سے کام ہی نہیں لیا؛ بلکہ ہر موقع پر ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی، اور بھرپور تعاون سے نوازا۔

چناں چہ آج مفتیانِ کرام جامعہ کی محنت ولگن اور ذاتی صلاحیتوں کی وجہ سے دارالافتاء مدرسہ شاہی کو جو وقار اور نیک نامی حاصل ہے، اِس میں حضرت مولانا سید رشید الدین صاحبؒ سابق مہتمم جامعہ کی کوششوں اور توجہات کا بھی بڑا دخل ہے، **فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ أحسن الجزاء۔**

برادرِ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ مفتی مدرسہ شاہی جہاں ایک طرف محدث اور فقیہ ہیں، وہیں دوسری طرف اہلِ قلم اور صاحبِ فہم وفراست بھی ہیں، اللہ رب العزت نے موصوف کو عقل وتدبر، علم وعمل اور معاملہ فہمی کی خصوصی صلاحیتوں سے نوازا ہے، جس کی وجہ سے ان کے فتاویٰ کی زبان نہایت شستہ، اُسلوب؛ عام فہم اور انداز؛ نہایت واضح اور دوٹوک ہوتا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

درالافتاء مدرسہ شاہی میں آنے والے استفتاء کے وہ جوابات اور فتاویٰ جو حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ نے تحریر کئے تھے، اُن کو افادۂ عام کے لئے نئی ترتیب، حذف واضافہ اور مزید تحقیق وتنقیح کے بعد کتابی شکل دے دی گئی ہے، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اُمید ہے کہ یہ علمی ذخیرہ عوام وخواص سب کے لئے یکساں مفید ہوگا، اللہ رب العزت اِس محنت کو قبول فرمائے، حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی عمر میں برکت عطا فرمائے، اور اُن کے فیض کو مزید عام وتام فرمائے، آمین۔

فقط والسلام

اشہد رشیدی غفرلہ

(مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد)

۱۵/۷/۱۴۳۵ھ

مُقَدِّمَۃ

کتابُ النوازل

○ مصادر شریعت ○ اجتہاد واستنباط ○ ائمہ اربعہ کی تقلید ○ فقہ حنفی کا تعارف اور بنیادی ماخذ ○ فتویٰ نویسی کے اصول وآداب ○ عربی اور اُردو کتبِ فتاوی اور اس جیسی بہت سی مفید مباحث کا گراں قدر مجموعہ

تحریر:

مفتی محمد سلمان منصور پوری

نائب مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد

باب: -۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آسمانی ہدایت کے بغیر نجات نہیں

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاً اپنی حکمتِ بالغہ سے انسانوں کی پیدائش کا فیصلہ فرمایا، اورنوعِ انسانی کے سب سے پہلے فرد سیدنا حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت وتکریم فرماتے ہوئے ان کو مسجودِ ملائکہ بنایا، جس کی تفصیلات قرآنِ کریم میں کئی جگہ موجود ہیں۔

اس کے بعد جب دنیا کو آباد کرنے کی غرض سے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اُترنے کا حکم ہوا، تو اُسی وقت یہ واضح کردیا گیا کہ انسانوں کو دنیا میں من مانی اور من چاہی زندگی گذارنے کے لئے نہیں بھیجا جارہا ہے؛ بلکہ وہ دنیا میں جاکر آسمانی ہدایتوں کے پابند رہیں گے، جبھی اُنہیں کامیابی اور نجات ملے گی۔ اور اگر انہوں نے خداوندی احکام اور ہدایات کی پابندی نہ کی تو ان کا انجام اچھا نہ ہوگا، اِسی کو قرآنِ پاک کی اس آیت میں واضح کیا گیا ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ. (البقرۃ: ۳۸-۳۹)

ہم نے حکم دیا کہ یہاں سے تم سب نیچے جاؤ، پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اور جو لوگ منکر ہوئے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، وہ ہیں دوزخ میں جانے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ انسان کی حقیقی کامیابی کا مدار اپنے خالق ومالک کی

اطاعت پر ہی موقوف ہے؛ بلکہ بالفاظِ دیگر یہ کہنا چاہئے کہ جو انسان اپنے رب کی معرفت واطاعت سے بہرہ ور ہو، وہی حقیقت میں انسانیت کی تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے، اور جو اس معیار پر پورا نہ اترے، وہ اگر چہ دیکھنے میں انسان نظر آتا ہو؛ لیکن دراصل وہ جانوروں اور چوپایوں سے بھی بدتر ہے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ. (الأعراف: ۱۷۹)	اور ہم نے جہنم کے واسطے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے، ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ چوپاؤں کی طرح؛ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، وہی لوگ غفلت میں پڑے ہیں۔

لٰہذا یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کے لئے آسمانی ہدایت کے بغیر کامیابی کا کوئی تصور نہیں۔

آسمانی ہدایت کے ذرائع

اب ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت بندوں تک کیسے پہنچے؟ تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یہ نظام قائم فرمایا کہ انسانوں ہی میں سے کچھ منتخب بندوں کو اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ بنایا، اور ان پر کتابیں، صحیفے اور ہدایتیں بذریعہ وحی نازل فرمائیں، ایسے منتخب انسانوں کو ''رسول'' اور ''نبی'' کہا جاتا ہے، رسول کے معنیٰ ''قاصد'' کے آتے ہیں، اور نبی کے معنیٰ ''اللہ کی طرف سے غیبی خبریں بتانے والے'' کے آتے ہیں۔ (مستفاد: فتح الملہم ۱/۱۱۲)

ان انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ سیدنا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوا، اور ہمارے آقا اور سردار، سرورِ عالم، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا، اس درمیان ہزاروں انبیاء علیہم السلام وقفہ وقفہ سے دنیا کے مختلف خطوں میں مبعوث کئے گئے، جن کی بنیادی تعلیمات – یعنی عقیدۂ توحید، رسالت اور آخرت – مشترک تھیں؛ البتہ جزئی احکامات میں

قدرے فرق رہا، یہ سب انبیاء علیہم السلام اپنی خداداد صلاحیتوں اور حیرت انگیز کمالات کی وجہ سے بقیہ تمام انسانوں سے ممتاز رہے، اور ان کے ہاتھوں پر ایسے معجزات اور نا قابل تردید نشانیاں ظاہر ہوئیں جنہیں دیکھ کر لوگ یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ واقعی اللہ کے منتخب بندے اور رسول ہیں۔

رسولوں کے بعض امتیازات

خاص طور پر تمام انبیاء علیہم السلام میں دو باتیں سب سے نمایاں تھیں:

(۱) کسی بھی نبی نے دنیا میں کسی استاذ کے سامنے شاگردی اختیار نہیں کی؛ بلکہ ان کو جو بھی معلومات اور کمالات حاصل ہوئے، وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے، ان کی تحصیل کی میں کسی انسان کا واسطہ نہ تھا۔

(۲) ہر نبی ہر طرح کی برائی اور گناہ سے محفوظ رکھا گیا، تمام تر جسمانی قوت وطاقت اور استعداد پائے جانے کے باوجود حرام باتوں سے محفوظ رہنا، جسے شریعت کی اصطلاح میں ''عصمت'' کہتے ہیں، یہ انبیاء علیہم السلام کا خاص امتیاز رہا، اور یہ اس وجہ سے تھا؛ تاکہ جب وہ اپنی قوم کو بھلائی کی طرف دعوت دینے کے لئے جائیں تو کوئی شخص ان کے کردار پر انگلی رکھنے کی ہمت نہ کر سکے۔ (شرح فقہ اکبر ۵٦)

ان انبیاء علیہم السلام پر اللہ کی طرف سے ''وحی'' کا نزول ہوتا تھا، جو دو طرح کی ہوتی تھی، بعض وحی ایسی ہوتی تھیں جن کا تعلق کتابِ خداوندی سے تھا، اور دیگر وحی عام ہدایات سے متعلق ہوتی تھیں، ان کو بعینہٖ کتاب کی طرح پڑھنا ضروری نہ تھا، اول کو ''وحی متلوٗ'' اور دوسری کو ''وحی غیر متلوٗ'' کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں۔

سابقہ رسولوں اور کتابوں پر ایمان

انبیاء پر نازل شدہ کتابیں اپنے اپنے زمانہ میں واجب الاتباع تھی، اسی لئے قرآنِ پاک میں جہاں ایمانیات کا ذکر ہے، ان میں رسولوں کے ساتھ اُن پر نازل شدہ کتابوں پر بھی یقین کو ضروری قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِيْ أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا. (النساء: ١٤٦)

اے ایمان والو! یقین کرو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر جو پہلے (رسولوں پر) نازل کی تھی، اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور آخرت کے دن پر، وہ بہک کر بہت دور جا پڑا۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ. (البقرة: ٢٨٥)

مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی (یقین کرلیا) سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے (یعنی سب کو مانتے ہیں) اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا، اے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے اپنے زمانہ میں تمام انبیاء علیہم السلام بھی مرکز ہدایت اور مطاع تھے، اسی طرح ان پر نازل ہونے والی کتابیں بھی حتمی حیثیت رکھتی تھیں، اور ان کی رہنمائی کے بغیر نجات کا کوئی سوال نہ تھا، اور ان رسولوں کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ کل قیامت میں کوئی یہ نہ کہے کہ ہمارے پاس ہدایت نہیں پہنچی۔ اسی کو قدرے تفصیل کے ساتھ قرآنِ پاک کی ان آیات میں واضح فرمایا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا. وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا. رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا. (النساء: ١٦٣-١٦٤-١٦٥)

ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی جیسے وحی بھیجی نوح پر اوران کے بعد آنے والے نبیوں پر، اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان پر، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی، اور بھیجے ایسے رسول جن کے احوال ہم نے آپ کو اس سے پہلے سنائے، اور ایسے رسول جن کے حالات کا آپ کے سامنے ہم نے ذکر نہیں کیا، اور باتیں کی اللہ نے موسیٰ سے بول کر، اور ہم نے پیغمبر بھیجے خوش خبری اور ڈرانے والے؛ تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد، اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

الغرض سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت فرمائی تھی، اسی کے مطابق دنیا میں پیغمبروں کے ذریعہ رہنمائی کا تسلسل جاری رکھا گیا۔

حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کی بعثتِ مبارکہ

تا آں کہ وہ مبارک دور آیا جب ان سب ہدایتوں کی آخری مرحلہ میں تکمیل ہوگئی، اور سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء والمرسلین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ''رحمۃ للعالمین'' بن کر کائنات کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے، اور آپ کو ''خاتم النبیین'' کا لقب عطا ہوا؛ کیوں کہ آپ پر نازل کردہ شریعت کے بعد اب مزید کسی ہدایت کی ضرورت نہ رہی تھی۔ چناں چہ حجۃ الوداع کے موقع پر قرآنِ کریم کی ایک آیت کے ذریعہ یہ اعلان کرایا گیا:

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدۃ: ۳)

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین، اور میں نے تم پر اپنا احسان مکمل کر دیا، اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

نیز اعلان ہوا :

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ. (ال عمران: ۱۹)

بے شک اللہ کے نزدیک دین یہی اسلام (حکم برداری) ہے۔

نیز ارشاد ہوا:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِيْ الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. (ال عمران: ۸۵)

اور جو کوئی دین اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب چاہے تو ہرگز اس کی طرف سے قبول نہ ہوگا، اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں ہوگا۔

اور متعدد جگہ ارشاد فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. (براءۃ: ۳۳)

اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور کیا دین دے کر؛ تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر، اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ آپ اعلان فرمادیں:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ، فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (یوسف: ۱۰۸)

آپ فرمادیجئے کہ یہ میری راہ ہے، میں اور جو لوگ میرے ساتھ ہیں وہ سمجھ بوجھ کر اللہ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

مذکورہ بالا آیات یہ واضح کررہی ہیں کہ اب انسانیت کی نجات اور فلاح صرف اور صرف شریعتِ محمدی کی پیروی ہی میں منحصر ہے، اب تمام سابقہ شریعتیں اور کتابیں دینِ محمدی کی آمد کے بعد منسوخ ہوچکی ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور عالمی پیغمبر ہیں

سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے اب آپ کے بعد کسی کو نبوت سے نہیں نوازا جائے گا جیسا کہ قرآن پاک اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ. [الأحزاب: ٤٠]	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین (سب نبیوں پر مہر) ہیں۔

اور "خاتم النبیین" کی تشریح خود نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے "لا نبی بعدی" (میرے بعد کوئی نبی نہیں) کہہ کر ارشاد فرمادی ہے۔ (ابوداؤد شریف ۲/۲۲۴ عن ثوبانؓ) اس لئے اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر اور عالمی رسالت و نبوت کا اعلان درجہ ذیل آیت میں کیا گیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ، فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ. [الأعراف: ١٥٨]	اے پیغمبر! آپ اعلان فرمادیجئے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبیٔ امی پر ایمان لاؤ جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اب تا قیامت ذریعۂ نجات و ہدایت صرف اور صرف شریعت محمدی ہے اس کے بغیر اخروی نجات کا کوئی تصور نہیں؛ اسی لئے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ عالی ہے:

لَوْ كَانَ مُوْسىٰ حَيًّا لَمَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِيْ. اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیات ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر چارۂ کار نہ تھا۔ (الأسرار المرفوعة ٢٥٨ رقم: ٣٧٩، مسند أحمد ٣٣٨/٣ رقم: ١٤٥٦٥، إسناده حسن)

پس اب کسی انسان کو اس میں شبہ نہ رہنا چاہئے کہ کوئی سابقہ آسمانی دین؛ اسلام کے علاوہ اب تقربِ خداوندی اور نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اور جب آسمانی مذاہب کا یہ حال ہے تو غیر آسمانی مذاہب کے معتبر ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تا قیامت شریعت پر عمل کیسے؟

جب یہ بات طے ہوگئی کہ دین محمدی کے علاوہ کوئی راہِ عمل نہیں ہے، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں (عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات) کے بارے میں شریعت سے رہنمائی کیسے حاصل ہو؟ جو رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کے لئے مشعل راہ بن سکے، تو اس بارے میں اگر یہ صورت اپنائی جاتی کہ قیامت تک پیش آنے والے تمام جزئیات وکلیات کو بذریعہ وحی تفصیلاً بیان کیا جاتا، تو اتنی طوالت ہو جاتی کہ اس کا سنبھال کر رکھنا سخت مشکل ہوتا اور بعد کے غیر متصور حالات کا پیشگی ادراک کرنا بھی انسان کے بس سے باہر ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی رہنمائی کے لئے یہ صورت اختیار فرمائی کہ بنیادی طور پر کتاب وسنت میں اصول ذکر فرمادئے، اور پھر امت کے مجتہدین کو ہدایت کی گئی کہ وہ تخریج واستنباط کر کے پیش آمدہ مسائل کے احکامات متعین کریں، اور جو لوگ اجتہادی مطلوبہ شرائط کے حامل نہ ہوں ان کو پابند کیا گیا کہ وہ واقف کاروں سے مسائل معلوم کر کے عمل کرلیا کریں۔ پھر جب امت کے معتبر اور باصلاحت علماء نے اس راہ میں خدمت شروع کی تو تمام شرعی احکامات کے لئے تین مصادر: (۱) کتاب اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ (۳) اور اجماعِ کو بنیاد بنایا (۴) اور مذکورہ مصادر سے مستفاد ''قیاس'' کو قانونِ شریعت کا چوتھا ماخذ قرار دیا، انہی چار بنیادوں پر پوری ''فقہ اسلامی'' کا مدار ہے۔

باب: -۲

کتاب اللہ

خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے ۲۳ رسال میں وقفہ وقفہ سے جو کتاب نازل فرمائی، اس کو ''قرآنِ کریم'' کہا جاتا ہے، یہ شریعتِ اسلامی کا سب سے اہم ماخذ ہے، جس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، جیسا کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں نہایت پرشوکت انداز میں اعلان کیا گیا ہے:

الٓمّٓ. ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ. (البقرۃ: ۱-۲)

اس کتاب میں کچھ شک نہیں، یہ متقین کے لئے رہنما ہے۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ تْکُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًی وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ. (سورہ یونس: ۵٦)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا اور ایمان والوں کے لئے ہدایت ورحمت (والی کتاب) پہنچ چکی ہے۔

اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''عنقریب اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے نمودار ہوں گے'' (یعنی گمراہیاں پھیل جائیں گی اور حق وباطل میں اشتباہ ہوجائے گا) تو میں نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! ان فتنوں سے بچنے کی کیا شکل ہوگی''؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

کِتَابُ اللّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْهِ نَبَأُ مَنْ قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ هُوَالْفَصْلُ لَیْسَ

یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآنِ مقدس) ہے، اس میں تمہارے پہلے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے حالات مذکور ہیں، اور وہ تمہارے درمیان

بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى مِنْ غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللّٰهُ، هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَنُوْرُهُ الْمُبِيْنُ، وَالذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، وَهُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الأَلْسِنَةُ، وَلَا تَنْشَعِبُ مَعَهُ الآرَاءُ، وَلَايَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ، وَلَا يَمَلُّهُ الْأَتْقِيَاءُ، وَلَا يُخْلَقُ عَلٰى كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ، وَهُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ إِذْ سَمِعَتْهُ أَنْ قَالُوْا: ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا الخ﴾ مَنْ عَلِمَ عِلْمَهُ سَبَقَ وَمَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ أُجِرَ، وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ، خُذْهَا إِلَيْكَ يَا أَعْوَرُ. (رواه الدارمي في فضائل القرآن ۲/۴۳۵-۴۳۶، والترمذي في باب ما جاء في فضل القرآن ۲/۱۸۸، حديث: ۲۹۰۶ وقال: إسناده مجهول، مقدمة تفسير قرطبي ۱/۱٦)

فیصلہ کن کتاب ہے، وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی ہے، کوئی دل لگی نہیں ہے، جو کسی زور آور کے ڈر سے اسے چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل فرمادیں گے۔ اور جس نے قرآن کے علاوہ سے ہدایت ڈھونڈی اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کردیں گے، وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، اور اس کا واضح نور ہے، اور حکمت والی نصیحت ہے اور وہ سیدھا راستہ ہے، یہی وہ کتاب ہے جس پر عمل کرنے سے خواہشات غلط روی میں مبتلا نہیں ہوتیں، اور زبانیں دھوکہ نہیں کھاتیں اور آراء میں اختلاف نہیں ہوتا، اس (کے علوم) سے علماء کو کبھی سیری نہیں ہوتی اور تقویٰ والے لوگ اس سے کبھی نہیں اکتاتے اور کثرت سے دہرانے کے باوجود وہ کبھی پرانا نہیں ہوتا، اور اس کی عجائبات غیر متناہی ہیں، اور یہی وہ کتاب ہے جسے سن کر جنات یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ''ہم نے ایسا عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے''، جو قرآن کا علم سیکھے وہ سبقت لے جائے گا، جو قرآن کی بات کہے وہ سچا ہوگا، جو قرآن کے ذریعہ فیصلہ کرے گا وہ عدل وانصاف کرنے والا ہوگا، اور جو اس پر عمل کرے

اسے اجر وثواب ملے گا، اور جو قرآنِ کریم کی
طرف دعوت دے گا وہ سیدھی راہ پائے گا، اے
اعور (پیار بھرا خطاب) اسے گرہ سے باندھ لو۔

قرآن کی تمام آیات قطعی الثبوت ہیں؛ البتہ دلالت اور مفہوم کے اعتبار سے بعض آیتیں قطعی الدلالہ ہیں اور بعض ظنی الدلالہ ہیں، پس جو آیات قطعی الدلالہ ہوں، ان پر عمل متعین ہے، اور جو ظنی الدلالہ ہیں ان کے معنی دیگر قرائن سے متعین کرنے کے بعد ہی عمل کیا جاتا ہے۔

قرآن کے سات حروف میں نازل کئے جانے کا مطلب

صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآنِ کریم کو تلاوت میں سہولت کے لیے سات حروف پر نازل کیا گیا تھا، چناں چہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ هٰـذَا الْـقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ. یہ قرآن کریم سات حروف پر اترا ہے، پس جو تمہیں آسان ہو اس پر قرأت کرو۔

(صحيح البخاري رقم: ٤٩٩٢، فتح الباري ٢٨/١١)

ان "سات حروف" کی تشریح وتعیین میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، جن میں سے ہم صرف دو مشہور قول ذکر کرتے ہیں:

پہلا قول

(۱) علامہ ابن جریر طبریؒ اور علامہ طحاویؒ اور بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مختلف قبیلوں میں رائج ہم معنی الفاظ مراد ہے، جن سے قرآن کے اصل معنی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، مثلاً: عربی میں تین الفاظ ہیں: أَقْبِلْ، تَعَالَ، هَلُمَّ، اور تینوں کے معنی یہ ہیں کہ: "ادھر آؤ"۔

نیز اس کی مثال قرآنی آیات میں اس طرح ہے کہ سورۂ حدید میں منافقین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایمان والوں سے کہیں گے: "اُنْظُرُوْنَا"، اسی لفظ کو بعض حضرات نے "اَمْهِلُوْنَا، اَخِّرُوْنَا، اَرْقُبُوْنَا" سے نقل کیا ہے، ان تینوں الفاظ کے معنی ایک ہیں، اسی طرح آیت: ﴿كُلَّمَا

اَضَآءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيْهِ﴾ میں "مشوا" کی جگہ "مروا" یا "سعوا" پڑھا جائے تو شروع میں اس کی گنجائش دی گئی تھی؛ تاکہ عربی بولنے والے مختلف قبائل کے لوگوں کے لئے قرآن پڑھنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

دوسرا قول

(۲) علامہ ابن قتیبہؒ، امام مالکؒ، قاضی ابوبکرؒ، ابن الطیبؒ، امام ابوالحسن اشعریؒ، قاضی عیاضؒ اور ملاعلی قاریؒ وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے اختلافِ قراءت مراد ہے، جس کی فی الجملہ سات صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف:- حرکت بدل جائے؛ لیکن معنی اور صورت نہ بدلے، جیسے: "هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ" کے بجائے "هُنَّ اَطْهَرَ لَكُمْ" پڑھا جائے، تو اس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

ب:- صورت نہ بدلے؛ لیکن اعراب بدلنے سے معنی بدل جائیں، جیسے: "رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" کے بجائے "رَبُّنَا بَاعَدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" پڑھیں۔

ج:- الفاظ کی صورت باقی رہے، لیکن حروف بدلنے سے معنی بدل جائیں، جیسے: "نُنْشِزُهَا" کے بجائے "نَنْشُرُهَا" پڑھیں۔

د:- آیت کی صورت بدل جائے؛ لیکن معنی باقی رہیں، جیسے: "كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ" کے بجائے "كَالصُّوْفِ الْمَنْفُوْشِ" پڑھیں۔

ہ:- صورت اور معنی دونوں بدل جائیں، جیسے: "وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ" کے بجائے "وَطَلْعٍ مَّنْضُوْدٍ" پڑھیں۔

و:- الفاظ آگے پیچھے ہوجائیں؛ لیکن معنی میں کچھ فرق نہ ہوں، جیسے: "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ" کے بجائے "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ" پڑھیں۔

ز:- الفاظ میں کمی یا زیادتی کردی جائے؛ مگر معنی نہ بدلیں، جیسے: "تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً" کے بعد "اُنْثٰی" بڑھادیں۔ اور "وَاَمَّا الْغُلَامُ" کے بعد "فَكَانَ كَافِرًا" بڑھادیں۔

تو ان مذکورہ بالاصورتوں میں معنی میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی؛ لیکن اُن سات وجوہ کی وجہ سے قرأت میں فرق ہوگیا۔ (مقدمہ تفسیر قرطبی ۱/۳۹-۴۹، فتح الباری ۹/۳۴)

اور امام ابوالفضل رازیؒ نے ان وجوہ قراءت کا استقراء درج ذیل سات اقسام سے کیا ہے:

(۱) **اسماء کا اختلاف** :- جس میں افراد، تثنیہ وجمع اور تذکیر وتانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے، اس کی مثال: "تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ" ہے، جو ایک قراءت میں "تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ" بھی پڑھا گیا ہے۔

(۲) **افعال کا اختلاف** :- کہ کسی قرأت میں صیغۂ ماضی ہو، کسی میں مضارع اور کسی مین امر، اس کی مثال: "رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" ہے کہ ایک قرأت میں اس کی جگہ "رَبُّنَا بَعَّدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" بھی آیا ہے۔

(۳) **وجوہِ اعراب کا اختلاف**: - جس میں اعراب یا حرکات مختلف قرأتوں میں مختلف ہوں، اس کی مثال: "وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ" اور "لا يُضَارُّ كَاتِبٌ" اور "ذُوُ الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ" اور "ذُوُ الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ" ہے۔

(۴) **الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف**: - کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو، مثلاً ایک قرأت میں "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى" ہے، اور دوسری میں "وَالذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى" ہے، اور اس میں "وَمَا خَلَقَ" کا لفظ نہیں ہے۔ اسی طرح ایک قرأت میں "تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" اور دوسری میں "تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ" ہے۔

(۵) **تقدیم وتاخیر کا اختلاف**:- کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہے، مثلاً: "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ" اور "جَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ" ہے۔

(۶) **بدلیت کا اختلاف**: - کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہے، اور دوسری قرأت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ، مثلاً: "نُنْشِزُهَا" اور "نَنْشُرُهَا"، نیز "فَتَبَيَّنُوْا، فَتَثَبَّتُوْا اور طَلْحٍ اور طَلْعٍ"۔

(۷) **لہجوں کا اختلاف**: - جس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، قصر، مد، ہمز، اظہار اورادغام وغیرہ کے اختلافات شامل ہیں، مثلاً: موسیٰ ایک قرأت میں امالہ کے ساتھ ہے، اورا سے موسَیٰ کی طرح پڑھا جاتا ہے، اور دوسری میں بغیر امالہ کے ہے۔ (فتح الباری ۳۵/۹ بحوالہ: علوم القرآن ۱۰۸-۱۰۹، مقدمہ معارف القرآن ۲۱/۱)

مذکورہ بالا تشریحات میں سے دوسری تشریح کو محققین علماء اورارباب فن قراء نے زیادہ راجح قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اس تشریح کے اعتبار سے قرآن کے کسی جزو کا چھوڑنا لازم نہیں آتا، اور دلائل کا تعارض ختم ہوجاتا ہے، جس کی وضاحت فرماتے ہوئے حافظ ابوالخیر محمد بن الجزری (المتوفی ۸۳۳ھ) جو بجائے خود امام التجوید ہیں، اور ان کا شمار فقہاء ومحدثین میں ہوتا ہے، وہ اپنی مشہور کتاب ''النشر فی القراأت العشر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

أما كون المصاحف العثمانية مشتملة على جميع الأحرف السبعة، وإن هٰذه مسئلة كبيرة، اختلف العلماء فيها، فذهب جماعات من الفقهاء والقراء والمتكلمين إلى أن المصاحف العثمانية مشتملة على جميع الأحرف السبعة، وبنوا ذٰلک على أنه لا يجوز على الأمة أن تهمل نقل شيء من الحروف السبعة التي نزل القراٰن بها، وقد أجمع الصحابة على نقل المصاحف العثمانية من الصحف	رہا یہ مسئلہ کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف تیار فرمائے تھے، وہ ساتوں حروف پر مشتمل ہیں یا نہیں؟ سو یہ ایک بڑا مسئلہ ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے، چناں چہ فقہاء، قراء اور متکلمین کی جماعتوں کا مذہب یہ ہے کہ عثمانی مصاحف ساتوں حروف پر مشتمل ہیں، اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان سات حروف میں سے کسی حرف کو نقل کرنا ترک کردے جن پر قرآن نازل ہوا، اورصحابہ نے اجماعی طور پر یہ عثمانی مصاحف ان صحیفوں سے نقل کئے تھے جو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے لکھے تھے، اوران میں ہرایک مصحف عالم اسلام کے مختلف شہروں میں بھیج دیا تھا، اوران کے ماسوا

التي كتبها أبوبكر وعمر، وإرسال كل مصحف منها إلى مصر من أمصار المسلمين، وأجمعوا على ترك ماسوىٰ ذٰلك. قال هٰؤلاء ولا يجوز أن ينهىٰ عن القراءة ببعض الأحرف السبعة، ولا أن يجمعوا على ترك شيء من القرآن، وذهب جماهير العلماء من السلف والخلف وأئمة المسلمين إلى أن هٰذه المصاحف العثمانية مشتملة على ما يحتمله رسمها فقط جامعة للعرضة الأخيرة التي عرضها النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على جبرئيل عليه السلام متضمنة لها لم تترك حرفاً منها، قلت: وهٰذا القول هو الذي يظهر صوابه؛ لأن الأحاديث الصحيحة والاٰحاد المشهورة المستفيضة تدل عليه وتشهد له. (النشر في القرات العشر ۳۱/۱، بحواله:علوم القرآن ۱۲۵-۱۲۶)

جتنے صحیفے تھے ان کو چھوڑنے پر متفق ہو گئے تھے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ نہ یہ بات جائز ہے کہ حروفِ سبعہ میں سے کسی حرف کی قرأت روک دی جائے، اور نہ یہ کہ صحابہؓ قرآن کے کسی حصہ کے چھوڑنے پر متفق ہو جائیں، اور سلف وخلف کے علماء کی اکثریت کا قول یہی ہے کہ یہ عثمانی مصاحف ان حروف پر مشتمل ہیں، جو ان کے رسم الخط میں سما گئے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآنِ کریم کا جو آخری دور کیا تھا، اس کے تمام حروف ان مصاحف میں جمع ہیں، ان میں سے کوئی حرف ان مصاحف میں نہیں چھوٹا، میرا خیال یہ ہے کہ یہی وہ قول ہے جس کی صحت ظاہر ہے؛ کیوں کہ صحیح احادیث اور مشہور آثار اسی پر دلالت کرتے ہیں، اور اسی کی شہادت دیتے ہیں۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ: ’’مشہور قرأتوں کی سات نوعیتیں حدیث ’’سبعة أحرف‘‘ کا مصداق ہیں‘‘ اسی بناپر امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ زاہد الکوثریؒ، محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے، اور اس پر مختلف

دلیلیں قائم کی ہیں، شائقین حضرات موصوف کی معرکۃ الآ راء کتاب ''علوم القرآن'' صفحہ ٩٧-١٥٨ میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا اِزالہ

یہاں بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ آج کل جو ''قراات سبعہ'' پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، وہی ''سبعة أحرف'' کا مصداق ہیں، حالاں کہ یہ بات علی الاطلاق صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ قراءاتِ متواترہ ومشہورہ کا انحصار صرف سات کے عدد پر نہیں ہیں؛ بلکہ مزید تین قرأتیں بھی مشہور اور متواتر ہیں، جن سب کو ملا کر ''قراءاتِ عشرہ'' کہا جاتا ہے، اور یہ سب قرأتیں کسی نہ کسی اعتبار سے مصحفِ عثمانی میں شامل اور ''سبعۃ احرف'' کی وجوہ میں سے کسی نہ کسی وجہ میں داخل ہیں، امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے درسی افادات میں تحریر ہے:

واعلم أنهم اتفقوا على أنه ليس المراد من سبعة أحرف القراءة السبعة المشهورة بأن يكون كل حرف منها قراءة من تلك القراءات أعني أنه لا انطباق بين القراءات السبعة والأحرف السبعة كما يذهب إليه الوهم بالنظر إلى لفظ السبعة من الموضعين؛ بل بين تلك الأحرف والقراءة عموم و

اور جان لیجئے کہ سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سات حروف سے مراد ''قراءاتِ سبعہ'' مشہورہ نہیں ہیں، بایں طور کہ سات حروف میں سے ہر حرف مذکورہ سات قرأتوں میں سے کسی قرأت پر ضرور منطبق ہو (ایسا نہیں ہے) بلکہ بات یہ ہے کہ سات حروف اور سات قراءات ایک دوسرے کے ساتھ منطبق نہیں ہیں، جیسا کہ دونوں جگہ سات کے لفظ ہونے سے وہم ہوتا ہے؛ بلکہ ان سات حروف اور سات قرأتوں کے درمیان عموم

خصوص من وجہ کی نسبت ہے، اور یہ بات کیسے ممکن ہے جب کہ قراء اتِ مشہورہ سات میں منحصر نہیں ہیں، جیسا کہ علامہ بن الجزری نے اپنے رسالہ ''النشر فی قراءات العشر'' میں اس کی تصریح فرمائی ہے؛ البتہ قراءاتِ سبعہ زبانوں پر اس لئے مشہور ہوگئیں؛ کیوں کہ علامہ شاطبیؒ نے انہیں قراءات کو جمع فرمایا ہے۔	خصوص وجهي كيف وإن القراءات لا تنحصر في السبعة كما صرح ابن الجزري في رسالته "النشر في قراءة العشر" وإنما اشتهرت السبعة على الألسنة؛ لأنها التي جمعها الشاطبي. (فيض الباري، كتاب الاستقراض ۳/۳۲۱، تاریخ علم قرأت، از: قاری ابوالحسن الاعظمی ۱۵۲)

اس وضاحت سے صاف معلوم ہوگیا کہ ''سبعة أحرف'' سے صرف قرأت سبعہ ہی مراد نہیں؛ بلکہ سب ہی مشہور اور متواتر قرائتیں رسم عثمانی میں داخل ہیں۔

قرأت کے معتبر ہونے کی تین شرطیں

کوئی بھی وجہ قرأت اس وقت تک معتبر قرار نہیں دی جاسکتی، جب تک کہ اس میں تین شرطیں نہ پائی جائیں:

(۱) متواتر سند سے منقول ہونا:- یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک اس قرأت کے نقل کرنے والے اتنی بڑی تعداد میں ہوں جن کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو، اور یہ نقل فرد کی فرد سے نہ ہو؛ بلکہ جماعت کی جماعت سے ہو، اور جس شہر میں وہ قرأت کی گئی ہو وہاں کے عوام وخواص میں اسے شہرت وقبولیت حاصل ہو۔ (مستفاد: تاریخ قرأت ۱۳۷)

(۲) مصحفِ عثمانی کے موافق ہونا:- یعنی معتبر قرأت کے لئے لازم ہے کہ مصحفِ عثمانی کے رسم الخط میں اس قرأت کی گنجائش موجود ہو؛ اس لئے کہ پوری امت کا اس پر اجماع واتفاق ہو چکا ہے کہ مصحفِ عثمانی میں جو کچھ آچکا ہے وہی کامل قرآن ہے، اور جس قرأت کی رسم عثمانی میں گنجائش نہیں ہے وہ قرآن کا حصہ نہیں ہے؛ بلکہ وہ قرأت شاذہ ہے جس کا نماز میں پڑھنا درست نہیں ہے۔ (تاریخ قرأت ۱۲۸)

(۳) عربی زبان کے قواعد کے موافق ہونا:- قرأت کے مستند ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وجہِ قرأت جزئی یا کلی طور پر عربی زبان کے موافق بھی ہو؛ لہٰذا جو قرأت عربی سے بالکل خارج ہو اسے بھی قرآن کا جزو قرار نہیں دیا جائے گا۔ (تاریخ قرأت ۱۲۹)

مذکورہ بالا شرائط کی وضاحت کرتے ہوئے المقری ابو محمد المکیؒ لکھتے ہیں:

ما اجتمع فيه ثلث خلال من صحة السند وموافقة العربية والرسم قطع على مغيبه وكفر من جحده. (النشر الكبير ۱/۱٤۱، بحوالہ: دفاع قراءات للشیخ طاہر الرحیمی ۹۴)

جس قرأت میں تین باتیں- یعنی صحتِ سند، موافقتِ عربیت اور مطابقت رسم عثمانی - جمع ہو جائیں، تو اس کے غیب سے نازل شدہ کتاب ہونے کا یقینی فیصلہ کیا جائے گا، اور جو اس کا انکار کرے گا اس کی تکفیر کی جائے گی۔

ائمہ قراءاتِ عشرہ

علماء اور قراء کی تلاش وجستجو سے یہ بات عیاں ہوئی کہ درج ذیل دس ائمہ سے منقول وجوہِ قراءات شرائط صحت پر پوری اترتی ہیں، اور ان کی قراءات نماز میں پڑھنا درست ہے۔

(۱) امام نافع بن عبدالرحمٰن مدنیؒ (م ۱۶۹ھ) ان کے شاگردوں میں عیسیٰ بن میناء قالونؒ (م ۲۲۰ھ) اور عثمان بن سعید ورشؒ (م ۱۹۷ھ) زیادہ مشہور ہوئے۔

(۲) امام عبداللہ بن کثیر مکیؒ (م ۱۲۰ھ) ان کی قرأت احمد بن عبداللہ بزّیؒ (م ۲۵۰ھ) اور محمد بن عبدالرحمٰن قنبلؒ (م ۲۹۱ھ) کے واسطے سے زیادہ مشہور ہوئی۔

(۳) امام زبان بن العلاء ابو عمرو البصریؒ (م ۱۵۴ھ) ان کے دو شاگرد زیادہ مشہور ہوئے: (۱) حفص بن عمر دَوریؒ (م ۲۴۶ھ) (۲) اور صالح بن زیاد سوسیؒ (م ۲۴۶ھ)

(۴) امام عبداللہ بن عامر الشامیؒ (م ۱۱۸ھ) ان کے دو شاگرد مشہور ہوئے: (۱) ابوالولید ہشام بن عمار الدمشقیؒ (م ۲۴۵ھ) (۲) عبداللہ بن احمد ابن ذکوانؒ (م ۲۴۲ھ)

(۵) امام عاصم بن ابی النجود الکوفیؒ (م ۱۲۷ھ) ان کی قرأت درج ذیل دو تلامذہ کے واسطے

سے دنیا میں عام ہوئی: (۱) شعبہ ابن عیاش الکوفیؒ (م۱۹۳ھ)(۲) حفص بن سلیمان الکوفیؒ (م۱۸۰ھ) آج کل برصغیر میں جو تلاوت عام ہے وہ حفص عن عاصمؒ کی روایت ہی ہے۔

(۶) امام حمزہ بن حبیب الکوفیؒ (م۱۵۶ھ) ان کے دو شاگرد مشہور ہوئے: (۱) خلف بن ہشام البغدادیؒ (م۲۲۹ھ) (۲) خلاد بن خالد الشیبانیؒ (م۲۲۰ھ)

(۷) امام علی بن حمزہ الکسائی الکوفیؒ (م۱۸۹ھ) ان کے بھی دو شاگرد مشہور ہوئے: (۱) لیث بن خالد المروزیؒ (م۲۴۰ھ) (۲) حفص بن عمرو الدوریؒ (م۲۴۶ھ) (یہ امام ابوعمرو البصریؒ کے بھی شاگرد رشید ہیں)

(۸) امام ابوجعفر یزید بن القعقاع المدنیؒ (م۱۳۰ھ) ان کے بھی دو شاگرد مشہور ہوئے: (۱) عیسیٰ بن وردان المدنیؒ (م۱۶۰ھ) (۲) سلیمان بن محمد ابن جماز المدنیؒ (م۱۷۰ھ)

(۹) امام یعقوب بن اسحٰق البصریؒ (م۲۰۵ھ) ان کے بھی دو شاگرد مشہور ہوئے: (۱) محمد بن المتوکل اویس البصریؒ (م۲۳۸ھ) (۲) روح بن عبدالمؤمن البصریؒ (م۲۳۴-۲۳۵ھ)

(۱۰) امام خلف العاشرؒ، ان کے بھی دو راوی مشہور ہوئے: (۱) اسحاق بن ابراہیم البغدادیؒ (م۲۸۶ھ) (۲) ادریس بن عبدالکریم البغدادیؒ (م۲۹۲ھ) (تلخیص از: تاریخ علم قراءات، از: قاری ابوالحسن الاعظمی ۱۷۱-۱۷۶)

ائمہ قراءاتِ شاذہ

ان کے علاوہ چار ائمہ قرأت ایسے ہیں جن سے شاذ قرأتیں مروی ہیں:

(۱) امام محمد بن عبدالرحمٰن بن المحیص المکیؒ (م۱۲۲ھ)

(۲) امام ابومحمد یحییٰ بن المبارک البصریؒ (م۲۰۲ھ)

(۳) امام حسن بصریؒ (م۱۱۰ھ)

(۴) امام سلیمان الاعمشؒ (۱۴۸ھ) (تاریخ علم قراءات ۱۷۷-۱۷۸)

ان ائمہ سے جو شاذ قرأتیں مروی ہیں، انہیں نماز میں پڑھنا درست نہیں ہے۔ (تفصیل

دیکھیں: دفاع قراءات۸۸۲-۸۸۳،از: قاری طاہر رحیمی مدنیؒ)

جمعِ قرآن کی مختصر تاریخ

دورِ نبوت میں قرآنِ کریم کی حفاظت کی صورت یہ تھی کہ جو آیت نازل ہوتی، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے صحابہ کے سامنے پڑھ کر سناتے، اور پھر کاتبین وحی کو حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت کی فلاں آیت کے بعد فلاں جگہ پر لکھ دیا جائے، اور چوں کہ عرب میں ہر وقت کاغذ کا دستیاب ہونا مشکل تھا، اس لئے بروقت لکھنے کے لئے جو چیز میسر آتی، مثلاً چمڑے کے پارچے، کھجور کی شاخیں، بانس کے ٹکڑے، پتھر کی سِلیں، ان پر قرآن لکھ دیا جاتا تھا، اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنی یادداشت کے لئے اسے الگ جگہوں پر نوٹ کرلیا کرتے تھے، دورِ نبوت تک یہی سلسلہ جاری رہا، گویا کہ اصل حفاظت کا مدار زبانی یادداشت پر رکھا گیا اور باقاعدہ الگ سے کتابت کا عام دستور نہ رہا۔ (مستفاد: تفسیر قرطبی ۵۲/۱، علوم القرآن ۱۷۹-۱۸۰)

خلافتِ صدیقی میں جمعِ قرآن

خلیفۂ اول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ یمامہ کا واقعہ پیش آیا، جس میں ۷۰۰ رکے قریب حفاظ قرآنِ کریم صحابہ شہید ہوگئے، اور یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اگر یہی صورتِ حال رہی تو قرآن کی حفاظت دشوار ہوجائے گی، اس لئے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ قرآنِ کریم کو سرکاری ریکارڈ میں جمع کروائیں؛ تاکہ اس کی مکمل حفاظت ہوسکے، شروع میں سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کام میں سخت تردد تھا کہ جو عمل پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں؟ مگر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ برابر اصرار کرتے رہے، اور فرماتے رہے کہ ''اس میں خیر ہے''؛ تاآں کہ سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرحِ صدر ہوگیا، چناں چہ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (جوان چند صحابہ میں تھے، جنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی زندگی میں پورا قرآن حفظ کرلیا تھا) کو بلایا

اورانہیں مکلّف کیا کہ وہ قرآنِ پاک کوجمع کرنے کا کام انجام دیں، ان کوبھی شروع میں اس نئے کام پرتردد ہوا؛ لیکن بالآخر شرحِ صدر ہوگیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ: ’’تم سمجھ دار جوان آدمی ہو، اور ہمیں تم پر پورا اعتماد ہے، اورتم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں کتابت وحی کا کام انجام دیتے تھے؛ لہٰذا تم قرآن کوتلاش کرکے اسے جمع کرو‘‘۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ’’اگر یہ حضرات مجھے کسی پہاڑ کومنتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ پر جمع قرآن کے حکم سے بھاری نہ ہوتا‘‘۔ بالآخر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کمالِ دیانت کے ساتھ مختلف اشیاء پر لکھے ہوئے قرآنِ کریم کوجمع کرنے کا کام شروع کیا۔ جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جوشخص بھی کوئی آیت لے کرآتا تواس کے ساتھ ایک گواہ بھی لانا ضروری ہوتا تھا جواس کی توثیق کرتا کہ یہ آیت میں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنی ہے۔

حضرت زید فرماتے ہیں کہ اس شرط کے مطابق میں نے پورا قرآن جمع کرلیا؛ البتہ سورۂ توبہ کی آخری آیات ﴿لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ﴾ یہ صرف ایک صحابی حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس دستیاب ہوئی، یعنی یہ آیت لوگوں کو یادتو تھی؛ لیکن تحریر صرف ان کے پاس سے ملی۔ یا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جب پڑھ کرسنائی تو دوسروں کوبھی یاد آ گئی، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا حضرت عمراور سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعد میں حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عہ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے پیغمبر علیہ السلام سے یہ آیت سنی ہے‘‘۔ (مستفاد: فتح الباری باب جمع القرآن ۱۹۱۸/۹)

یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے؛ تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ آیات متواتر نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ہر جزو دورِ نبوت سے آج تک متواتر ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اورحضرت زید رضی اللہ عنہ کے ذریعہ جوکام انجام پایا، اس کا مقصد صرف یہ تھا؛ تاکہ تحریری طور پرقرآنِ کریم سرکاری ریکارڈ میں جمع ہوجائے، اور بوقت ضرورت کام آئے۔

یہ جمع شدہ قرآن سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد سیدنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں رکھا گیا، اس کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ (مستفاد و تلخیص: بخاری شریف ۲/۷۴۵-۷۴۶ مع حاشیہ، مقدمہ تفسیر قرطبی ۱/۵۳)

دورِ عثمانی میں جمعِ قرآن

بقیہ دور صدیقی اور دور فاروقی میں یہی صورتِ حال برقرار رہی، اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی اپنی سیکھی ہوئی قراءتوں کے اعتبار سے قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے رہے؛ تا آں کہ دورِ عثمانی میں جب اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع ہوا، تو قراءتوں کے اختلاف نے ایک ناگوار صورت اختیار کر لی؛ چناں چہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جب شام و عراق (آرمینیا) کے علاقہ سے ۲۴ھ یا ۲۵ھ میں جہاد کر کے مدینہ منورہ واپس آئے، اور انہوں نے وہاں مجاہدین میں قراءت کے اختلاف کا مشاہدہ کیا، تو انہوں نے امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جا کر عرض کیا کہ: ''آپ امت کی خبر لیجئے، ایسا نہ ہو کہ وہ کتاب اللہ کے بارے میں اسی طرح اختلاف کرنے لگیں جیسے یہود و نصاریٰ میں اختلاف تھا''۔ (فتح الباری ۹/۲۱)

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو پہلے ہی اس خطرہ پر متنبہ ہو چکے تھے انھوں نے حضرت حذیفہؓ کی بات کو سنجیدگی سے لیا اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ وہ اپنے پاس جمع شدہ نسخہ ہمارے حوالے کریں، ہم نقل کر کے انہیں واپس کر دیں گے، چناں چہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ جمع شدہ نسخہ (جو مختلف صحیفوں پر مشتمل تھا) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا، آپ نے چار صحابہ کی ایک جماعت بنائی، جن میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص، حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ اور ان کو پابند کیا کہ وہ قرآن کریم کا ایک مرتب اور جامع نسخہ لغت قریش کے رسم الخط کے مطابق تیار کریں، چنانچہ مذکورہ حضرات نے بھی احتیاطاً جمع اول کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے پوری دیانت کے ساتھ نقل کرنے کا اہتمام کیا، اور پورا قرآن کریم جمع کر لیا البتہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''سورۂ احزاب کی ایک آیت:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللّٰهَ الخ﴾ مجھے یاد تھی؛لیکن وہ سرکاری ریکارڈ کے علاوہ کسی کے پاس تحریر شدہ دستیاب نہیں تھی،صرف ایک صحابی حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی، گویا کہ یہ آیت پہلے نسخہ میں تو موجود تھی،اور صحابہ کو یاد بھی تھی؛لیکن دوسری مرتبہ جمع کرتے ہوئے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس دستیاب ہوئی، اسے بھی نئے مرتب نسخوں میں شامل کرلیا گیا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہم کو پورا قرآن پاک حفظ تھا تو پھر دوبارہ جمعِ قرآن کے وقت دوآدمیوں کی گواہی کی شرط کیوں لگائی گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) تاکہ وجوہِ قراءات کا پتہ چل سکے۔

(۲) اور رسم الخط کے بارے میں اطمینان ہو سکے۔ (تاریخ القرآن الکریم للشیخ محمد طاہر عبدالقادر المکی ۲۷،الشاملہ)

پھر امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس نسخہ کی سات نقلیں تیار کی گئیں،اور آیتوں کی ترتیب تو پہلے سے تھی،اس مرتبہ سورتوں کو بھی ترتیب وار یکجا کردیا گیا یعنی اولاً سورۂ فاتحہ،پھر سورۂ بقرہ اور اٰل عمران الی آخرہ (جیسا کہ آج تک موجود ہے) اور یہ ترتیب راجح قول کے مطابق خود نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے کی گئی تھی۔ (مستفاد: مقدمہ تفسیر قرطبی ۶۱/۱)

اوران نسخوں میں رسم الخط اس طرح کا لکھا گیا جس میں سبھی مشہور قراءتوں کے مطابق پڑھنے کا امکان نکل سکتا ہے،اسی لئے عبارت پر نہ تو نقطے لگائے گئے اور نہ اعراب لگایا گیا،اور پھر یہ نسخے مکہ معظّمہ،شام،یمن،بحرین،بصرہ اور کوفہ بھیج دئے گئے،اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں محفوظ رکھا گیا،اوران نسخوں کی تیاری کے بعد جو پہلے جمع شدہ صحیفے تھے،انہیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کردیا گیا،اور جو انفرادی نسخے متعدد صحابہ کے پاس موجود تھے،حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو تلف کرنے کا حکم صادر فرمادیا۔ (مستفاد: بخاری شریف ۷۴۶/۲،مقدمہ معارف القرآن ۳۰/۱-۳۴، علوم القرآن ۱۸۷-۱۹۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جس رسم الخط میں قرآن کے نسخے تیار کرائے، اب پوری امت کا اجماع ہے کہ اس رسم عثمانی کے خلاف قرآنِ کریم کا لکھنا درست نہیں؛ کیوں کہ اس رسم الخط کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تمام مشہور قراءتیں جمع کردی گئی ہیں، اب جو قراءت اس عثمانی رسم الخط کے مطابق ہوگی وہ تو مقبول ہے ورنہ نہیں (الا ماشاء اللہ) اور یہ کارنامہ دراصل اس آخری دورِ قرآنی کی بنیاد پر انجام پایا تھا جو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخری مرتبہ حیاتِ مبارکہ کے آخری رمضان المبارک میں سیدنا حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا تھا، اس دورِقرآنی سے وہ تمام غیر مشہور قرأتیں منسوخ ہوگئی تھیں جن کی شروع اسلام میں اجازت دی گئی تھی؛ البتہ مشہور قراءات باقی رکھی گئیں، جو سات کے عدد میں منحصر نہیں ہے؛ البتہ ان قراءات کی مجموعی طور پر سات نوعیتیں ممکن ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ (مستفاد: علوم القرآن ۱۵۵-۱۵۶، وغیرہ، مرقاۃ المفاتیح ۱/۴۵۵)

شروع میں جو قرآن پاک لکھا گیا اس میں اعراب و نقطے وغیرہ کچھ نہیں تھے، لیکن جب اسلامی مملکت میں وسعت ہوئی اور عجمی لوگ بکثرت اسلام میں داخل ہونے لگے تو ان کے لیے غیر منقوط اور بغیر اعراب کے قرآن پڑھنا بہت مشکل تھا اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن پاک پر نقطے اور اعراب لگائے جائیں اب یہ کام سب سے پہلے کس نے انجام دیا اس بارے میں روایات مختلف ہیں، تمام روایات کو سامنے رکھ کر محقق العصر حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے درج ذیل نتیجہ اخذ فرمایا ہے:

''حرکات، سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی نے وضع کیں، لیکن یہ حرکات اس طرح کی نہ تھیں جیسی آج کل رائج ہیں بلکہ زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ اور پیش کے لیے حرف کے سامنے ایک نقطہ اور تنوین کے لیے دو نقطے مقرر کیے گئے، بعد میں خلیل ابن احمد نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں۔ (صبح الاعشیٰ ۳/۱۶۱-۱۶۰)

اس کے بعد حجاج بن یوسف نے (اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے) یحيٰ بن یعمر، نصر بن عاصم لیثی اور حسن بصری رحمہم اللہ سے بیک وقت قرآن کریم پر نقطے اور حرکات دونوں

لگانے کی فرمائش کی، اس موقع پر حرکات کے اظہار کے لئے نقطوں کے بجائے زیر زبر پیش کی موجودہ صورتیں مقرر کی گئیں؛ تا کہ حروف کے ذاتی نقطوں سے ان کا التباس نہ ہو سکے۔ واللہ سبحانہ اعلم''۔ (مقدمہ معارف القرآن ۱/۲۷)

اس کے بعد یاد کرنے والوں کی سہولت کے اعتبار سے تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا اور معنی کا خیال کرتے ہوئے رکوعات کی تعیین کی گئی، یہ کوئی شرعی تعیین نہیں ہے؛ بلکہ سہولت کے لئے یہ سب اقدامات کئے گئے ہیں۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآنِ کریم از اول تا آخر پوری طرح محفوظ ہے، اس کی کسی آیت میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

قرآنِ کریم میں تشکیک کی ناپاک کوشش

ہر دور میں دشمنانِ اسلام قرآن وحدیث میں تشکیک کی کوششیں کرتے رہے ہیں، اسی سلسلہ کا ایک نمونہ ہمارے سامنے پچھلے سالوں میں پیش آیا، جب شہر رام پور کے ایک آزاد خیال شخص نے اپنی ہمہ دانی کا اظہار کرتے ہوئے یہ شوشہ اٹھایا کہ ''قرآنِ کریم کا اصل ریکارڈ جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، اور جسے بعد میں مروان بن الحکم نے حاصل کر کے تلف کر دیا تھا، جب وہ دنیا میں باقی نہیں رہا، تو اب نعوذ باللہ اس کی کیا دلیل ہے کہ ہم جو قرآنِ کریم پڑھ رہے ہیں، وہی اصل نازل شدہ قرآن ہے''، پھر مذکورہ شخص نے یہ گوہر افشانی کی کہ جو نسخے اصل نسخہ سے کاپی کئے گئے تھے ان میں غلطی کا احتمال موجود ہے، کیوں کہ: ''میں کمپیوٹر پر ٹائپ کرتا ہوں تو دسیوں غلطیاں رہ جاتی ہیں، تو آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو نسخے ہاتھ سے لکھے گئے ان میں غلطی نہ رہی ہو''۔

مذکورہ شخص نے جو باتیں اٹھائی تھیں وہ انتہائی لچر اور کمزور تھیں، اور محض عقلی موشگافیوں پر مشتمل تھیں؛ اس لئے کہ جن دو باتوں پر اس نے اپنے باطل دعویٰ کی بنیاد رکھی وہ دونوں دعوے خلافِ واقعہ ہیں؛ کیوں کہ:

(۱) پہلے یہ تفصیل آ چکی ہے کہ دورِ عثمانی میں جو جمع قرآن کا کام ہوا، اس میں بھی بطور احتیاط وہی شرائط ملحوظ رکھی گئیں جو پہلی مرتبہ رکھی گئی تھیں، یعنی ان میں گو کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حاصل شدہ صحائف کو بنیادی حیثیت دی گئی، مگر ان کی دوبارہ توثیق کے لئے از سرِ نو وہی کارروائی کی گئی جو پہلی مرتبہ کی گئی تھی؛ لہٰذا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ دورِ عثمانی میں جو نسخے تیار ہوئے وہ صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والے نسخے کی نقل تھے، اور جب یہ بات غلط ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی غلط ہوگا کہ حضرت حفصہ والا نسخہ نہیں رہا، تو اصل قرآن میں شک پیدا ہوگیا، یہ دعویٰ سراسر جہالت اور حقیقت سے ناواقفیت بلکہ شر انگیزی پر مشتمل ہے۔

(۲) اسی طرح یہ کہنا کہ نسخوں کی نقل میں غلطی رہ گئی ہوگی، یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ اسلامی تاریخ سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کا مدار کتابت پر نہیں؛ بلکہ حافظہ پر ہے، اور جس وقت یہ نسخے تیار کئے جارہے تھے تو سیکڑوں کی تعداد میں حفاظِ قرآن موجود تھے، اور جو تیار کرنے والے صحابہ تھے وہ بھی خود حافظ تھے، اگر بالفرض ان میں کوئی بھی غلطی ہوتی تو ان حفاظ کی موجودگی میں وہ باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ بریں بنا نسخوں کی موہوم غلطیوں کو بنیاد بنا کر پورے قرآن کو مشتبہ قرار دینا شرارت کے سوا کچھ نہیں ہے، اس طرح کی حرکتوں سے دین اسلام کی کوئی خدمت تو ہو نہیں سکتی؛ البتہ دشمنانِ اسلام کو موقع ضرور مل سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے سخت فتنوں سے امت کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

قرآنی مضامین

قرآن کریم کے مضامین مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں مثلاً: وعظ و تذکیر، مظاہر قدرت، پرانی قوموں کے حالات اسی طرح قیامت اور آخرت کا تذکرہ انہیں کے ساتھ ساتھ متفرق طور پر تقریباً پانچ سو آیتوں میں شرعی احکامات بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن کی تشریح و تفسیر کے لئے محض عربی زبان جان لینا کافی نہیں؛ بلکہ بالترتیب درج ذیل باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

الف:- کسی آیت کی تشریح کے لئے قرآنِ کریم کی دیگر آیات کو سامنے رکھا جائے، کیونکہ قرآن کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تشریح کرتی ہیں، ان سے صرفِ نظر کر کے اپنی طرف سے کوئی مطلب متعین نہیں کیا جاسکتا۔

ب:- اسی طرح قرآن کی تفسیر کے لئے احادیثِ شریف کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، لہٰذا قرآنی آیت کی کوئی ایسی تشریح معتبر نہ ہوگی جو احادیثِ شریفہ کے خلاف ہو۔

ج:- اسی طرح قرآن پاک جس مقدس جماعت کے سامنے نازل ہوا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی تشریحات کو پیش نظر رکھے بغیر قرآن کریم کو کما حقہ سمجھا نہیں جاسکتا؛ لہٰذا کسی آیت کی جس تفسیر پر صحابہ کرام کا اتفاق ہو اس کے خلاف تفسیر جائز نہیں۔

د:- نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلا واسطہ شاگردان رشید یعنی حضرات تابعین کے اقوال وآراء کو بھی تفسیر قرآن میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، ان کو درکنار کر کے قرآن کی تفسیر معتبر نہ ہوگی۔

ہ:- اسی طرح مفسر قرآن کے لئے معمولی عربی دانی کافی نہیں بلکہ لغت عرب پر مکمل عبور ضروری ہے، اسی طرح مفسر کے لئے عقل وتدبر بھی ناگزیر ہے، یہ کام ہر کس وناکس کے بس کا نہیں ہے۔

اور پرانی قوموں کے بارے میں جو اسرائیلی روایات منقول ہیں ان کو قرآن کی تفسیر کے لئے بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور شرعاً ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (تلخیص مقدمہ معارف القرآن ۱/۲۵-۳۱)

تفسیر بالرائے جائز نہیں

اسی سے معلوم ہوگیا کہ قرآن کریم کی تفسیر کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے کہ جو چاہے اس کو تختۂ مشق بنانے لگے بلکہ اس کے لئے گہری بصیرت اور وافر علم کی ضرورت ہے، خاص کر احکام سے متعلق آیات میں سلف صالحین کے افادات کو سامنے رکھے بغیر اپنی ناقص فہم کے اعتبار سے معانی متعین کرنا ہرگز جائز نہیں، احادیث شریفہ میں قرآن پاک کی من مانی تفسیر پر سخت وعیدیں وارد ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مـن قـال فـي الـقـرآن برأيـه فليتبوأ جو شخص بغیر علم کے قرآن پاک میں رائے زنی
مـقـعده في النار. (سنـن الترمذي / أبواب تفسير کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔
القرآن ۲/۱۲۳)

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مـن قـال فـي كتاب الله عز وجل جس شخص نے قرآن پاک میں محض اپنی رائے
بـرأيه فأصاب فقد أخطأ. (أبو داؤد، العلم / سے کوئی بات کی تو اگر چہ وہ صحیح وہ پھر بھی وہ غلطی
الـكـلام فـي كتـاب الله بغير علم رقم: ٥٢٣٦، سنن پر ہے۔(اس لئے کہ اس نے غلط طریقہ اپنایا)
الترمذي / أبواب تفسير القرآن ۲/۱۲۳)

انہی احادیث کی بنیاد پر سلف صالحین قرآن کی تفسیر کے بارے میں لب کشائی کرتے ہوئے بہت ڈرتے تھے اور جب تک انہیں کسی آیت کے بارے میں معتبر علم حاصل نہ ہوتا تو اپنی طرف سے کوئی رائے ظاہر نہ فرماتے۔(مقدمہ تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۵)

اس کے برخلاف آج کل جہاں کسی کو تھوڑا بہت قرآن کا ترجمہ پڑھنا آجاتا ہے وہ بے دریغ اور بے تکلف قرآنی آیات کے بارے میں رائے زنی اپنا واجبی حق سمجھنے لگتا ہے، جس کی وجہ سے گمراہیاں پھیل رہی ہیں، ایسے لوگوں کو درج بالا احادیثِ شریفہ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور قرآن پاک کو اپنے ناقص علم کے لئے تختۂ مشق نہیں بنانا چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان گمراہیوں سے امت کو محفوظ فرمائے۔

باب: -۳

سنتِ رسول اللہ ﷺ

شریعت اسلامی کا دوسرا ماخذ ''سنتِ رسول اللہ'' ہے، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور آپ کے سامنے پیش آمدہ ایسے واقعات جن پر آپ نے نکیر نہیں فرمائی، جن کو اصطلاح میں ''تقریر'' کہا جاتا ہے، یہ سب سنتِ رسول اللہ کا مصداق قرار پاتے ہیں۔ (نورالانوار ۱۷۵)

واضح ہو کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے خاص مقاصد میں تعلیم کتاب وحکمت بھی شامل ہے، جیسا کہ متعدد آیات میں وارد ہے، اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ آپ کی بیان کردہ تعلیمات کو سندی حیثیت حاصل نہ ہو، اسی لئے قرآنِ پاک میں اس بات کی جا بجا وضاحت کردی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے، اس بارے میں چند آیات درج ذیل ہے:

(۱) وَاَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسَ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ. (النحل: ٤٤) — اور ہم نے آپ پر یاددہانی کرنے والی کتاب اتاری ہے؛ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس بات کی وضاحت فرمادیں جو ان کے واسطے اتاری گئی ہے۔

(۲) مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهَاکُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا. (الحشر: ۷) — اور جو تمہیں رسول عطا کریں وہ لے لو، اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

(۳) وَاِنَّکَ لَتَهۡدِیۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ. (الشوریٰ: ٥٢) — اور یقیناً آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

(٤) مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء: ٨٠) — جو رسول کی اطاعت کرے اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔

(۵) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ. (النساء: ٥٩) اے ایمان والو! اللہ کی بات مانو اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے جو اولوالامراء (حکام وعلماء) ہیں ان کا کہا مانو۔

ان جیسی آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذاتِ نبوی بھی واجب الاتباع ہے، اور احادیثِ شریفہ اور سننِ ثابتہ شریعت کے بنیادی ماخذ میں شامل ہیں، اور سنت کی تشریعی حیثیت کا بالکلیہ انکار اسلام میں روا نہیں ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید فرمائی ہے، چناں چہ حضرت مقداد بن معدی کرب سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

أَلا! وَإِنِّي قَدْ أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ، أَلا! يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰى أَرِيْكَتِهٖ، يَقُوْلُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوْهُ، وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ الخ. (أبو داؤد، كتاب السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٤) سن لو! مجھے کتاب اللہ کے ساتھ مزید اس جیسا علم عطا ہوا ہے، ہوشیار رہو! عنقریب ایک پیٹ بھرا شخص اپنے تخت پر بیٹھ کر یہ کہے گا کہ تم اس قرآن کو لازم پکڑو! جو تم اس میں حلال پاؤ بس اسے حلال سمجھو، اور جو تم اس میں حرام پاؤ بس اسے ہی حرام جانو۔

اس روایت میں جو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''مجھے کتاب اللہ کے ساتھ مزید اس جیسا علم عطا ہوا ہے''، اس کے دو معنی ہیں:

الف: - ایک یہ کہ مجھے غیر متلو وحی اتنی ہی مقدار میں عطا ہوئی ہے جتنی وحی متلو کتاب اللہ کی شکل میں ملی ہے۔

ب: - دوسرا مطلب یہ ہے کہ مجھے کتاب اللہ کی تشریح وتفسیر کا حق دیا گیا ہے جو کتاب اللہ ہی کے مانند واجب الاتباع ہے۔ (مقدمہ تفسیر قرطبی ۱/۴۳)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کی تشریحات کے بغیر کتاب اللہ کو بھی پوری

طرح سمجھا نہیں جا سکتا؛ لہٰذا قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے قدم قدم پر احادیثِ شریفہ کی ضرورت پڑتی ہے، جس سے کوئی بھی منصف مزاج شخص انکار نہیں کر سکتا۔

احادیث کیسے محفوظ رکھی گئیں؟

شروع میں یہ ہوتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ اور آپ کے افعال واحوال حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یاد کر لیتے تھے اور آپس میں ان کا مذاکرہ بھی کرتے تھے نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کو عمل زندگی میں بھی داخل کرتے تھے، جس سے وہ بات خود بخود یاد ہو جاتی تھی کیونکہ ''عمل'' بذاتِ خود یاد دہانی کا ذریعہ ہے؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآنِ کریم کی کتابت کا اہتمام فرمایا، اس انداز میں احادیثِ شریفہ کو لکھنے کا حکم نہیں دیا؛ بلکہ بعض مرتبہ منع بھی فرما دیا۔

حضرت مولانا عبداللہ معروفی استاذ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند اس ممانعت کے اسباب شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الف:- اپنے فطری قوتِ حافظہ کی حفاظت مقصود تھی؛ کیوں کہ قیدِ تحریر میں آ جانے کے بعد یادداشت کے بجائے نوشتہ پر اعتماد ہو جاتا۔

ب:- قرآنِ کریم کے لفظ اور معنی دونوں کی حفاظت مقدم اور لابدی تھی، اس لئے لکھنے کا اہتمام کیا گیا، جب کہ حدیث کی روایت بالمعنی بھی جائز تھی، اس لئے حدیث کے نہ لکھے جانے میں کوئی نقصان نہیں تھا۔

ج:- عام مسلمانوں کے اعتبار سے یہ اندیشہ تھا کہ قرآن اور غیر قرآن یعنی حدیث ایک ہی چمڑے یا ہڈی پر لکھنے کی وجہ سے خلط ملط ہو سکتے ہیں، اس لئے احتیاطی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کے علاوہ احادیث نبویہ کو لکھنے سے منع فرمایا، چناں چہ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث جس میں کتابت حدیث سے ممانعت فرمائی گئی ہے، اسی مصلحت پر مبنی ہے۔ (حدیث اور فہم حدیث ۸۱)

اس سے معلوم ہو گیا کہ احادیث شریفہ کی حفاظت کا مدار شروع میں کتابت پر نہ تھا، بلکہ حفظ وعمل پر تھا، اور بعض اہم مصالح کی بنا پر کتابت سے روک دیا گیا تھا، اور بلا شبہ کتابت کے مقابلے میں حفظ وعمل کا ذریعہ زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔

کتابتِ حدیث کی ممانعت قطعی نہ تھی

اور کتابت حدیث کی ممانعت چونکہ ان مصالح پر مبنی تھی جو اوپر ذکر کئے گئے اس لئے جہاں ایسا کوئی خطرہ نہ تھا، وہاں خود پیغمبر علیہ السلام سے احادیث لکھنے کی اجازت دینا بلکہ خود لکھوانا ثابت ہے، حضرت مولانا عبداللہ صاحب معروفی لکھتے ہیں:

''دوسری طرف خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان صحابہ کو حدیثیں لکھنے کی اجازت دی ہے جن کا تیقظ اور قرآن اور غیر قرآن کے درمیان تمیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد تھا؛ بلکہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ کتابت حدیث کی اجازت کی حدیثیں ناسخ ہیں، احادیث ممانعت کے لئے کیوں کہ بعد میں وہ علت ہی ختم ہو گئی جو ممانعت کی وجہ تھی، متقدمین میں ابن قتیبہ الدینوری اور متأخرین میں احمد محمد شاکر کا یہی خیال ہے، ملاحظہ ہو چند حدیثیں جن سے کتابت حدیث کی اجازت معلوم ہوتی ہے:

(ا) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا، اسے محفوظ رکھنے کی غرض سے لکھ لیا کرتا تھا، قریش کے لوگوں نے مجھے منع کیا کہ تم ہر بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھ لیا کرتے ہو، حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان ہیں، ان پر خوشی اور غصہ دونوں حالتیں طاری ہوتی ہیں، چناں چہ میں لکھنے سے رک گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ بات میں نے عرض کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

اُکْتُبْ! فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا تم لکھتے رہو؛ کیوں کہ قسم ہے اس ذات کی جس

خَرَجَ مِنْهَا إِلَّا حَقٌّ. (سنن أبي داؤد ۵۱۴، سنن دارمی ۱/۴۲۹، تقييد العلم ۷۴) کے قبضہ میں میری جان ہے، میرے منہ سے حق ہی صادر ہوتا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حدیثوں کا جامع کوئی نہیں ہے، سوائے عبداللہ بن عمرو کے؛ کیوں کہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔ (بخاری، کتاب العلم باب کتابۃ العلم ۱/۲۲)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے کہ ایک انصاری شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا:

اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ. (ترمذي، أبواب العلم ۲/۹۵) اپنے ہاتھ سے مدد لو (یعنی اسے لکھ لو)

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ:

قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ. (جامع بياان العلم لابنعبد البر ۱/۸۷ دار الفكر، تقييد العلم ۷۰) یعنی حدیث کو کتابت و تحریر کے ذریعہ مقید کرلیا کرو۔

(۵) فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، تو ایک یمنی صحابی جن کا نام ابوشاہ تھا، انہوں نے درخواست کی کہ ان کے واسطے یہ خطبہ لکھ دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اُكْتُبُوْا لِأَبِيْ شَاهٗ" ۔ (ابوشاہ کے لئے لکھ دو) (بخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم ۱/۲۲)

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مواقع پر حدیثیں لکھوانے کا ثبوت ہے۔"

(حدیث اور فہم حدیث ۸۳-۸۵)

الغرض ضرورت کے موقع پر احادیث شریفہ کی کتابت کا ثبوت بھی دورِ نبوت سے ملتا ہے؛ لیکن درج بالا وجوہات کی وجہ سے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔

دورِ صحابہؓ و تابعین

نبی اکرم علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد دورِ صحابہؓ میں دونوں طرح کے

رجحان پائے جاتے رہے،بعض حضرات کتابتِ حدیث کواس وجہ سے ناپسند فرماتے تھے کہ کہیں کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ میں اختلاط نہ ہو جائے کیونکہ اس وقت تک قرآنِ کریم کو باقاعدہ مصاحف میں جمع کر کے رکھنے کا دستور نہ تھا۔

اس کے برخلاف اس دور میں جہاں ضرورت پیش آئی تو احادیثِ شریفہ کی تحریروں کا بھی اہتمام کیا گیااور ساتھ میں انہیں کتاب اللہ سے بالکل ممتاز رکھا گیااس دور کی جمع کردہ تحریرات میں سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کا ''صحیفۂ صحیحہ'' اورسیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا ''صحیفۂ صادقہ'' معروف ومشہور ہے۔

تقریباً یہی صورت حال تابعین کے شروع دور میں رہی کہ عمومی طور پر احادیث لکھنے کا اہتمام نہ تھالیکن خصوصی مجموعے اس دور میں بھی پائے گئے ہیں۔

بذریعہ کتابت تدوینِ حدیث کا آغاز

لیکن چونکہ زمانہ دورِنبوت سے دور ہوتا جارہا تھا اور مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست استفادہ کرنے والے صحابہ رفتہ رفتہ دنیا سے رخصت ہورہے تھے اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ صحابہ اوران کے معتبر شاگردوں سے جوروایات موجود ہیں ان کومرتب اور مدون کیا جائے تاکہ اس عظیم اسلامی ورثہ کی حفاظت زیادہ بہتر اور مستند طریقے پر ہوسکے، چنانچہ اس بارے میں سب سے پہلے خلیفۂ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد مدینہ منورہ کے گورنر ابوبکر بن حزم کو تحریر لکھی کہ ''تمہیں جو احادیث دستیاب ہوں انہیں تحریر میں لے آؤ کیونکہ مجھے علماء کی رحلت کی وجہ سے علم کے فنا ہوجانے کا اندیشہ ہے''۔(بخاری شریف کتاب العلم ۱؍۲۰)

اور خاص طور پر مدینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات (بتوسط حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور حضرت قاسم بن محمد) نقل کر کے بھیجنے کا حکم صادر کیا جس کی ابوبکر بن حزم نے تعمیل کی۔

اسی طرح کے فرامین حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیگر بلاد اسلامیہ کے حکام کو بھیجے جس

کے بعد مقامی طور پر بھی جمع وتدوین کا کام تیزی سے شروع ہوگیا؛ چنانچہ مدینہ منورہ میں امام محمد بن شہاب زہری (م:۱۲۴)، امام محمد بن اسحاق (م:۱۵۱) امام مالک بن انس (م:۱۷۹) جنہوں نے مؤطا تصنیف فرمائی، اور کوفہ میں امام اعظم امام ابوحنیفہؒ (م:۱۵۰) جنہوں نے کتاب الآثار میں احادیث جمع فرمائیں اور غالبًا یہ کتابی اعتبار سے حدیثوں کو جمع کرنے کی سب سے پہلی کوشش تھی، اسی طرح کوفہ ہی میں امام سفیان بن سعید ثوریؒ (م:۱۶۱اور امام وکیع بن الجراح (م:۱۹۷) اور بصرہ میں امام سعید بن ابی عروبہ (م:۱۵۶) ربیع بن الصبیح (م:۱۶۰) وغیرہ، اسی طرح کی کوششیں مکہ معظّمہ، یمن، شام اور مصر وغیرہ میں بھی کی گئیں، اس زمانے میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ صحابہ کرام اور تابعین کے فتاویٰ بھی ایک باب کے تحت جمع کردیئے جاتے تھے۔

اس کے بعد دوسری صدی کے اواخر میں بڑی تعداد میں مسانید لکھی گئیں جن میں صحابۂ کرامؓ سے منقول مرفوع احادیث کو صحابہ کے ناموں کو ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا جیسے: مسند احمد بن حنبل، مسند ابوداؤد الطیالسی وغیرہ۔

پھر تیسری صدی میں تدوینِ حدیث کا کام تکمیل کو پہنچا اور احادیث شریفہ کو اچھی طرح سے منقح کرکے ہر باب سے متعلق صحیح حدیثوں کو یکجا کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئیں جن میں حضرت امام بخاریؒ (م:۲۵۶)، حضرت امام مسلمؒ (م:۲۶۱)، حضرت امام ابوداؤد (م:۲۷۵)، حضرت امام ترمذیؒ (م:۲۷۹)، حضرت امام نسائی (م:۳۰۳)، حضرت امام ابن ماجہ (م:۲۷۳) یہ خدمات ممتاز اور انتہائی قابل قدر ہیں، ان حضرات کی تصانیف کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔

بعد میں پھر مزید تنقیح وتحقیق اور تصنیف وتالیف اور جمع وتدوین کا کام ہوتا رہا اور محدثین کی کوششوں سے احادیث شریفہ کا بے مثال ذخیرہ جمع ہوگیا، الحمدللہ علی ذٰلک۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: حدیث وفہم حدیث:۸۸تا۱۱۲)

انکارِ حدیث کا فتنہ

دشمنانِ اسلام نے اسلام کی جڑوں کو کمزور کرنے کے لئے ہر سطح پر کوششیں کی ہیں، جن کا

اولین نشانہ قرآنِ کریم رہا، جس کا کچھ نمونہ گذشتہ باب میں آچکا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ مختلف طبقوں کی طرف سے احادیث شریفہ کو غیر معتبر قرار دینے کی منظّم سازشیں کی جاتی رہیں، ایک بڑی سازش وضع حدیث کی شکل میں ظاہر ہوئی کہ ہزاروں کی تعداد میں غیر معتبر باتیں حدیث کا لیبل لگا کر معاشرہ میں رائج کردی گئیں، جن کا محدثین کرام نے بھرپور انداز میں تعاقب کیا، اور بالآخر کافی حد تک حق و باطل میں امتیاز ہوگیا، پھر مستشرقین کی طرف سے جن میں یہودی مستشرق: ''گولڈزیہر'' اور ''پروفیسر شاخت'' نمایاں ہیں، انہوں نے پلاننگ کے ساتھ پورے ذخیرۂ حدیث کو مشکوک قرار دینے کی مہم چلائی اور انہیں کی تحریک سے متأثر ہوکر مصر کے کچھ جدت پسند ادیب مثلاً: شیخ محمد عبدہ، ڈاکٹر توفیق صدقی، احمد امین، ابراہیم ادہم اور محمود ابوریّہ نے اس موضوع پر بے تکان مضامین لکھے، اور کتابیں شائع کر کے یہ ثابت کیا کہ حدیثوں کا سارا مجموعہ مشکوک ہے۔ مذکورہ مضامین کے زہرناک اثرات سے برصغیر بھی محفوظ نہ رہ سکا، یہاں ان خیالات کی تبلیغ واشاعت میں سرسید احمد خاں، عبداللہ چکڑالوی، غلام احمد پرویز اور اسلم جیراج پوری نے بھرپور حصہ لیا، حتی کہ اہل قرآن کے نام سے ایک مستقل فرقہ برصغیر میں وجود میں آ گیا۔ (افکار عالم، مولانا اسیر ادروی ۸۰-۸۶، حدیث اور فہم حدیث، مولانا عبداللہ معروفی ۶۹-۷۳)

اس فرقہ کا خاص مشغلہ سلف صالحین اور علماء حق کی تضحیک وتذلیل، اور احادیث شریفہ کا استہزاء ہے، ایسی اشتعال انگیز باتوں سے اس فرقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اس فرقہ کا صرف ایک ہی ہدف ہے کہ کسی طرح امت علماء حق کا دامن چھوڑ کر ان کے دام فریب میں آجائے اور اپنا دین وایمان تباہ کرلے، **اللّٰھم احفظنا منه۔**

اس فرقہ کے تعاقب میں علماء نے مدلل کتابیں تحریر فرمائی ہیں، جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ منکرین حدیث کے اٹھائے ہوئے تمام تر اعتراضات قطعاً لچر بودے اور کمزور ہیں، اور محض فتنہ انگیزی پر مبنی ہیں۔

منکرینِ حدیث کے چند اعتراضات اور ان کا جواب

اعتراض (۱):- احادیث دورِ نبوت اور دورِ صحابہ میں نہیں لکھی گئیں؛ بلکہ انہیں دوسری

اور تیسری صدی میں مدون کیا گیا ہے، یہ علماء کے اقوال ہیں، جن پر حدیث رسول کا لیبل لگا دیا گیا ہے؛ لہٰذا وہ سب نا قابل اعتبار ہیں۔

جواب:- اس اعتراض کا مدار اس مفروضہ پر ہے کہ جو چیز لکھی نہ جائے وہ محفوظ رہ ہی نہیں سکتی، حالاں کہ یہ مفروضہ بجائے خود غلط ہے؛ اس لئے کہ مشاہدات وتجربات کو یادرکھنے کے لئے لکھنا کوئی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ایسی باتیں خود بخود حافظہ میں محفوظ رہتی ہیں، پھر جو سنی ہوئی بات عملی زندگی میں داخل ہوجائے وہ بھی خود بخود یاد رہتی ہے، اور پھر اگر کسی بات کا تعلق ایسی شخصیت سے ہو جس سے محبت ووارفتگی کے جذبات وابستہ ہوں، تو اس کی تو ہر ہر بات آدمی کے دل پر پتھر کی لکیر بن جاتی ہے، اور بلاشبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جو قولی اور فعلی احادیث طیبہ کی راوی اور دورِ نبوت کے واقعات کی منظر کشی کرنے والی ہے، اس کے ہر ہر فرد میں یادداشت کے مذکورہ اسباب بدرجہ اتم پائے جاتے تھے، اس لئے یہ کہنا کہ چوں کہ احادیث کو لکھا نہیں گیا، اس لئے وہ محفوظ نہیں ہیں، حقیقت حال سے قصداً چشم پوشی اور من گھڑت بات ہے۔

اور پھر یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ احادیث شریفہ پہلی صدی میں لکھی نہیں گئیں؛ اس لئے کہ ہم گذشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں کہ دورِ نبوت اور دورِ صحابہ میں بھی جستہ جستہ احادیث کو لکھنے کا دستور جاری تھا، اور ممانعت واحتیاط صرف ان جگہوں پر تھی جہاں قرآن وحدیث کے خلط ملط ہونے کا امکان تھا۔ (افکارِ عالم ۵۰، تدوینِ حدیث (مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) وغیرہ)

اعتراض (۲):- مستشرقین نے ایک اعتراض یہ اٹھایا ہے کہ محدثین کا دعویٰ ہے کہ کل احادیث کی تعداد سات لاکھ کے قریب ہے، تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳ رسالہ مدتِ رسالت میں مسلسل بولتے ہی رہے کہ اتنی بڑی تعداد میں ان کی طرف حدیثیں منسوب کردی گئیں؟

جواب:- یہ گستاخانہ اعتراض بھی بالکل سطحی اور حدیث کی اصطلاحی تعریف کو قصداً نظر انداز کرنے پر مبنی ہے؛ اس لئے کہ محدثین کی اصطلاح میں صرف پیغمبر علیہ السلام کے زبانی ارشادات ہی پر حدیث کا اطلاق نہیں ہوتا؛ بلکہ آپ کے وہ افعال جن کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

مشاہدہ کیا اور وہ سب کام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے گئے، اور آپ کی صفات وشمائل سب پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے، اور روایات کے ناقلین کی تعداد کے اعتبار سے روایتوں کی تعداد کم وبیش ہو جاتی ہے، اس لئے یہ کہنا کہ نعوذ باللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتے ہی رہتے تھے، قطعاً غلط ہے۔ اس کی تردید کے لئے شمائل سے متعلق روایات اسی طرح سیر ومغازی کے متعلق ذکر کردہ مشاہدات کا مطالعہ کافی ہے کہ کس طرح ایک ہی واقعہ کے متعلق الگ الگ صحابی اپنی جزئی معلومات پیش کرتے ہیں، اور سب کو جمع کرنے سے پورے واقعہ کی حقیقت مطالعہ کرنے والوں پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ (افکار عالم ۲۰-۲۹)

اعتراض (۳):- ایک اعتراض یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں حدیث کی مروجہ کتابیں مدون ہوئیں، اس دور میں جھوٹی حدیثوں کا چلن بہت زیادہ ہو چکا تھا، اب اگر چہ محدثین نے اپنی اپنی معلومات کے اعتبار سے سچ اور جھوٹ میں امتیاز کی کوشش کی؛ لیکن انہوں نے جس حدیث کو سچ سمجھا، ضروری نہیں کہ وہ واقعی سچ ہی ہو؛ لہٰذا پورا کا پورا مجموعہ ہی مشتبہ اور ناقابل اعتبار قرار پایا۔

جواب:- یہ اعتراض بھی سراسر فریب پر مبنی ہے؛ اس لئے کہ حضراتِ محدثین نے صحیح اور موضوع احادیث کی تحقیق وتفتیش کے جو معیار مقرر فرمائے ہیں، اور جس انداز میں راویانِ حدیث کے اخلاق وکردار کی چھان بین کی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی منصف مزاج شخص ہرگز یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ احادیث کے جو مجموعے صحیح کے نام پر جمع ہوئے ہیں، وہ مخدوش ہیں؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ احادیث شریفہ کو قبول کرنے کے جو پیمانے مقرر کئے گئے ہیں وہ دنیا کے عام قانون شہادت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ قابل اعتماد اور مستند ہیں۔ اور اگر بالفرض احادیث کی روایات صحیح نہیں ہیں تو پھر دنیا کی کوئی تاریخ صحیح قرار نہیں دی جاسکتی، محدثین کرام نے صحیح اور ضعیف احادیث میں امتیاز کے لئے ایک پورا فن مدون کیا جسے ''فن اسماء الرجال'' کہا جاتا ہے، جس کے ضمن میں ہزاروں ہزار افراد کے اخلاقی ودینی حالات جمع کردئے گئے ہیں، جو ایسی مستند دستاویزات ہیں،

جن کو جھٹلانے کی کوئی جسارت نہیں کرسکتا۔ (افکار عالم ۳۰-۳۸)

اعتراض (۴):- بعض منکرین حدیث کی طرف سے یہ بات بھی بڑے زور وشور سے اٹھائی جاتی ہے کہ قرآنِ کریم تو قطعی ہے، اور احادیثِ شریفہ بالخصوص غیر متواتر احادیث ظنی ہیں؛ لہٰذا دین کا مدار صرف قطعی دلائل پر ہونا چاہئے اور وہ یا تو قرآنی آیات ہیں یا پھر متواتر احادیث ہیں، پس جو احادیث غیر متواتر ہیں، ان کے ذریعہ دین کی تفہیم وتشریح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

جواب:- یہ اعتراض بھی محض چرب زبانی پر مبنی ہے، اور قطعاً بے وزن ہے؛ اس لئے کہ اولاً خود قرآنِ کریم کی سب آیات قطعی الدلالت نہیں ہیں؛ بلکہ سیاق وسباق اور قرائن دیکھ کر ان کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے، اسی لئے بعض مرتبہ ایک ہی آیت کی تفسیر وتشریح میں اختلاف بھی ہوجاتا ہے، تو کیا ان ظنی الدلالت آیات کو بھی محض ظنی ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا؟ حالاں کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔

اور دوسرے یہ کہ یہ کہنا کہ ہر ظن ناقابل اعتبار ہے، بجائے خود غلط ہے؛ اس لئے کہ خود شریعت نے بہت سے ظن کو قابلِ قبول قرار دیا ہے، مثلاً شہادت میں گواہوں کے جھوٹے ہونے کے ظن کے باوجود ان کی گواہی کو قبول کیا جاتا ہے اور اس پر سارے نظام قضاء کا مدار ہے، تو پھر محض ظنی الثبوت ہونے کی بنا پر ساری حدیثوں کو بیک جنبش قلم غیر معتبر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ (ملخصاً: حدیث اور فہم حدیث ۷۴-۷۶)

سنت کے درجات

یہاں یہ بات رکھنا چاہیے کہ سنتِ رسول کے بنیادی طور پر تین درجات ہیں جن کے اعتبار سے ان کی حیثیتیں بھی مختلف ہوجاتی ہیں۔

الف:- سنتِ متواترہ: یعنی ایسی سنت جس کے ناقل ابتداء سے لے کر آج تک اتنی بڑی تعداد میں ہوں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر اتفاق مشکل ہو، سنت کے اس درجہ سے علم ضروری کا حصول ہوتا ہے۔ (نور الانوار ۱۷۶، اعلاء السنن ۱/۲۳) جیسے نماز کی رکعات اور مناسک حج وغیرہ کا علم۔

ب:- سنتِ مشہورہ: یعنی ایسی سنت جو ابتدائی زمانہ (دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم) میں اگرچہ اِکا دُکا افراد سے منقول رہی ہو مگر بعد میں اسے قبول عام حاصل ہوگیا ہو اس قسم کے ذریعہ کتاب اللہ کی مجمل آیتوں کی تفسیر اور مطلق نصوص کی تقیید کا کام لیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کفارۂ یمین میں روزہ پے در پے رکھنے کی شرط سنتِ مشہورہ کے ذریعہ بڑھائی گئی ہے۔ (حاشیہ نورالانوار ۱۷۶-۱۷۷)

ج:- خبرِ واحد: تیسرا درجہ خبر واحد کا ہے، جس کا اطلاق ایسی سنت پر ہوتا ہے جس کے نقل کرنے والے قرونِ ثلاثہ (دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم، دورتابعینؒ اور دورِ تبع تابعینؒ) میں اتنے نہ رہے ہوں کہ ان کی روایت درجۂ تواتر یا درجۂ شہرت تک پہنچ سکے۔ (واضح رہے کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد شہرت ہونے سے حدیث مشہور نہیں قرار دی جاتی)

خبر واحد محض ظن کا فائدہ دیتی ہے، لیکن آیتِ قرآنی: **فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ** ۔(التوبۃ) سے اتنا ضرور مستفاد ہوتا ہے کہ اگر اس طرح کی کسی سنت کا معارضہ کسی دوسری مضبوط دلیل سے نہ ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، اس معنی کر خبر واحد بھی اسلامی قانون کا ایک بڑا ماخذ ہے۔ (نورالانوار ۱۷۸)

چناں چہ بہت سے شرعی احکامات خبر واحد سے مستفاد ہیں، مثلاً: داڑھی منڈانے کی حرمت اور حاجی کے لئے حالتِ احرام میں خوشبو وغیرہ لگانے کی ممانعت۔ (ہدایہ ۱/۲۳۹) وغیرہ

اور علماء نے مضبوط دلیلوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ شریعت میں ہر ظنی دلیل غیر معتبر نہیں ہے، اس اعتبار سے احادیث شریفہ اگرچہ کسی ایک صحابی سے منقول ہو تو اگر سند پر کوئی اشکال نہ ہو تو اس حدیث سے حکم شرعی ثابت کیا جاسکتا ہے۔

خبر واحد کو قبول کرنے یا رد کرنے کے بارے میں فقہاء احناف کے چند زریں اصول

جو احادیثِ شریفہ متواتر اور شہرت کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں، ان پر تو پوری طرح عمل کیا جاتا ہے، اور ان کے ذریعہ کتاب اللہ کے عمومی معنی میں تخصیص یا تخصیص میں عموم جیسے کام

انجام دئے جاسکتے ہیں؛ لیکن جو احادیثِ شریفہ خبرِ واحد کے درجہ کی ہوتی ہیں، ان کو قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضراتِ فقہائے احناف خاص طور پر درج ذیل اصول کو پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں:

(۱) **خبر واحد کو قرآنی آیات پر پیش کرنا:-** یعنی خبرِ واحد سے ثابت شدہ حکم کو آیاتِ قرآنیہ پر پیش کیا جائے گا، اگر دونوں میں موافقت ہوگی تو اسے قبول کرلیا جائے گا، اور اگر تعارض ہوگا تو اگر دونوں میں تطبیق ممکن ہوگی تو تطبیق دے دی جائے گی، اور اگر تطبیق کی کوئی شکل نہ نکل سکے تو ایسی صورت میں خبرِ واحد کے حکم کو چھوڑ دیا جائے گا، اور قرآنی آیت کے حکم کو اختیار کیا جائے گا، اور اس اصول کی وجہ سے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ سنتِ رسول اللہ کو نظر انداز کردیا گیا؛ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ جس بات کو سنتِ رسول کہا جارہا ہے، اس پر اعتماد نہیں ہوا؛ کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ خود قرآنِ کریم کے خلاف کوئی بات کریں؛ لہٰذا لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ یا تو اس قول کی نسبت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف صحیح نہیں، یا اس کا کوئی ایسا محمل ہے جو ہماری سمجھ میں نہ آسکا۔

ضروری تنبیہ :- لیکن یہ واضح رہے کہ خبرِ واحد سے قرآنِ کریم کے مقابلہ کا یہ نازک کام ہر ایک کے بس میں نہیں، اور نہ ہر شخص کو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ اگر جاہلوں اور کم علموں کے حوالہ یہ اصول کردیا جائے گا تو وہ اپنی ناقص فہم اور جہل مرکب کی بنیاد پر کتنی ایسی صحیح حدیثوں کو جن میں یا تو سرے سے قرآنِ کریم سے کوئی تعارض نہیں، یا ظاہری تعارض ہے، مگر دونوں کا ایک صحیح محمل موجود ہے، ان کو بھی وہ بیک قلم غیر معتبر قرار دے دیں گے، جیسا کہ آج کل کے بے توفیق منکرین حدیث کا وطیرہ ہے کہ وہ جہل مرکب میں مبتلا ہونے کے باوجود احادیث وآیات کے بارے میں خامہ فرسائی؛ بلکہ جھک بازی کرتے رہتے ہیں، العیاذ باللہ۔

شیخ عبدالعزیز البخاری ''کشف الاسرار'' میں لکھتے ہیں:

فإن خالف خبر الواحد عموم الکتاب أو ظاهره، فهو محل الخلاف فعندنا لا یجوز تخصیص العموم وترک الظاهر وحمله	پس اگر خبرِ واحد کتاب اللہ کے عمومی یا ظاہری معنی کے خلاف ہو تو وہ اختلاف کا محل ہے، پس ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک خبرِ واحد کے ذریعہ آیت کے عام معنی میں تخصیص اور ظاہری معنی کا

على المجاز بخبر الواحد كما لا يجوز ترك الخاص والنص من الكتاب به. (كشف الأسرار ٣/٢٠٠، بحواله: أصول نقد متون السنة عند الحنفية، للأستاذ خالد سعيد المباركفوري ١٣٢)

ترک اور اس کو مجاز پر محمول کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ کے خصوصی معنی کا ترک بھی جائز نہیں ہے۔

(۲) خبر واحد کا سنت مشہورہ سے موازنہ :- یعنی خبر واحد کو قبول کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کسی سنتِ مشہورہ کے معارض تو نہیں ہے، اگر معارض ہوگی تو اولاً تطبیق کی کوشش کی جائے گی، ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ سنتِ مشہورہ کے مقابلہ میں یہ خبر واحد اب قابل عمل نہیں رہی ہے۔

علامہ عبدالعزیز البخاریؒ لکھتے ہیں:

ومثل الخبر المخالف للكتاب الخبرُ المخالفُ للسنة المشهورة في أنه يكون مردوداً؛ لأن الخبر المشهور فوق خبر الواحد حتى جازت الزيادة على الكتاب بالمشهور دون خبر الواحد فلا يجوز أن ينسخ المشهور الذي هو أقوى بخبر الواحد الذي هو أضعف. (كشف الأسرار ٣/٢٩، أصول نقد متون السنة ١٧٢)

اور کتاب اللہ کے مخالف خبر واحد کی طرح وہ خبر واحد بھی ہے جو سنتِ مشہورہ کے مخالف ہو، اس معاملہ میں کہ وہ رد کردی جائے گی؛ کیوں کہ خبر مشہور خبر واحد کے مقابلہ میں فوقیت رکھتی ہے، حتیٰ کہ خبر مشہور کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی بھی جائز ہے نہ کہ خبر واحد کے ذریعہ، پس یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خبر مشہور جو طاقت ور ہے، اسے خبر واحد کے ذریعہ سے منسوخ قرار دیا جائے، جو اس کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے۔

(۳) خبر واحد کا متوارث عمل سے مقارنہ :- یعنی اگر امت میں کوئی عمل متوارث چلا آ رہا ہو، تو اس کے خلاف اگر کوئی خبر واحد آئے گی تو محض صحت سند دیکھ کر

اسے قبول نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اولاً دونوں میں ترجیح وتطبیق کی کوشش ہوگی، اور اگر یہ ممکن نہ ہوا تو متوارث عمل کے مقابلہ میں خبر واحد سے ثابت شدہ حکم کو ترک کردیا جائے گا۔

(۴) عموم بلویٰ والے مسائل میں خبر واحد کی حیثیت:-
اسی طرح جن مسائل میں عام ابتلاء ہو، اگر ان کے متعلق کوئی خبر واحد آئے تو اسے قرائن کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا؛ اس لئے کہ عمومِ بلویٰ اس کا متقاضی ہے کہ اس کے بارے میں روایات کثرت سے نقل ہونی چاہئے تھیں؛ لہٰذا عام پیش آمدہ مسائل میں اِکا دُکا روایت کا آنا اس کے حکم کے بارے میں شبہ پیدا کرتا ہے؛ لہٰذا ایسی اخبار آحاد قبول نہ ہوں گی۔

(۵) خبر واحد کا قواعدِ کلیہ سے موازنہ:- یعنی خبر واحد سے ثابت شدہ حکم کو عام قواعدِ شرعیہ پر پیش کرکے اس کے قبول کرنے یا رد کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے قواعدِ کلیہ مجمع علیہ ہوتے ہیں، ان میں تخصیص کسی ظنی دلیل سے کرنا صحیح نہیں ہے، اسی بنیاد پر بہت سے مسائل میں حنفیہ نے قواعد کلیہ پر احکام کا مدار رکھا ہے، اور اخبارِ آحاد کو ایسے محمل پر رکھا ہے جس سے قواعدِ کلیہ کا توڑنا لازم نہ آئے، اس کی تفصیلات اصولِ فقہ میں موجود ہیں۔

البتہ اگر خبر واحد کے کسی حکم کا تعارض کسی ایسے مسئلہ سے ہو رہا ہو جس کا مدار قیاس پر ہو، تو اس میں بہت تفصیل ہے؛ لیکن حاصل یہی ہے کہ عام طور پر فقہاء احناف قیاس کے مقابلہ میں خبر واحد کو ترجیح دیتے ہیں، اور احناف پر یہ الزام قطعاً غلط ہے کہ وہ علی الاطلاق قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں۔

(اس موضوع پر ایک بہترین اور جامع مقالہ عربی زبان میں "**أصول نقد متون السنة عند الحنفية**" کے نام سے فاضل گرامی جناب مولانا خالد سعید مبارک پوری متخصص شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور ۱۴۳۳ھ کا تحریر فرمودہ ہے، شائقین حضرات اس کے مطالعہ سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کرسکتے ہیں، یہ مقالہ "مجموعۂ مقالات فی علم الحدیث" جلد اول میں شائع شدہ ہے، اور جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے دستیاب ہے)

باب: -۴

اجماعِ امت

تشریع اسلامی کا تیسرا ماخذ امت کے اہل افراد کا قولی یا فعلی اجماع ہے، جو علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے حتیٰ کہ اس کا منکر کافر ہے۔(نورالانوار۲۲۱)

علامہ بن امیر الحاج اجماع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِتِّفَاقُ مُجْتَهِدِيْ عَصْرٍ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَمْرٍ شَرْعِيٍّ. (كتاب التقرير والتحبير في علم الأصول ۳/۱۰۶)

امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مجتہدین کا کسی شرعی مسئلہ میں متفق ہوجانا۔

اس تعریف سے یہ واضح ہوا کہ جس حکم کے بارے میں امت کے اہلیت رکھنے والے مجتہدین متفق ہوجائیں اس پر اجماع کا طلاق ہوتا ہے؛ البتہ نااہل افراد کے اتفاق یا اختلاف سے مسئلہ پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

اِجماع کے حجت ہونے کی چند دلیلیں

اجماع کے معتبر ہونے کے بارے میں قرآن وحدیث میں شرعی دلائل موجود ہیں، اشارۃً چند دلیلیں ذیل میں لکھی جارہی ہیں:

(۱) قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے جب کہ اس پر ہدایت کی راہیں کھل چکی ہیں، اور مسلمانوں کے

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا. (النساء: ١١٥)

راستہ کے خلاف چلے تو ہم اس کو اسی طرف حوالے کریں گے جو اس نے اختیار کی اور اس کو جہنم میں ڈال دیں گے، اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔

(۲) نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَايَجْمَعُ أُمَّتِيْ أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِيْ النَّارِ. (سنن الترمذي، الفتن / باب لزوم الجماعة ٢/٣٩ رقم: ٢١٦٦)

یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو (یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو) گمراہی پر مجتمع نہیں فرمائیں گے اور اللہ کا ہاتھ جماعت (اجماعی نظریہ) کے ساتھ ہے، اور جو جماعت سے الگ تھلگ ہوا اسے الگ کر کے جہنم رسید کردیا جائے گا۔

(۳) نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

إِنَّ أُمَّتِيْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ الْإِخْتِلَافَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ. (سنن ابن ماجة، الفتن / باب السواد الأعظم رقم: ٣٩٥٠)

یقیناً میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی، پس جب تم اختلاف دیکھو تو ''سوادِ اعظم'' (امت کی اکثریت) کی بات لازم پکڑو۔

(۴) نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

سَأَلْتُ رَبِّيْ أَرْبَعًا فَأَعْطَانِيْ ثَلَاثًا وَمَنَعَنِيْ وَاحِدَةً: سَأَلْتُ رَبِّيْ أَنْ لَّا تَجْتَمِعَ أُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَأَعْطَانِيْهَا. (مسند أحمد ٦/٣٩٦ رقم: ٢٧١٠١)

میں نے اپنے رب سے چار درخواستیں کی تھیں، جن میں تین عطا ہوئیں اور ایک سے منع کردیا گیا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تھا کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہو سو وہ مجھے عطا کردیا گیا (یعنی میری یہ دعا قبول کرلی گئی)

ان سب دلائل سے معلوم ہوا کہ اجماعِ امت مستقل حجت ہے، اس کے خلاف کسی کو رائے اپنانے کا حق نہیں۔

اجماع کی قسمیں

پھر اجماع کی بنیادی طور پر تین قسمیں ہیں:

(۱) **اجماع مطلق**: یعنی قولی اور عملی طور پر مجتہدین کا کسی دینی امر پر اتفاق کر لینا، یہ اجماع کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، جس کا انکار کفر تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

الف:- التقائے ختانین کے موجب غسل ہونے پر سبھی صحابہؓ کا اتفاق و اجماع ہو گیا ہے۔ اب کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ التقائے ختانین کے موجبِ غسل نہ ہونے کا قول کرے۔ (تفصیل دیکھئے: شرح معانی الآثار ۱/۳۵)

ب:- متعہ کی حرمت پر صحابہؓ کا اتفاق ہو چکا ہے۔ (ترمذی شریف ۱/۲۱۳)

لہٰذا اب اگر کوئی مفتی متعہ کی حلت کا قول کرے گا تو اس کا قول قطعاً قابلِ اعتبار نہ ہوگا۔

(۲) **اجماع سکوتی**: یعنی کسی دینی مسئلے میں انکار کا موقع ملنے کے باوجود دیگر لوگوں کا خاموش رہ کر اسے قبول کر لینا، اس قسم کا درجہ پہلے درجے سے کم ہے اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا؛ البتہ گمراہ قرار دیا جائیگا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے:

ایک مجلس کی تین طلاقوں کو قضاءً تین ہی شمار کرنے پر صحابہ کا اجماع سکوتی اور ائمہ اربعہؒ کا اتفاق ہے؛ لہٰذا اس اجماعی رائے سے خروج کسی بھی حال میں اور کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ محقق ابن الہمامؒ نے نہایت مدلل انداز میں اس مسئلہ پر صحابہ کے اجماع کو ثابت کرکے اخیر میں فرمایا ہے:

وعن هٰذا قلنا لو حكم حاكم بأن الثلاث هم واحدة لم ينفذ حكمه لأنه لايسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلافٌ. (فتح القدير كوئٹه ۳/۳۳۰)	اسی بنیاد پر ہم نے کہا کہ اگر کوئی قاضی یہ فیصلہ کرے کہ ایک زبان سے بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک کے حکم میں ہیں تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، اور یہ خلاف ہے اختلاف نہیں ہے۔

اس لئے عام طور پر جو یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کسی اہل حدیث عالم سے عدم طلاق ثلاث کا فتویٰ حاصل کرلے تو اس کے لئے شوہر اول کے ساتھ رجوع کے بعد بلا حلالہ رہنا جائز ہوگا، بالکل بھی توجہ کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ رائے اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ کے ان تفردات میں سے ہے جو خارقِ اجماع ہیں۔

(۳) **اجماعِ مرکب** : یعنی اختلاف آراء کی صورت میں نقطہ اشتراک سے تجاوز نہ کرنا جس کی وضاحت درجِ ذیل مثالوں سے ہوگی۔

الف:- حاملہ عورت کے شوہر کا اگر وضع حمل سے پہلے ہی انتقال ہوجائے تو اس کی عدت کب ختم ہوگی، اس سلسلہ میں حضراتِ صحابہ کی دو جماعتیں ہیں۔ جمہورؒ کا قول یہ ہے کہ وضع حمل پر عدت ختم ہوجائے گی، جب کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک وضع حمل اور عدتِ موت میں جو زمانہ لمبا ہو اس کے ختم ہونے پر عدت کا مدار رکھا جائے گا۔ (بدایۃ المجتہد ۱؍۷۳)

اب گویا کہ حق انہی دو رایوں میں منحصر ہوگیا، لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ صرف مہینوں پر عدت پورا ہونے کا مدار ہوگا، خواہ وضع حمل ہو یا نہ ہو، تو یہ ایسا قول ہوگا جو دونوں رایوں کے خلاف ہوگا، بریں بنا اُسے اپنانا درست نہ ہوگا۔ صاحب توضیح وتلویح فرماتے ہیں:

ونظيره أنهم اختلفوا في عدةِ حاملٍ توفي عنها زوجها فعند البعض تعتد بأبعد الأجلين وعند البعض بوضع الحمل فالاكتفاء بالأشهر قبل وضع الحمل قول ثالث لم يقل به أحدٌ (وقال بعد ذلک) فإن الاكتفاء بالأشهر قبل الوضع منتفٍ إجماعاً أما لأن

اور اس کی نظیر یہ ہے کہ صحابہؓ نے اختلاف کیا ہے کہ حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کیا ہے؟ تو بعض کے نزدیک وضع حمل اور عدتِ موت میں جو زیادہ لمبی ہو وہی عدت ہے، تو اب اگر کوئی یہ کہے کہ صرف عدتِ موت (۴؍مہینے دس دن) عدت ہے خواہ وضع حمل ہو یا نہو، یہ ایسا تیسرا قول ہوگا جس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ (آگے فرماتے ہیں) کیوں کہ وضع حمل سے قبل محض مہینوں سے

الـواجب أبعد الأجلين وأما لأن الـواجـب وضـع الـحـمل، هٰذا يسمىٰ إجـمـاعاً مركباً فما بهٖ الاشتراک وهو عـدم الاكـتـفـاء بـالأشهر مجمع عليه. (التوضيح والتلويح ۳۴۹/۳۵، خلاصة التحقيق ۱۸)

عدت شمار کرنا اجماعاً مردود ہے، یا تو اس وجہ سے کہ واجب دونوں مدتوں میں سے لمبی مدت ہے، یا اس قول کی بنا پر کہ وضع حمل عدت ہے۔ اسے اجماع مرکب کا نام دیا جاتا ہے، تو جو چیز قدر مشترک ہے یعنی محض مہینوں سے عدت کا مدار نہ ہونا یہ مجمع علیہ ہے۔

ب:- بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو کل مال ملے گا یا مقاسمہ کے طریقہ پر ترکہ کی تقسیم ہوگی، اس بارے میں جمہور صحابہ کی رائے یہ ہے کہ دادا کل مال کا وارث ہوگا، اور اس کی موجودگی میں حقیقی اور علاتی بھائی بہن محروم ہوں گے، جب کہ بعض صحابہ مثلاً حضرت زید بن ارقم اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات کے نزدیک دادا کو ایک بھائی کے درجہ میں رکھ کر ترکہ کی تقسیم ہوگی۔ ان دونوں اقوال میں اتنی بات مشترک ہے کہ دادا ایسی صورت میں محروم نہ ہوگا، لہٰذا اگر کوئی شخص تیسرا قول یہ اختیار کر لے کہ دادا محروم ہو جائے گا تو اس کا یہ قول مبطل اجماع ہوگا۔

توضیح وتلویح میں ہے:

وفـي الـجـدّ مـع الإخو ة اتـفـاق الفريقين واقع. (توضيح وتلويح ۳۵۰)

اور بھائیوں کے ساتھ دادا کی موجودگی میں فریقین کا اتفاق موجود ہے۔ (کہ دادا محروم نہ ہوگا)

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف فیہ مسلک کے علاوہ کوئی تیسرا قول لیا جائے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع مرکب اور قدر مشترک کا ابطال نہ لازم آتا ہو تو ایسے قول کو اختیار کرنا مجتہد مطلق کے لئے فی الجملہ جائز ہے۔

مثال کے طور پر شوہر میں جذام، برص، جنون، جب وعنہ اور رتق وقرن پائے جانے کی صورت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک سب میں عورت کو حق فسخ ثابت ہے، اور بعض کے نزدیک کسی میں حق فسخ ثابت نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص بعض میں حق فسخ ثابت کرے

اور بعض میں نہ کرے، تو ایسی صورت میں وہ بالکلیہ اجماع کے خلاف کرنے والا نہ ہوگا؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک رائے پر عامل اور دوسری رائے کا تارک کہلائے گا، یعنی جن چیزوں میں فسخ ثابت کر رہا ہے ان میں قائلین فسخ کا متبع ہوگا، اور جن چیزوں میں فسخ کا انکار کر رہا ہے ان میں مانعین فسخ کی رائے لینے والا ہوگا۔

اور تیسرے قول کے ممنوع نہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اصولاً یہ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد صرف ایک ہی صحابی کی رائے کا پابند ہو، دوسرے کی رائے نہ لے سکے؛ بلکہ مجتہد کو اس طرح پابند بنانا اجماعاً باطل ہے۔ (تفصیل ملاحظہ فرمائیں: توضیح وتلویح ۳۵۰)

باب:-۵

قیاس

تشریع اسلامی کی چوتھی بنیاد ''قیاس'' ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حکم منصوص سے ''علت'' نکال کر اس حکم کو غیر منصوص میں جاری کرنا یا یوں کہئے کہ علت میں اتحاد کی بنیاد پر فرعی مسئلہ پر اصلی کا حکم لگا دینا، صاحب ''توضیح وتلوتح'' لکھتے ہیں:

وهو تعدية الحكم من الأصل إلى الفرع بعلة متحدة لايدرك بمجرد اللغة. (توضيح تلويح ٣٦٣)

وہ اصل سے فرع کی جانب حکم کو لے جانا ہے، ایسی مشترک علت کی وجہ سے جسے محض لغت سے نہ سمجھا جا سکے۔

اور ''معجم لغۃ الفقہاء'' میں قیاس کی تعریف اس طرح لکھی گئی ہے۔

القياس: إلحاق أصل بفرع فى الحكم لاتحادهما فى العلة. (معجم لغة الفقهاء ٣٧٢)

قیاس: وہ حکم میں اصل کو فرع کے ساتھ لاحق کر دینا ہے، (دونوں میں) علت کے اشتراک کی بنا پر۔

ان تعریفات سے یہ واضح ہو گیا کہ قیاس اصل دین سے خارج کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ محض علت کے تعدیہ کا نام قیاس ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی نظر میں قیاس وہی معتبر ہے:

(۱) جس کی بنیاد کسی نص پر ہو۔ (۲) اور جو کسی حکم منصوص کے خلاف نہ پڑتا ہو۔ (۳) اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ حکم اصلی مخصوص نہ ہو۔ (۴) اور غیر مدرک بالعقل نہ ہو۔ (۵) نیز یہ بھی ضروری ہے کہ حکم فرع کے ثبوت کے لئے کوئی غیر متعارض نص موجود نہ ہو۔

اگر ان میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی جائے گی تو ایسے قیاس کا اعتبار نہ ہوگا، چناں چہ کتب اصول میں ان شرائط کی تفصیلات اہتمام سے درج کی گئی ہیں۔ (التوضیح والتلوتح ۳۶۸)

تو معلوم ہوا کہ قیاس نہ صرف دلیل شرعی ہے بلکہ احکام شریعت اور قرآن وسنت کی عظمت کی دلیل بھی ہے، جس کے ذریعہ سے قرآن وسنت کے الفاظ ومعانی دونوں پر عمل کرنے کی توفیق میسر آتی ہے۔اسی وجہ سے اہل اصول لکھتے ہیں:

وفی ذٰلک تعظیم شان الکتاب والعمل بہٖ لفظاً ومعنیً أی فی العمل بالقیاس تعظیم شان الکتاب واعتبار نظمه فی المقیس علیه واعتبار معناه فی المقیس وأما منکرو القیاس فإنهم عملوا بنظم الکتاب فقط وأعرضوا عن اعتبار فحواه وإخراج الدرر المکنونة عن بحار معناه وجهلوا أن للقراٰن ظهراً و بطناً وإن لکل واحد مطلعاً وقد وفق اللّٰه تعالیٰ العلماء الراسخین العارفین دقائق التاویل لکشف قناع الاستار عن جمال معنی التنزیل. (توضیح تلویح ٣٦٧)

اور اس میں کتاب اللہ کی شان کی تعظیم اور اس کے الفاظ ومعانی دونوں پر عمل کرنے کا فائدہ ہے، یعنی قیاس پر عمل کرنے میں کتاب اللہ کی تعظیم ہے، اور مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے یعنی اصل) میں الفاظ قرآن کا اعتبار ہے۔اور مقیس (جسے قیاس کیا جائے یعنی فرع) میں قرآن کے معنی پر عمل کرنا ہے۔ (تو گویا الفاظ ومعانی دونوں پر عمل ہوگیا) اس کے برخلاف قیاس کے منکرین نے صرف الفاظِ قرآنی پر عمل کیا اور اس کے منشا کا اعتبار کرنے سے اعراض کیا، اسی طرح اس کے معانی کے سمندر سے چھپے ہوئے موتی نکالنے سے بھی گریز کیا ہے، اور اس بات سے بھی وہ ناواقف رہے کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر ایک کا الگ الگ محل ہے، اور اللہ تعالی نے علماء راسخین اور اصحابِ معرفت کو معانی قرآن کے دقائق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، تاکہ قرآنِ کریم کے معانی کے حسن وجمال سے پردے ہٹائے جاسکیں۔

لہٰذا بعض اہل ظاہر کی طرف سے ’’قیاس‘‘ کے لفظ کو شریعت کے مد مقابل اور متوازی

رائے کی صورت میں جو پیش کیا جاتا ہے، وہ محض جہالت اور حقیقت حال سے ناواقفیت پر مبنی ہے، کوئی بھی عالم دین قیاس کی ضرورت واہمیت سے انکار کی جسارت نہیں کرسکتا۔

استحسان

قیاس اگر ایسا ہو کہ سطحی نظر سے ہی اس کی معقولیت سمجھ میں آجائے تو اسے مطلق قیاس یا قیاسِ جلی کہتے ہیں؛ لیکن اگر اس میں علت نکالنے میں زیادہ گہرائی اور گیرائی کی ضرورت ہو تو اسے ''قیاسِ خفی'' کہا جاتا ہے۔اسی قیاس خفی کا نام ''استحسان'' بھی ہے، عام طور پر کتبِ فقہ میں استحسان اسی معنی میں مستعمل ہے۔(توضیح تلویح ۳۹۲)

ویسے استحسان اپنے معنی میں عموم رکھتا ہے چناں چہ استحسان بالنص، استحسان بالا جماع اور استحسان بالضرورۃ کی اصطلاحیں بھی اہلِ اصول میں مشہور ہیں، مگر ان تینوں قسموں کی حیثیت نص کے برابر ہے، اوران کے مقابلہ میں قیاس قبول نہیں ہے۔(حسامی ۱۰۶)

مثلاً بیع سلم کا جواز، روزے کا بھول کر کھانے پینے سے نہ ٹوٹنا، استصناع کا جواز اور معمولی مینگنیوں سے کنووں کا ناپاک نہ ہونا وغیرہ۔(توضیح وتلویح ۳۹۳)

البتہ استحسان بمعنی قیاس خفی کا مقابلہ جب قیاس جلی سے ہو تو ان میں ترجیح کے لئے بنیادی طور پر ۲/اصول پیش نظر رہنے چاہئیں۔

پہلا اصول

اگر استحسان کی تاثیر مضبوط اور قیاس کا اثر کمزور ہو تو استحسان کو ترجیح ہوگی۔مثلاً پھاڑ کھانے والے پرندوں کے جھوٹے کے بارے میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ ان کا جھوٹا ناپاک ہو، جیسے کہ درندے جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہوتا ہے، مگر قیاس خفی یعنی استحسان کے اعتبار سے جھوٹا پاک ہے، اس لئے کہ وہ اپنی چونچ سے پانی پیتے ہیں جو پاک ہڈی ہوتی ہے لہٰذا ان کے جھوٹے کو ناپاک نہیں کہا جائے گا، صاحب توضیح وتلویح فرماتے ہیں:

كسباع الطير فإنه نجسٌ قياساً على سؤر البهائم طاهر استحساناً لأنها تشرب بمنقارها وهو عظم طاهر. (التوضيح والتلويح ٣٩٤)	مثلاً پھاڑ کھانے والے پرندے: کیوں کہ درندے چوپایوں پر قیاس کے اعتبار سے نجس ہیں، مگر استحساناً ان کے جھوٹے کو پاک کہا گیا، اس لئے کہ وہ اپنی چونچ سے پانی پیتے ہیں اور چونچ ایک پاک ہڈی ہے۔

دوسرا اصول

دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر قیاس خفی کی صحت کی دلیل ظاہر اور فساد کی دلیل مخفی ہو اور اس کا مقابلہ ایسے قیاسِ جلی سے ہو رہا ہو جس کے فساد کی دلیل ظاہر اور صحت کی دلیل پوشیدہ اور مضمر ہو تو ایسی صورت میں قیاسِ جلی کو قیاسِ خفی یعنی استحسان پر ترجیح ہوگی۔ مثلاً نماز کے دوران سجدۂ تلاوت رکوع کے ذریعہ ادا ہو جانا، اس میں قیاس تو یہی کہتا ہے کہ جس طرح سجدہ تعظیم پر دال ہے اسی طرح رکوع بھی تعظیم کی دلیل ہے نیز اس بارے میں نص بھی وارد ہے: وَخَرَّ رَاكِعاً۔ مگر اس میں ایک ظاہری فساد یہ پایا جاتا ہے کہ جب حقیقت یعنی سجدہ پر عمل ممکن ہے تو مجاز کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے، تو قیاس کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ظاہر پائی گئی، اور حکم قیاس کے صحیح قرار دینے کی دلیل اس کے مقابلہ میں مخفی رہ گئی، جب کہ استحسان کی نظر میں یہ عمل صحیح نہ ہونا چاہئے، کیوں کہ یہ امر شارع کے خلاف ہے۔ یہاں استحسان کی صحت کی دلیل واضح ہے، اس لئے کہ ارکانِ صلاۃ میں سے کوئی رکن دوسرے کے قائم مقام نہیں ہوتا، مگر اس میں ایک مخفی فساد پایا جاتا ہے بایں معنی کہ اس میں سجدہ کے اصل مقصد یعنی اظہار تعظیم سے صرف نظر کر لیا گیا ہے، لہٰذا یہاں استحسان کو چھوڑ کر قیاس کو ترجیح دیں گے، اور فی نفسہ رکوع کے ذریعہ سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کا قول کریں گے، اس لئے کہ قیاس جلی میں صحت کا حکم مضبوط ہے، بایں معنی کہ اصل میں سجدہ کی مشروعیت کا حکم متکبرین کی مخالفت کے لئے دیا گیا ہے، اور یہ مقصد رکوع سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ (حاشیہ حسن چلپی ۳۹۵)

توضیح وتلویح میں ہے:

كسجدة التلاوة تؤدى بالركوع قياساً؛ لأنه تعالى جعل الركوع مقام السجدة في قوله ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ لا استحساناً؛ لأن الشرع أمر بالسجود فلا تؤدى بالركوع كسجود الصلاة فعملنا بالصحة الباطنة في القياس وهي أن السجود غير مقصود هنا وإنما الفرض ما يصلح تواضعاً مخالفة المتكبرين. (التوضيح ٣٩٤)	جیسے سجدۂ تلاوت قیاس کے اعتبار سے رکوع کے ذریعہ بھی ادا ہوجاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے رکوع کو اپنے ارشاد: وخر راکعاً میں سجدہ کی جگہ رکھا ہے۔ اور استحساناً سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا نہ ہوگا، اس لئے کہ شریعت نے تو سجدہ کا حکم دیا ہے تو وہ رکوع سے ادا نہ ہوگا جیسے نماز کا سجدہ (رکوع سے ادا نہیں ہوتا) تو ہم نے قیاس میں جو باطنی صحت پائی جارہی ہے اس پر عمل کیا، اور وہ یہ ہے کہ یہاں سجدہ ہی مقصود نہیں بلکہ فرض ہر وہ عمل ہے جو تواضع کا مظہر ہوتا کہ تکبر کرنے والوں کی مخالفت ہوسکے (یہ مقصد رکوع میں بھی حاصل ہے)

ان کے علاوہ بھی دیگر تقسیمات صاحبِ توضیح وتلویح اسی طرح حاشیہ چلپی اور دیگر کتبِ اصول میں ذکر کی گئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً استحسان کو قیاس پر ترجیح نہیں ہے؛ بلکہ اس کے کچھ آداب وشرائط ہیں، انہیں سامنے رکھ کر ہی قیاس واستحسان کے درمیان ترجیح کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے قیاس واستحسان کا ثبوت

قیاس واستحسان کی اہمیت اور حجیت سے متعلق حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث سب سے زیادہ واضح ہے۔ راوی کہتا ہے:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذاً رضی اللہ عنہ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: كَيْفَ تَقْضِيْ إِذَا عُرِضَ لَكَ	آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو پوچھا کہ: اگر کوئی مسئلہ تمہارے سامنے آئے تو تم کیسے فیصلہ کروگے؟

قَضَاءً؟ قَالَ: أَقْضِیْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَجْتَهِدُ بِرَائِیْ وَلَا اٰلُوْ، فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدْرَهٗ، فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِمَا یَرْضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. (ابوداؤد شریف ۲/۵۰۵)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ کی کتاب میں حکم نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کہ آنحضرت ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ پاؤ؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کہ اس وقت میں بلا کسی پروا کے اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو ایسی بات کی توفیق دی جس پر رسول اللہ ﷺ راضی ہیں۔

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ تشریع اسلامی کی بنیادوں میں ایک اہم بنیاد ادلۂ سمعیہ کی روشنی میں قیاس اور اجتہاد بھی ہے، جس کی جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی تحسین فرمائی ہے۔ اس طریقۂ علم کا انکار کرنا سوائے ضد اور عناد کے کسی اور امر پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

باب:-٦

اجتہاد واستنباط

مذکورہ بالا مصادر شریعت سے استفادہ کرتے ہوئے نئے مسائل میں امت کی رہنمائی کے لیے اجتہاد واستنباط کا عمل ناگزیر تھا، اس کے بغیر دین کو دائمی شکل حاصل نہیں ہوسکتی تھی، بریں بناہر دور میں زمانے اور حالات کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اجتہاد کا سلسلہ جاری رکھا گیا ہے، اور خود نبی اکرم علیہ السلام نے امت کو اجتہاد کی ترغیب دی ہے اور مجتہدین کو بہرصورت اجر وثواب کی بشارت سنائی ہے، چنانچہ سیدنا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

إذاحكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر. (بخاری شریف: ٧٣٥٢، اصول الإفتاء و آدابه ٣١)

جب حاکم اجتہاد کرکے صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے اور اگر اجتہاد کے بعد غلط فیصلہ ہوجائے تو اکہرا اجر ہے۔

اجتہاد کے لئے درکار صلاحیت

لیکن اجتہاد کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے کہ ہر کس وناکس مجتہد بن کر شریعت کو تختۂ مشق بنانے لگے بلکہ اس کے لیے کم از کم درج ذیل صلاحیتوں سے متصف ہونا ضروری ہے:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) فہم وفراست کا حامل ہونا۔

(۳) کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اجماع امت اور قیاس کا وافر علم رکھنا۔

(۴) نصوص کے ناسخ ومنسوخ کا علم رکھنے والا ہونا۔

(۵) اصول فقہ سے واقف ہونا۔

(٦) عربی زبان اور اس کے متعلقہ علوم جیسے نحو وصرف اور بلاغت سے واقف ہونا۔

(موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۱/۳۱۷)

مذکورہ بالا صفات کے بغیر کوئی شخص درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں ہوسکتا۔

اور یہ اجتہاد امت کے لیے عمومی طور پر فرض کفایہ ہے، یعنی امت میں چند افراد بھی اس خدمت کو انجام دیں تو پوری امت کا ذمہ فارغ ہوجائیگا، اسی طرح کسی مقام پر جو شخص صفاتِ اجتہاد کا حامل ہو اور اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اپنے اجتہاد کی روشنی میں حل کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے خصوصی حالات میں اس خاص شخص پر اجتہاد لازم ہوجاتا ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱/۳۱۸)

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں قیاس واجتہاد کا سلسلہ

خیر القرون (دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم) میں بھی انہی اصول تشریع سے احکامات کے استنباط کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے کی حد کے بارے میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حد قذف پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اسے اسّی کوڑے لگائے جائیں''، حضرت امام مالکؒ اپنی مؤطا میں نقل فرماتے ہیں:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ اِسْتَشَارَ فِيْ الْخَمْرِ يَشْرِبُهَا الرَّجُلُ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ نَرىٰ أَنْ تَجْلِدَهُ ثَمَانِيْنَ فَإِنَّهُ إِذَا شَرِبَ أَسْكَرَ وَإِذَا أَسْكَرَ هَذَا وَإِذَا هَذَا افْتَرىٰ أَوْ كَمَا قَالَ، فَجَلَدَهُ عُمَرُ رضی اللہ عنہ فِيْ الْخَمْرِ ثَمَانِيْنَ.	حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مشورہ لیا شراب کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اسے پی لے (تو اس کے لئے کیا حکم ہے) اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رائے پیش کی کہ میرے خیال میں اسے اسّی کوڑے ماریں؛ اس لئے کہ جب وہ شراب پیئے گا تو اسے نشہ آئے گا تو وہ بکواس کرے گا، بکواس کرے گا تو کسی پر بہتان لگائے

(مؤطا امام مالك ٣٥٧) گا، اور بہتان کی سزا جب کہ وہ زنا سے متعلق ہو اسّی کوڑے ہیں، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے پر اسی کوڑے کی سزا جاری کی۔

چناں چہ حنفیہ اور جمہور علماء کا مذہب بھی شراب کی حد کے بارے میں اسّی کوڑے کا ہے۔
(بدایۃ المجتہد ۲/۳۳۲، ہدایہ ۲/۵۲۸)

(۲) امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداء میں اس مسئلہ میں متردد تھے کہ اگر چند لوگ مل کر کسی کو قتل کر دیں تو سب سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مشورہ دیا کہ جس طرح کئی چور اگر مل کر چوری کریں تو سب کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اسی طرح قاتلوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونا چاہئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر مطمئن ہو گئے۔ یہ واقعہ قیاس کے ذریعہ حکم کے تعین کی کھلی مثال ہے۔ (چلپی علی التوضیح ۳۶۷)

ان کے علاوہ بھی تتبع سے دورِ صحابہ میں قیاس کے شائع وذائع ہونے کی مثالیں مل سکتی ہیں، وہ حضرات دیانت داری کے ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کا حکم معلوم کرتے اور اگر اپنی فہم کے مقابلہ میں کسی اور بہتر رائے اور دلیل کو دیکھتے تو اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں ہمیں کافی روشنی درج ذیل واقعہ سے ملتی ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک تھا کہ اگر طوافِ وداع سے قبل عورت کو حیض آنے لگے تو جب تک طواف نہ کر لے اس وقت تک اس کے لئے واپس لوٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ اہل مدینہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے اسی فتویٰ پر عموماً عمل پیرا تھے۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کا مسئلہ معلوم کیا گیا، انہوں نے فتویٰ دیا کہ ایسی عورت وطن واپس ہو جائے اس پر طواف وداع نہیں ہے۔ اہل مدینہ یہ سن کر بولے کہ ہم تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آپ کے فتویٰ کو نہ مانیں گے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: اچھا جب مدینہ پہنچو تو جاننے والوں سے مسئلہ کی تحقیق کر لینا، وہ حضرات واپس

آئے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالی عنہا سے تحقیق کی، انہوں نے طوافِ وداع سے قبل ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کے ایام شروع ہونے کا واقعہ سنایا جس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید ہوتی تھی، چناں چہ جب اس کا علم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ہوا تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری شریف میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے:

إن أهل المدينة سألوا ابن عباس رضی اللہ عنہ عن إمرأةٍ طافت ثم حاضت قال لهم: تنفر قالوا: لانأخذ بقولك وندع قول زيد رضی اللہ عنہ قال: إذا قدمتم المدينة فاسئلوا فقدموا المدينة فسألوا فكان فيمن سألوا أم سليم رضى الله تعالى عنها فذكرت حديث صفية رضى الله تعالىٰ عنها.

(بخاری شریف ۲۳۷/۱)

اہلِ مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اگر عورت طوافِ زیارت کرنے کے بعد حیض میں مبتلا ہوجائے (اور طوافِ وداع نہ کیا ہو) تو کیا کرے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ واپس لوٹ جائے، (یعنی اس پر طوافِ وداع ضروری نہیں ہے) یہ سن کر اہل مدینہ نے کہا: ہم حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ کے قول کو چھوڑ کر آپ کی رائے نہ مانیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم مدینہ جاؤ تو اس بارے میں تحقیق کرلینا، چناں چہ اہلِ مدینہ نے مدینہ پہنچ کر تحقیق کی، جن لوگوں سے تحقیق کی ان میں حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالی عنہا بھی تھیں، تو انہوں نے جواب میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حیض آنے کا واقعہ بیان کیا۔

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا رجوع مسلم شریف ۴۲۷/۱ کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔

تو معلوم ہوگیا کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی قیاس واستنباط اور ایک دوسرے کی رائے کی تقلید کا رواج تھا، اس لئے کہ مذکورہ تحقیق سے قبل اہلِ مدینہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی رائے کے پابند تھے، یہی تو تقلید ہے۔

بعد کا زمانہ

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہ کے بعد علوم کی تدوین کا دور شروع ہوا، مسائل کی کثرت ہوگئی، اسلام کا پیغام عرب وعجم تک پہنچ گیا، جگہ جگہ اور قدم قدم پر احکام ومسائل بیان کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی۔ تدوین کے مرحلہ میں اس مشکل کا بھی احساس کیا گیا کہ بعض بعض مسائل میں نصوص متعارض ہیں، اور سطحی نظر میں وہ تعارض دور نہیں ہو پاتا، اگر اس ظاہری تعارض کو ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا تو پوری ملت فتنہ وانتشار میں مبتلا ہو جاتی، چناں چہ اللہ رب العزت نے دین کی حفاظت کے لئے جہاں محدثین کی اس جماعت کو وجود بخشا، جنہوں نے نہایت حزم واحتیاط کے ساتھ کمزور اور ضعیف احادیث کو صحیح سے ممتاز اور جدا کر دیا وہیں معانی حدیث کے ماہر ایسے فقہاء بھی پیدا فرمائے جنہوں نے اپنی زندگیاں احکام شریعت کے استنباط اور تعارض نصوص کو ختم کرنے میں لگادیں، حتی کہ جماعت محدثین بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ: **الفقهاء وهم أعلم بمعاني الحديث** ۔(ترمذی شریف ۱/ ۱٦٣) یعنی فقہاء ہی دراصل معانی حدیث کو سمجھنے والے ہیں۔

اس معنی کر حضرات فقہاء کا وجود امت کے لئے ایک بنیادی دینی ضرورت کی حیثیت رکھتا تھا، کیوں کہ ضرورت تھی کہ استنباطِ احکام کا کام ایسے باصلاحیت افراد انجام دیں جو واقعی صحیح معنی تک رسائی کی اہلیت رکھتے ہوں، اور منشاء ایزدی کی تکمیل کرنے والے ہوں۔

مذکورہ دلائل سے احکام کا تعین

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا تعلق نقلی دلائل سے ہے، جن کے فی الجملہ چار مراتب ہیں:

الف: **قطعي الثبوت قطعي الدلالة** : یعنی قرآنِ کریم کی مفسر ومحکم اور غیر مؤوّل آیتیں اور سنتِ متواترہ۔ جیسے: خونِ مسفوح کی حرمت، شراب کی حرمت وغیرہ۔ اس طرح کے دلائل سے جانب امر میں فرضیت اور جانب نہی میں قطعی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

ب: **قطعي الثبوت ظني الدلالة** : یعنی قرآنِ کریم کی مجمل ومؤوّل آیات اور وہ احادیثِ

متواترہ جن کی دلالت ظنی ہے۔ مثلاً: ثَلاثَةَ قُرُوْءٍ میں لفظ قُرُوْءٍ اگرچہ قطعی الثبوت ہے، مگر اس کی دلالت کہ حیض مراد ہے یا طہر، ظنی ہے۔ اس بنا پر حضراتِ حنفیہ نے آیت کی تاویل حیض سے کی ہے، اور حضراتِ شوافعؒ نے قُرُوْءٍ سے طہر مراد لیا ہے۔ صاحب نور الانوار فرماتے ہیں:

وبيانه أن قوله تعالىٰ "قروء" مشتركٌ بين معنى الطهر والحيض فأوله الشافعي بالأطهار الخ. وأوله أبو حنيفةؒ بالحيض. (نور الأنوار ۱۸)

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ارشادِ خداوندی "ثلاثة قروء" طہر اور حیض کے معنی میں مشترک ہے، پس حضرت امام شافعیؒ نے طہر کے معنی لئے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حیض سے تاویل کی ہے۔

الغرض اگر کسی قطعی دلیل میں عمومیت اور تاویل کی گنجائش نکل آئے تو اس کی دلالت ظنی ہوجاتی ہے، اور اس کا درجہ حکم کے اعتبار سے قطعیت سے نیچے آجاتا ہے، پھر اس سے قطعی فرض اور قطعی حرام کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ جانبِ امر میں وجوب یعنی فرضِ عملی اور جانبِ نہی میں کراہتِ تحریمی یعنی حرام عملی ثابت ہوتا ہے۔ اور اس سے ثابت شدہ منفی یا مثبت حکم کا منکر کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ **وحكمه (الواجب) اللزوم عملاً لا علماً على اليقين حتىٰ لايكفر جاحده.** (نور الانوار ۱٦٦)

ج: ظنى الثبوت قطعى الدلالة: یعنی وہ احادیث واخبارِ آحاد جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے قطعی ہیں، مگر ان کے ثبوت میں ظنیت پائی جاتی ہے۔ اس صفت کی دلیلیں معارضہ سے محفوظ ہونے کی صورت میں قسم ثانی کی طرح جانبِ امر میں وجوب اور جانبِ نہی میں کراہتِ تحریمی ثابت کرتی ہیں۔ مثلاً آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتشربوا فى اٰنية الذهب والفضة. (مسلم شریف ۱۸۹/۲)

سونے چاندی کے برتن میں نہ پیو۔

یہ حدیث خبر واحد ہے، مگر اس سے جو معنی مقصود ہیں وہ قطعی ہیں، یعنی سونے چاندی کے برتن کا استعمال ممنوع ہے؛ لہٰذا اس حدیث سے سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی کراہت

ثابت کی جائے گی۔ (علاوہ ازیں کبھی دیگر قرائن کو پیش نظر رکھ کر اس درجہ کے دلائل سے وجوب کے بجائے سنت اور کراہتِ تحریمی کے بجائے مطلق کراہت کا بھی ثبوت ہوتا ہے، مثلاً وہ احادیث آحاد جن میں بیمار کی عیادت، جنازہ کی مشایعت وغیرہ کے احکامات دئے گئے ہیں۔ (مسلم شریف ۲/۱۸۸) ان سے بالاتفاق وجوب مراد نہیں بلکہ محض سنت مراد ہے)

د: ظنی الثبوت ظنی الدلالة: یعنی وہ احادیث واخبارِ آحاد جو مجمل اور قابل تاویل ہوں، اس قسم کے دلائل سے جانبِ امر میں سنت واستحباب اور جانبِ نہی میں کراہتِ تنزیہی کا ثبوت ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد نبوی ﷺ ہے:

إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلاَّ المكتوبة. (ترمذی شریف ۹٦/۱، ابوداؤد شریف ۱۸۰/۱) جب نماز کھڑی ہوجائے تو پھر فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔

یہ حدیث خبر واحد ہونے کے اعتبار سے ظنی ہے، اور اس کی دلالت بھی ظنی ہے، بایں طور کہ یہ نہی عام ہے یا صرف مسجد میں اور امام کے قریب پڑھنے کی ممانعت ہے؟ چناں چہ شافعیہ نہی کو عام مان کر فرض شروع ہونے کے بعد کہیں بھی نفل پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ اور مالکیہ وحنفیہ نہی کو مسجد کے ساتھ خاص مان کر خارجِ مسجد نوافل وسنن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ فرض بالکلیہ چھوٹنے کا اندیشہ نہ ہو۔ (بدایۃ المجتہد ۱۴۹/۱) الغرض اس ظنیت کی بنا پر حدیث بالا سے جانب نہی میں صرف کراہت تنزیہی ثابت ہوگی۔

ادلۂ سمعیہ کی یہ تفصیل اور ان سے ثابت ہونے والے احکامات کا یہ تعین علامہ شامیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ردالمحتار (کراچی ۹۵/۱، شامی زکریا ۲۰۷/۱-۲۰۸) میں نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ طحطاوی علی المراقی (دمشق ۳۱-۳۲، اشرفی دیوبند ۵٦-۵۷) اور شرح نقایہ (۴/۱) پر بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے، لیکن یہ ضابطے عمومی ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجتہد کے نزدیک کوئی ظنی دلیل کسی قرینہ کی بنیاد پر قطعی کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور وہ اس سے وجوب کا حکم ثابت کر دیتا ہے

حتیٰ کہ بعض مرتبہ خبر واحد سے رکنیت بھی ثابت کر دی جاتی ہے۔ چناں چہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ثـم إن الـمـجتهد قد يقوى عنده الـدليل الظنی حتیٰ يصير قريباً عنده من الـقطعي فما ثبت بهٖ يسـميه فرضاً عملياً لأنـه يعـامـل مـعـاملة الفرض في وجوب العمل ويسمّٰی واجباً نظراً إلیٰ ظنيةِ دليله فهـو أقـویٰ نوعی الواجب وأضعف نوعی الفرض بل قد يصل خبر الواحد عنده إلی حـد الـقـطعي ولذا قالوا أنهٗ إذا كان متلقی بالقبول جـاز اثبات الركن بهٖ حتیٰ تثبت ركنية الوقوف بعرفات بقولهٖ ﷺ "الحج عرفة". (شامی کراچی ۹۵/۱، شامی زکریا ۲۰۷/۱)

لیکن کبھی مجتہد کے نزدیک دلیل ظنی اتنی مضبوط ہوجاتی ہے کہ وہ قطعی کے قریب تک پہنچ جاتی ہے، تو جو حکم ایسی دلیل سے ثابت ہوا اسے فرض عملی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ عمل کے ضروری ہونے میں اس کے ساتھ فرائض جیسا معاملہ کیا جاتا ہے اور ظنیت دلیل کی بنا پر اسے واجب کہتے ہیں۔ تو یہ واجب کی اعلیٰ اور فرض کی ادنیٰ قسم ہے، بلکہ کبھی تو مجتہد کے نزدیک خبر واحد بھی قطعی کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر وہ (خبر واحد) عام طور پر قبول کی جاتی ہو تو اس سے رکنیت ثابت کرنا بھی درست ہے، حتیٰ کہ وقوف عرفہ کی فرضیت آنحضرت ﷺ کے ارشاد: "**الـحـج عـرفة**" (حج عرفہ ہے) سے ثابت کی گئی ہے۔

اسی طرح فقہاء کے کلام میں کبھی کبھی فرض کا اطلاق ایسے حکم پر کر دیا جاتا ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہے، اور واجب کا نام ایسے حکم کو دے دیا جاتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، نیز واجب کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں اور ان سب کے لئے ایک ہی لفظ ''واجب'' استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اس لئے احکام کی تعیین میں اس امر کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

علامہ شامیؒ صاحب تلویح سے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

إن استعمال الفرض فيما ثبت بظني، والواجب فيما ثبت بقطعي شائع مستفيض، فلفظ الواجب يقع علىٰ ما هو فرض علماً و عملاً كصلاة الفجر، وعلىٰ ظني هو في قوة الفرض في العمل كالوتر حتىٰ يمنع تذكره صحة الفجر كتذكر العشاء وعلىٰ ظني هو دون الفرض في العمل وفوق السنةِ كتعيين الفاتحة حتىٰ لا تفسد الصلاة بتركها لكن تجب سجدة السهو.

(شامی کراچی ۱/۹۵، شامی زکریا ۲۰۷-۲۰۸)

ظنی دلیل سے ثابت شدہ حکم کوفرض کا نام دینا اور قطعی دلیل سے مستفاد حکم کو واجب سے تعبیر کرنا (علماء کے حلقہ میں) مشہور ومعروف ہے، تو لفظ واجب کبھی ایسے حکم پر بولا جاتا ہے جو علمی اور عملی ہر اعتبار سے فرض ہے، جیسے نماز فجر اور ایسے حکم پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو اگرچہ ظنی ہے مگر عمل میں فرض کی قوت رکھتا ہے۔ مثلاً نماز وتر (کہ وہ فرض عملی ہے) حتیٰ کہ اگر (کوئی شخص وتر نہ پڑھے اور) صبح کو نمازِ فجر سے پہلے اسے یاد آجائے کہ اس نے وتر نہیں پڑھی (اور وہ صاحبِ ترتیب ہو) تو یہ یاد آنا اس کے لئے صحت فجر سے مانع ہوگا، بالکل اسی طرح جیسے چھوٹی ہوئی عشاء کی نماز کا یاد آنا مانع ہوتا ہے، اسی طرح (واجب کا اطلاق) ایسے حکم ظنی پر بھی ہوتا ہے جو عمل میں فرض کے درجہ سے کمتر اور سنت کے درجہ سے بڑھا ہوا ہے۔ جیسے سورۂ فاتحہ کا متعین ہونا کہ اس کو چھوڑنے سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی، البتہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔

ان وضاحتوں کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ محض ادلۂ سمعیہ اور ان کے ضابطوں کو ہی پیش نظر رکھ کر ہم خود اپنی رائے سے احکامات کا تعین نہیں کریں گے، بلکہ اس میں بھی مجتہدین اور اصحابِ رائے کے اقوال کو سامنے رکھنا پڑے گا، اس کے بغیر ادلۂ سمعیہ کے صحیح منشا پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

حیرت ہے کہ آج کل ہر جگہ ایک نیا طبقہ وجود میں آ گیا ہے، جو آیات واحادیث سے بے دھڑک استدلال کرنا اپنا واجبی حق سمجھتا ہے، اور مطلوبہ صلاحیت سے قطعاً محروم ہونے کے باوجود شرعی مسائل میں رائے زنی کرنے کو روا سمجھتا ہے، حالاں کہ یہ طریقہ سراسر گمراہی ہے، اس سے کسی خیر کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔

اختلافِ فقہاء کے دو اہم عنوانات

حضرات فقہاء کے کام کو اگر تقسیم کیا جائے تو وہ دو عنوانوں میں سامنے آتا ہے:

(۱) مجمل، محتمل اور متعارض نصوص کے معنی کی تعیین: اس سلسلہ میں فقہاء اپنے اپنے اصول الگ متعین کرتے ہیں، کوئی ترجیح کو فوقیت دیتا ہے، اور کسی کے نزدیک تطبیق کو اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے، کوئی رواۃ کی فقاہت وعدم فقاہت پر مدار رکھتا ہے تو کوئی کسی خاص شہر کے اہل علم کی تقلید کرتا ہے۔ سوچنے کا یہ جداگانہ ڈھنگ، اختلافِ فقہاء کا بڑا سبب ہے۔

(۲) احکام منصوصہ سے علتوں کی تحقیق، تخریج اور تنقیح: جسے اصول کی اصطلاح میں تحقیق مناط، تخریج مناط اور تنقیح مناط کے ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔

الف: -تحقیقِ مناط کا مطلب یہ ہے کہ نص میں وارد علت کے بارے میں یہ طے کرنا کہ وہ کہاں کہاں پائی جارہی ہے اور کہاں نہیں پائی جارہی۔

مثلاً: حدیث میں فرمایا گیا: **من أكل من هٰذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فإن الملٰئكة تأذى مما يتأذى منه الإنس.** (مسلم شریف ۲۰۹/۱) یعنی لہسن، پیاز کھا کر مسجد میں نہ آؤ، کیوں کہ وہ ملائکہ کے لئے بھی اسی طرح اذیت کا باعث ہے جیسے انسانوں کے لئے، اب علت حرمت یہاں نص میں موجود ہے، لہٰذا جہاں بھی اذیت پائی جائے گی یہی حرمت کا حکم ہوگا، مثلاً بیڑی وغیرہ کی بدبو۔

ب: -اور تخریج مناط سے مراد یہ ہے کہ غیر معلول نص کی علت متعین کرنا؛ تا کہ اس کا حکم غیر منصوص تک متعدی کیا جائے۔

مثلاً: ربوا کے بارے میں چھ چیزوں کا حکم بیان کیا گیا، یہ نص معلول ہے اس سے علت کی تخریج میں فقہاء کا اختلاف ہوگیا، حنفیہ نے قدر مع الجنس، شافعیہ نے طعم وثمنیت اور مالکیہ نے اقتیات وادخار وغیرہ کی الگ الگ علتیں نکالیں۔ (مسلم مع النووی ۱/۲۴)

ج:- جب کہ تنقیح مناط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکم منصوص کی کئی محتمل علتوں میں سے کسی ایک کو متعین کرنا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک اعرابی نے رمضان کے روزے کے دوران بیوی سے جماع کرلیا تو آنحضرت ﷺ نے اسے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا، اب اس حکم کی کئی علتیں ہوسکتی ہیں، اعرابی ہونا، بیوی سے جماع کرنا، رمضان میں ایسا کرنا، اس کا قصداً روزہ توڑ دینا، تو احناف وموالک نے افطار کی علت متعین کی، جب کہ شوافع وحنابلہ نے قصداً بیوی سے جماع کی علت متعین فرمائی۔ (مقدمہ فتاویٰ تاتارخانیہ ۱/۲۳ قدیم)

یہ کام چوں کہ سراسر اجتہاد پر مبنی ہے اس لئے اس ذمہ داری کو انجام دیتے وقت بھی حضرات فقہاء میں سخت اختلاف رونما ہوا، اور جزئی احکامات میں بہت زیادہ فرق ہوگیا۔

حضرات فقہاء کا یہ اختلاف دراصل رحمت خداوندی ہے، اور بظاہر اس کی حکمت یہ ہے کہ نص کے ہر پہلو پر عمل کی راہ کسی نہ کسی ذریعہ سے نکل آئے۔

باب: -۷

فقہ وافتاء کی اجمالی تاریخ

دورِنبوت میں پوری امت کا مرجع نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی تھی، جو بھی مسئلہ پیش آتا بہرحال آپ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، اور آپ بذریعہ وحی یا بذریعہ اجتہاد اس کا حکم بیان فرماتے تھے اور امت اس پر عمل پیرا ہوتی تھی۔

اس کے بعد دورِ صحابہ میں اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو امت میں مرجعیت کا مقام حاصل ہوا، جن میں خاص طور پر سات صحابہ کا نام نمایاں ہے:

(۱) امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳) سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴) ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۵) سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

علامہ بن القیم فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک شخصیت کے فتوؤں کو ایک بڑی جلد میں جمع کیا جا سکتا ہے، اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ کو جب جمع کیا گیا تو وہ بیس کتابوں میں تحریر کئے گئے۔ (اعلام الموقعین ۱/۱۴)

اس کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے امت کی دینی رہنمائی کی

خدمت انجام دیتے رہے جن میں سے بعض صحابہ کو خصوصی مسائل میں تخصص کا درجہ حاصل تھا جیسے: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حج کے مسائل میں امتیاز حاصل تھا، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زید بن ثابتؓ کو علم الفرائض میں خصوصی درک حاصل تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام تو یہ تھا کہ بعض تابعین کا مقولہ ہے کہ جب میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فقاہت کو دیکھا تو دیگر فقہاء ان کے سامنے بچے نظر آئے۔

خصوصاً چار صحابہ کا علمی و فقہی فیض امت میں زیادہ پھیلا اور ان کو ماہر شاگرد میسر آئے:

(۱) حضرت عبداللہ مسعود: جن کا فیض عراق میں پھیلا اور فقہ حنفی کی اساس حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایات و آراء پر ہی ہے۔

(۲) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ان دونوں حضرات سے اہل مدینہ زیادہ فیض یاب ہوئے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: جن کی آراء سے مکہ معظّمہ میں زیادہ استفادہ کیا گیا۔

اس کے بعد دورِ تابعین میں اسلامی حکومت کے تقریباً تمام ہی بڑے اور مرکزی علاقوں میں بڑے بڑے اجلہ علماء اور فقہاء نے فقہ و فتاویٰ کی بے نظیر خدمات انجام دیں اور سلف کے علوم کو خلف تک منتقل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اصحاب الرائے واصحاب الحدیث

اس دور کے علماء اور فقہاء فقہ و فتاویٰ کے منہج میں دو الگ الگ نقطۂ نظر کے حامل تھے:

(۱) **حجازی مکتب فکر**: ان کو اصحاب الحدیث بھی کہا جاتا ہے اس فکر کا مرکز مدینہ منورہ تھا اور اس سے وابستہ فقہاء عموماً اپنے اجتہادات میں کتاب و سنت کی صریح ہدایات کو بنیاد بناتے تھے، اور اس علاقہ میں چونکہ راویانِ حدیث کی کثرت تھی اور اکثر واسطے معتبر اور مستند تھے اس لیے

گہرے اجتہادات کی ضرورت انہیں پیش نہ آتی تھی، اس فکر کے مؤیدین میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگردان رشید پیش پیش تھے اور ائمہ اربعہ میں حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا تعلق بھی اسی مکتب فکر سے ہے۔

(۲) **عراقی مکتب فکر**: اس فکر سے وابستہ حضرات کو اصحاب الرائے بھی کہا جاتا ہے، یہ حضرات کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں قیاس صحیح اور اجتہادات شرعیہ کے مؤید تھے، اور اس فکر کا مرکز چونکہ عراق کا علاقہ تھا جہاں پر اس دور میں ہر طرح کے بدفکری کے مراکز قائم تھے اس لیے اس مکتب فکر کے حضرات نے احادیث وروایات کو قبول کرنے میں بہت سخت شرائط کا انتظام کیا، اور صرف ظاہری روایات کو بنیاد بنانے کے بجائے اس کے سیاق وسباق اور راوی کے عمل کو بھی پیش نظر رکھا اور جو روایتیں انہیں منسوخ یا مؤول معلوم ہوئیں ان پر عمل کرنے کے بجائے قیاس واجتہاد کو ترجیح دی، اس مکتب فکر کے اولین قائد فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، پھر آپ کے تلامذہ حضرت علقمہؒ اور ان کے بعد حضرت ابراہیم نخعیؒ وغیرہ نے اس فکر کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا، سیدنا حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کا منہج بھی اسی مکتب فکر سے قریب؛ بلکہ زیادہ تر ماخوذ ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱/۲۸-۲۷)

دو وضاحتیں

البتہ یہاں دو باتیں واضح رہنی چاہئیں: اول یہ کہ درج بالا فکری تقسیم میں جن لوگوں کو ''اصحاب الحدیث'' کہا گیا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کا زیادہ تر مشغلہ احادیث اور صحابہ کے فتاویٰ پر مشتمل تھا، ورنہ شرعی اصول کے مطابق قیاس واجتہاد سے انہیں بھی انکار نہ تھا، جیسا کہ ان کے فتاویٰ اور بیان کردہ مسائل سے واضح ہے۔ اسی طرح جن حضرات پر ''اصحاب الرائے'' کا اطلاق کیا گیا، وہ بھی کتاب وسنت سے اعراض کرنے والے نہ تھے؛ بلکہ صرف ایک خاص منہج کی وجہ سے مذکورہ لقب دیا گیا تھا۔

دوسرے یہ کہ: آج کل جو غیر مقلدین (اہل حدیث) پائے جاتے ہیں، ان کا مذکورہ

''اصحاب الحدیث'' کی اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ مروجہ غیر مقلدیت ایسی بدفکری ہے جس کا سلف سے ثبوت نہیں، مگر حیرت ہے کہ پھر بھی یہ لوگ اپنے کو''سلفی'' کہنے پر مصر رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دورِ صحابہ و تابعین میں اکثر فقہی مسائل مدون نہ تھے اور ہر علاقے کے علماء و مفتیان اپنے علم کی روشنی میں جو فتاویٰ جاری کرتے تھے، امت کے افراد ان پر اعتماد کرتے ہوئے بلاخوف وخطر عمل کیا کرتے تھے۔

لیکن امت کی ضروریات کا پھیلاؤ اور مسائل کا تنوع اس بات کا شدت سے متقاضی تھا کہ دینی مسائل کو ابوابِ فقہیہ کی ترتیب پر منقح کر کے مدون کیا جائے؛ تاکہ عمل کرنے والوں اور فتویٰ دینے والوں کے لئے سہولت اور آسانی ہو۔

اس ضرورت کا سب سے پہلے احساس امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کو ہوا، جنہوں نے اپنے جلیل القدر تلامذہ کو ساتھ لے کر تدوینِ فقہ کے کام کا آغاز فرمایا، اور ایسے اصول مرتب فرمائے جن کی روشنی میں قیامت تک تخریج واستنباط کا عمل انجام دیا جاتا رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

باب: -۸

تقلید کے معنی اور اس کی ضرورت

ہر مسلمان شریعت کے اتباع کا پابند ہے، اور قرآن وسنت کی ہدایات پر عمل کرنا اس کے لئے لازم ہے، اب اگر وہ خود براہِ راست قرآن وسنت سے استفادہ کی واقعی صلاحیت رکھتا ہے تو خود مسئلہ کا حکم اپنی استعداد سے معلوم کرے، یعنی اصول شریعت کے مطابق اپنے اجتہاد سے کام لے، اور اگر اس میں خود استنباط وتخریج احکام کی اہلیت نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے کسی اہل کی طرف رجوع کرے، قرآنِ کریم میں ہدایت دی گئی:

فَاسْـئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ. (سورة الأنبياء ۷)

سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔

پوچھ پچھ کر کے عمل کی راہ متعین کرنے ہی کو تقلید کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

تقلید کے اصطلاحی معنی

دلیل جانے بغیر کسی شخص کی پیروی کرنا اصطلاح میں تقلید کہلاتا ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

التقليد هو أخذ قول الغير بغير معرفة دليله. (شرح عقود رسم المفتی ۷٤)

غیر کے قول کو دلیل جانے بغیر اختیار کر لینے کا نام تقلید ہے۔

اور معجم لغۃ الفقہاء میں لکھا ہے:

تـقـليـد الـعـالـم اتبـاعـه معتقداً أصابته من غير نظرٍ فى الدليل. (معجم لغة الفقهاء ۱٤۱)

عالم کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصابت رائے کا اعتقاد رکھتے ہوئے دلیل کی طرف نظر کئے بغیر اس کی پیروی کی جائے۔

گویا کہ ہم اپنے اسلاف سے حسن ظن کی بنا پر یہ بھروسہ کریں کہ انہوں نے جو کچھ قرآن وسنت سے سمجھا ہے وہ حق اور قابل اتباع ہے، اور عام آدمی کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار بھی نہیں ہے، اور نہ اس کے بغیر وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکتا ہے اس لئے تقلید؛ دین کی بنیادی ضرورت ہے، ورنہ دین کھلواڑ بن کر رہ جائے گا۔ اور ارشاد نبوی ﷺ:

مَنْ قَالَ فِيْ الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. (ترمذی شریف ۱۲۳/۲) جوشخص قرآنِ کریم کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

جیسی وعید کے کوئی معنی نہیں رہ جائیں گے، اسی لئے ابتداء ہی سے امت میں تقلید کا رواج رہا ہے۔

تقلیدِ مطلق یا مقید؟

مگر فرق یہ تھا کہ ابتدائی دور میں دیانت وامانت میں زیادتی کی وجہ سے ''تقلیدِ مطلق'' میں بھی حرج نہ تھا، یعنی بلاکسی قید کے جس عالم اور مجتہد سے چاہتے، مسئلہ معلوم کرکے اس پر عمل کر لیتے اور کسی ایک متعین شخص ہی کی پیروی نہ کی جاتی۔ چناں چہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ میں اکثر ایسے ہی واقعات ملتے ہیں۔ (اعلاء السنن ۳۴ مقدمہ فی قواعد الفقہ)

لیکن بعد میں جب امانت ودیانت کا فقدان ہوگیا اور اتباعِ ہویٰ وخواہشات کا دور دورہ ہوا، اور یہ اندیشہ ہونے لگا کہ تقلیدِ مطلق کی آڑ میں دین کا مذاق اڑایا جائے گا، اور احکامِ شریعت کو کھلونا بنالیا جائے گا، تو امت کے معتبر افراد نے معاملہ کی سنگینی اور نزاکت کا احساس کرتے ہوئے تقلیدِ شخصی یعنی تقلیدِ مقید کے وجوب کا فیصلہ کیا؛ تاکہ فتنہ کے دروازہ کو بند کیا جاسکے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنہ کے اندیشہ سے قرآنِ کریم کے متفرق صحیفوں میں لکھے گئے قرآن کے رسم الخط کو ختم کرکے سب کو رسم عثمانی اختیار کرنے کا پابند

بنایا اور پوری امت نے اس کو قبول کرلیا۔

مذاہبِ اربعہ میں انحصار

اب یہ سوال پیشِ نظر تھا کہ تقلید شخصی کس کی کی جائے؟ تو تجربہ اور تحقیق سے امت اس امر پر متفق ہوئی کہ جامعیت اور تدوین کے اعتبار سے حضرات ائمہ اربعہ کے مذاہب سے زیادہ کوئی مسلک اس ضرورت کو پورا نہیں کرسکتا اس لئے چوتھی صدی میں اس بات پر عملاً اجماع ہوگیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید شخصی باضابطہ نہیں کی جائے گی۔ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

إن هٰذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الأمة أو من يعتد منها علىٰ جواز تقليدها إلىٰ يومنا هٰذا، وفي ذلك من المصالح مالا يخفى لاسيما في هٰذه الأيام التي قصرت فيها الهمم جداً وأشربت النفوس الهوىٰ وأعجب كل ذي رأي برأيه. (حجة الله البالغه ١/١٥٤)	یہ چاروں مذاہب جو مدون ومرتب ہیں ان کی تقلید پر آج تک امت کے معتبر افراد کا اتفاق چلا آرہا ہے، اور اس میں جو مصالح ہیں وہ مخفی نہیں، خاص کر اس زمانہ میں جب کہ لوگوں کی ہمتیں کوتاہ ہوگئی ہیں اور خواہش نفس لوگوں کے قلوب میں جاگزیں ہوچکی ہے اور اپنی رائے کو ہی اچھی سمجھنے کا دوردورہ ہے۔

اور ''عقد الجید'' میں تحریر فرماتے ہیں:

ولما اندرست المذاهب الحقة إلَّا هٰذه الأربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الأعظم والخروج عنها خروجاً من السواد الأعظم. (عقد الجيد ٣٨)	اور جب ان چار مذاہب کے علاوہ سبھی مذاہب حقہ کالعدم ہوگئے تو اب انہی کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع کہلائے گا اور ان چار مذہبوں سے خروج سوادِ اعظم کے مذہب سے خروج کہلائے گا۔

اور حقیقت میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر یہ اللہ رب العزت کا بڑا فضل

وانعام ہے کہ اس نے مذاہب اربعہ کی شکل میں ہمارے لئے عمل کی ایسی راہیں متعین کردی ہیں، جو ہرقسم کے انتشار سے پاک اور دل جمعی اور سکونِ قلبی کے ساتھ ہرطرح کے احکامات بجالانے کا سرچشمہ ہیں۔

حضرت ملاجیونؒ فرماتے ہیں:

الإنصاف أن انحصار المذاهب في الأربعة واتباعهم فضل إلهي وقبولية عند اللّٰه لامجال فيه التوجيهات والأدلة. (تفسير احمديه ۲۹۷)

اور انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب اربعہ پر انحصار اللہ کا عظیم فضل ہے، اور عند اللہ ان کے مقبول ہونے کی ایسی نشانی ہے جس میں توجیہات اور دلائل کی چنداں حاجت نہیں۔

اور علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

إن الإجماع انعقد علىٰ عدم العمل بمذهب مخالف للأربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة اتباعهم. (الأشباه والنظائر ۱۴۳/۱ كراچی)

ائمہ اربعہ کے خلاف رائے اپنانے کے ممنوع ہونے پر اجماع منعقد ہے، اس لئے کہ ان چاروں کے مذاہب ہی مدون ہیں اور عوام وخواص میں مشہور ہیں اور ان کے پیروکاروں کی کثرت ہے۔

اور شیخ عبدالغنی نابلسیؒ اپنے رسالہ ''خلاصۃ التحقیق'' میں وضاحت کرتے ہیں:

وأما تقليد مذهب من مذاهبهم الآن غير المذاهب الأربعة فلا يجوز لا لنقصان في مذاهبهم ورجحان المذاهب الأربعة عليهم لأن فيهم الخلفاء

اس وقت مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر دیگر مجتہدین کے مذہب پر عمل کی اجازت نہیں ہے، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دیگر مجتہدین کے مذہبوں میں کچھ نقصان ہے، اور مذاہب اربعہ ہی راجح ہیں اس لئے کہ ان مجتہدین میں خلفاء راشدین بھی

المفضلين علىٰ جميع الأمة بل لعدم تدوين مذاهبهم وعدم معرفتنا الاٰن بشروطها وقيودها وعدم وصول ذٰلک إلينا بطريق التواتر حتىٰ لو وصل إلينا شئ من ذلک كذلک جاز لنا تقليده لكنه لم يصل كذلک.

ہیں جو تمام امت پر بھاری ہیں، بلکہ اصل وجہ ان کے مذہب کو اختیار کرنے کی یہ ہے (۱) ان کے مذاہب باقاعدہ مرتب ومدون نہیں ہوسکے۔ (۲) ہمیں آج ان مذاہب کی شرائط وقیود کا پورا علم نہیں ہے۔ (۳) اور وہ مذاہب ہم تک تواتر کے طریقہ پر نہیں پہنچے، اگر وہ اس طریقہ پر ہم تک پہنچتے تو ہمارے لئے ان کی تقلید کرنا جائز ہوتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔

آگے چل کر علامہ مناویؒ سے نقل کرتے ہیں:

فيمتنع تقليد غير الأربعة في القضاء والافتاء لأن المذاهب الأربعة انتشرت وظهرت حتىٰ ظهر تقييد مطلقها وتخصيص عامها بخلاف غيرهم لانقراض اتباعهم. (خلاصة التحقيق ٣-٤)

لہٰذا قضاء وافتاء میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی امام کی پیروی ممنوع قرار دی جائے گی، اس لئے کہ مذاہب اربعہ مشہور ومعروف ہوچکے ہیں، حتی کہ ان کے مطلق احکامات کی قیدیں اور عام امور کی تخصیص وغیرہ کا علم ہوگیا ہے، ان کے برخلاف دیگر مذہبوں کی اس طرح وضاحت نہیں ہوسکی، کیوں کہ ان کے پیروکار ناپید ہوچکے ہیں۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوگیا کہ مذاہبِ اربعہ پر عمل کا انحصار ایک اجماعی مسئلہ ہے، اور دین کی صحیح شکل وصورت میں حفاظت کا بڑا اور اہم وسیلہ ہے۔

تعین ضروری ہے

یہاں یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ جب ائمہ اربعہ میں انحصار ہوگیا تو ان میں سے جس مسلک پر جب چاہیں علم کرلیں، بلکہ ان چاروں مذاہب میں عمل کے لئے کسی ایک مذہب کو متعین ومقرر

کرنا ضروری ہے ورنہ پھر وہی فساد رونما ہوگا جو تقلید مطلق کی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے۔ علامہ نوویؒ نے مذہب معین کی تقلید ضروری ہونے پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

ووجهه أنه لو جاز اتباع أيّ مذهب شاء لافضى إلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعاً هواه ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلك يؤدي إلى إضلال رقبة التكليف بخلاف العصر الأول فإنه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام مهذّبة فعلىٰ هٰذا يلزمه أن يجتهد في اختيار مذهب يقلده على التعيين. (شرح المهذب ۱/۵۵ بحواله مقدمه اعلاء السنن ۲/۲۲۳)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر جس مذہب کی چاہے اتباع کی اجازت دی جائے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ آدمی ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے مذاہب کی رخصتوں کو چنے گا اور حلال وحرام اور وجوب وجواز کے درمیان عمل میں تخییر کا پہلو اپنائے گا، جس کا نتیجہ بالآخر شرعی تکلیف کا چولا اتار پھینکنے کی صورت میں نمودار ہوگا۔ برخلاف دورِ اول (خیر القرون) کے کہ اس زمانہ میں وہ مذاہب جن میں سبھی مسائل کا حل ہو مہذب ومرتب نہیں تھے، اس اعتبار سے آج مقلد پر لازم ہے کہ وہ ایک متعین مذہب کی اتباع میں اپنی پوری کوشش صرف کردے۔

بلاشبہ علامہ نوویؒ کا مذکورہ بالا ارشاد نہایت چشم کشا اور حقیقت واقعہ سے ہم آہنگ ہے جس سے کوئی بھی منصف مزاج شخص اعراض نہیں کرسکتا۔

نفسانیت کی اجازت نہیں

اگر ہر کس وناکس کو تقلید شخصی سے آزاد کرکے یہ چھوٹ دی جائے کہ اپنی مرضی سے مذاہبِ اربعہ میں جو قول پسند ہو اسے اختیار کرے، تو دین میں رخصتوں پر عمل پیرا ہونے اور نفسانی خواہشات کی اتباع کا ایسا دروازہ کھلے گا کہ شریعت مذاق بن کر رہ جائے گی، اس لئے جب آدمی کسی مذہب سے وابستہ ہوجائے تو خواہ مخواہ اسے مذہب کو ترک کرنے کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

الف: إن الإجماع علىٰ منع إطلاق التخيير أی بأن يختار ويشتهی مهما أراد من الأقوال في أي وقت أراد. (ص:۱۰۱)

مطلق اختیار: یعنی جس وقت چاہے جس قول کو چاہے اختیار کرنے کی ممانعت پر اجماع ہو چکا ہے۔

ب: وأما إتباع الهوی فی الحكم والفتيا فحرامٌ إجماعاً. (ص:۱۰۴)

فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے میں ہوائے نفس کی پیروی اجماعاً حرام ہے۔

ج: وكلام القرافی دال علیٰ أن المجتهد والمقلد لا يحل لهما الحكم والافتاء بغير الراجح لأنه اتباع للهویٰ وهو حرام إجماعاً. (ص:۲۷)

علامہ قرافی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ مجتہد یا مقلد کسی کے لئے بھی غیر راجح پر فتویٰ اور فیصلہ دینا حلال نہیں ہے، اس لئے کہ یہ خواہش نفس کی پیروی ہے جو بالاجماع حرام ہے۔

اور شیخ عبدالغنی نابلسیؒ نے لکھا ہے:

قال إبن الهمام حكم المقلد فی المسئلة الاجتهادية كالمجتهد فإنه إذا كان له رأيين فی مسئلة وعمل بأحدهما يتعين ما عمل به وأمضاه بالعمل فلا يرجع عنه إلی غيره إلا بترجيح ذلک الغير الخ، فالمقلد إذا عمل بحكم من مذهب لا يرجع إلی اٰخر من مذهب اٰخر. (خلاصة التحقيق ٥)

علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ اجتہادی مسئلہ میں مقلد کے لئے وہی حکم ہے جو مجتہد کے لئے ہیں، یعنی جب مجتہد کی کسی مسئلہ میں دو رائیں ہوں اور وہ ان میں سے ایک پر عمل کرلے تو جس پر عمل کیا ہے وہ رائے متعین ہوجاتی ہے، لہٰذا اس رائے سے اس وقت تک رجوع نہیں کرسکتا جب تک دوسری رائے کی ترجیح سامنے نہ آجائے، اسی طرح مقلد نے جب ایک مذہب کے حکم پر عمل کرلیا تو دوسرا حکم دوسرے مذہب کا اختیار نہیں کرے گا۔

الغرض جب کسی شخص نے کسی ایک امام کا دامن تھام لیا تو اب بلا عذر یا بلا ضرورت محض اپنی

طبعیت چاہنے کی بنیاد پر دوسرے امام کے مذہب کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

الامان، الحفیظ!

حتیٰ کہ علامہ شامیؒ نے فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالہ سے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک حنفی شخص نے کسی صاحب حدیث کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا، اس صاحب حدیث نے جواب دیا کہ جب تک تم اپنے حنفی مذہب کو چھوڑ کر ہمارے مذہب کے مطابق فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین وغیرہ پر عمل پیرا نہ ہوگے، میں اپنی بچی تمہارے نکاح میں نہ دوں گا۔ حنفی نے ان شرائط کو مان لیا اور محض نکاح کی خاطر حنفیت چھوڑ کر صاحب حدیث کے زمرہ میں شامل ہوگیا۔ اس واقعہ کی خبر جب شیخ ابوبکر جوزجانیؒ کو پہنچی تو انہوں نے سر جھکایا اور فرمایا کہ نکاح تو خیر درست ہوگیا لیکن مجھے خطرہ ہے کہ آخری وقت میں اس کا ایمان نہ جاتا رہے، اس لئے کہ اس نے اپنے اس مذہب کا استخفاف کیا ہے جسے وہ حق سمجھے ہوئے تھا، اور اس نے محض ایک بدبودار دنیا کے مردار کے حصول کی غرض سے اسے ترک کردیا ہے۔ (شامی کراچی ۴/۸۰)

اور علامہ شامیؒ نے ''منح'' سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

وإن انتقل إليه لقلة مبالاته في الاعتقاد والجرأة على الانتقال من مذهبٍ إلى مذهبٍ كما يتفق له ويميل طبعه إليه لغرض يحصل لهٗ فإنه لاتقبل شهادتهٗ. (شامی ٥/٤٨١ کتاب الشهادات، شامی زکریا ٨/٢٠٠)	عقیدہ میں لااُبالی پن اور دنیوی غرض کے حصول کے لئے کیف ما اتفق اور حسبِ طبعیت ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کی جرأت اور جسارت کی وجہ سے جو شخص دوسرا مذہب اختیار کرلے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

حاصل یہ کہ یہ کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ جب چاہیں جس کا قول لے کر عمل کرلیں، بلکہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک متعین مذہب سے وابستہ ہوکر عمل کرنا پڑے گا، اور اس کے خلاف بلا کسی داعیہ شرعیہ کے عمل کرنا دیانت وثقاہت کے خلاف ہوگا۔

ضرورت کے وقت دوسرے مسلک کو اختیار کرنا

تاہم یہاں اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی کبھی ایسی ناگزیر صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ اپنے مسلک کو ترک کئے بغیر چارۂ کار بھی نہیں ہوتا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے وقت میں شریعت کی جانب سے دوسرے مسلک کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مطلق ہے یا اس میں کچھ قیودات ہیں۔ ظاہر ہے کہ مطلق اجازت نہیں دی جاسکتی، ورنہ پھر تقلید کے کوئی معنی ہی نہ رہیں گے؛ لہٰذا قیودات کے ساتھ اجازت دی جائے گی اور اس میں خاص طور پر تین باتوں کا خیال رکھا جائے گا:

(۱) خروج کرنے والے کی فقہی صلاحیت:- یعنی ہر کس و ناکس کو یہ اختیار نہیں دیا جائے گا کہ وہ جب چاہے اپنی مرضی سے دوسرا مسلک اختیار کرلے؛ بلکہ اسی شخص کو خروج عن المسلک کے بارے میں اقدام کی گنجائش ہوگی جو کسی بھی درجہ میں اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۲) خروج کرنے کا مقصد:- یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ خروج عن المسلک کا مقصد کیا ہے؟ اگر واقعۃً ضرورتِ داعیہ متحقق ہو اور خلوصِ دل سے دوسرا مسلک لینا ناگزیر ہو تو فبہا، ورنہ محض سہولت پسندی کی بنیاد پر خروج کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۳) تیسرے نمبر پر یہ بات دیکھی جائے گی کہ جس مسئلہ کی طرف خروج کیا جارہا ہے اس کی وجہ سے کوئی خلافِ اجماع امر تو لازم نہیں آرہا ہے؟ جس کو فقہاء تلفیق کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں، پس اگر تلفیق لازم آئے گی تو خروج کی اجازت نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ درج بالا نکات کو سامنے رکھ کر خروج عن المسلک مطلقاً ممنوع نہیں ہے؛ تاہم اس زمانہ میں اجتہاد کی صلاحیت کا پایا جانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، اور اتباع ہویٰ کے اندیشہ کی بنا پر اس معاملہ میں جلد بازی میں فیصلہ مناسب نہیں ہے؛ لہٰذا محقق اور احوط امر یہ ہے کہ جب تک چند متدین اور معتبر علماء کسی مسئلہ میں عدول عن المذہب پر اتفاق نہ کرلیں اس وقت تک عدول کی

اجازت نہ دی جائے، ورنہ سخت فتنہ کا اندیشہ ہے۔

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس لئے اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علماءِ دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں، بدون اس کے اس زمانہ میں اگر اقوالِ ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے''۔ (الحیلۃ الناجزہ ۲۳)

مسلکِ غیر کو اختیار کرنے کے متعلق علماء دیوبند کا ایک متفقہ فیصلہ

ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے چوتھے فقہی اجتماع (منعقدہ: ۲۴/۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۴ء بمقام شیخ الہند ہال دیوبند) میں مسلک غیر پر عمل کے عنوان کو موضوعِ بحث بنایا تھا، پوری بحث وتمحیص کے بعد اس بارے میں جو متفقہ فیصلہ کیا گیا وہ برائے افادہ درج ذیل ہے:

''جمہور امت کا اتفاق ہے کہ آج کل تمام مسلمانوں پر چاروں مدون مذاہب میں سے کسی ایک معین مذہب کی پیروی واجب ہے، اور امت کی شیرازہ بندی کے لئے یہ امر ضروری بھی ہے۔ آج تجدد پسند طبقہ کی جانب سے یہ نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب تمام فقہاء مجتہدین کے مذاہب اپنی اپنی جگہ درست ہیں تو جس قول میں سہولت ہو اس کو اختیار کیا جائے کسی مذہب معین کا التزام نہ کیا جائے۔ اسی طرح معمولی عذر کی وجہ سے دوسرے مسلک کے امام کے قول کو اختیار کرنے کا نظریہ پایا جاتا ہے، یہ دونوں نہایت خطرناک رجحانات ہیں جو اتباع ہویٰ اور خودرائی کی بنیاد پر پیدا ہوئے ہیں اور انسانوں کو خدا کی بندگی اور احکامات شریعت کی اطاعت سے دور کرنے اور دین کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کے مترادف ہیں۔ اتباع ہویٰ اور خودرائی کے رجحانات کو خدانخواستہ تقویت ملی تو امت مسلمہ سخت انتشار سے دوچار ہو جائے گی۔ حسب تصریح فقہاء قول ضعیف پر عمل یا دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنا مخصوص حالات ہی میں درست ہے اور اس پر فتویٰ کے لئے اعلیٰ فقہی صلاحیت کی ضرورت ہے، جو آج کل انفرادی طور پر مفقود ہے، اس لئے ادارۃ المباحث

الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ چوتھا فقہی اجتماع اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کرتا ہے۔

(۱) عام حالات میں اپنے معین مذہب سے خروج کرنا اور فقہی مذاہب میں پائی جانے والی سہولتوں کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے، البتہ بدرجہ مجبوری خاص حالات میں مندرجہ ذیل ضوابط کی رعایت کرتے ہوئے ان سہولتوں سے استفادے کی مشروط اجازت دی جاسکتی ہے:

الف: خاص حالات میں جو قول اختیار کیا جائے وہ مذاہب اربعہ ہی کے دائرے میں ہو کیوں کہ دیگر مذاہب باقاعدہ مدون نہیں ہیں۔

ب: ضرورت داعیہ (بمعنی اضطرار یا ناقابل برداشت تکلیف) پائی جائے خواہ ضرورت عامہ ہو یا خاصہ، عبادات میں ہو یا معاملات میں۔

ج: ضرورت وہی معتبر ہوگی جس کو اہل بصیرت اربابِ فتاویٰ اجتماعی فیصلے کی بنیاد پر تسلیم کرلیں۔

د: جس امام کے قول کو اختیار کیا جائے اس کی تمام شرائط ملحوظ رکھی جائے۔

ہ: دیگر مذاہب کا قول اقوال شاذہ میں سے نہ ہو۔

و: تلفیق حرام (خارقِ اجماع) لازم نہ آئے۔

(۲) اسی طرح کے خصوصی حالات میں اہل بصیرت اربابِ فتاویٰ کے اجماعی فیصلے کی بنیاد پر اپنے مذہب کے قولِ ضعیف کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (فقہی فیصلے، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند)

بلاشبہ مذکورہ فیصلہ اس موضوع پر ایک چشم کشا اور جامع دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں جو شرائط تحریر ہیں ان کا لحاظ کئے بغیر اس سلسلہ میں پیش قدمی کرنا مناسب نہ ہوگا۔

(اس موضوع پر احقر کا ایک تفصیلی رسالہ "مسلک غیر پر فتویٰ اور عمل: شرائط اور حدود" کے نام سے شائع شدہ ہے، اس کا مطالعہ بھی انشاء اللہ مفید ہوگا)

باب: -۹

امام اعظم، حضرت امام ابوحنیفہؒ:

ایک قابلِ تقلید شخصیت

امام اعظم، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام ''نعمان'' ہے، آپ کے والد ماجد کا نام ''ثابت'' ہے، آپ کے آباء واجداد فارسی النسل تھے۔ مشہور ہے کہ جب آپ کے والد کی کوفہ میں پیدائش ہوئی تو آپ کے دادا (جن کا نام ''زُوطیٰ'' تھا) انہیں امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لے گئے، آپ نے ان کے اوران کی نسل کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔

امام صاحب کی کنیت ''ابوحنیفہ'' ہے، اس بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ یہ کنیت کس بنیاد پر رکھی گئی، بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چوں کہ آپ نے دین حنیف کی جزئیات وفروع امت کے سامنے پیش کیں، اس لئے آپ کی کنیت ''ابوحنیفہ'' رکھی گئی، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ لفظ ''حنیفہ'' عراقی زبان میں ''دوات'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور آپ چوں کہ مسلسل علمی مشغلہ میں لگے رہتے تھے، اس وجہ سے آپ کو ''ابوحنیفہ'' کہا گیا۔ جب کہ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ آپ کی کسی بیٹی کا نام ''حنیفہ'' تھا، جس کی طرف آپ کی نسبت کی گئی؛ لیکن چوں کہ تاریخ میں آپ کی اولاد میں صرف ایک نرینہ اولاد حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ چلتا ہے، کسی اور کا تذکرہ نہیں ہے، اس لئے اس قول کی تردید کی گئی ہے۔ (مقدمہ: اوجز المسالک للشیخ زکریا ۱/۵۷۱-۶۷۱ مطبوعہ دارالقلم دمشق)

امام صاحبؒ کی پیدائش ۸۰ھ ہجری میں خلافتِ بنواُمیہ میں عبدالملک بن مروان کے دور میں ہوئی، اس وقت کوفہ علومِ نبوت کا مرکز تھا، اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس وقت باحیات تھے۔

شرفِ تابعیت

حضرت امام صاحبؒ کا متعدد صحابہ کی زیارت کرنا ثابت ہے۔ امام یافعیؒ نے اس ضمن میں خاص طور پر چار صحابہ کا ذکر فرمایا ہے:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹۳ھ) جو بصرہ میں مقیم تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۸۷ھ) جو کوفہ میں مقیم تھے۔

(۳) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۸۸ھ) جو مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔

(۴) حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۰۲ھ) جو مکہ معظّمہ میں مقیم تھے۔ (مقدمہ: اوجز المسالک للشیخ زکریا ۱۷۶، ابوحنیفہ؛ حیاتہ وعصرہ ۷۴)

اس اعتبار سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے، جو دیگر ائمۂ متبوعین میں آپ کا خاص امتیاز ہے۔

تحصیلِ علم

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا گھرانہ کوفہ کے مال دار تجارتی گھرانوں میں سے تھا، آپ کے یہاں کپڑوں کی تجارت ہوتی تھی، بچپن میں آپ نے قرآنِ کریم حفظ کیا اور تجوید وقرأت کا علم امام التجوید حضرت امام عاصم کوفیؒ سے حاصل کیا، اس کے بعد آپ کا زیادہ تر وقت تجارتی مشاغل میں گذرنے لگا، اسی دوران آپ کی ملاقات محدثِ کبیر حضرت امام عامر شعبیؒ سے ہوئی، انہوں نے آپ کے مشاغل پوچھے اور پھر نصیحت فرمائی کہ: ''میں تمہارے اندر ہوشیاری اور بیدار مغزی دیکھ رہا ہوں، اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم علم دین میں رسوخ حاصل کرو، اور علماء وقت کی مجالس میں حاضری دو''۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام شعبیؒ کی یہ نصیحت میرے دل میں جاگزیں ہوگئی، اور میں نے بازار کی آمد ورفت کم کر کے اپنے اوقات تحصیل علم میں لگانے شروع کر دئے، جس سے اللہ نے مجھے بے حد نفع پہنچایا۔ (ابوحنیفہ؛ حیاتہ وعصرہ للشیخ ابوزہرہ مصری ۲۲، عقود الجمان ۱۶۰-۱۶۱)

فقہ میں مہارت

امام صاحبؒ نے ویسے تو علم دین کے سبھی شعبوں میں مہارت حاصل کی، عربی ادب، نحو وصرف اور تفسیر وحدیث کے ساتھ ساتھ علم کلام میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہوا، حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر فرقِ باطلہ سے آپ نے مناظرے بھی فرمائے؛ لیکن جلد ہی آپ کو احساس ہو گیا کہ ان سب علوم میں انجام کے اعتبار سے سب سے زیادہ مفید علم ''فقہ وفتاویٰ'' کا ہے، اور اس کا ظاہری سبب یہ بنا کہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے پاس آئی، اور یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ''ایک شخص کے نکاح میں باندی ہے اور وہ اسے سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے، تو کیا طریقہ اختیار کرے''؟ حضرت الامام نے اس عورت کو فقیہ عراق امام حماد بن ابی سلیمانؒ کے پاس بھیج دیا، اور عورت سے یہ کہا کہ وہ جو مسئلہ بتائیں تو مجھے آ کر خبر کرنا، چناں چہ وہ عورت حضرت حمادؒ کے پاس گئی اور مسئلہ پیش کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس شخص کو چاہئے کہ باندی کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں قربت نہ کی ہو، اس کے بعد جب دو حیض گذر جائیں اور وہ پاک ہو جائے (کیوں کہ باندی کی عدت دو حیض ہے) تو اس کے لئے دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہو جائے گا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ مسئلہ سن کر فقہ کی عظمت آشکارا ہوئی اور آپ نے دیگر علوم کی طرف سے توجہ ہٹالی اور پختہ ارادہ کرلیا کہ حضرت حمادؒ کی شاگردی اختیار کریں گے، چناں چہ آپ نے ۲۲ رسال کی عمر سے ۴۰ رسال کی عمر تک تقریباً ۱۸ رسال حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ سے اکتسابِ فیض فرمایا؛ تا آں کہ آپ کا شمار ان کے سب سے بڑے شاگردوں میں ہونے لگا، اور فقہ حنفی کا اکثر مدار حماد بن ابی سلیمانؒ کی آراء پر ہے، جو اپنے دور میں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ (تلخیص: ابوحنیفہ؛ حیاتہ وعصرہ ۲۶-۳۱)

اس کے علاوہ آپ نے مختلف شہروں میں جا کر مختلف علماء اور ائمہ سے اکتسابِ فیض کیا، حتیٰ کہ مشہور ہے کہ آپ نے ۴ رہزار اساتذہ سے استفادہ کیا، جن میں سے بہت سے حضرات کے نام ''عقود الجمان'' میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ (دیکھئے: عقود الجمان ۶۲-۱۵۹ طبع مکتبۃ الایمان مدینہ منورہ)

آپ نے فقہ میں اتنا اونچا مقام حاصل کیا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر امام الفقہ سے آپ کی قدردانی میں یہ جملے صادر ہوئے: ''من أراد الفقه فهو عيال على أبي حنيفة'' (یعنی جو شخص فقہ میں مہارت کا ارادہ کرے وہ امام ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے) (الانتقاء للامام بن عبدالبر ۲۱۰)

اہم اساتذہ

اوپر جو ذکر ہوا کہ حضرت الامام نے ۴؍ہزار سے زائد شیوخ سے علم حاصل کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نے کسی استاذ سے ایک حدیث بھی سنی ہے، تو اس کو شیوخ میں شامل کرلیا گیا ہے، اور اس دور میں علم کے حصول کا طریقہ یہی تھا کہ مشائخ حدیث کے پاس طالبانِ علومِ نبوت سفر کرکے حاضر ہوتے تھے، اور اُن سے حدیثیں سن کر محفوظ کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت الامامؒ نے علمی اسفار کئے، اور بعض وجوہات سے اَواخر دور بنی اُمیہ میں تقریباً ۶؍سال مکہ معظّمہ میں قیام فرمایا۔ اسی طرح سفرحج کے دوران حرمین شریفین میں اَکابر علماء ومحدثین کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا، تو اِن سب حضرات کو شامل کرکے ایک تخمینی تعداد ۴؍ہزار کی ذکر کی گئی ہے۔ ان اساتذہ میں خاص کر درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: (۱) حضرت عطاء بن ابی رباح (۲) حضرت عامر شعبی (۳) حضرت جبلہ بن سہیم (۴) عدی بن ثابت (۵) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (۶) عمر بن دینار (۷) ابوسفیان طلحہ بن نافع (۸) نافع مولیٰ ابن عمر (۹) حضرت قتادہ (۱۰) قیس بن مسلم (۱۱) عون بن عبد اللہ (۱۲) قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود (۱۳) محارب بن دِثار (۱۴) عبداللہ بن دینار (۱۵) حکم بن عتیبہ (۱۶) علقمہ بن مرثد (۱۷) علی بن الاقمر (۱۸) عبدالعزیز بن رفیع (۱۹) عطیہ العوفی (۲۰) حماد بن ابی سلیمان (جو فقہ میں آپ کے خاص استاذ ہیں) (۲۱) زیاد بن علاقہ (۲۲) سلمہ بن کہیل (۲۳) عاصم بن کلیب (۲۴) سماک بن حرب (۲۵) عاصم بن بہدلہ (۲۶) سعید بن مسروق (۲۷) عبدالملک بن عمیر (۲۸) ابوجعفر محمد باقر (۲۹) ابن شہاب زہری (۳۰) محمد بن المنکدر (۳۱) ابواسحٰق سبیعی (۳۲) منصور بن المعتمر

(۳۳)مسلم البطین (۳۴) یزید بن صہیب الفقیر (۳۵) ابو حصین الاسدی (۳۶) عطاء بن السائب (۳۷) ہشام بن عروہ (۳۸) ناصح الحلمی (۳۹) شیبان نحوی (۴۰) امام مالک بن انس (۴۱) امام سلیمان اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔(مقدمہ التحقیق: ردالمحتار عادل عبدالموجود ۱/۴۶)

(ان کے علاوہ بہت سے اسماء عقود الجمان میں حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کر دئے گئے ہیں۔(دیکھئے عقود الجمان ۶۳-۸۷)

مذکورہ بالا ناموں کو پڑھ کر اہل علم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے دور کے اکثر اکابر محدثین سے علمی استفادہ کیا تھا، اور ہر علمی طبقہ سے رجوع کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، جس کی بنا پر آپ کی نظر میں وسعت اور ذہن میں بے مثال گیرائی پیدا ہوگئی تھی، فالحمد کلہ للہ۔

امام ابوحنیفہؒ کا اپنے اساتذہ کی حد درجہ تعظیم کرنا

تجربہ سے یہ بات صادق ہے کہ جو لوگ اپنے اساتذہ کی دل سے تعظیم بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علوم میں بے مثال برکت عطا فرماتے ہیں، اور انہیں ایسے تلامذہ نصیب ہوتے ہیں، جو ان کے فیوض کو عام کرنے کا سبب بنتے ہیں، اس کی واضح مثال حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مبارک زندگی میں ہمیں ملتی ہے۔

آپ کا اپنے اساتذہ کے ساتھ کیا برتاؤ تھا، اُس کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے اپنے استاذِ محترم حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ کی تعظیم میں ان کے گھر کی طرف کبھی اپنے پاؤں نہیں پھیلائے، حالاں کہ میرے اور اُن کے گھر کے درمیان سات گلیوں کا فاصلہ تھا''۔

نیز فرمایا کہ: ''جب سے حضرت حماد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، تو میں نے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعاء مغفرت نہ کی ہو''۔

اور فرمایا کہ: ''میں ان سب کے لئے دعا کرتا ہوں، جن سے میں نے علم دین سیکھا یا جن کو میں نے علم دین سکھلایا''۔(مقدمہ: کتاب الآثار، للشیخ ابوالوفاء الافغانی ۱/۳۳)

آپ کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے ہونہار شاگرد عطا فرمائے، جنھوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں آپ پر نچھاور کردیں، اور وہ لوگ بھی آپ کے لئے ایسے ہی دعا کرنے والے بن گئے، جیسے آپ اپنے اساتذہ کے لئے دعا کرتے تھے۔

چناں چہ منقول ہے کہ آپ کے شاگردِ رشید حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے والدین سے پہلے استاذِ محترم امام ابوحنیفہؒ کے لئے دعا کرتا ہوں؛ کیوں کہ میں نے امام صاحبؒ سے سنا ہے کہ: ''میں اپنے والدین کے ساتھ اپنے استاذ حضرت حمادؒ کے لئے دعا کرتا ہوں''۔
(مقدمہ: کتاب الآثار، للشیخ ابوالوفاء الافغانی ۱/۳۳)

اہم تلامذہ

کسی استاذ کو اچھے تلامذہ میسر آ جانا اس پر اللہ تعالیٰ کے بڑے فضل کی نشانی سمجھا جاتا ہے، چناں چہ امام صاحبؒ کو بھی انتہائی قابل، محنتی اور جاں نثار تلامذہ کی ایک جماعت عطا کی گئی، جن کے ذریعہ آپ کے علوم اور افادات کی بے نظیر اشاعت ہوئی، آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے؛ لیکن اُن میں سے درج ذیل حضرات ایسے مشہور ہوئے کہ جب بھی امام صاحب کا نام آتا ہے تو ان کی طرف بھی بے اختیار ذہن متوجہ ہو جاتا ہے۔

(۱) امام ابو یوسفؒ:- جن کا اصل نام یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ ہے، ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے، بچپن سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سرپرستی میں رہے، اور علوم نبوت میں درجہ کمال کو پہنچے، امام صاحبؒ کی وفات کے بعد ۳۲/سال باحیات رہے، اور ۱۸۲ میں وفات ہوئی، خلفائے عباسیہ (مہدی، ہادی اور ہارون رشید) کے دور میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے، اور بڑی نیک نامی اور عزت ووقار کی زندگی گذاری، متعدد قیمتی تصانیف مرتب فرمائیں، جن میں ''کتاب الخراج'' اور ''کتاب الآثار'' وغیرہ مشہور ہیں۔ (ابوحنیفہ؛ حیاتہ وآراءہ ۲۲۰-۲۳۱)

(۲) امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ:- آپ کی پیدائش ۱۳۲ھ میں ہوئی، امام صاحبؒ کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۸/سال کی تھی، اس لئے امام صاحبؒ سے زیادہ استفادہ کا موقع نہ مل سکا؛

لیکن آپ نے علم فقہ کی تکمیل حضرت امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں رہ کر فرمائی، اور اپنی بے نظیر ذکاوت وذہانت، جودتِ طبع اور علوم اسلامیہ میں کامل مہارت کی وجہ سے فقہ حنفی کے مرجع قرار پائے۔آپ نے حضرت امام مالکؒ سمیت بہت سے محدثین سے بھی علم حاصل کیا، اور فقہ حنفی کی تدوین کا عظیم کارنامہ انجام دیا، آج آپ کی کتابیں ہی فقہ حنفی کے اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں، ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔(ابوحنیفہ؛ حیاتہ وآراءہ ۲۳۲)

(۳) امام زفر بن ہذیلؒ:- آپ کی پیدائش ۱۱۰ھ میں ہوئی، آپ امام صاحبؒ سے سب سے لمبی مدت تک استفادہ کرنے والے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، اور آپ کی آراء زیادہ تر ظاہری قیاس پر مبنی ہونے کی وجہ سے آپ کو قیّاس (بہت قیاس کرنے والا) کا لقب دیا گیا ہے، چوں کہ آپ کی وفات حضرت امام صاحبؒ کی وفات کے صرف آٹھ سال بعد ۱۵۸ھ میں ہوئی، اس لئے آپ کی کوئی مستقل تالیف منقول نہیں ہے۔(ابوحنیفہ؛ حیاتہ وآراءہ ۲۴۵)

(۴) امام حسن بن زیاد اللؤلؤی الکوفیؒ:- آپ بھی امام صاحبؒ کے مشہور شاگرد ہیں، اور کتبِ فقہ میں آپ کے حوالے سے امام صاحبؒ کی بعض روایتیں نقل کی جاتی ہیں، مگر امام محمدؒ کی نقل کردہ روایات کے مقابلہ میں امام حسن بن زیادؒ کی روایات کا درجہ کم قرار دیا گیا ہے، آپ امام صاحبؒ کی وفات کے بعد ۵۲/سال زندہ رہے، اور ۲۰۲ھ میں وفات پائی۔(ابوحنیفہ؛ حیاتہ وآراءہ ۲۴۶)

ان کے علاوہ بھی بہت سے تلامذہ ہیں، جن کی طویل فہرست عقود الجمان (۸۸-۱۵۹) پر درج ہے۔

حلیہ مبارکہ

حضرت امام صاحبؒ میانہ قد تھے، اور پرکشش وجاہت کے حامل تھے، گفتگو فصیح وبلیغ اور مدلل فرماتے، اور عام طور پر کم گو اور کم آمیز رہتے تھے، زبان کو فضول گوئی سے محفوظ رکھتے، اور کسی بھی حالت میں متانت وسنجیدگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، آپ کا لباس باوقار ہوتا تھا، اکثر لمبی ٹوپی استعمال کرتے، کپڑے خوشبو میں معطر رہتے۔(مقدمہ اوجز المسالک ۱۷۶)

چند اخلاقِ فاضلہ

علم کا سب سے بڑا اثر آدمی کی عملی زندگی پر مرتب ہونا چاہئے، اگر علم وعمل میں مطابقت ہے تو انسان کامل ہے، اور اگر قول وعمل میں تضاد ہے، تو محض علم سے آدمی کو فلاح نصیب نہیں ہوسکتی، اس معاملہ میں جب ہم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں، تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ علم وعمل کے جامع اور اخلاقِ نبوت کے پیکر تھے، جس کا کچھ اندازہ درج ذیل مشاہدات وواقعات سے ہوسکتا ہے:

تواضع :- امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ محترمہ کو کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، امام صاحبؒ نے مسئلہ کا حکم بتادیا، تو آپ کی والدہ اس پر مطمئن نہ ہوئیں اور کہا کہ میں تو ''زرعہ قاص'' کے قول کو مانوں گی، چنانچہ حضرت امام صاحبؒ اپنی والدہ محترمہ کو لے کر ''زرعہ'' کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ میری والدہ محترمہ آپ سے فلاں فلاں مسئلہ کے بارے میں فتوی لینے آئی ہیں ''حضرت زرعہؒ'' نے فرمایا کہ: آپ تو خود ہی سب سے بڑے عالم اور فقیہ ہیں، آپ ہی بتادیں! تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو انھیں یہ فتوی دیا ہے، ''حضرت زرعہؒ'' نے آپ کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ مسئلہ وہی ہے جو امام صاحب نے بتایا ہے، ان کی زبانی تائید سنکر والدہ محترمہ کو اطمینان ہوا۔ (عقود الجمان ۲۹۴)

اسی طرح امام صاحبؒ عمر ابن ذرؒ کی مجلس میں بھی والدہ محترمہ کو لے کر جاتے، وہ خود عمر ابن ذرؒ سے مسئلہ معلوم کرتیں اور عمر ابن ذرؒ امام صاحبؒ سے حکم معلوم کر کے آپ کی والدہ محترمہ کو مسئلہ بتایا کرتے تھے۔ (عقود الجمان ۲۹۲)

حلم وبردباری :- حضرت امام صاحبؒ کی مقبولیت اور بے مثل محبوبیت میں ان کی حلم وبردباری کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ: ''میں نے کبھی کسی کی برائی پر بدلہ نہیں لیا اور نہ میں نے کسی کو گالی دی، اور نہ کبھی کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کیا اور نہ کبھی کسی کے ساتھ خیانت کی اور نہ دھوکہ دیا''۔ (عقود الجمان ۲۸۸)

ایک مرتبہ مناظرہ کے دوران فریقِ مخالف نے آپ کو زندیق اور بدعتی ہونے کا طعنہ دیا، مگر حضرت امام صاحبؒ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ: ''بھائی! اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے میرے بارے میں جو رائے قائم کی ہے، میرے بارے میں میرے اللہ کا علم اس کے برخلاف ہے، واقعہ یہ ہے کہ میں نے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کے علاوہ کبھی کسی کو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور مجھے اس کی رحمت کے سوا کسی سے امید نہیں، اور اس کی سزا کے علاوہ مجھے کسی کا خوف نہیں''، سزا کا ذکر آتے ہی آپ پر سخت گریہ طاری ہو گیا، تا آنکہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو اسی برا کہنے والے شخص نے معافی کی درخواست کی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جاہلوں میں سے جو شخص میرے بارے میں غلط بات کہے وہ معاف ہے، لیکن اہل علم میں سے جو شخص مجھ پر الزام لگائے تو معاف نہیں، اس لئے کہ علماء کی بیان کردہ غیبت ان کے مرنے کے بعد بھی (کتابوں وغیرہ میں) باقی رہتی ہے''۔ (عقود الجمان ۲۲۶)

عاصم بن یوسفؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ درس و تدریس میں مشغول تھے اور مسجد کے ایک گوشہ میں ایک شخص آپ کو مسلسل گالیاں دے رہا تھا، مگر امام صاحبؒ اپنے کام میں مشغول تھے، نہ تو اس کی طرف متوجہ ہوئے نہ جواب دیا، اور اپنے شاگردوں کو بھی اس سے گفتگو کرنے سے منع کر دیا، جب درس ختم ہوا (اور آپ دولت کدہ کی جانب تشریف لے چلے) تو وہ شخص بھی آپ کے پیچھے ہولیا (اور برا بھلا کہتا رہا) امام صاحبؒ جب اپنے گھر پہنچے تو دروازہ پر کھڑے ہو کر اس گالی دینے والے شخص سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ: ''بھائی یہ میرا گھر ہے! اگر تم اپنی بات پوری کرنا چاہو حتی کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہ سب کہہ لو تو شوق سے کہو (میں اسے سن کر ہی اندر جاؤں گا) امام صاحبؒ کا یہ حلیمانہ جواب سن کر وہ شخص شرمندہ ہو گیا''۔ (عقود الجمان ۲۹۱)

جعفر بن الربیعؒ فرماتے ہیں کہ میں امام صاحب کے ساتھ پانچ سال رہا، میں نے آپ سے زیادہ محتاط زبان والا شخص کسی کو نہیں دیکھا، آپ زیادہ تر خاموش رہتے؛ لیکن جب کوئی فقہی مسئلہ معلوم کیا جاتا تو آپ کا دریائے علم جوش میں آجاتا، آپ کی آواز بلند اور لہجہ عمدہ تھا۔

نضر بن محمدؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحبؒ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار شخص کسی کو نہیں دیکھا، آپ کو ہنسی مذاق پسند نہیں تھا، اور میں نے کبھی آپ کو ٹھٹھے مار کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا؛ البتہ آپ مسکراتے تھے۔ (مقدمہ: اوجز المسالک للشیخ زکریا ۱/۷۷ مطبوعہ دارالقلم دمشق)

جود وسخا :- امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، دیکھا کہ شرکاءِ مجلس میں ایک شخص کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں تو آپ نے اسے بیٹھے رہنے کا حکم دیا، تا آں کہ دیگر اہل مجلس چلے گئے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ اپنے مصلے کے نیچے جو کچھ ہوا سے لے لو اور اپنی ضروریات میں صرف کرلو، اس نے جب مصلی اٹھایا تو اس میں ایک ہزار درہم نکلے جسے وہ لے کر چلا گیا۔ (العلم والعلماء ۳۰۶)

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ قرض کی وجہ سے قید ہو گئے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے ان کا سارا قرضہ جو چار ہزار درہم سے زیادہ تھا اپنی طرف سے ادا کر کے انہیں قید سے رہائی دلائی۔ (العلم والعلماء ۳۰۶)

اسماعیل بن حمادؒ کہتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہؒ کے صاحب زادے حضرت حمادؒ استاذ کے پاس سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لائق ہو گئے تو امام صاحب نے ان کے استاذ کو پانچ سو درہم (اور ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار درہم) بطور ہدیہ ارسال فرمائے تو وہ استاذ صاحب حیرت میں پڑ گئے اور کہنے لگے کہ میں نے کون سا ایسا کام کیا ہے کہ مجھے اتنا زیادہ انعام دیا گیا؟ امام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ خود ان استاذ صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے اور معذرت کے انداز میں ارشاد فرمایا کہ "جناب! آپ نے میرے بچے کو جو سکھایا ہے اسے حقیر نہ سمجھئے، اللہ کی قسم اس وقت ہمارے پاس اور زیادہ ہوتا تو ہم قرآن کی تعظیم میں اسے بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے"۔ (عقود الجمان ۲۳۳)

مسعر بن کدامؒ سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ جب بھی اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ خریدتے تو اتنا ہی دیگر علماء عظام کے لئے بھی خرید فرماتے، جب کپڑا بناتے تو پہلے علماء ومشائخ کے لئے انتظام فرماتے، حتیٰ کہ اگر پھل فروٹ خریدنے ہوتے تو پہلے مشائخ کے یہاں خرید کر بھجواتے، پھر اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے خریدتے تھے۔(عقود الجمان ۲۳۴)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ بہت زیادہ خیر خیرات کرنے والے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے میرے پاس اس قدر کثیر مقدار میں ہدیہ بھیجا کہ مجھے اس کی زیادتی سے ناگواری ہوئی جس کا ذکر میں نے امام صاحبؒ کے بعض شاگردوں سے کیا تو ان شاگردوں نے کہا یہ تو کچھ نہیں ہے، اگر آپ وہ ہدیہ دیکھ لیتے جو امام صاحب نے سعید بن عروبہؒ کو بھیجا ہے (تو اس کی کثرت کے مقابلہ میں) اپنے ہدیہ پر کچھ تعجب نہ کرتے۔(عقود الجمان ۲۳۴)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے سب پہچان کے لوگوں پر نہایت خرچ کرنے والے تھے، کبھی آپ کسی کو پچاس دینار دیتے پھر اگر وہ لوگوں کے سامنے شکریہ ادا کرتا، تو آپ کو سخت افسوس ہوتا، اور آپ فرماتے کہ بھائی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، یہ رزق آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔(عقود الجمان ۲۳۵)

امام ابو یوسفؒ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''میرے استاذ امام ابوحنیفہؒ نے میرے اور میرے گھر والوں کا مکمل خرچ دس سال تک اپنے پاس سے ادا فرمایا ہے اور میں نے آپ سے زیادہ نیک صفات کا جامع کسی شخص کو نہیں دیکھا''۔(عقود الجمان ۲۳۵)

حسن بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ ''میں امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا، انہوں نے اپنے شاگردوں کی ہر ایک جماعت کا ماہانہ وظیفہ اپنی طرف سے مقرر کر رکھا تھا اور سالانہ تحفہ وتحائف کا معمول اس کے علاوہ تھا''۔(عقود الجمان ۲۳۵)

عبداللہ بن بکر سہمیؒ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ مکہ جاتے ہوئے راستہ میں میرا اونٹ والے سے کرایہ پر جھگڑا ہو گیا، امام صاحب بھی سفر میں ہمراہ تھے، وہ اونٹ والا فیصلہ کے لئے مجھے امام

صاحبؒ کے پاس لے گیا، امام صاحبؒ نے ہم دونوں کے بیانات سنے، پھر پوچھا کہ اصل اختلاف کتنی مقدار میں ہے، اونٹ والے نے کہا کہ چالیس درہم میں، تو امام صاحب نے تعجب سے فرمایا کہ لوگوں کی مروّت بالکل ہی جاتی رہی (کہ چالیس درہم پر جھگڑا ہونے لگا) عبداللہ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کی اس وسعت ظرفی پر میں تو شرمندہ ہوگیا اور امام صاحبؒ نے اپنی طرف سے اونٹ والے کو چالیس درہم ادا فرمائے''۔ (عقود الجمان ۲۳۷)

ورع وتقویٰ :- امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ورع وتقویٰ ضرب المثل ہے، آپ کے تمام معاصر کھلے الفاظ میں گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے دور میں امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ متقی نہیں دیکھا۔

علی بن حفص کہتے ہیں کہ حفص ابن عبدالرحمٰن امام ابوحنیفہؒ کے کاروبار میں شریک تھے، ایک مرتبہ امام صاحبؒ نے ان کے پاس کچھ سامان فروخت کے لئے بھیجا اور کہا کہ اس میں ایک کپڑا ہے جس میں فلاں عیب ہے، اس لئے جب اسے فروخت کریں تو گاہک سے عیب بیان کردیں۔ اتفاق یہ ہوا کہ حفص بن عبدالرحمٰن نے وہ سب سامان بیچ ڈالا اور عیب بتانا بھول گئے اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس نے وہ کپڑا خریدا ہے، جب امام ابوحنیفہؒ کو یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے عیب بتائے بغیر سامان بیچ دیا ہے تو آپ نے اس کی ساری آمدنی صدقہ فرمادی، جس کی مقدار بیس ہزار درہم تھی، اور حفص ابن عمر سے کاروباری شرکت ختم کردی۔ (عقود الجمان ۲۴۱)

ایک مرتبہ کوفہ میں کچھ لوگ بکریاں کہیں سے لوٹ مار کر کے لائے اور انہیں کوفہ کے بازار میں فروخت کردیا، وہ بکریاں شہر کی بکریوں میں رَل مل گئیں، اور لوٹ کی بکریوں کی شناخت باقی نہ رہی، جب امام ابوحنیفہؒ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہ سکتی ہے تو لوگوں نے جواب دیا کہ سات سال، تو آپ نے کوفہ میں رہتے ہوئے سات سال تک بکری کا گوشت تناول نہیں فرمایا، کہ کہیں یہ وہی چرائی ہوئی بکری کا گوشت نہ ہو۔ (عقود الجمان ۲۴۴)

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ایک گھر کی دیوار کے قریب دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے، یحیٰی ابن ابی زائدہ وہاں سے گذرے، امام صاحبؒ کو وہاں بیٹھا دیکھ کر انہوں نے کہا کہ حضرت! دھوپ میں بیٹھنے کے بجائے قریب میں دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوتے تو بہتر ہوتا۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ میرا اس گھر کے مالک پر قرض ہے اگر میں اس کی دیوار کے سایہ سے فائدہ اٹھاؤں گا تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ قرض پر نفع اٹھانے کی وعید میں داخل ہوجائے گا، اور میں اسے گو کہ عام لوگوں پر واجب نہیں سمجھتا، لیکن بات یہ ہے کہ عالم کو اپنے علم پر دوسروں سے زیادہ عمل پیرا ہونا چاہئے۔ (عقود الجمان ۲۴۴)

کثرتِ عبادت :- انابت الی اللہ کے بغیر آدمی مرتبۂ کمال تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا، اسی بنا پر سلفِ صالحین کی زندگی میں تمام تر علمی مصروفیات کے باوجود کثرتِ عبادت اور اَوراد واَذکار کا اہتمام نمایاں نظر آتا ہے، اور اس بارے میں امام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کے حوالہ سے تو ناقابلِ یقین حالات آپ کی سیرت میں مذکور ہیں :

یحیٰ بن ایوب زاہدؒ کہتے ہیں کہ: ''امام ابوحنیفہؒ رات کو نہیں سوتے تھے''۔

حفص بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ: ''امام ابوحنیفہؒ نے تیس سال تک ہر رات ایک قرآنِ کریم پڑھنا کا معمول بنایا''۔

متعدد روایات میں ہے کہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اور ہر رات ایک قرآنِ کریم ختم کیا۔

یحیٰ بن فضیل کہتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، وہاں امام ابوحنیفہؒ تشریف لائے، تو بعض لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ: ''یہ وہ صاحب ہیں جو رات بھر عبادت کرتے ہیں''۔ یہ جملہ حضرت امام صاحب نے سن لیا، تو آپ نے فرمایا کہ ''لوگ میرے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں، جب کہ اللہ کی نظر میں میں ایسا نہیں ہوں (یعنی اس وقت تک پوری رات عبادت کا معمول نہ تھا) تو اب میں تازندگی رات میں بستر پر نہ لیٹوں گا، چناں چہ آپ نے اس کے بعد وفات تک یہ عزم نبھایا۔

اسی طرح بکثرت روزے رکھنے کا معمول بھی آپ سے منقول ہے۔

عبداللہ بن اسیرؒ کہتے ہیں کہ: ''جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو امام ابوحنیفہؒ پوری طرح اپنے کو تلاوتِ قرآنِ کریم کے لئے فارغ فرمالیتے اور اخیر عشرہ میں تو عام بول چال بھی آپ پر گراں ہوتی تھی''۔ (عقود الجمان ۲۱۱-۲۲۱)

نوٹ:- جن روایات میں ۳۰ یا ۴۰ ؍سال امام صاحب کا عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنا منقول ہے، وہ بظاہر اکثر اور غالب پر محمول ہے، اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امام صاحب کبھی آرام ہی نہ فرماتے تھے؛ اس لئے کہ خود بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ گرمی کے زمانہ میں ظہر اور عصر کے درمیان آرام فرماتے تھے، اور سردیوں کے زمانہ میں رات کے شروع حصہ میں آرام فرماتے تھے، جیسا کہ امام ذہبیؒ نے امام صاحبؒ کی بعض گھر کی عورتوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے: عقود الجمان ۲۱۹، الانتقاء)

خوف وخشیت:- امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ پر ہمہ وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف وخشیت غالب رہتا تھا، خاص کر تنہائی میں عبادت کرتے وقت گریہ وبکا کی وہ کیفیت ہوتی کہ سننے والوں کو ترس آجاتا، رات میں آپ کے رونے کی آواز گھر سے باہر تک سنائی دیتی تھی۔

یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجالست ومصاحبت اختیار کی جب میں آپ کے چہرے کو دیکھتا تھا، تو فوراً مجھے احساس ہوجاتا تھا کہ وہ اللہ رب العزت سے ڈرنے والے ہیں۔

قاسم بن معنؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات میں امام ابوحنیفہؒ نے یہ آیت پڑھی: ''بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ'' (سورۃ القمر ۴۶) (بل کہ قیامت ہے ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی) تو پوری رات نہایت گریہ وزاری کے ساتھ یہی آیت دہراتے رہے۔ (عقود الجمان ۲۲۴)

عبدالرزاق بن ہمامؒ کہتے ہیں کہ میں جب بھی امام ابوحنیفہؒ کو دیکھتا تو آپ کی آنکھوں اور رخساروں پر رونے کے آثار محسوس کرتا تھا، یزید بن کمیتؒ جو خود بھی اللہ کے نیک بندوں میں سے

تھے،فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ اللہ تعالی سے انتہائی خشیت فرمانے والے تھے۔ایک مرتبہ علی بن حسین موذن نے عشاء کی نماز میں سورۂ زلزال پڑھائی، امام ابوحنیفہؒ بھی جماعت میں شریک تھے، جب نماز ختم ہوئی اور لوگ چلے گئے تو میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ متفکر بیٹھے ہیں اور ان کا سانس تیز چل رہا ہے، میں نے سوچا کہ مجھے یہاں سے اٹھ جانا چاہئے تا کہ ان کی یکسوئی میں کوئی خلل نہ آئے، چناں چہ میں چراغ جلتا چھوڑ کر مسجد سے چلا آیا، پھر صبح صادق کے وقت میں مسجد پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں اور اپنی داڑھی پکڑ کر یہ دعا کررہے ہیں کہ ''اے وہ ذات جو رائی کے دانے کے برابر بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دیتی ہے اور اے وہ ذات جو رائی کے دانے کے برابر برائی کا بدلہ برائی سے دینے والی ہے تو اپنے بندے نعمان (ابوحنیفہؒ) کو جہنم اور جہنم سے قریب کرنے والی چیزوں سے نجات عطا فرما، اور اپنی وسعت رحمت میں اسے داخل فرما''۔ (عقود الجمان ۲۲۵)

یحیٰی بن نصر کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب امام ابوحنیفہؒ کے دوست تھے، جس کی بنا پر میں کبھی کبھی امام صاحبؒ کے یہاں رات میں سوجاتا تھا تو میں دیکھتا کہ امام ابوحنیفہؒ پوری رات نماز میں مشغول رہتے اور میں چٹائی پر ان کے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اس طرح سنا کرتا تھا گویا کہ بارش ہورہی ہو۔ (عقود الجمان ۲۳۰)

حضرت امام اعظمؒ کی چند خصوصیات

علامہ محمد بن یوسف صالحی الدمشقی شافعیؒ (المتوفی ۹۴۲ھ) نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان'' میں حضرت الامام کی گیارہ خصوصیات درج کی ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) امام صاحب کی پیدائش اس زمانہ میں ہوئی جب کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باحیات تھے، اور یہ زمانہ ''قرون مشہود لہا بالخیر'' میں شامل ہے۔

(۲) بعض صحابہ کی زیارت ورؤیت امام صاحبؒ کونصیب ہوئی، اس بنا پر آپ کو شرفِ تابعیت حاصل ہے۔

(۳) تابعین کے زمانہ میں اور بڑے بڑے ائمہ کی حیات میں حضرت الامام کو اجتہاد وافتاء کی خدمت انجام دینے کا موقع ملا، جو بڑے شرف کی بات ہے۔

(۴) بڑے بڑے ائمہ فقہ وحدیث نے آپ سے روایات نقل کی ہیں، یہ بجائے خود آپ کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔

(۵) کم وبیش چار ہزار اساتذہ سے آپ نے علم دین حاصل کیا۔

(۶) آپ کو ایسے بلند پایہ شاگرد ملے جو دیگر ائمہ کو نصیب نہیں ہوئے، جن میں سے ہر شاگرد اپنی جگہ آفتاب وماہتاب تھا، جیسے حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام زفرؒ وغیرہ۔

(۷) حضرت امام اعظمؒ کو سب سے پہلی مرتبہ فقہ وفتاویٰ کی تدوین کا شرف حاصل ہوا، آپ ہی نے باب وار مسائل کو مرتب کرایا اور جزئیات ومسائل کی تخریج فرمائی۔ اس بارے میں پوری امتِ مسلمہ تاقیامت آپ کی رہین منت رہے گی، اور یہ عظیم خدمت آپ کے لئے رفع درجات کا سبب بنتی رہے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۸) حضرت امام اعظمؒ کا فقہی مسلک عالم کے چپہ چپہ تک پھیل گیا، خاص کر برصغیر، روس، چین اور برما میں غالب اکثریت نے آپ کی پیروی کی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

(۹) آپ خود اپنی ذاتی کمائی سے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پوری فرماتے تھے، اور حکومتوں کے وظائف وغیرہ کے محتاج نہ تھے۔

(۱۰) آپ کی وفات انتہائی مظلومیت کی حالت میں قید خانہ میں بحالتِ سجدہ ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(۱۱) آپ اپنے دور میں ورع وتقویٰ اور کثرتِ عبادت میں ممتاز رہے۔ (عقود الجمان ۱۷۹-۱۸۵ طبع مکتبۃ الایمان مدینہ منورہ)

سببِ وفات

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام صاحبؒ کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بنانے کی پیش کش کی، مگر آپؒ نے اس سے انکار فرمایا، مگر منصور نے قسم کھا کر شدت سے اصرار کیا اور دھمکی دی کہ اگر یہ پیش کش قبول نہ کی تو سختی کی جائے گی اور قید میں ڈال دیا جائے گا، مگر آپ برابر انکار فرماتے رہے۔ چناں چہ آپ کو کوفہ سے بغداد لا کر قید کر دیا گیا، اور روزانہ بھرے بازار میں لا کر کوڑے لگانے کا حکم ہوا، دس دن تک یہی عمل آپ کے ساتھ دوہرایا گیا، اور کوڑے بھی اتنے شدید مارے گئے کہ آپ لہولہان ہو گئے اور اِیڑیوں تک خون بہہ پڑا، پھر آپ کو قید با مشقت میں ڈال دیا گیا، اور زبردستی زہر پلایا گیا، جس کی وجہ سے چند ہی روز میں قید خانہ میں ہی بحالتِ سجدہ آپ کی وفات ہوگئی، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

دراصل خلیفہ منصور کو یہ شبہ ہوگیا تھا کہ خانوادۂ اہل بیت کے قائد ''ابراہیم بن عبداللہ'' کی بصرہ کے علاقہ میں حکومت کے خلاف بغاوت میں امام صاحب کی تائید بھی شامل ہے، اِسی پر برافروختہ ہو کر منصور نے امام صاحب کے ساتھ یہ ظالمانہ برتاؤ کیا۔ (مقدمہ اوجز المسالک ا/۷۷ وغیرہ)

آپ کی وفات کی خبر سے پورے بغداد میں کہرام مچ گیا، ہر طرف رنج و غم کے بادل چھا گئے، قاضی بغداد علامہ حسن بن عمارہؒ نے آپ کو غسل دیا، اور پچاس ہزار سے زیادہ لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی (جو اس زمانہ کے اعتبار سے بے مثال تعداد ہے، اور آپ کی مقبولیت کی کھلی دلیل ہے) مجمع کی کثرت کی وجہ سے چھ مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔

آپ نے وفات سے قبل وصیت کی تھی کہ مجھے کسی ایسی جگہ دفن نہ کیا جائے جس کے غصب ہونے کا شبہ ہو، چناں چہ بغداد میں ''مقبرۂ خیزران'' میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

آپ کی وفات کا واقعہ ۱۵۰ھ میں پیش آیا، اس وقت آپ کی عمر مبارک ستر برس تھی۔

(ابوحنیفہ؛ حیاتہ وعصرہ ۵۹-٦۰، عقود الجمان ۳۵۷-۳٦۲ طبع مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ، فضائل ابی حنیفہ ۳۸)

وفات کی اطلاع ملنے پر فقیہ مکہ علامہ ابن جریجؒ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انا للہ پڑھی اور فرمایا کہ: ''کیسا عظیم علم رخصت ہوا؟''۔

اور محدث جلیل امام شعبہؒ نے انا للہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ: ''کوفہ سے علم کی روشنی بجھ گئی، اب کوفہ والے اس جیسی شخصیت کبھی نہ دیکھیں گے''۔

علامہ علی بن صالح بن حیؒ نے فرمایا کہ: ''عراق کا مفتی اعظم اور فقیہ وقت رخصت ہوا''۔

بشر بن عثمان مروزیؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن المبارکؒ بغداد تشریف لائے، اور فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ حضرت الامام کی قبر کہاں ہے؟ چناں چہ آپ قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ: ''ابوحنیفہ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، فقیہ العصر امام ابراہیم نخعیؒ کی وفات ہوئی تو انہوں نے اپنا جانشین چھوڑا، پھر حماد بن ابی سلیمانؒ نے رحلت فرمائی تو وہ بھی اپنا جانشین چھوڑ گئے؛ لیکن اے ابوحنیفہ! آپ نے اس حالت میں رحلت فرمائی ہے کہ روئے زمین پر کوئی آپ کا جانشین نہیں ہے''۔ یہ کہہ کر حضرت عبداللہ بن المبارکؒ بہت روئے۔ (مقدمہ: کتاب الآثار ۱/۸۴)

انا للّٰه وانا اليه راجعون، رحمه اللّٰه تعالىٰ رحمةً واسعةً.

باب:-۱۰

فقہ حنفی کا بنیادی منشور

بعض اصحابِ ظاہر بالخصوص طبقۂ غیر مقلدین کی طرف سے مسلسل یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ ائمۂ مجتہدین کی تقلید شریعت سے الگ کوئی چیز ہے، بالخصوص ''فقہ حنفی'' اُن کی بے جا تنقیدات اور تبصروں کا خاص نشانہ بنتا ہے، چناں چہ وہ حضرات سادہ لوح عوام کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ایک طرف کوئی حدیث بیان کریں گے، اور پھر اس کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا کوئی قول ذکر کر کے دونوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کریں گے کہ نعوذ باللہ احناف قول رسول ﷺ کے مقابلہ میں قول ابوحنیفہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے کہ کوئی بھی حنفی شخص کتاب وسنت کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا قول ہرگز قبول نہیں کرسکتا، بات صرف اتنی ہے کہ حضرات احناف کتاب وسنت کی تشریح میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم پر اعتماد کرتے ہیں، اور یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ انھوں نے نصوص سے سمجھ کر جو رائے اپنائی ہے وہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ خود اس بارے میں انتہائی احتیاط فرمانے والے تھے، اور پوری کوشش کرتے تھے کہ سلفِ صالحین کی رائے سرمو بھی انحراف نہ کریں، چناں چہ مسائلِ شرعیہ کے استنباط اور تخریج وتحقیق میں آپ نے جو طریقہ اپنایا ہے، اس کا اظہار خود اِن الفاظ میں فرمایا ہے:

اٰخُذُ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ اَجِدْ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاِنْ لَمْ اَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَخَذْتُ بِقَوْلِ

میں (سب سے پہلے) کتاب اللہ کو اختیار کرتا ہوں، اگر اس میں مسئلہ نہ پاؤں تو سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور اگر کتاب اللہ اور سنت نبوی دونوں میں مسئلہ نہ ملے تو پھر

اَصْحَابِهٖ اٰخُذُ بِقَوْلِ مَنْ شِئْتُ بِهٖ وَاَدَعُ مَنْ شِئْتُ مِنْهُ وَلَا أَخْرُجُ مِنْ قَوْلِهِمْ اِلٰی قَوْلِ غَيْرِهِمْ، فَاَمَّا اِذَانْتَهٰی الْأَمْرُ إِلٰی إِبْرَاهِيْمَ وَالشَّعْبِيّ وَابْنِ سِيْرِيْنَ وَالْحَسَنِ وَعَطَاءَ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَدَّدَ رِجَالاً فَقَوْمٌ اِجْتَهَدُوْا فَاَجْتَهِدُ كَمَا اجْتَهَدُوْا. (تاريخ بغداد بحواله الفقه الحنفي ۱/۲۲)

آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کے اقوال کو اختیار کرتا ہوں، اوران میں سے (غور وفکر کرکے) جس کا قول چاہے لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہے چھوڑ دیتا ہوں۔ اور میں صحابہؓ کے اقوال کو چھوڑ کران کے علاوہ کسی کے قول کو اختیار نہیں کرتا، اور جب معاملہ (صحابہؓ سے آگے بڑھ کر) ابراھیم نخعیؒ، امام شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ، عطاءؒ، سعید ابن المسیب، اور متعدد افراد کے نام گنائے ان تک پہنچ جائے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد سے مسائل کا حکم معلوم کیا ہے تو میں بھی اسی طرح خود اجتہاد کرتا ہوں جیسے ان حضرات نے اجتہاد کیا۔ (یعنی میں ان تابعین کی رائے کا پابند نہیں ہوں)

مروی ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام صاحبؒ کے نام تحریر لکھی کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، تو اس پر امام صاحبؒ نے ان کو جوابی خط لکھا کہ:

''امیر المؤمنین! آپ کو جو خبر پہنچی ہے وہ خلافِ واقعہ ہے، میں اولاً کتاب اللہ پر، پھر سنت رسول اللہ پر، اس کے بعد خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم) کے فیصلوں پر، پھر بقیہ صحابہ کے فیصلوں پر عمل کرتا ہوں، اور اگر درج بالا مصادر سے مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہو سکے تو پھر اختلافی مسائل میں قیاس کرتا ہوں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے (کہ جو شخص اپنی مرضی سے جو چاہے رائے قائم کرلے)''۔ (ابوحنیفہ؛ فقہہ وآراءہ ۳۰۴)

اور محدثِ جلیل حضرت عبداللہ بن المبارکؒ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہم تک پہنچے تو وہ سر آنکھوں پر ہے، اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے کوئی بات آئے تو ہم اس کو اختیار کریں گے، اور ان کے اَقوال سے باہر نہیں جائیں گے؛ البتہ اگر تابعین کی طرف سے بات آئے گی تو ہم (دلیل کی روشنی میں) اُن سے معارضہ کریں گے''۔ (عقود الجمان ۱۷۳)

امام صاحبؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے: ''مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے پر فتویٰ دیتا ہوں، حالاں کہ میں تو صرف اثر (یعنی سلفِ صالحین سے منقول بات) کو ہی فتویٰ کی بنیاد بناتا ہوں''۔ (مسند ابی حنیفہ للحافظ خسرو ۱۶۵)

نیز آپ نے فرمایا کہ: ''کتاب اللہ، سنتِ رسول اور اجماعِ صحابہ کی موجودگی میں کسی کو اس کے مخالف رائے اپنانے کا حق نہیں ہے، اور اگر صحابہ کی آراء مختلف ہوں تو اُن میں جو قول ہمیں کتاب وسنت سے زیادہ ہم آہنگ معلوم ہوگا، اُسے ہم اختیار کریں گے''۔

ایک مرتبہ آپ مجلس میں کسی قیاسی مسئلہ کا ذکر فرما رہے تھے، تو حاضرین میں سے ایک شخص نے اعتراض کیا کہ: ''یہ قیاس چھوڑئے؛ کیوں کہ سب سے پہلے قیاس کرنے والا شخص تو ابلیس ہے''، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کی بات سن کر انتہائی سنجیدگی سے ارشاد فرمایا کہ:

''اَرے بھائی آپ بات کو غلط رُخ دے رہے ہیں، ابلیس نے اپنے قیاس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا حکم کی توڑنے کی کوشش کی تھی، جب کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کے لئے قیاس کر رہے ہیں؛ کیوں کہ ہمارے قیاس کی بنیاد کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین کے اَقوال وآراء پر ہے، تو ہماری تو ساری محنت اتباع کے اِرد گرد ہورہی ہے (جب کہ اِبلیس کا مقصد سراسر بغاوت اور انکار کا تھا) تو ہم اِبلیس کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں''؟

امام صاحب کی اس وضاحت کو سن کر وہ معترض شخص بول اٹھا کہ واقعی مجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی، اب میں توبہ کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو ایسے ہی منور فرمائیں، جیسے آپ نے میرے قلب کو روشنی بخشی ہے۔ (مقدمہ اوجز المسالک ۱/۲۰۲)

اِن حوالوں سے معلوم ہوگیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا طریقۂ استنباط عین موافقِ شریعت ہے، اور اختلافی مجتہد فیہ مسائل میں آپ کا ہر قول دلائل سے مؤید ہے، جن مسائل میں دورِ صحابہ میں اختلاف ہو چکا ہے، اور ان پر اجماع کی کوئی صورت نہیں ہوسکی ہے، ان کا اختلاف قیامت تک مرتفع نہیں ہوسکتا، اب یہ حضرات مجتہدین کا کام ہے کہ ان میں سے جو قول انہیں دلیل کے اعتبار سے مضبوط نظر آئے، اسے اختیار کرلیں اور اپنے درجہ کے دوسرے مجتہد کو اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہ کریں؛ بلکہ ان میں سے ہر رائے کا اختیار کرنے والا اپنی جگہ پر صائب ہے، اور ہر رائے ''صواب محتمل خطاء'' ہے؛ لہٰذا اگر امام ابوحنیفہؒ اپنی وسعتِ علمی، دقتِ نظر اور تخریج واستنباط کی بے مثال صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے کسی ایک رائے کو ترجیح دے دیں اور یہ حکم شرعی ان کی طرف منسوب ہو جائے، تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کے مقابلہ میں قول ابی حنیفہ کو راجح کہا جارہا ہے۔

علاوہ ازیں کسی مسلمان سے یہ بات متصور نہیں ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی صحیح حدیث کے خلاف عمل کرے تو آخر امام اعظم ابوحنیفہؒ سے یہ بات کیسے متصور ہوسکتی ہے کہ وہ کسی حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کریں؟ اور جن مسائل میں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث ترک کردی ہے وہ بلاوجہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کی فی الجملہ درج ذیل وجوہ ہوسکتی ہیں:

(۱) وہ حدیث امام صاحب کے نزدیک ثابت اور صحیح ہی نہ ہو، اور کسی حدیث کا صحیح ہونا ایک اجتہادی امر ہے، اس میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے (اسی طرح کسی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں بھی اجتہاد کے اعتبار سے آراء الگ الگ ہوسکتی ہیں، پس اگر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد ایسی حدیث ہو جو محدثین کی نظر میں ضعیف ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث امام صاحب کے نزدیک بھی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہو)

(۲) امام صاحب کے نزدیک اس حدیث کے معارض کوئی اور حدیث یا قوی دلیل آگئی ہو، اس لئے کوئی حدیث ترک کردی ہو۔

(۳) امام صاحب کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہو، دیگر حضرات اسے منسوخ نہ مانتے ہوں تو یہ بھی ایک اجتہادی امر ہوگا، اس بنیاد پر حدیث کا ترک نفسِ حدیث کی مخالفت یا ترک نہ کہلائے گا۔ (قواعد فی الفقہ/مقدمہ اعلاء السنن بیروت ۴-۵)

اس سلسلہ کی کچھ مزید تفصیل گذشتہ اوراق میں سنتِ رسول اللہ کی بحث میں گذر چکی ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک خبر واحد کن اُصولوں کی بنیاد پر قبول ہوتی ہے، اور کن بنیادوں پر رد کردی جاتی ہے؟

"إذا صح الحديث فهو مذهبي" کا صحیح مطلب

بعض لوگ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کا یہ ارشاد: "اذا صح الحديث فهو مـــذهبـــي"۔ (جب صحیح حدیث سامنے آجائے تو وہی ہمارا مذہب ہوگا) بڑے زور وشور سے پیش کرتے ہیں، اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے تو دیانت کا ثبوت دیتے ہوئے، غیر راجح مسئلہ بیان کرنے کے باوجود اپنا دامن یہ کہہ کر بچالیا کہ اگر اس کے مقابلے میں صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہوگا، لیکن ان کے مقلدین ان کی اس ہدایت کو نظر انداز کرتے ہوئے صحیح احادیث آجانے کے باوجود امام صاحب کے اقوال کو سینے سے لگائے رہتے ہیں۔ یہ بات دیکھنے میں بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہے اور ایک خالی الذہن آدمی اسے سن کر بے اختیار مقلدین احناف سے بدگمانی دل میں بیٹھا لیتا ہے، حالاں کہ یہ پوری تقریر محض تلبس اور حقیقت واقعہ سے قصداً روگردانی پر مبنی ہے؛ اس لئے کہ "إذا صــحّ الـحـديـث" کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جہاں کہیں بھی صحیح حدیث نظر آجائے بس فوراً اس پر عمل کرلیں، اور نہ یہ کسی کا مذہب ہوسکتا ہے۔

اس لئے کہ بہت سی احادیث اگر چہ صحیح ہیں؛ لیکن ان کے مضامین میں تعارض ہے، اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے مجتہد کے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے، اور مجتہد ناسخ منسوخ، قوت وضعف اور اُصولِ شریعت سے موافقت وغیرہ امور پر پورے غور وفکر کے بعد ہی کسی ایک جانب کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دیتا ہے، ذخیرۂ حدیث کا ادنیٰ سا مطالعہ کرنے والا شخص بھی اس

بات کو جانتا ہے کہ بہت سی احادیث صحیح سند سے مروی ہونے کے باوجود منسوخ ہیں یا با جماعِ امت اُن کے ظاہر پر عمل ترک کر دیا گیا ہے۔

مثلاً: آگ پر پکی ہوئی چیزوں کو کھانے سے وضوٹوٹنے کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے، لیکن منسوخ ہے، اور آج اس پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ (ترمذی شریف ۲۴/۱)

اسی طرح متعہ کی مشروعیت کی روایات بھی صحیح ہونے کے باوجود منسوخ ہیں۔ (بخاری شریف ۶۰۶/۲)

امام ترمذیؒ نے ''کتاب العلل'' میں لکھا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثوں کو چھوڑ کر ہر حدیث پر امت کے کسی نہ کسی طبقہ کا عمل ہے ان میں سے ایک حدیث شرابی کو قتل کرنے کے بارے میں ہے اور دوسری حدیث بلا عذر جمع بین الصلا تین کے بارے میں ہے۔ (کتاب العلل ۲۳۳/۲)

اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ امام ابوحنیفہؒ کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ کہیں بھی کوئی حدیث صحیح نظر آجائے تو فوراً اسے مذہب بنالیا جائے بلکہ لازمی طور پر اس حدیث کا دیگر نصوص واحادیث سے موازنہ ومقابلہ کیا جائے گا پھر جورائے صحت کے ساتھ سامنے آئے گی صرف اسے ہی قبول کیا جائے گا، اور حضرات احناف ایسے مختلف فیہ مسائل میں چونکہ دلیل کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو راجح سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اگر بالفرض کوئی ظاہری حدیث آرہی ہو تو اس کا صحیح محمل تلاش کرتے ہیں اور دلائل کے تعارض کو ختم کر کے تطبیق کی صورتیں نکالتے ہیں، لہٰذا اصولی اعتبار سے علمائے احناف کا یہ عمل نہ تو شریعت کے خلاف ہے اور نہ امام ابوحنیفہؒ کی ہدایت کے خلاف ہے، غیر مقلدین کا اس طرز عمل کو کتاب وسنت کے خلاف قرار دینا بجائے خود ناواقفیت یا محض شرانگیزی پر مبنی ہے۔

کیا امام اعظمؒ کو چند ہی حدیثیں یاد تھیں؟

بعض بے توفیق غیر مقلدین نے منصوبہ بندی کے ساتھ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خلاف پیروپیگنڈہ مہم چلا رکھی ہے، کہ امام صاحبؒ کو صرف ۱۷/ یا چند سو ہی حدیثیں یاد تھیں، حالاں کہ یہ بات بداہتہً غلط ہے؛ کیوں کہ:

(۱) امام ابوحنیفہؒ بالاتفاق مجتہد مطلق ہیں، اور مجتہد مطلق کے لئے کم از کم احکام سے متعلق احادیث کا جاننا لازم ہے، اس کے بغیر آدمی مجتہد قرار نہیں دیا جاسکتا، اور اس طرح کی احادیث ہزاروں میں نہ ہوں تو سیکڑوں میں تو ضرور ہیں، تو اگر آپ میں مجتہد ہونے کی یہ بنیادی شرط نہ پائی جاتی، تو لوگ آپ کو مجتہد کیسے تسلیم کرتے؟

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیکڑوں؛ بلکہ ہزاروں مسائل صحیح احادیث کے موافق ہیں، اور اس موضوع پر علماء نے کتابیں بھی لکھی ہیں، تو سوال یہ ہے کہ امام صاحبؒ کا اجتہاد اِن سیکڑوں احادیث صحیحہ کے موافق کیسے ہوگیا؟ اگر آپ کے پاس بالفرض صرف چند ہی حدیثوں کا ہی علم تھا، تو یہ بات ناممکن ہے کہ اتنے سارے مسائل میں آپ کے بتائے ہوئے احکام صحیح حدیثوں کے موافق ہو جائیں۔

(۳) امام صاحبؒ کی آراء محدثین اپنی کتابوں میں اہتمام سے ذکر کرتے ہیں، یہ بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ امام صاحبؒ کو فن حدیث میں ایک مقام حاصل تھا۔

(۴) حضرت امام ابوحنیفہؒ نے طویل اسفار فرما کر چار ہزار شیوخ سے احادیث لی ہیں، یہ سب آپ کے پاس محفوظ تھیں، چناں چہ یحییٰ بن نصرؒ کہتے ہیں کہ میں امام صاحب کے گھر ایک کمرہ میں داخل ہوا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا، تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب احادیث ہیں، میں نے ان میں سے صرف کچھ حصہ ہی لوگوں کو بیان کیا ہے جو نفع بخش ہے۔

(۵) حضرت امام ابوحنیفہؒ نے باقاعدہ تصنیف وتالیف کا مشغلہ نہیں اپنایا؛ لیکن آپ کے شاگردوں نے آپ سے حدیثیں لے کر اُنہیں اپنی کتابوں اور مسانید میں جمع فرمایا ہے، چناں چہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی ''کتاب الآثار'' اور ''مسند حسن بن زیاد'' وغیرہ اس پر شاہد ہیں، جن سب کو ''جامع المسانید'' کے نام سے محمد بن محمد الخوارزمی (المتوفی ۶۶۵ھ) نے جمع کر دیا ہے۔

(تلخیص از مقالہ: اُصول نقد متون السنۃ عند الحنفیہ، الاستاذ خالد سعید مبارک پوری ۲۵۸-۲۶۲)

لہٰذا جو شخص مجتہد مطلق ہو، اور ائمہ متبوعین میں شامل ہو، اور دنیا اسے فقہ میں ''امام اعظم'' تسلیم کرے، اور جس نے ۴؍ ہزار سے زیادہ علماء اور محدثین سے دینی علم حاصل کیا ہو، اور جس کے حوالے سے اُن کے شاگردوں نے روایتیں نقل کر کے مسانید تیار کی ہوں، اسے صرف اتنی مختصر حدیثیں یاد ہوں، یہ تصور سے بالاتر اور سراسر جھوٹ ہے، اور یہ پروپیگنڈہ بغض وعناد اور تعصب پر مبنی ہے۔

امام اعظمؒ پر ضعیف الحدیث ہونے کا طعنہ؟

اور امام صاحب کے بارے میں ایک پروپیگنڈہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ''محدثین نے آپ کو ضعیف قرار دیا ہے''، حالاں کہ یہ بھی سراسر خلافِ واقعہ ہے۔

مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خاں صاحب مفتاحی مدظلہ مہتمم مدرسہ مسیح العلوم بنگلور اس پروپیگنڈہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کتب اسماء رجال میں متعدد کبار ائمہ سے آپ کی توثیق وتعدیل اور حدیث میں ثقہ وقابل اعتماد ہونا اور آپ کا حفظ حدیث میں جید ہونا صراحت سے مذکور ہے، یہاں چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) امام یحییٰ بن معین جو فن جرح وتعدیل کے امام ہیں، انہوں نے فرمایا کہ: ''ابوحنیفہؒ حدیث میں ثقہ (قابل اعتماد) تھے اور صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو حفظ ہوتی اور جو حفظ نہ ہوتی تو بیان نہ کرتے تھے''۔ (تہذیب الکمال ۲۹/۴۲۴، تہذیب التہذیب ۱۰/۴۴۹)

(۲) امام ابن معین ہی نے ایک روایت میں فرمایا کہ: ''ابوحنیفہؒ میں کوئی خرابی نہیں''۔ (لا باس بہ) (تہذیب الکمال ۲۹/۴۲۴، تہذیب التہذیب ۱۰/۴۴۹)

اور ابن معین کی اصطلاح میں ''لابأس بہ'' توثیق کے لئے استعمال ہوتا تھا، جیسا کہ اس فن سے مناسبت رکھنے والے جانتے ہیں۔ (تدریب الراوی ۱/۱۸۶، فتح المغیث ۱/۳۹۶)

(۳) ابن معین سے پوچھا گیا کہ ابوحنیفہؒ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ: ''وہ ثقہ ہیں''۔ میں نے کسی کو ان کی تضعیف کرتے نہیں سنا، یہ شعبہ بن الحجاج ہیں، جو ابوحنیفہ کو لکھتے ہیں کہ: ''آپ حدیث بیان کریں اور اس کا حکم دیتے ہیں اور شعبہ تو شعبہ ہیں''۔ (الانتقاء ۱۲۷)

مطلب یہ ہے کہ شعبہ جیسے محتاط محدث جو کسی ضعیف سے روایت نہیں کرتے، جب انہوں نے ابوحنیفہؒ کو حدیث بیان کرنے کا حکم دیا تو اس کا کیا وزن ہوگا، اندازہ کیا جائے۔

(۴) امام بخاریؒ کے استاذ علی بن المدینیؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ سے سفیان ثوری وابن المبارک نے روایت کیا ہے، اور وہ ثقہ تھے، جن میں کوئی خرابی نہیں۔ (الجواہر المضیئہ ۱/۲۹)

(۵) امام ابن المبارکؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق وتعدیل فرمائی ہے، چناں چہ ابن عبد البرؒ نے الانتقاء میں اپنی سند کے ساتھ اسماعیل بن داؤد سے نقل کیا ہے کہ امام ابن المبارک، امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ہر خوبی بیان کرتے اور ان کی توثیق وتعدیل کرتے اور ان کی تعریف فرماتے۔ (الانتقاء ۱۴۰)

(۶) امام ابوداؤد نے فرمایا کہ اللہ ابوحنیفہؒ پر رحم کرے، وہ امام تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۶۹)

یہ امام ابوداؤد کی طرف سے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق ہے، اور اہل علم جانتے ہیں کہ کسی کے بارے میں ''امام'' کہنا بڑے اونچے درجہ کی توثیق ہے۔ (فتح المغیث ۱/۱۶۹)

(۷) امام شعبہؒ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ ''جید الحفظ'' (اچھے حافظہ) والے ہیں۔ (الخیرات الحسان، بحوالہ: مقدمہ اعلاء السنن ۱/۱۹۸)

یہ بطورِ نمونہ چند کبار محدثین کے اقوال پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ ضعیف نہیں؛ بلکہ ثقہ وقابل اعتماد تھے، حتیٰ کہ امام ابوداؤدؒ نے لفظ امام کہہ کر آپ کی توثیق وتعریف کا حق ادا فرمادیا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ حافظہ کے لحاظ سے بھی قابل اعتماد تھے، جیسا کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ: ''آپ جید الحفظ تھے''۔

ان ائمہ کبار کی توثیق وتعریف جو یہاں نقل کی گئی، وہ محض نمونہ کے لئے ہیں، ورنہ بڑے بڑے محدثین وائمہ نے آپ کے فضائل ومناقب میں ضخیم کتابیں لکھی ہیں، جیسے:

(۱) امام ابن عبد البر مالکیؒ نے ''الانتقاء''

(۲) امام ابن حجر مکی شافعیؒ نے ''الخیرات الحسان''

(۳) امام سیوطی شافعیؒ نے ''تبییض الصحیفۃ''

(۴) امام شمس الدین الذہبی نے ایک جزء ورسالہ

(۵) علامہ محمد بن یوسف صالحی شافعی نے عقود الجمان فی مناقب النعمان

لکھی، ان کے علاوہ ہزاروں کتب ورسالوں میں آپ کا تذکرہ موجود ہے، اور آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے۔

ہاں بعض حضرات نے اس جلیل القدر وعظیم المرتبت امام کی تنقیص وتضعیف کی ہے، مگر اس کا کوئی وزن علمی دنیا نے نہیں مانا؛ بلکہ خود ان تنقیص کرنے والوں پر تنقید کی؛ کیوں کہ ان میں اکثر نے یا تو امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تضعیف کی ہے یا حسد کی وجہ سے کی ہے۔

چناں چہ محدث عبداللہ بن داوٗدؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لوگ دو طرح کے ہیں، یا تو آپ کے مقام سے ناواقف ہیں یا آپ سے حسد کرنے والے ہیں۔ (تہذیب الکمال ۲۹/۴۴۱، تہذیب التہذیب ۱۰/۴۵۰)

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے فرمایا کہ: ''ابوحنیفہؒ سے جن محدثین نے روایت کی اور آپ کی توثیق کی وہ ان کے مقابلہ میں زیادہ ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے''۔ (جامع العلم ۲/۱۴۹)

آخر میں علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ کی یہ عبارت پیش کر کے دعوت غور وفکر دیتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

والصحيح في هذا الباب ان من صحت عدالته وثبتت في العلم امانته وبانت ثقته وعنايته بالعلم، لم يلتفت فيه الى قول احد الا أن يأتي في جرحته ببينةٍ عادلةٍ.

(جامع العلم ۲/۱۸٦)

اس باب میں صحیح بات یہ ہے کہ جس کی عدالت صحیح طور پر ثابت ہوجائے اور علم میں اس کی امانت معلوم ہوجائے اور اس کی ثقاہت اور علم کے بارے میں اس کی عنایت ظاہر ہوجائے اس کے بارے میں کسی کے قول کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی، مگر یہ کہ اس کی جرح کے بارے میں وہ عادل گواہ پیش کرے۔

اس عبارت میں غور کرنے کے بعد فیصلہ کیجئے کہ سیدنا الامام ابوحنیفہؒ جن کی ثقاہت وعدالت تواتر کے ساتھ ہر زمانہ وعلاقے میں معروف ومشہور رہی ہے ان کو جہالت یا حسد یا سنی سنائی باتوں کی وجہ سے ضعیف کہنا علمی دنیا میں کیا وزن رکھتا ہے''؟ (ماخوذ رسالہ: سراج الامہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا علمی مقام ۵-۸، مطبوعہ: انجمن تحفظ شریعت مدرسہ شاہی مرادآباد)

درج بالا تفصیلات سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کی طرف سے بدگمانیاں پھیلانے کی منظّم کوششیں شروع سے ہی جاری ہیں؛ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ہر زمانہ میں منصف علماء محققین کی طرف سے ان کا دفاع کیا جاتا رہا ہے۔

فقہ حنفی: اجتماعی کاوشوں کا نتیجہ ہے

یہاں ایک خاص بات یہ بھی یاد رکھنی چاہئے کہ فقہ حنفی کا اطلاق صرف امام ابوحنیفہؒ ہی کے اقوال پر نہیں ہوتا؛ بلکہ اس فقہ کی تدوین میں بہت سے ماہر علماء اور فقہاء کی اَنتھک محنتیں اور کاوشیں شامل رہی ہیں۔

چناں چہ اسد بن فراتؒ کے حوالے سے امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے جن شاگردوں نے فقہی مسائل کو مرتب ومدون کیا، ان کی تعداد چالیس تھیں، جن میں سے درج ذیل حضرات نمایاں تھے:

(۱) امام ابو یوسفؒ (۲) امام زفرؒ (۳) امام داؤد طائیؒ (۴) اسد بن عمروؒ (۵) یوسف بن خالد السمتیؒ (۶) یحییٰ بن زکریا وغیرہ۔

منقول ہے کہ امام سلیمان اعمشؒ کے پاس کوئی شخص مسئلہ پوچھنے آیا، تو آپ نے اس سے کہا کہ ''امام ابوحنیفہؒ کے حلقے میں جا کر مسئلہ دریافت کرو؛ کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی مسئلہ آتا ہے تو وہ مسلسل بحث ومباحثہ کرتے ہیں، یہاں تک کہ صحیح رائے تک پہنچ جاتے ہیں''۔ (اُصول نقد متون السنۃ ۲۶۷-۲۶۸)

یہی وجہ ہے کہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی شخص نے تبصرہ کیا کہ: ''امام ابوحنیفہ غلطی

پر ہیں'' تو اس کو امام وکیعؒ نے ڈانٹا اور فرمایا کہ: ''اس قول کو کہنے والا جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہے، امام ابوحنیفہؒ غلطی پر قائم کیسے رہ سکتے ہیں؟ حالاں کہ ان کے پاس ابو یوسف ومحمد جیسے ائمہ فقہ ہیں، اور فلاں فلاں علماء جیسے ائمۂ حدیث ہیں، اور فلاں فلاں عربی زبان کے ماہرین ہیں، اور فضیل اور داؤد طائی جیسے ائمۂ زہدوتقویٰ ہیں، تو جس کے ساتھیوں میں ایسے جلیل القدر علماء اور ائمہ شامل ہوں، وہ غلطی پر قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ بالفرض اگر اس سے کوئی غلطی ہوگئی تو اس کے ساتھی اسے حق کی طرف لوٹا دیں گے''۔ (مقدمہ اوجز المسالک ۸۰)

الغرض فقہ حنفی پر گہری نظر رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ اس کو موجودہ شکل تک پہنچانے میں بڑے بڑے عباقرامت، ذہین اور نادرۂ روزگار علماء وفقہاء کی خدمات شامل رہی ہیں، اس لئے ائمہ سے منقول کسی بھی بات کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ائمۂ اربعہ کی ترجیحات پر ایک نظر

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ چاروں ائمہ متبوعین (حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کو بہت سے مسائل میں بعض نصوص کو ترک کرنا پڑا ہے؛ لیکن یہ ترک کرنا نعوذ باللہ اُن نصوص کو نظر انداز کرنے کی بنیاد پر نہیں ہے؛ بلکہ اُن حضرات کے پیش نظر کوئی نہ کوئی تاویل ضرور رہی ہے، جس کی بنیاد پر مجبوراً اُنہیں بعض اَحادیث ونصوص کو چھوڑنا پڑا۔ مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس موضوع پر اِجمالاً روشنی ڈالتے ہوئے وہ اَہم ترجیحات لکھی ہیں، جن کو ائمہ اربعہ نے پیش نظر رکھا ہے۔ حضرت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

الف:- حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عام طور پر تعارضِ آثار کے وقت تعاملِ اہلِ مدینہ کو فیصل بناتے ہیں، اور اس کے مخالف آنے والی نصوص کو مؤول قرار دیتے ہیں۔

ب:- حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حجاز کے قیام کے زمانہ میں اہلِ حجاز کے تعامل کو فوقیت دیتے رہے، اور دیگر روایات میں حتی الامکان تطبیق کی راہ اپناتے رہے؛ لیکن جب آپ نے بعد میں مصر وعراق کا سفر فرمایا اور وہاں ثقہ واسطوں سے دیگر روایات سامنے آئیں، تو آپ نے

تعاملِ اہلِ حجاز کے مقابلہ میں بعض مسائل میں اُن روایتوں کو بھی ترجیح دی، اسی وجہ سے اُن مسائل میں آپ سے قولِ جدید اور قولِ قدیم دونوں منقول ہیں۔

ج:- حضرت امام اَحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ عام طور پر حدیث کو اپنے ظاہر پر رکھنے کی کوشش فرماتے ہیں اور متعارض روایات میں ہر روایت کو اپنے مورد تک خاص کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور علتِ فارقہ نہ ہونے کے باوجود قیاس کے مقابلہ میں حدیث کے مطابق حکم لگانے کی کوشش فرماتے ہیں، اسی لئے آپ کا مذہب ظاہر یہ سے زیادہ قریب ہے۔

د:- اور اِمام اَعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کا طریقہ تعارضِ ادلہ واَحادیث کی صورت میں یہ ہے کہ وہ پوری شریعت پر نظر کرتے ہوئے سب نصوص کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں، اولاً قواعدِ کلیہ، اور ثانیاً جزئی واقعات۔ پھر اگر حدیث میں ذکر کردہ کوئی جزئی واقعہ کسی قاعدۂ کلیہ سے متعارض ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں حنفیہ قاعدۂ کلیہ کی رعایت زیادہ کرتے ہیں، اور جزئی واقعہ کو ایسے معنی پر منطبق کرتے ہیں جو قاعدۂ کلیہ کے خلاف نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ عزیزی ۴۳۰-۴۳۱ بحوالہ: اُصول نقد متون السنۃ ۱۱۷-۱۱۹)

واقعۃً یہ ایسا موضوع ہے جو بہت تفصیل کا متقاضی ہے، اہلِ علم حضرات اُصول کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس کے متعلق ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا کسی بھی شخص کو اگر کسی فقہ کا مسئلہ ظاہری طور پر کسی حدیث کے مخالف نظر آئے، تو اُسے ائمہ عظام سے بدگمانی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے؛ کیوں کہ درج بالا تفصیلات سے اچھی طرح معلوم ہو چکا کہ کسی بھی فقیہ نے بلا تاویل کسی نص کو ترک کرنے کی جسارت نہیں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری اُمت کو کج روی اور بدگمانی سے محفوظ رکھیں، آمین۔

باب: -۱۱

فقہِ حنفی کی تدوین اور بنیادی کتابیں

امامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ نے باقاعدہ تصنیف وتالیف کا مشغلہ اختیار نہیں فرمایا لیکن مسائل کی بحث وتحقیق کی طرف پوری توجہ مبذول فرمائی اور آپ نے اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ باقاعدہ ''فقہی تحقیقات'' کو موضوعِ بحث بنایا اور فقہِ اسلامی کی تدوین کا کارنامہ انجام دیا، چنانچہ جو افراد آپ کے اس کام میں شریک رہے ان کی تعداد کم وبیش چالیس نقل کی گئی ہے۔

اس کے بعد آپ کے سب سے معتمد شاگرد رشید حضرت امام ابویوسفؒ بھی درس وافادہ اور قضا کی بے انتہاء مشغولیت کی وجہ سے یکسوئی کے ساتھ تصنیف وتالیف میں مشغول نہ ہو سکے۔

البتہ مذکورہ دونوں اماموں کے جلیل القدر تلمیذ رشید حضرت امام محمدؒ نے اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر نہ صرف اپنے دونوں اساتذہ کے علوم کو اپنی تالیفات میں جمع کیا بلکہ بالفاظ دیگر پورے فقہ حنفی کے مسائل کو باب وار مدون فرمادیا۔

چنانچہ فقہِ حنفی کی بنیاد زیادہ تر امام محمدؒ کی تالیفات میں جمع فرمودہ روایات ومسائل پر ہے اور ان کے علاوہ امام صاحب کے دیگر تلامذہ کی روایات کو وہ درجہ حاصل نہیں ہے۔

طبقاتِ مسائل

مسائل حنفیہ کے کل تین طبقات ہیں:

(۱) ظاہر الروایہ/روایۃ الاصول

اس کا اطلاق ان مسائل پر ہوتا ہے جو حضرت امام محمدؒ کی کتبِ ستہ (مبسوط، زیادات، جامع

صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر) میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور دیگر اصحابِ مذہب سے نقل کئے گئے ہیں، یہ درجۂ مسائل سب سے اعلیٰ اور اقویٰ ہے اور اس کی سند مذہب میں مشہور و معروف ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی ۴۵-۴۷)

(۲) غیر ظاہر الروایہ/روایۃ النوادر

اصحابِ مذہب کی وہ روایتیں جو امام محمدؒ کی کتب ستہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں مذکور ہیں وہ نوادر یا غیر ظاہر الروایہ کہلاتی ہیں؛ کیوں کہ مذہب میں ان کی سند ظاہر الروایہ کی طرح مشہور و معروف نہیں ہے، اس طبقہ کی روایتوں کا درجہ ظاہر الروایہ سے کمتر ہوتا ہے، بریں بنا اگر ان کا تعارض ظاہر الروایہ سے ہوجائے تو ترجیح ظاہر الروایہ کو ہوگی، الا یہ کہ مشائخ ظاہر الروایہ کو ترک کرنے کا فیصلہ کرلیں۔

کتبِ غیر ظاہر الروایہ میں امام محمدؒ کی دیگر تصنیفات مثلاً: کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات اور امام ابو یوسفؒ کے امالی، اسی طرح وہ مفرد روایتیں شامل ہیں جو دیگر اصحابِ مذہب، مثلاً حسن بن زیادؒ (المتوفی ۲۰۴ھ)، محمد بن سماعہؒ (المتوفی ۲۳۳ھ)، معلّٰی بن منصورؒ (المتوفی ۲۱۱ھ) وغیرہ سے مروی ہیں۔ (شرح عقود رسم المفتی ۴۷-۴۹)

(۳) الفتاویٰ والواقعات

وہ مسائل جن کے متعلق ظاہر الروایہ اور نادر الروایہ میں متقدمین اہل مذہب سے کوئی حکم شرعی منقول نہ ہو اور بعد کے مشائخ ومفتیان نے مجتہدین کے اصول کی روشنی میں ان کا استنباط واستخراج کیا ہو، ایسے مسائل کو اصطلاح اصول میں ''فتاویٰ وواقعات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان مشائخ میں حضراتِ صاحبینؒ کے بلا واسطہ شاگرد مثلاً عصام بن یوسف ابوعصمہؒ (المتوفی ۲۱۵ھ) محمد بن سماعہؒ (المتوفی ۲۳۳ھ) ابراہیم ابن رستم المروزیؒ (المتوفی ۲۱۱ھ) موسیٰ بن سلیمان ابوسلیمان الجوزجانیؒ (المتوفی ۲۰۰ھ) ابوحفص البخاریؒ (المتوفی ۲۱۷ھ) اسی طرح اہل مذہب کے شاگردوں کے شاگرد مثلاً محمد بن سلمہ البلخیؒ (المتوفی ۲۷۸ھ) محمد بن مقاتل الرازیؒ (المتوفی ۲۶۸ھ) نصیر بن

یحییٰ البلخیؒ (المتوفی ۲۶۸ھ) ابوالنصر محمد بن سلامؒ (المتوفی ۳۰۵ھ) وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ یہ حضرات کبھی کبھی عرف وضرورت کو دیکھتے ہوئے مذہب کی صریح روایت کے خلاف بھی فتویٰ دیدیتے ہیں۔ (شرح عقود رسم المفتی ۴۹-۵۰)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے رسالہ ''عقد الجید في أحکام الاجتهاد و التقلید'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ محققین فقہاء کے نزدیک مسائل احناف کل چار قسموں پر مشتمل ہیں:

(۱) **ظاهر مذهب**: یعنی وہ مسائل جو اصحابِ مذہب سے مشہور ومعروف طریقے پر مروی ہیں، ان مسائل کو فقہاء ہر حال میں قبول کرتے ہیں۔

(۲) **روایات شاذه**: یعنی وہ مسائل جو اصحابِ مذہب (امام صاحب اور صاحبینؒ) سے شاذ روایتوں کے واسطہ سے منقول ہیں، ان روایتوں کو فقہاء اسی وقت قبول کرتے ہیں جب کہ وہ ظاہر مذہب کے موافق ہوں۔

(۳) **تخریجات متأخرین (متفقه)**: یعنی وہ مسائل جن کی تخریج کا کام اصحابِ مذہب نے نہیں کیا بلکہ متأخرین فقہاء نے انجام دیا ہے اور جمہور فقہاء اس پر متفق رہے ہیں۔ اس طرح کی تخریجات پر بہرحال فتویٰ دینا ضروری ہے، ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

(٤) **تخریجات متأخرین (مختلف فیه)**: یعنی متأخرین کے ایسے مستخرج مسائل جن پر جمہور اہل مذہب متفق نہ رہے ہوں، ایسے مسائل کو اصول مذہب، ظاہر مذہب، نظائر مذہب اور سلف کی تصریحات پر پیش کیا جائے گا، اگر وہ ان کے مطابق ہوں تو قبول کریں گے ورنہ چھوڑ دیں گے۔

حضرت مولانا عبدالحئ فرنگی محلیؒ کی تحقیق

حضرت مولانا عبدالحئ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) اپنے رسالہ: ''النافع

الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر" میں تحریر فرماتے ہیں کہ کتب فقہ میں مذکورہ جزئیات پانچ طبقوں پر منقسم ہیں:

(۱) **ادلۂ اربعہ کے پوری طرح موافق مسائل**: یعنی ایسی جزئیات جو کتاب وسنت اجماع اور ائمہ کے بیان کردہ قیاس کے موافق ہوں اور ان کے خلاف کوئی نص شرعی یا دلیل شرعی موجود نہ ہو۔

(۲) **اکثر یا اقویٰ ادلہ کے موافق مسائل**: یعنی ایسے مسائل جو کسی دلیل شرعی سے ماخوذ ہوں لیکن ان کے مقابلہ میں کوئی دوسری شرعی دلیل بھی موجود ہو اور دلیل مخالف ماخوذ عنہ دلیل سے کمتر درجہ کی ہو یا اپنے اندر اس کے مقابلہ میں کچھ خفا رکھتی ہو، مذکورہ بالا دونوں طرح کے مسائل یقیناً قابل قبول ہوں گے۔

(۳) **متعارض ادلہ سے ماخوذ مسائل**: اس طبقہ کا اطلاق ان مسائل وجزئیات پر ہوتا ہے جو بعض دلائل شرعیہ سے مستنبط ہوں لیکن ان کے مقابلہ میں صحیح اور قوی دلائل بھی پائے جاتے ہوں، ایسے مسائل میں مجتہد غور وفکر کر کے کسی ایک جانب کو راجح قرار دے گا اور غیر مجتہد اپنے سے اوپر کے مجتہدین یا فقہاء کا اتباع کرے گا۔

(٤) **مخالف شرع صرف قیاسی مسائل**: یعنی ایسے مسائل جو قیاس سے نکالے گئے ہیں حالاں کہ قیاس سے اوپر درجہ کی کوئی معتبر دلیل اس حکم کے خلاف موجود ہے تو ایسی صورت میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا، اور شرعی دلیل پر عمل کیا جائے گا۔

(۵) **غیر مدلل مسائل**: یعنی ایسی جزئیات جو کسی بھی شرعی دلیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ بعض متأخرین نے انہیں ویسے ہی مسائل مذہب میں شامل کر دیا ہے، اس طرح کے مسائل کا ترک بلکہ ان کی تردید ضروری ہے۔

واضح رہے کہ مولانا فرنگی محلیؒ نے مسائل کتب احناف کے مذکورہ بالا طبقات بیان کر کے فقہ حنفی پر زبان طعن دراز کرنے والوں کو خاموش کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر بالفرض کتب فقہ میں

کوئی مسئلہ خلاف نص آ گیا ہے تو اس میں اصحابِ مذہب کا قصور نہیں بلکہ بعض متأخرین کی غلطی سے ایسا ہوا ہے اور ایسے مسائل میں حکم یہی ہے کہ دلیل شرعی پر ہی عمل ہوگا۔ مثلاً تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا مسئلہ، کہ صاحب ''خلاصہ کیدانیہ'' نے اس کو محرماتِ صلاۃ میں شمار کیا ہے، حالاں کہ صحیح احادیث اشارہ کی مشروعیت پر دال ہیں اور پھر خود صاحب مذہب سے اشارہ کے مشروع ہونے کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا علماء حنفیہ نے صاحب ''خلاصہ کیدانیہ'' کی تصریح کو قبول نہیں کیا ہے اور حدیث کے مطابق فتویٰ دیا، چناں چہ ملا علی قاریؒ کا ایک رسالہ ''**تزیین العبارۃ بتحسین الاشارۃ**'' اسی موضوع پر ہے۔

کتبِ ستہ ظاہر الروایۃ

فقہ حنفی میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف فرمودہ ۶/کتابوں (مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، سیر صغیر، سیر کبیر) کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، ان کتابوں کو ''کتب ستہ ظاہر الروایۃ'' کہا جاتا ہے، نیز ''کتبِ اصول'' کی تعبیر بھی مستعمل ہے، ذیل میں ان کتابوں کا مختصر تعارف پیش ہے:

(۱) المبسوط (کتاب الاصل)

یہ حضرت امام محمدؒ کی سب سے پہلی تالیف ہے، اور بقیہ کتابوں کے لیے اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب کی اپنی الگ شان ہے، فقہ کے اکثر ابواب کے بارے میں بیش قیمت جزئیات سے یہ کتاب معمور ہے، مشہور ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ایک غیر مسلم کتابی (یہودی یا عیسائی) نے ایمان قبول کیا اور کہا کہ ''جب تمہارے چھوٹے محمد (حضرت امام محمدؒ) کی کتاب کا یہ حال ہے، تو تمہارے بڑے محمد (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب کا کیا حال ہوگا''؟

اس کتاب کا منہج یہ ہے کہ جو قول مطلقاً ذکر کیا جاتا ہے وہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ اس پر ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) متفق ہیں اور اگر رائے میں اختلاف ہوتا ہے تو ہر ایک کے قول کی نسبت اس کی طرف کر دی جاتی ہے۔

یہ کتاب علامہ ابوالوفا افغانی کی تحقیق کے ساتھ پانچ جلدوں میں شائع ہورہی ہے لیکن بظاہر اس میں کچھ ابواب چھوٹ گئے ہیں۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۱۱۷-۱۱۸)

مبسوطِ امام محمدؒ کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جن میں سب سے مشہور وہ نسخہ ہے جو آپ کے شاگرد رشید ابوسلمان الجوزجانیؒ (المتوفی ۲۰۰ھ) سے منقول ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی ۵۲)

متأخرین میں سے بہت سے حضرات نے مبسوط کی شروحات لکھی ہیں، مثلاً شیخ الاسلام ابوبکر المعروف بخواہر زادہؒ (المتوفی ۴۳۳ھ) نے مبسوط کبیر کے نام سے امام محمدؒ کی مبسوط کی شرح لکھی ہے۔ اسی طرح شمس الائمہ الحلوانیؒ (المتوفی ۴۴۸ھ) وغیرہ نے بھی شروحات لکھی ہیں اور ان کو بھی مبسوط ہی کا نام دیا جاتا ہے، حالاں کہ وہ مبسوط نہیں؛ بلکہ اس کی شرحیں ہیں۔ (شرح عقود رسم المفتی ۵۲-۵۴)

(۲) الجامع الصغیر

عام طور پر ''مبسوط'' کے بعد ''زیادات'' کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن بظاہر مبسوط کے بعد آپ نے ''جامع صغیر'' تالیف فرمائی، یہ کتاب ۱۵۳۲/مسائل پر مشتمل ہے، اس کتاب کے مسائل بھی جامع صغیر سے ملتے جلتے ہیں اور اندازِ استدلال بھی اسی کی طرح ہے، لیکن ان میں بہت سے مسائل ودلائل کا اضافہ بھی ہے۔

''الجامع الصغیر'' کا سبب تالیف یہ ہے کہ حضرت امام ابویوسفؒ نے امام محمدؒ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ایک ایسی کتاب مرتب کریں جس میں ان (حضرت امام ابویوسفؒ) کے واسطہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہی روایتیں جمع کردی جائیں۔ چناں چہ امام محمدؒ نے اس حکم کی تعمیل کی اور ''الجامع الصغیر'' لکھ کر استاذ محترم کی خدمت میں پیش کی، امام ابویوسفؒ نے اس پر نہایت خوشی کا اظہار فرمایا اور اپنی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کے باوجود سفر وحضر میں اس کتاب کو اپنے ساتھ رکھنے لگے۔

امام علی رازیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص اس کتاب کو سمجھ لیتا وہ ہمارے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ذکی وفہیم سمجھا جاتا تھا، اور اس وقت تک کسی کو قاضی نہ بنایا جاتا جب تک کہ اس سے جامع

صغیر کا امتحان نہ لے لیا جاتا۔

اور مشہور ہے کہ شام کے گورنر عیسیٰ بن ابی بکر کا معمول تھا کہ الجامع الکبیر کے حفظ کرنے والے کو سو اشرفی اور الجامع الصغیر کے حافظ کو پچاس اشرفی انعام سے نوازا کرتے تھے۔ (مقدمہ ہدایہ اخیرین للکھنوی ۴، شرح عقود رسم المفتی ۵۷-۵۶)

(۳) الجامع الکبیر

حضرت امام محمدؒ کی تیسری معرکۃ الآراء کتاب ''الجامع الکبیر'' جسے آپ نے ''الجامع الصغیر'' کے بعد مرتب فرمایا، یہ ایسی کتاب ہے جسے پڑھ کر ارباب بصیرت علماء وفقہاء عش عش کر اٹھے، مصنف کی دقت نظر، وسعت علمی، نکتہ رسی اور فصاحت و بلاغت حیرت انگیز ہے، حتی کہ امام محمد بن اشجاع الثلجی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ''اسلام میں فقہ کے موضوع پر امام محمدؒ کی ''جامع کبیر'' جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی'' اسی طرح کے مقولے دیگر ائمہ سے بھی منقول ہیں۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۱۲۷-۱۲۶)

(۴) زیادات (وزیادات الزیادات)

حضرت امام محمدؒ کی چوتھی مشہور کتاب ''الزیادات'' ہے جس میں جامع کبیر کے باقی ماندہ مسائل و جزئیات کو جمع کیا گیا ہے، اور پھر اس کی چھوٹی ہوئی باتوں کو ''زیادات الزیادات'' میں جمع کرنا شروع کیا مگر اس کی تکمیل نہ ہوسکی۔

بہر حال ''الزیادات'' در اصل ''الجامع الکبیر'' کا تکملہ ہے، اور اس کا منہج و اسلوب بھی ''الجامع الکبیر'' کے مانند ہے، اس لیے اس میں تمام ابوابِ فقہیہ کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی بھی بعد بہت سے فقہاء نے شرح فرمائی ہے جن میں محمد بن سماعہ (م:۲۳۱ھ) ابوالنصر العتابی (م:۵۸۰ھ)، برہان الدین بن مازہ (م:۶۱۶ھ) اور قاضی خان (م:۵۹۲ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

خوشی کی بات ہے کہ مولانا محمد قاسم اشرف (خواہر زادہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ) نے

قاضی خان کی ''شرح الزیادات'' کو چھ جلدوں میں اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع کردیا ہے۔

(اصول الافتاء وآدابہ ۱۳۰-۱۳۳)

(۵) السیر الصغیر

یہ حضرت امام محمدؒ کی پانچویں معرکۃ الآراء تالیف ہے جس میں آپ نے خاص کران امالی کو جمع فرمایا ہے جو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے تلامذہ کے سامنے ''سیر'' یعنی جہاد وقتال اور غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے موضوع پر ارشاد فرمائے تھے۔

یہ پوری کتاب علامہ حاکم شہید کی کتاب ''الکافی'' میں شامل کرلی گئی ہے اور وہیں سے حاصل کرکے ''ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم'' نے اس کو اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع کردیا ہے۔

(اصول الافتاء وآدابہ ۱۳۳-۱۳۴)

(۶) السیر الکبیر

حضرت امام محمدؒ کی آخری تالیف فرمودہ کتاب ''السیر الکبیر'' ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب بین الاقوامی قوانین جنگ وصلح کے موضوع پر قدیم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور آج کے حالات میں بھی اس کو مشعلِ راہ بنا کر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اس کی تالیف کا سبب یہ بنا کہ جب امام محمدؒ کی تصنیف ''السیر الصغیر'' شام کے مشہور محدث امام اوزاعیؒ (المتوفی ۱۵۷ھ) کی نظر سے گزری تو انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ ''یہ کس کی تالیف ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ اس کے مؤلف امام محمدؒ بن الحسن الشیبانیؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) ہیں، جو عراق کے باشندے ہیں، اس پر امام اوزاعیؒ نے برجستہ کہا کہ ''اہل عراق کو سیر ومغازی کے سلسلہ میں تصنیف کا کیا حق ہے جب کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شام اور حجاز میں رہے نہ کہ عراق میں؛ کیوں کہ عراق تو بعد میں فتح ہوا ہے''۔ امام اوزاعیؒ کا یہ مقولہ کسی طرح امام محمدؒ تک پہنچ گیا، اور اس تبصرہ سے آپ پر گرانی ہوئی، چناں چہ آپ نے وقت فارغ کرکے نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ ''السیر الکبیر'' کی تالیف کا کارنامہ انجام دیا۔

بعد میں جب ''السیر الکبیر'' امام اوزاعیؒ کے پاس پہنچی اور انہوں نے اس کا مطالعہ کیا تو اعترافِ حق کرتے ہوئے برملا کہا کہ ''یہ کتاب اگر صحیح احادیث وروایات پر مشتمل نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ اس کا مؤلف خود اپنی طرف سے علم کی تخلیق کرتا ہے۔اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اصابت رائے کو مؤلف کے لئے متعین ومقدر فرمادیا ہے۔ **صدق اللّٰہ العظیم وفوق کل ذی علم علیم**''۔

مشہور ہے کہ امام محمدؒ نے اس کتاب کی عظمتِ شان بتانے کے لئے اسے ساٹھ جلدوں میں نقل کرایا اور ایک سواری پر رکھ کر خلیفہ کے دربار میں لے گئے، خلیفۂ وقت نے اسے بہت پسند کیا اور اپنے زمانہ کے قابلِ فخر کارناموں میں اسے شامل کیا۔ (شرح عقود رسم المفتی ۵۸)

کتبِ ستہ ظاہر الروایہ کا ملخص مجموعہ

بعد میں طالبین کی سہولت کی خاطر امام ابوالفضل محمد بن محمد الشہیر بالحاکم الشہید المروزی البلخیؒ (المتوفی ۳۳۴ھ) نے امام محمدؒ کی کتب ستہ ظاہر الرویہ کے مسائل کو یکجا فرمایا اور تکرار کو حذف کر کے ''الکافی'' کے نام سے کتبِ ستہ کا خلاصہ تیار کیا، یہ کتاب بھی کتبِ حنفیہ میں انتہائی قابلِ اعتماد سمجھی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ حاکم شہید (محمد بن محمد بن احمد بن عبداللہؒ) اپنے زمانہ کے بڑے عالم اور محدث تھے، پہلے بخارا کے قاضی رہے، پھر امیر مجید کے زمانہ میں خراسان کی وزارت پر متمکن رہے۔علامہ ذہبیؒ (المتوفی ۷۷۰ھ) نے ان کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا ہے، اور حاکم نیشاپوریؒ (المتوفی: ۴۰۵ھ) نے تاریخ نیشاپور میں لکھا ہے کہ ''میں نے حنفی محدثین میں حاکم شہید سے زیادہ کسی کو فنِ حدیث کا جاننے والا نہیں پایا''، آپ کو ۳۳۴ھ ربیع الثانی میں سجدہ کی حالت میں شہید کیا گیا، اسی بنا پر آپ کو شہید کہا جاتا ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی ۶۱)

کتاب الکافی کی سب سے مشہور شرح

پھر علماء کی ایک جماعت نے افادہ اور استفادہ کی خاطر ''الکافی'' کی شروحات لکھنے کا بیڑا اٹھایا، ان میں سب سے زیادہ مشہور اور قابلِ قدر شرح علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ کی مبسوط ہے، جو طبقۂ

فقہاء میں ''مبسوطِ سرخسی'' کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے، قاضی تقی الدین تمیمیؒ (المتوفی ۱۰۰۵ھ) نے اس شرح کی تعریف میں یہ اشعار نقل کئے ہیں:

عَلَيْکَ بِمَبْسُوْطِ السَّرَخْسِيْ أَنَّهُ ❖ هُوَ الْبَحْرُ والدُّرُّ الْفَرِيْدُ مَسَائِلُهُ

وَلا تَعْتَمِدْ إِلَّا عَلَيْهِ فَإِنَّهُ ❖ يُجَابُ بِإِعْطَاءِ الرَّغَائِبِ سَائِلُهُ

ترجمہ: (۱) مبسوط سرخسی کو لازم پکڑ و اس لئے کہ وہ سمندر ہے اور اس کے مسائل یکتا موتی ہیں۔ (۲) اور اس کے مقابلہ میں کسی پر اعتماد نہ کر؛ کیوں کہ اس کا طلب گار تحفوں سے نوازا جاتا ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی ۶۰)

مبسوطِ سرخسی کہاں لکھی گئی؟

شمس الائمہ سرخسیؒ (المتوفی ۴۸۳ھ) علامہ عبدالعزیز حلوائیؒ کے شاگرد رشید اور اپنے زمانہ کے بڑے فقیہ اور مصنف تھے، انہوں نے ''الکافی'' کی شرح ''مبسوط'' کا املاء اس حالت میں کرایا جب کہ آپ ''اوز جند'' کے قید خانہ میں بعض حاسدین کی شکایات کی بنا پر قید تھے۔ یہ املائی کتاب اس وقت پندرہ جلدوں میں مکمل ہوئی تھی، اس سے آپ کی عبقریت، وسعت علمی اور قوتِ حافظہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی ۶۰)

مطلق مبسوط سے مبسوطِ سرخسی مراد ہوتی ہے

ویسے تو مذہب حنفیہ میں مبسوط کے نام سے کئی کتابیں پائی جاتی ہیں، مثلاً: (۱) امام ابو یوسفؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) کی مبسوط۔ (۲) امام محمدؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) کی مبسوط، جسے کتاب الاصل کہا جاتا ہے۔ (۳) علامہ جرجانیؒ (المتوفی ۳۹۸ھ) کی مبسوط۔ (۴) خواہر زادہؒ (المتوفی ۴۸۳ھ) کی مبسوط۔ (۵) شمس الائمہ حلوائیؒ (المتوفی ۴۴۸ھ) کی مبسوط۔ (۶) ابوالیسر البز دویؒ (المتوفی ۴۹۳ھ) کی مبسوط۔ (۷) علی البز دویؒ (المتوفی ۴۸۲ھ) کی مبسوط۔ (۸) سید ناصر الدین سمرقندیؒ (المتوفی ۵۵۶ھ) کی مبسوط۔ (۹) اور ابواللیث نصر بن محمدؒ (المتوفی ۳۷۳ھ) کی

مبسوط۔لیکن جب بھی مطلق مبسوط بولا جائے گا تو اس سے ''مبسوط سرخسی'' مراد ہوگی، جو حاکم شہید کی ''الکافی'' کی شرح ہے۔(شرح عقود رسم المفتی ۶۱)

حنفی فتاویٰ کی تدوین

تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ حنفیہ میں سب سے پہلی کتاب فقیہ ابواللیث سمرقندی (المتوفی ۲۹۴ھ) نے ''کتاب النوازل'' کے نام سے تصنیف کی، اب یہ کتاب ''فتاویٰ النوازل'' کے نام سے شائع بھی ہوچکی ہے اور متداول ہے۔

آپ کے بعد دیگر مشائخ نے بھی اسی انداز کے مجموعے مرتب کئے جیسے ''مجموع النوازل للشیخ احمد بن موسیٰ الکشیؒ'' (المتوفی ۵۵۰ھ) اور ''الواقعات للامام ابوالعباس احمد بن محمد بن عمر الناطفیؒ'' (المتوفی ۴۴۶ھ) اور ''الواقعات للصدر الشہید ابی محمد حسام الدینؒ'' (المتوفی ۵۳۶ھ) وغیرہ۔

پھر متأخرین کے فتاویٰ کی کتابوں مثلاً: ''فتاویٰ قاضی خاں للامام حسن بن منصور الاوزجندیؒ'' (المتوفی ۵۹۲ھ) اور الخلاصہ للشیخ طاہر بن احمد البخاریؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) وغیرہ میں طبقات مسائل کی ترتیب کا لحاظ کئے بغیر کیف ما اتفق مسائل لکھ دئے گئے ہیں۔ جب کہ علامہ محمد بن محمد رضی الدین السرخسیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) نے اپنی کتاب ''المحیط'' میں ترتیب وار الگ الگ مسائل لکھے ہیں، یعنی اولاً ظاہر الروایہ پھر نوادر اور اس کے بعد فتاویٰ، یقیناً یہ ایک قابل قدر اور لائق تعریف کارنامہ ہے۔

فتاویٰ کی تدوین کا کام ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے، آج بھی جاری ہے، اور سینکڑوں کتابیں عربی اور دیگر زبانوں میں شائع ہوچکی ہیں اور مسلسل ہورہی ہیں۔ مگر اب صرف عموماً مفتیٰ بہ اقوال کا التزام کیا جاتا ہے، طبقات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔(شرح عقود رسم المفتی ۵۰-۵۲)

متونِ معتبرہ

متأخرین احناف کی اصطلاح میں جب لفظ متون بولا جاتا ہے، تو اس سے صرف متون کی معتبر کتابیں مراد ہوتی ہیں، جن کا ایک نقشہ ذیل میں درج ہے:

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	کیفیت
۱	ہدایہ	امام ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانیؒ (المتوفی ۵۹۳ھ)	اس میں مختصر قدوری اور جامع صغیر کے مسائل جمع کئے گئے ہیں۔
۲	مختصر القدوری	ابوالحسین احمد القدوریؒ (م ۴۲۸ھ)	یہ فقہ کا نہایت مشہور متن ہے۔
۳	المختار الفتوی	ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ بن محمود الموصلیؒ (م ۶۸۳ھ)	یہ بھی معتبر متن ہے جس کی شرح خود مصنفؒ نے ''الاختیار'' کے نام سے کی ہے۔
۴	النقایہ	صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود حنفی (المتوفی ۷۴۵ھ)	یہ متن وقایہ کا خلاصہ ہے۔
۵	وقایہ	تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ (م ۶۷۳ھ)	شرح وقایہ اسی کی شرح ہے۔
۶	کنز الدقائق	ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفیؒ (المتوفی ۷۱۰ھ)	اس کی بہترین شرح البحر الرائق ہے۔
۷	ملتقی الابحر	ابراہیم ابن محمد حلبیؒ (م ۹۵۶ھ)	اسے قدوری، کنز، وقایہ وغیرہ سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔
۸	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد ابن علی بن ثعلب ساعاتی بعلبکی (المتوفی ۶۹۴ھ)	
۹	تحفۃ الفقہاء	علاؤ الدین محمد ابن احمد سمرقندیؒ	اس کی شرح بدائع الصنائع ہے۔

جب فقہ میں متون ثلاثہ بولا جاتا ہے تو اس سے تین متن وقایہ، کنز اور مختصر القدوری مراد ہوتے ہیں۔ اور جب متونِ اربعہ بولتے ہیں تو ان کے ساتھ ''مجمع البحرین'' یا ''مختار'' کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے، یہ سب متون زیادہ تر مذہب کی روایاتِ ظاہرہ اور مشہور اقوال پر مشتمل ہیں، اسی لئے معتبر ہیں۔ (شرح عقود رسم المفتی ۸۴-۸۵)

غیر معتبر فقہی کتابیں

اس کے برخلاف فقہ حنفی کی وہ کتابیں جن میں ظاہر الروایۃ کا زیادہ التزام نہیں کیا گیا ہے، تو فتویٰ دیتے وقت ان کو بنیاد نہیں بنایا جائے گا اور جب تک دیگر معتبر کتابوں سے تائید نہ ہو جائے، ان کا حوالہ دینا صحیح نہ ہوگا، اور جن کتابوں کو فقہ میں غیر معتبر قرار دیا گیا ہے ان کی مختلف وجوہات ہیں، مثلاً:

الف: - کتاب کے مؤلف کا حال معلوم نہ ہونا:- جیسے ''خلاصۂ کیدانیہ'' نامی کتاب جو بہت سے واہیات مسائل پر مشتمل ہے اس کے مؤلف کا کچھ اتہ پتہ نہیں، اسی طرح ''خزانۃ الروایات'' اور ''قہستانی'' کی طرف منسوب کتابیں اور ملا مسکین کی لکھی ہوئی کنز الدقائق کی شرح، ان کتابوں کے مؤلفین کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں ہو پائی ہے۔

ب: - مؤلف کا کتاب میں ضعیف روایتیں جمع کرنا:- اگر کسی کتاب میں ضعیف اور غیر معتبر مسائل و روایات بکثرت نقل ہوں تو اس کتاب کو غیر معتبر قرار دیا جاتا ہے، اس طرح کی کتابوں میں علامہ نجم الدین زاہدی کی کتاب ''القنیۃ'' اور ''الحاوی'' اسی طرح علی بن احمد الغوری کی کتاب ''کنز العباد فی شرح الأوراد'' اور علامہ ابن نجیم کے فتاویٰ شامل ہیں۔

ج: - کتاب کی عبارت مغلق ہونا:- بعض کتابیں ایسی ہوتی ہیں جو اگر چہ مؤلف اور درج کردہ مسائل کے اعتبار سے غیر مستند نہیں ہوتیں؛ لیکن ان کی عبارت بعض جگہ ایسی مغلق ہوتی ہے کہ اس سے اشتباہ کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسی کتابوں پر کامل غور و فکر اور شروح و حواشی کے مراجعت کے بغیر فتویٰ دینا درست نہیں، اس طرح کی کتابوں میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''درمختار'' اور ''الاشباہ والنظائر'' کا ذکر فرمایا ہے۔

د: - کتاب کا نایاب یا کمیاب ہونا:- اسی طرح اگر کوئی کتاب طبقۂ علماء میں نایاب یا کمیاب ہو تو اس پر فتویٰ میں اعتماد نہیں کیا جائے گا؛ لہٰذا فقہ کی وہ کتابیں جو مخطوطات کی شکل میں ہیں، ان پر فتویٰ اسی وقت دیا جائے گا جب کہ دیگر قرائن سے یہ بات واضح ہو جائے کہ اس میں ذکر کردہ مسئلہ صحیح ہے، اور اس کی نسبت مؤلف کی طرف درست ہے۔

واضح ہو کہ پہلے بہت سی کتابیں مخطوطات کی شکل میں تھیں مگراب وہ تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوگئی ہیں اور عام طور پر دستیاب ہیں اورانہیں میں سے ایک کتاب ''محیط برہانی'' ہے جو پہلے تقریباً نایاب تھی اسی لئے متاٴخرین فقہاء نے اس کو غیر معتبر کتابوں میں شامل فرمایا تھا؛ لیکن اب وہ شائع ہوکر عام ہوچکی ہے اوراس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں معتبر مسائل کو اچھی ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اس لئے اب اس پر فتویٰ دینے میں حرج نہیں ہے۔

اسی طرح جو کتابیں کتابت کی غلطیوں سے پر ہوں، مثلاً: ہمارے زمانے میں مطبوعہ فقیہ ابواللیث کی ''فتاویٰ النوازل'' اورعلامہ عینی کی ''بنایہ شرح ہدایہ'' تو ان جیسی کتابوں پر بھی تحقیق کے بغیر فتویٰ نہیں دیا جائیگا۔

ہ:- کتاب کی مؤلف کی طرف نسبت میں شک ہونا:- اسی طرح اگر کوئی ایسی کتاب ہو کہ وہ جس مصنف کی طرف منسوب ہو اس انتساب میں شک ہو جیسے کہ امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب ''کتاب المخارج والحیل'' جس کے بارے میں محققین علماء کی رائے ہے کہ یہ من گھڑت کتاب ہے امام ابویوسفؒ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں۔

اسی طرح حضرت مولانا عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی طرف منسوب ''فتاویٰ عزیزیہ'' یہ بھی معتبر کتاب نہیں ہے، ایسی کتابوں پر بھی فتویٰ دینا درست نہیں۔

و:- غیر فقہی کتابوں میں ذکر کردہ مسائل بعینہٖ معتبر نہیں:- بعض کتابیں ایسی ہیں جو اصالۃً مسائل کے بیان کے لیے نہیں لکھی گئیں؛ بلکہ ان کا موضوع کچھ اور ہے؛ البتہ ضمنی طور پر مسائل بھی بیان کردیئے گئے ہیں، تو ان غیر فقہی کتابوں پر بھی فتاویٰ میں اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

(مستفاد وملخص: اصول الافتاء وآدابہ ۱۸۴-۱۷۴)

بہرحال اس تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ ہر لکھی ہوئی بات اعتماد کے قابل نہیں بلکہ اس کو نقل کرنے سے پہلے اصل اور معتمد ماخذ سے تصدیق وتائید ضروری ہے۔

باب: -۱۲

فقہاءِ احناف کے طبقات

علامہ عبدالحئیؒ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اصلاً تمام فقہاء احناف کے تین طبقات ہیں:

(۱) **سلف** :- یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے اجلۂ تلامذہ: امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) **خلف** :- حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۸۹ھ) کے بعد سے شمس الائمہ حلوانیؒ (المتوفی: ۴۴۸ھ) تک کے فقہاء۔

(۳) **متأخرین** :- شمس الائمہ حلوانی کے بعد سے حافظ الدین البخاری (المتوفی: ۶۹۳ھ) تک کے فقہاء۔

ان میں سے سلف کی آراء مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور انہیں کی آراء کی روشنی میں طبقۂ خلف نے اپنے اجتہادات کو امت کے سامنے پیش فرمایا ہے، اور طبقۂ متأخرین میں بعد کے آنے والے بہت سے مشہور فقہاء بھی شامل ہیں جو طبقۂ سلف وخلف کے اقوال واجتہادات سے بھرپور استفادہ کرتے رہے ہیں۔ (الفوائد البہیہ ۲۴۱ بحوالہ: مقدمہ المحیط البرہانی ۱۸-۱۷)

علامہ ابن کمال پاشا کے بیان کردہ طبقات

علامہ ابن کمال پاشاؒ (المتوفی ۹۴۰ھ) کی تصریح کے مطابق فقہاء کے کل سات طبقات ہیں:

(۱) **مجتہدین مطلق/مجتہدین فی الشرع**: اس طبقہ کا اطلاق ان حضرات ائمہ پر ہوتا ہے جو براہ راست ادلۂ اربعہ (قرآن وسنت، اجماع وقیاس) سے اصول وکلیات اور جزئیات واحکامات مستنبط کرتے ہیں، جیسے حضرات ائمہ اربعہ؛ امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) امام مالکؒ (المتوفی

۱۷۹ھ) امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱) اوران کے درجہ کے مجتہدین۔

(۲) **مجتہدین منتسبین / مجتہدین فی المذهب**: یہ نام ان حضرات فقہاء کو دیا جاتا ہے، جو قواعد وکلیات میں تو اپنے استاذ اور مجتہد مطلق کے پابند ہوتے ہیں، لیکن جزئیات اور فروعی مسائل میں استاذ کی تقلید چھوڑ دیتے ہیں، یہ حضرات اگر چہ ادلۂ اربعہ سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر اکثر اصولوں میں اپنے امام کی تقلید کی بنا پر ان کو مجتہد فی المذہب کے زمرہ میں رکھا جاتا ہے، مجتہد مطلق نہیں کہا جاتا، مثلاً حضرت امام ابو یوسفؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) امام محمدؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) اور امام صاحبؒ کے دیگر شاگردان رشید۔

(۳) **مجتہدین فی المسائل**: مذہب میں کچھ مسائل ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں اصحابِ مذہب سے کوئی صراحت منقول نہیں ہوتی، تو جو حضرات فقہاء مذہب کے قواعد وضوابط کو سامنے رکھ کر غیر منصوص مسائل کے احکامات متعین کرتے ہیں، انہیں مجتہدین فی المسائل کا لقب دیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ حضرات اصول یا فروع کسی چیز میں بھی اپنے امام سے الگ راہ اپنانے کا حق نہیں رکھتے، اس طبقہ کے حضرات میں امام احمد بن عمر خصافؒ (المتوفی ۲۶۱ھ) امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) امام ابوالحسن الکرخیؒ (المتوفی ۳۴۰ھ) شمس الائمہ عبد العزیز الحلوائیؒ (المتوفی ۴۴۸ھ) شمس الائمہ محمد بن سہل السرخسیؒ (المتوفی ۴۸۳ھ) علامہ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی (المتوفی ۴۸۲ھ) اور علامہ فخر الدین حسن بن منصور المعروف بہ قاضی خاں (المتوفی ۵۵۲ھ) وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

(٤) **اصحاب التخریج**: وہ فقہاء کرام جو اجتہاد کی صلاحیت تو نہیں رکھتے لیکن اصول و مآخذ کو محفوظ رکھنے کی بنا پر اتنی قدرت ضرور رکھتے ہیں کہ ذو وجہین یا مجمل قول کی تعیین وتفصیل کر سکیں، اور نظائر فقہیہ اور قواعد مذہب پر نظر کر کے اپنی ذمہ داری انجام دینے کے اہل ہوں تو انہیں اصحاب التخریج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں میں امام احمد بن علی بن ابوبکر الجصاص الرازیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) اوران جیسے حضرات کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ہدایہ میں جہاں کہیں کذا فی تخریج الرازی وکذا فی تخریج الکرخی جیسے الفاظ آتے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔

(۵) **اصحاب الترجیح**: اس طبقہ کے فقہاء کا کام یہ ہے کہ وہ مذہب کی بعض روایات کو دوسری بعض روایات پر اپنے قول: ھذا أولیٰ، ھذا أصح، ھذا أوضح وغیرہ کلمات کے ذریعہ ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ ابن کمال پاشاؒ نے اس طبقہ سے انتساب رکھنے والوں میں امام احمد بن محمد بن احمد ابوالحسن القدوریؒ (المتوفی ۴۲۸ھ) اور صاحب ہدایہ علامہ علی بن بکر المرغینانیؒ (المتوفی ۵۹۳ھ) کو شمار فرمایا ہے۔

(۶) **مقلدین اصحابِ تمییز**: ان حضرات کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مذہب کی مضبوط اور کمزور روایات میں فرق و امتیاز کرتے ہیں، اور ظاہر الروایہ، ظاہر مذہب اور روایات نادرہ کی پہچان رکھتے ہیں۔ اکثر اصحابِ متون اسی طبقہ سے وابستہ ہیں، مثلاً صاحب کنز علامہ عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی ۷۱۰ھ) اور صاحب مختار عبداللہ بن محمود الموصلیؒ (المتوفی ۶۸۳ھ) اور صاحب وقایہ تاج الشریعۃ محمود بن صدر الشریعۃ (المتوفی ۷۴۷ھ) وغیرہ۔ یہ حضرات اپنی تصنیفات میں مردود اور غیر معتبر اقوال نقل کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

(۷) **غیر ممیز مقلدین**: جو حضرات گذشتہ طبقات میں سے کسی بھی ذمہ داری کو اٹھانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں انہیں ساتویں طبقہ میں رکھا جاتا ہے، درحقیقت یہ لوگ فقیہ نہیں بلکہ محض ناقل فتاویٰ ہیں۔ آج کل کے اکثر مفتیان کا تعلق اسی طبقہ سے ہے، اس لئے اس طبقہ کے لوگوں پر پوری احتیاط لازم ہے، جب تک مسئلہ منقح نہ ہو اس وقت تک انہیں جواب دینے سے گریز کرنا چاہئے۔
(شرح عقود رسم المفتی ۲۸-۳۴)

استدراک

واضح رہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد امت میں کوئی ایسا مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا جس کے اجتہاد کو امت نے بالاتفاق قبول کرلیا ہو، اور مذہب حنفی و مالکی میں تیسری صدی کے بعد مذکورہ صفت کا مجتہد فی المذہب کوئی پیدا نہیں ہوا، البتہ شوافع وحنابلہ میں نویں صدی تک مجتہدین فی المذہب پائے جاتے رہے ہیں۔ (النافع الکبیر للعلامۃ اللکھنوی ۶)

غور کیا جائے تو اب ان دونوں طبقوں کی چنداں ضرورت بھی باقی نہیں رہی، اس لئے کہ شریعت کے سبھی اصول وفروع کی تدوین مکمل ہوچکی ہے، البتہ بعد کے طبقات کا وجود امت میں رہا ہے اور رہے گا۔ اور خود ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ طبقات تا قیامت موجود رہیں تاکہ غیر منصوص مسائل کی تخریج واستنباط کا کام انجام دیا جاتا رہے، اس لئے یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ طبقات فقہاء کے ضمن میں جن حضرات کے نام بطور مثال ذکر کئے گئے ہیں بس وہی ان طبقات کے مصداق ہیں، اور بعد میں کوئی شخص ان صفات کا حامل نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ صلاحیتیں بعد کے فقہاء ومفتیان میں بھی حسبِ ضرورت پائی جاتی رہیں گی۔

پھر خود علامہ ابن کمال پاشاؒ کی مذکورہ بالا طبقات کی تقسیم پر بعد کے فقہاء نے اشکالات کئے ہیں، کہ انہوں نے بعض فقہاء کا درجہ گھٹا دیا اور بعض کا درجہ بڑھا دیا ہے۔ چناں چہ حضرت مولانا عبد الحئیؒ لکھنویؒ نے ہارون بن بہاء الدین مرجانی حنفیؒ کے حوالہ سے ان سب اشکالات کو نقل کیا ہے، اور اخیر میں ان کے باوزن ہونے کا اعتراف کیا ہے، ان اشکالات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

الف: حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو مجتہد فی المذہب کے درجہ میں رکھنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ان میں مطلق اجتہاد کی صلاحیت تھی اور ان کا درجہ امام مالکؒ امام شافعیؒ وغیرہ سے بڑھا ہوا نہیں تو کمتر بھی نہیں ہے، اور انہوں نے اصول وفروع دونوں میں امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے۔

ب: علامہ ابن کمال پاشاؒ کا امام خصافؒ، امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اصول وفروع کسی میں بھی امام صاحبؒ کے خلاف رائے اپنانے کا حق نہیں رکھتے واقعہ کے خلاف ہے۔ انہوں نے بہت سے مسائل میں امام صاحبؒ کے خلاف رائے اپنائی ہے۔

ج: امام ابوبکر جصاص رازیؒ کو اس تقسیم میں درجۂ اجتہاد سے بالکل خارج کردیا گیا ہے، یہ ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے جس کا بخوبی اندازہ ان کی بلند پایہ علمی فقہی اور تحقیقی تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے اور شمس الائمہ حلوانی وغیرہ جن کو علامہ ابن کمال پاشاؒ نے مجتہدین میں شامل کیا ہے، وہ سب ابوبکر جصاصؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

د: اس تقسیم میں صاحب ہدایہ (المتوفی ٥٩٣ھ) اور امام قدوری کو اصحابِ ترجیح میں اور

قاضی خاں کو مجتہدین میں شمار کیا ہے حالاں کہ ان دونوں کا درجہ بہر حال قاضی خاں سے بڑھ کر ہے۔(ملخص از: النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر۴-۵)

الغرض علامہ ابن کمال پاشاؒ کی تقسیم طبقات میں مذکورہ اسماء کو حتمی اور آخری نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ اس میں ترمیم وتبدیل اور اضافہ کی گنجائش موجود ہے۔

اب رہ گئی اشکالات کی بات، تو مذکورہ اشکالات میں اخیر کے تین اشکالات کا حل تو یہ ہے کہ آپ ناموں میں ردوبدل کردیں۔لیکن پہلے اشکالات کے حل کے لئے بہتر صورت وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) نے اختیار فرمائی ہے، آپ نے مجتہدین کے تین طبقات بیان کئے ہیں جو افادہ کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

طبقاتِ مجتہدین

الف: مجتہد مطلق مستقل: یعنی وہ شخص جو فقاہت نفس، سلامتی طبع، بیدار مغزی، دلائل کی معرفت، استنباط کی صلاحیت اور جزئیات پر تعمق جیسی بلند پایہ صفات سے متصف ہو جیسے حضرات ائمہ اربعہ۔

ب: مجتہد مطلق منتسب: یعنی وہ مجتہد جو ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی طرف نسبت کرتا ہو، لیکن وہ مذہب اور دلیل میں اس کا نرا مقلد نہ ہو، بلکہ محض اجتہاد میں اپنے امام کا طریقہ اختیار کرنے کی بنا پر اس کا انتساب اس مذہب کی طرف کیا جاتا ہو جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے دیگر شاگردانِ رشید۔

ج: مجتہد فی المذہب: یہ ایسا شخص ہے جو کسی امام کی تقلید کا پابند ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے امام کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے دلیل کی روشنی میں اپنے اصول مقرر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، تاکہ غیر منصوص مسائل کا حکم معلوم کرنے میں آسانی ہو اور ضرورت وغیرہ کا حسبِ موقع خیال رکھا جاسکے، ایسے شخص میں درج ذیل صفات پائی جانی ضروری ہیں:

(۱) اصول مذہب کا علم رکھنے والا ہو۔

(۲) تفصیلی دلائل کا علم رکھتا ہو۔

(۳) قیاس اور معانی کے ادراک پر اسے پوری بصیرت ہو۔

(۴) اپنے امام کے اصول پر تخریج و استنباط کی صلاحیت اور مہارت رکھتا ہو۔ اس طبقہ میں بہت سے علماء اور فقہاء کو شامل کیا جا سکتا ہے، اور تقریباً ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ افراد اس صلاحیت کے موجود رہتے ہیں۔ (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف بحوالہ النافع الکبیر ۵-۶ تلخیص)

حضرت شاہ صاحبؒ نے مجتہد مطلق کے دو درجے کر کے حضرات صاحبین وغیرہ کے درجہ پر پیدا ہونے والے اشکال کو بالکل ختم کر دیا ہے، اسی طرح اصحاب التخریج والترجیح کی تحدید بھی ختم کر دی ہے، اس لئے کہ فقہاء کے کام مختلف انداز کے ہیں، ایک ہی طبقہ کے حضرات ایک جگہ تخریج کا کام انجام دیتے ہیں تو دوسری جگہ ترجیح کی خدمت بھی بجالاتے ہیں اور کہیں کہیں ان میں اجتہادی شان بھی نظر آنے لگتی ہے۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء۔**

باب: ۱۳-

فتویٰ نویسی کے چند اہم اصول

مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت علماء کے ذکر کردہ اصول وقواعد اور آداب کا پورا لحاظ رکھے؛ کیوں کہ ان اصول کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے گمراہی کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے، اس موضوع پر علماء نے مستقل تالیفات مرتب فرمائی ہیں، نیز بعض مباحث کو ضمنی طور پر بھی ذکر کیا ہے، ہمارے مدارس میں اس موضوع پر جو کتاب داخل نصاب ہے وہ علامہ شامیؒ کی تصنیف ''شرح عقود رسم المفتی'' ہے، اس کتاب کی تسہیل کے لیے راقم الحروف نے ''فتویٰ نویسی کے رہنما اصول'' کے نام سے ایک تمرینی کتاب مرتب کی تھی جس سے الحمد للہ طلبہ فائدہ اٹھا رہے ہیں، تاہم ''شرح عقود رسم المفتی'' کے مضامین کی ترتیب اس طرح کی ہے کہ سب مباحث کا جلدی سے ذہن نشین کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ محقق العصر اور موجودہ دور میں عالم اسلام کے عظیم محدث اور فقیہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم و مدت فیوضھم کو بے حد جزائے خیر عطا فرمائے کہ موصوف نے اپنی غزارت علمی اور وسعت نظری سے کام لیتے ہوئے عربی زبان میں ''شرح عقود'' کے مضامین کی دلنشین تلخیص فرما کر طالبان فقہ وفتاویٰ کے لیے بہت سہولت پیدا فرما دی ہے، موصوف نے ''شرح عقود رسم المفتی'' کے تمام مباحث کو سامنے رکھ کر کل گیارہ بنیادی اصول ملخص فرمائے ہیں اور ہر اصل کے تحت قیمتی افادات جمع فرما دیئے ہیں احقر مناسب سمجھتا ہے کہ موصوف کے ملخص کردہ اصول کی ترجمانی اردو زبان میں کردی جائے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کس کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے؟

جس شخص نے ماہر اساتذہ کے سامنے فقہ وافتاء کی تعلیم حاصل نہ کی ہو بلکہ ذاتی طور پر فقہی

کتابوں کا مطالعہ کر رکھا ہو ایسے شخص کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں۔

اسی طرح جس شخص نے معتبر اساتذہ کی شاگردی اختیار کی ہو اس کے لئے بھی اس وقت تک فتویٰ دینے کی اجازت نہ ہوگی، جب تک کہ اسے ایسی فطری صلاحیت حاصل نہ ہو جائے جس کے ذریعہ سے وہ احکام ومسائل کے اصول وقواعد اور ان کی علتوں کو جان سکے، اور معتبر اور غیر معتبر کتابوں کے درمیان امتیاز کر سکے۔ (لہٰذا آج کل انٹرنیٹ اور ٹی وی چینلوں پر ہر کس وناکس اور اہل وناہل کے ذریعہ جو بے دھڑک مسائل بیان کیے جا رہے ہیں وہ سخت فتنہ کا سبب ہیں)

(۲) اتفاقی مسئلہ سے عدول جائز نہیں

جس مسئلہ میں تمام فقہاء احناف متقدمین ومتأخرین کا اتفاق ہو تو مفتی حنفی کے لئے اس قول کا اختیار کرنا لازم ہے، اس سے عدول درست نہیں ہے۔ (الا یہ کہ کوئی ایسا مسئلہ ہو جو کسی علت سے معلول ہو اور وہ علت باقی نہ رہی ہو)

(۳) ائمہ میں روایتیں مختلف ہوں تو کیا کیا جائے؟

اگر امام ابوحنیفہؒ سے دو قول یا دو روایتیں کسی مسئلہ میں منقول ہوں تو ان میں سے آخری قول یا امام صاحب کا اختیار کردہ قول لیا جائے گا۔

اور اگر امام صاحب سے کسی قول کی ترجیح منقول نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ کا اختیار کردہ قول لیا جائے گا، اور اگر ان سے بھی کوئی روایت نہ ہو تو امام محمدؒ کا اختیار کردہ قول لیا جائے گا، اس کے بعد پھر امام زفرؒ اور حسن بن زیاد کے اقوال لئے جائیں گے۔

اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے ایک طرف اور صاحبینؒ کی رائے دوسری طرف ہو تو اگر مفتی مجتہد ہے تو اسے اختیار ہوگا کہ جس رائے کو مناسب سمجھے لے لے اور اگر مفتی مجتہد نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو اختیار کرے گا۔

(۴) فتویٰ صرف راجح روایت پر دیا جائے

مفتیٔ مقلد کے اوپر لازم ہے کہ وہ صرف اسی قول پر فتویٰ دے جس کو اصحاب ترجیح مشائخ

حنفیہ نے راجح قرار دیا ہو اور کسی مرجوح اقوال کو اختیار نہ کرے۔

(۵) صرف معتبر کتابوں پر اعتماد کیا جائے

مفتی پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ مذہب کی صرف معتبر کتابوں پر اعتماد کرے اور ایسے اقوال کو اختیار نہ کرے جو غیر معتبر کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں۔

(٦) ترجیح صریح اور ترجیحِ التزامی

جس مسئلہ میں اصحاب ترجیح کی طرف سے کسی قول کی صراحۃً ترجیح منقول ہو، تو اسے ہی اختیار کیا جائے گا اور جہاں صراحۃً ترجیح نہ ہو تو ترجیح التزامی پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۷) ترجیح صریح کے الفاظ

کسی قول کے صراحتاً راجح ہونے کے مختلف الفاظ فقہاء کے یہاں مستعمل ہیں جن میں سے بعض دوسرے بعض کے مقابلے میں فوقیت رکھتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

الف:- سب سے مضبوط الفاظ یہ ہیں: "**عليه عمل الأمة**"

ب:- اس کے بعد "**عليه الفتوىٰ**" اور "**به يفتي**" کا درجہ ہے۔

ج:- پھر "**هو الصحيح**" اور اس جیسے الفاظ۔

د:- پھر "**هو الأصح**" اور اس جیسے الفاظ۔

ہ:- اس کے بعد "**هو المعتمد**" یا "**هو الأشبه**" جیسے الفاظ کا درجہ ہے یہ سب تقریباً یکساں درجے کے ہیں لیکن جس میں اسم تفضیل ہو اس کو ترجیح ہونا بہتر ہے

(۸) متعارض اقوال میں ترجیح کا طریقہ

اگر کسی مسئلہ میں اقوال متعارض ہوں اور ہر ایک کی ترجیح منقول ہو، تو اگر ترجیح کرنے والی شخصیت ایک ہے اور یہ معلوم ہے کہ کون سا قول پہلے ہے اور کون سا بعد میں؟ تو آخری قول لیا جائے گا، اور اگر تاریخ کا علم نہ ہو یا ترجیح کرنے والے حضرات الگ الگ ہوں، تو ایسی صورت میں

مفتی وجوہات ترجیح (مثلاً: ظاہر الروایۃ ہونا یا امام صاحب کا قول ہونا یا قیاس کے مقابلے میں استحسانی ہونا وغیرہ) پر غور کر کے جو مناسب سمجھے اس پر فتویٰ دے گا، اور اگر مفتی کے سامنے کوئی وجہِ ترجیح ظاہر نہ ہو سکے تو اسے اختیار ہے کہ ان اقوال میں سے جس قول کو چاہے اختیار کر لے؛ البتہ دیانت داری کا خیال رکھے اور اللہ سے اصابتِ رائے کا طالب رہے۔

(۹) ظاہر الروایۃ پر فتویٰ

اگر کسی قول کے بارے میں اصحاب ترجیح سے کوئی صراحت منقول نہ ہو، تو ایسی صورت میں مفتی کے لئے ظاہر الروایۃ کی پیروی ضروری ہے، اور اگر ظاہر الروایۃ میں روایات مختلف ہوں تو آخری زمانے والی روایت کو اختیار کرنا ہوگا۔

(۱۰) مفہوم مخالف

نصوصِ شرعیہ میں مفہومِ مخالف معتبر نہیں ہے؛ البتہ فقہی کتابوں کی عبارتوں میں مفہوم مخالف معتبر ہے بشرطیکہ وہ مفہوم مخالف کسی صریح فقہی عبارت کے معارض نہ ہو۔

(۱۱) ضعیف روایت پر فتویٰ کا حکم

کسی مفتی کے لئے ضعیف یا مرجوح روایت پر فتویٰ دینے یا عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ البتہ بالغ نظر مفتی ضرورت محسوس کرے تو اس کی گنجائش ہے۔

مذکورہ بالا گیارہ اصول کے متعلق ضروری تشریحات حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی کتاب ''اصول الافتاء و آدابہ'' صفحہ ۱۵۲ تا ۲۰۰ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، ہر مفتی اور طالب افتاء کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے؛ بلکہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے تکمیلِ افتاء کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ **فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ أحسن الجزاء.**

درج بالا اصولوں کے علاوہ بھی بعض اہم اصول ہیں ان کی تفصیل جاننے کے لئے راقم الحروف کی تالیف ''فتویٰ نویسی کے رہنما اصول'' کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ہوگا۔

باب: -۱۴

فتویٰ نویسی کے کچھ اہم آداب

فتویٰ دینے میں احتیاط

فتویٰ نویسی کا کام نہایت عظیم الشان اور باعثِ اجر وثواب ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر نہایت نزاکت بھی رکھتا ہے، اس لئے کہ مفتی کی حیثیت اللہ تعالی اور بندوں کے درمیان واسطہ کی ہے، اگر وہ صحیح مسئلہ بتائے تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوکر مستحق اجروثواب ہوگا۔ اوراگر خدا نخواستہ غلط مسئلہ بتائے تو مستفتی کے غلط عمل کا وبال بھی اسی پر ہوگا، اس لئے فتویٰ دینے میں نہایت احتیاط لازم ہے، جب تک مسئلہ پوری طرح معلوم نہ ہواور طبیعت اس پر مطمئن نہ ہو، ہرگز فتویٰ نہ دے، اور لاعلمی کے اظہار میں کوئی عار نہ محسوس کرے۔ چناں چہ:

- آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''جوشخص بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں''۔ (الفقیہ والمتفقہ ۴۵۸)
- ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''جوشخص بلاتحقیق فتویٰ دے تو اس کا گناہ مفتی پر ہے''۔ (الفقیہ والمتفقہ ۴۵۸)
- امام شعبیؒ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بعض مرتبہ ایسے مسئلہ کے بارے میں خود ہی فتویٰ دے دیتے ہو کہ اگر اس جیسا مسئلہ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آتا تو وہ اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے سارے اہل بدر کو جمع فرماتے اور اکیلے اپنی رائے پر اعتماد نہ فرماتے۔

○ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: **مَنْ أَفْتٰی عَنْ كُلِّ مَا يُسْئَلُ فَهُوَ مَجْنُوْنٌ.** یعنی جو شخص ہر پوچھی گئی بات کا جواب دینا ضروری سمجھے وہ پاگل ہے۔

○ حضرت عروہ تمیمیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ ''واہ! اس جملہ کی کلیجہ پر کتنی ٹھنڈک ہے'' تو لوگوں نے پوچھا کہ ''کون سا جملہ؟'' تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''کسی سے ایسی بات پوچھی جائے جو اس کے علم میں نہ ہو پھر وہ جواب میں ''**اللّٰه أعلم**'' (اللہ کو معلوم ہے) کہہ دے''۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۲۸۷)

○ حضرت عقبہ بن مسلمؒ کہتے ہیں کہ میں ۳۴ ر مہینے مسلسل سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں رہا تو آپ اکثر سوالات کے جواب میں ''**لا أدری**'' فرماتے تھے، پھر میری طرف متوجہ ہوکر فرماتے کہ جانتے ہو یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ ''ان کی خواہش یہ ہے کہ جہنم میں جانے کے لیے ہماری پیٹھوں کو پل کے طور پر استعمال کریں''۔ (اصول الافتاء وآدابہ / ۲۸۸)

○ ربیعہ بن عبدالرحمٰنؒ (ربیعۃ الرائے) جو مدینہ منورہ کے بڑے زبردست فقیہ اور محدث تھے فرماتے ہیں کہ مجھے قاضی ابن حلزہ نے نصیحت کی کہ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ تمہیں (مسائل پوچھنے کے لئے) گھیرے رہتے ہیں تو جب بھی تم سے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو تمہاری فکر اسے بچانے کی نہیں ہونی چاہئے بلکہ فکر اولاً یہ ہونی چاہئے کہ تم اپنی گردن کیسے بچاؤ گے''۔ (الفقیہ والمتفقہ ۴۷۰) یعنی فتویٰ دیتے وقت یہ سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں جواب دہی سے کیسے بچو گے؟

○ امام شعبیؒ سے ایک مرتبہ کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: **لاأدری** (مجھے معلوم نہیں) تو کسی نے اعتراض کیا کہ ''آپ کو ''**لاأدری**'' کہتے ہوئے شرم نہیں آئی؟ حالاں کہ آپ اہل عراق کے فقیہ ہیں''، تو امام شعبیؒ نے فرمایا: ''مگر فرشتوں کو ''**سبحانک لاعلم لنا إلا ما علمتنا**'' کہتے ہوئے تو شرم نہیں آئی''۔ (الفقیہ والمتفقہ ۴۷۶) یعنی جب فرشتوں کو اپنی لاعلمی کے اظہار میں عار نہ آئی تو ہمیں شرم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

○ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم ضائع ہونے کا خوف اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا۔

○ حضرت سفیان بن عیینہؒ کا مشہور مقولہ ہے: **أجسر الناس علی الفتیا أقلهم علماً۔** یعنی لوگوں میں فتویٰ دینے پر سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو ان میں سب سے کم علم رکھتا ہو۔

○ حضرت امام مالکؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ سے ایک مجلس میں ۴۸ر مسئلے پوچھے گئے جن میں سے ۳۰ر مسئلوں کے بارے میں آپ نے بلا تکلف فرمایا: **لا أدری** یعنی میں نہیں جانتا۔ اور کبھی کبھی آپ سے یک بارگی پچاس پچاس مسئلے پوچھے جاتے اور آپ ان میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہ دیتے، اور ارشاد فرماتے کہ جب کسی شخص سے مسئلہ پوچھا جائے تو جواب دینے سے پہلے وہ اپنے کو جنت اور جہنم پر پیش کرے اور سوچے کہ جہنم سے چھٹکارا کیسے حاصل کرے گا، اس کے بعد ہی جواب دے۔

○ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عجلان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص (نامعلوم بات کے جواب میں) ”لا أدری“ (مجھے معلوم نہیں) کہنے سے غافل رہ گیا اس کی ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۲۸۷)

○ ایک مرتبہ حضرت امام مالکؒ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا آپ نے اس کے جواب میں ”لا ادری“ فرمادیا، تو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو بہت ہلکا اور آسان مسئلہ ہے، تو حضرت امام مالکؒ ناراض ہوگئے اور فرمایا کہ ”دین کا کون مسئلہ ہلکا نہیں ہے؟“۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۲۸۹)

○ اسی طرح حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی فتویٰ دینے میں نہایت احتیاط منقول ہے۔

○ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے پوچھا گیا کہ آدمی فتویٰ دینے کے لائق کب ہوتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ ”جب احادیث کا عالم ہو اور نظر میں بابصیرت ہو“۔ (الفقیہ والمتفقہ ۴۵۹)

○ بشر بن الحارثؒ کا مقولہ ہے کہ ”جو شخص اس بات کا متمنی رہے کہ اس سے مسئلے پوچھے

جائیں تو یہی بات اس کی نااہلی کی دلیل ہے''۔(الفقیہ والمتفقہ ۴۷۰)

○ بہت سے علماء کے بارے میں مروی ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت خوف وخشیت کے مارے کانپنے لگتے تھے کہ کہیں مسئلہ بتانے میں غلطی نہ ہوجائے۔

○ علامہ صیمریؒ اور خطیب بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص فتویٰ دینے کا مشتاق رہے اور اس کی طرف پیش قدمی کرے تو اس کی توفیق کم ہوجاتی ہے، اور اس کے معاملات پراگندہ ہوجاتے ہیں، اس کے برخلاف جو شخص مجبوراً افتاء کے منصب پر فائز کردیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کے شاملِ حال ہوتی ہے، اور اس کے جوابات اکثر صحیح ہوتے ہیں۔

الغرض منصبِ افتاء کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے اس راہ میں ہر ہر قدم انتہائی پھونک پھونک کر اٹھانا چاہئے، اور غفلت اور لاابالی پن کا شائبہ بھی مفتی میں نہ ہونا چاہئے۔

مفتی کے شرائط واوصاف

مفتی میں درج ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:

الف:- عاقل بالغ مکلّف ہونا۔

ب:- شریعت کے ضروری علم کا حامل ہونا۔

ج:- درجۂ ثقاہت پر فائز ہونا۔

د:- فقہی طبعیت، ذہن میں سلامتی اور غور وفکر کی صلاحیت ہونا۔

ہ:- منکرات ومعاصی سے پوری طرح اجتناب کرنے والا ہونا۔

و:- بداخلاقی اور بے مروتی سے محفوظ ہونا۔

ز:- منفعل المزاج نہ ہونا۔

ك:- دنیا سے بے رغبت ہونا۔

مفتی کی ظاہری ہیئت

مفتی کو لوگوں کے سامنے باوقار لباس میں آنا چاہئے، مفتی اپنی وسعت کے مطابق دائرۂ

شریعت میں رہتے ہوئے، اچھا لباس زیبِ تن کرے، اور طہارت و نظافت کا اہتمام رکھے؛ کیونکہ اگر آدمی کی ظاہری ہیئت قابل قبول نہ ہو، تو اس کی بات کا وزن بھی عام لوگوں کی نظر میں زیادہ نہیں ہوتا۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۳۲۴)

حسنِ نیت کا اہتمام

مفتی کو چاہئے کہ وہ موقع بموقع اپنی نیت کی درستگی کا اہتمام رکھے، اپنے علم کو دنیا طلبی اور شہرت وعزت کے حصول کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ صرف اور صرف رضائے خداوندی کو مقصود بنائے رکھے۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۳۲۴)

فتویٰ اور عمل میں مطابقت

ضروری ہے کہ مفتی کے فتویٰ اور اس کے عمل میں مطابقت ہو، مثلاً اگر لایعنی باتیں کرنے سے مخالفت کا فتویٰ دیتا ہے تو اس کی زبان ایسی باتوں سے محفوظ ہو، اور وہ بدنظری کی حرمت کا فتویٰ دیتا ہے تو اس کی نظر خود بھی پاکیزہ ہو، وغیرہ۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۳۲۵)

علم کی طلب اور شوق برقرار رکھے

مفتی کو چاہئے کہ وہ آخر عمر تک علمی مشاغل میں منہمک رہے اور کبھی بھی اپنے کو مطالعہ ومذاکرہ سے مستغنی نہ رکھے، اور برابر علم کی زیادتی کا شوق رکھے، اور اس کے لئے لازم ہے کہ دنیوی تعلقات ومشاغل محدود رکھے، اور لایعنی مشاغل سے احتراز کرے اور اکابر ائمہ اور علماء کے روشن کردار کو مشعلِ راہ بنائے۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۳۲۷)

مفتی عبادات کا شوق رکھے

مفتی کو چاہئے کہ وہ خیر کے کاموں اور فرائض کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کا دوسروں سے زیادہ شوق رکھنے والا ہو، اس سے مفتی کے علم میں جلا اور نکھار آتا ہے اور اسے تقربِ خداوندی

نصیب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ اور علماء سے عبادات کا بے نظیر اہتمام تاریخ میں ثابت ہے۔

مثلاً قاضی ابو یوسفؒ (جو اپنے دور میں پوری مملکت اسلامی کے قاضی القضاۃ تھے) وہ منصب قضاء کی ذمہ داری ادا کرنے کے ساتھ ساتھ روزانہ دوسو رکعت نفل بھی پڑھتے تھے۔

اور امام یحییٰ ابن سعیدؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے بیس سال تک ہر روز ایک قرآنِ کریم پڑھنے کا معمول بنا رکھا تھا، اور چالیس سال ایسے گذرے کہ روزانہ زوال کے وقت وہ مسجد میں حاضر رہتے تھے، منذر کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ بیس سال گذارے اس دوران بھی ان سے کوئی گناہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اور مروی ہے کہ امام التابعین حضرت سعید ابن المسیبؒ کے چالیس سال ایسے گذرے کہ انھوں نے اذان کی آواز اس حال میں ہی سنی کہ وہ مسجد میں پہلے سے موجود تھے، اور وہ برابر روزے رکھتے اور چالیس مرتبہ حج بیت اللہ سے سرفراز ہوئے وغیرہ۔(اصول الافتاء وآدابہ ۳۳۰)

فتنہ کے اندیشہ کے وقت زبانی جواب پر اکتفاء کرے

اگر مفتی کو معلوم ہو جائے کہ استفتاء کا جواب سائل کی غرض کے موافق نہیں ہے، اور وہ اسے کسی حالت میں تسلیم نہیں کرے گا، یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ کی بنا پر وہ یہ سمجھے کہ فتویٰ کی تحریر فتنہ انگیزی کا باعث ہو سکتی ہے، تو اسے چاہئے کہ مستفتی سے صرف زبانی گفتگو پر اکتفاء کرے، اور تحریر نہ لکھے۔

خصومات میں نہ پڑے

مفتی کے سامنے اگر کوئی ایسا مسئلہ آئے جس کا تعلق قضا سے ہو یا اس کے بارے میں فریقین کے درمیان نزاع مشہور ہو یا اس فتویٰ کو غلط رخ دے کر اسلامی تعلیمات کو موضوع بحث بنانے کا اندیشہ ہو تو مفتی کو چاہئے کہ اس کے متعلق فتویٰ دینے سے معذرت کر لے، اور معاملہ دارالقضاء یا شرعی پنچایت کے حوالے کر دے۔

معارض و معاند کو جواب نہ دے

اگر مفتی کو معلوم ہو جائے کہ مستفتی کا مقصد کسی حکم شرعی کو معلوم کرنا نہیں؛ بلکہ مفتی پر اعتراض یا دوسرے پر برتری وغیرہ مقصود ہے تو ایسے شخص کو جواب نہ دے؛ کیوں کہ اس سے کسی دینی فائدہ کی امید نہیں ہے۔

عرفی مسائل میں غیر عرف پر فتویٰ نہ دیں

اگر مفتی کے سامنے ایسا مسئلہ آئے جو اس کے علاقہ کے عرف کے خلاف ہو اور اسے دوسری جگہ کے عرف کے متعلق تحقیق نہ ہو، تو ایسے مسئلہ کا جواب دینے میں جلدی نہ کرے؛ بلکہ جان کار حضرات کے تحقیق و تنقیح کے بعد ہی جواب لکھے۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۲۹۴)

مہمل سوالات کے جواب میں نہ پڑے

مفتی سے اگر کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس سے دین و دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہ ہو تو مفتی کو چاہیے کہ ایسی باتوں کے جواب میں پڑ کر اپنا وقت ضائع نہ کرے بلکہ سائل کو تنبیہ کرے کہ وہ ایسے سوالات نہ کیا کرے، مثلاً یہ سوال کہ ''آخرت میں مشرکین بچوں کا انجام کیا ہوگا؟'' یا اللہ تعالیٰ کی صفاتِ متشابہ کے بارے میں سوالات، کیونکہ ان سے سائل کا کوئی فائدہ وابستہ نہیں ہے۔

روایت ہے کہ زیاد بن عبدالرحمٰن قرطبیؒ کے پاس ایک خط آیا تو آپ نے قلم دوات منگا کر فوراً جواب لکھوا کر مہر بند کر کے لانے والے قاصد کے حوالے کر دیا، اس کے بعد حاضرین مجلس سے فرمایا کہ یہ قاصد فلاں بادشاہ کا خط لے کر آیا تھا، جس میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ قیامت میں میزان عمل (ترازو) کے پلے سونے کے ہوں گے یا چاندی کے؟ تو میں نے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث لکھ دی: ''مَنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْه'' (اچھے مسلمان ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں میں نہ پڑے) اور جب تم قیامت پہنچو گے تو خود ہی پتہ چل جائے گا (کہ آرزو کے پلے سونے کے ہیں یا چاندی کے؟)۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۲۹۳)

آزمائشی سوالوں کا جواب نہ دے

مفتی کے لیے مناسب یہ ہے کہ اگر اس سے صرف اس کے علم کو جانچنے یا زچ کرنے کے لیے کوئی سوال کیا جائے یا پہیلیاں پوچھی جائیں تو اس کا جواب نہ دے؛ کیونکہ اس سے کسی فائدے کی امید نہیں۔

مثلاً: آج کل مفتیوں سے بکثرت یہ مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ اگر کسی جگہ عورت کی لاش پائی جائے اور کسی علامت سے یہ پتہ نہ چلے کہ یہ مسلمان ہے یا غیر مسلم؟ تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ عموماً صرف مفتی کا امتحان لینے کے لئے پوچھا جاتا ہے، اصل مسئلہ کی تحقیق مقصود نہیں ہوتی۔ تو راقم الحروف ایسے سوالوں کے جواب میں سائل سے یہ پوچھتا ہے کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ تو اکثر وہ خاموش ہوجاتا ہے، یا یہ کہتا ہے کہ میں تو صرف مسئلہ پوچھ رہا ہوں، تو احقر عرض کرتا ہے کہ ''جہاں واقعہ پیش آئے تو ایسی لاش کے قریب کھڑے ہوکر فون کرنا''، تو اس کے بعد کوئی سوال نہیں کرتا۔

ایسا نہیں ہے کہ اس مسئلہ کا جواب موجود نہ ہو، مسئلہ کا جواب کتبِ فقہ میں تحریر ہے کہ اگر کسی طرح بھی مسلم غیر مسلم کی پہچان نہ ہو سکے، تو ایسی لاش کو بغیر نماز جنازہ پڑھے غسل دے کر دفنا دیا جائے۔ (شامی زکریا ۳؍۹۴)

جدید مسائل میں فتویٰ کیسے دیا جائے؟

نئے زمانہ کے پیش آمدہ مسائل جن کا حکم متون اور شروحات وغیرہ میں صراحۃً نہیں ملتا، ان کے متعلق فتویٰ دینے کے لئے مفتی مقلد کو درج ذیل طریقے اپنانے چاہئیں:

(۱) کتب فقہیہ کا گہرائی سے مطالعہ کرے اور اگر کوئی جزئیہ مل جائے تو اس پر فتویٰ دے۔

(۲) اگر صریح جزئیہ نہ مل سکے اور مفتی بالغ نظر بھی نہ ہو تو اسے مسائل جدیدہ میں خامہ فرسائی نہ کرنی چاہیے، بلکہ معاملہ بڑے مفتی صاحب کے حوالہ کردینا چاہیے۔

(۳) اگر مفتی بالغ نظر ہو اور اصول وقواعد سے بخوبی واقف ہو تو قواعد ونظائر کو سامنے رکھ کر مسئلہ کا حکم بیان کرے۔

(۴) اگر مسئلہ کے متعلق کوئی نظیر یا فقہی قاعدہ دستیاب نہ ہو تو بالغ نظر مفتی براہِ راست نصوص شرعیہ سے حکم کا استنباط کرسکتا ہے۔

(۵) تاہم اس طرح کے مسائل میں ہم عصر علماء سے مشورہ کر لینا بہتر ہے، جلد بازی میں فتویٰ ہرگز نہ دیا جائے۔ (افادات: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، بحوالہ: فتویٰ نویسی کے رہنما اصول)

جدید مسائل میں ہم عصر مفتیان سے مشورہ

مفتی کے لیے ایک اہم ادب یہ ہے کہ جدید اور ابتلائے عام والے مسائل میں محض اپنی ذاتی رائے پر اعتبار نہ کرے بلکہ بالغ نظر، اور خدا ترس علماء ومفتیان سے مشورہ کے بعد ہی کوئی رائے قائم کرے اور فتویٰ جاری کرے، کیونکہ روایت میں ہے کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اگر کوئی ایسا مسئلہ ہمارے سامنے آئے جس کی وضاحت قرآن و حدیث میں نہ ہو تو ہمیں کیا کرنا چاہیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ”**شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه رای خاصة**“ (عبادت گذار فقہاء سے مشورہ کرو اور ذاتی رائے قائم نہ کرو۔ (رواہ الطبرانی مجمع الزوائد ۱/۴۲۸) بحوالہ: اصول الافتاء وآدابہ ۳۱۷)

دستی فتویٰ فوراً نہ لکھے

اگر مستفتی خود حاضر ہوکر اپنا استفتاء پیش کرے اور مسئلہ غور طلب ہو تو مناسب ہے کہ اسے دوسرے وقت آنے کو کہا جائے، اس لئے کہ جلد بازی میں ہاتھوں ہاتھ جواب لکھنے میں عموماً غلطی واقع ہوجاتی ہے، اور بعد میں اس کا تدارک مشکل ہوتا ہے۔

بڑے مفتی کی موجودگی میں فتویٰ میں پہل نہ کرے

اگر کسی مجلس میں بڑے علماء ومفتیان موجود ہوں اور وہاں کوئی سائل آکر مسئلہ پوچھے تو کسی

چھوٹے شخص کو جواب میں پہل نہیں کرنی چاہئے، یہ بات خلاف ادب ہے؛ البتہ اگر بڑے حضرات چھوٹے کو جواب دینے کا حکم دیں تو حسبِ شرائط چھوٹا شخص بھی مسئلہ بتا سکتا ہے۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۳۱۲)

لفظ ''حرام'' کے استعمال میں احتیاط

مفتی کو چاہئے کہ فتویٰ میں لفظ ''حرام'' کا استعمال صرف اس صورت پر کرے جو نص قطعی (آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ متواترہ) سے حرام ہو، اور جس چیز کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہ ہو اس پر حرام کے بجائے دیگر تعبیرات مثلاً ''ناجائز''، ''نادرست'' اور ''ممنوع'' وغیرہ کا استعمال کرے۔
(اصول الافتاء وآدابہ ۳۱۶)

مفتی کسی کا دباؤ قبول نہ کرے

مفتی پر لازم ہے کہ وہ جس مسئلہ کو حق سمجھتا ہو اس کے اظہار میں کسی بھی شخص کا دباؤ قبول نہ کرے، خواہ یہ دباؤ سیاسی ہو یا سماجی ہو، داخلی ہو یا خارجی ہو، مفتی کو حق کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑنا چاہیے اور اس بارے میں کسی کی خوشنودی یا ناراضگی کی پروانہیں کرنی چاہئے۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۳۲۰)

کن حالتوں میں فتوی نہ دینا چاہئے؟

جب دل پریشان ہو، طبعی اطمینان نہ ہو، تکلیف یا غم کا موقع ہو۔ (مثلا: غصہ، بھوک، پیاس، اونگھ، سخت گرمی یا بول و براز کی حاجت) تو ایسی حالت میں فتویٰ نہ دے، کیوں کہ ان حالتوں میں غلطی کا امکان زیادہ رہتا ہے۔

سوال اچھی طرح پڑھے

جب مفتی کے سامنے استفتاء پیش کیا جائے تو سب سے پہلے مندرجہ سوال کو پورے غور و فکر اور یکسوئی کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ اور سائل کی مراد اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، سوال

میں اگر کوئی جملہ مجمل یا مشتبہ ہو تو پہلے سائل سے اس کی تحقیق کر لے، اسی طرح اگر تحریر میں کوئی فحش غلطی ہو تو اس کی تصحیح کے بعد جواب لکھے۔

تفصیل طلب مسئلہ کا جواب

اگر مسئلہ اپنے اندر مختلف جہتیں رکھتا ہو تو اس کا جواب مطلق نہ لکھے، بلکہ بہتر ہے کہ سائل سے معلوم کر لے کہ اس کو کیا صورت پیش آئی، پھر نئے کاغذ پر از سر نو صورتِ مسئلہ لکھوا کر جواب لکھے، اگر یہ نہ ہو سکے تو اس کو چاہئے کہ ہر صورت کا حکم الگ الگ بیان کر دے، تاکہ مستفتی اپنے پیش آمدہ واقعہ کا انطباق کر کے فتویٰ پر عمل کر سکے۔

صورتِ واقعہ کا جواب

اگر مفتی کے سامنے کوئی ایسا استفتاء آئے جس کی حقیقت واقعہ کا علم مفتی کو ہو مگر وہ بات استفتاء میں نہ لکھی گئی ہو تو مناسب ہے کہ وہ اس استفتاء کا جواب نہ دے، بلکہ واقعہ کی تحقیق کے بعد از سر نو صحیح صورتِ حال کے موافق استفتاء لکھوا کر اس پر جواب تحریر کرے، اس لئے کہ اس دور میں نزاعی معاملات میں فتاویٰ محض دنیوی مفادات کے حصول کے لئے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں، اور اصل واقعہ کا علم ہونے کے باوجود مسئولہ استفتاء کے جواب میں فتنہ کا سخت اندیشہ ہے۔ (مرتب)

سوال کے بیچ میں اگر جگہ خالی ہو تو کیا کرے؟

اگر سائل نے سوال کی سطروں کے درمیان یا آخر میں اس طرح خالی جگہ چھوڑ رکھی ہے کہ وہاں بعد میں اضافہ کا احتمال ہے تو مفتی کے لئے مناسب ہے کہ وہ خالی جگہوں کو نقطوں یا لائنوں سے پُر کر دے، تاکہ آئندہ کسی سازش اور فتنہ کا شکار نہ ہو۔

اگر سوال کے کاغذ پر پورا جواب نہ آئے

آدابِ افتاء میں سے یہ بھی ہے کہ اگر سوال کا پرچہ ایسا ہو جس میں پورا جواب ایک طرف نہ آ سکے تو ابتدا ہی سے نیا کاغذ استعمال میں نہ لائے؛ بلکہ سوال کے بعد متصلاً جواب شروع کر دے،

اگر کاغذ کا پچھلا حصہ خالی ہو تو اس پر جواب لکھے، جب پچھلا حصہ بھی بھر جائے تو اب نئے کاغذ کا استعمال کرے۔

عورت اور بچہ کے ہاتھ سے استفتاء خود نہ لے

بعض علماء کا یہ معمول تھا کہ عورت اور بچہ کے ہاتھ سے خود استفتاء نہ لیتے تھے، بلکہ اپنے شاگردوں کو حکم کرتے تھے کہ وہ استفتاء وصول کر کے ان کے پاس لائیں، اس کے بعد جواب لکھتے تھے۔ ان کا یہ عمل علم کی تعظیم کی بنا پر تھا۔ (بحر) یہ نہایت اہم ادب ہے، اور اس فتنہ کے دور میں مفتی کے لئے احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے۔

راستہ میں فتویٰ پوچھا جائے تو کیا کرے؟

اگر مفتی سے سَر راہ کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو امام ابوبکر اسکافؒ نے فرمایا کہ اگر مسئلہ ظاہر ہو تو راستہ میں ہی جواب دے دے، اور اگر مسئلہ میں غور و فکر کی ضرورت ہو تو نہ بتائے، اور علامہ قاسم بن سلامؒ کا معمول یہ تھا کہ وہ راہ چلتے ہرگز مسئلہ نہ بتاتے تھے، اور مستفتی کتنا ہی اصرار کرتا اسے ٹال دیتے تھے، اور فقیہ ابواللیثؒ نے اس بارے میں یہ مشورہ دیا ہے کہ اولا اسے راہ چلتے مسئلہ بتانے سے پہلو تہی کرنی چاہئے؛ لیکن اگر مستفتی زیادہ اصرار کرے تو بتا دینا چاہئے۔ (بحر) یہی رائے انسب ہے۔

جواب لکھنے کی ابتداء اور انتہاء

الف:- مناسب ہے کہ فتویٰ لکھنے سے پہلے تعوذ و تسمیہ حمد و صلوٰۃ، **لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ** اور یہ دعا: رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ زبانی پڑھ لے۔

ب:- کاغذ کی دائیں جانب سے فتویٰ لکھنا شروع کرے۔

ج:- سب سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' یا ''باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ'' لکھے۔

د:- تسمیہ کے بعد ''حامداً ومصلیاً'' یا ''الجواب وباللہ التوفیق'' جیسے الفاظ لکھے، اور اگر دونوں کو جمع کر لے تو نورٌ علی نورٌ۔

ہ:- جواب کے ختم پر فقط ''واللہ تعالیٰ اعلم، واللہ الموفق، وباللہ التوفیق'' جیسے الفاظ تحریر کرے۔

و:- اخیر میں اپنے دستخط ثبت کرے۔

ز:- دستخط کے نیچے تاریخ تحریر ضرور درج کرے۔

جواب کی تحریر کیسی ہو؟

استفتاء کا جواب درمیانی خط میں لکھا جائے، جو نہ بہت باریک ہو اور نہ بہت زیادہ جلی، اسی طرح سطروں کے درمیان مناسب فاصلہ رہنا چاہئے، نیز ایک ہی فتویٰ میں مختلف قسم کے طرزِ تحریر اور متعدد رنگ کی روشنائیوں اور الگ الگ سائز کے قلموں کو جمع نہ کرے، اس لئے کہ اس میں تحریف وزیادتی کا احتمال ہے، اور مفتی کی بے ذوقی کی دلیل ہے۔

جواب قطعی ہو

عام لوگوں کے استفتاء کے جواب میں یہ نہ لکھا جائے کہ مسئلہ میں اختلاف ہے، یا اس میں دو قول ہیں، یا اس میں دو روایتیں ہیں؛ بلکہ قطعی جواب دینا چاہئے؛ تاکہ مستفتی مطمئن اور یکسو ہوکر فتویٰ پر عمل کر سکے، اور اگر قطعی حکم معلوم نہ ہو تو توقف کرے یا کسی بڑے مفتی کی طرف رجوع کا مشورہ دے۔ البتہ اگر کوئی اہل شخص مسئلہ کی تحقیق کرنے کے لئے استفتاء کرے، تو اس کے جواب میں مسئلہ کے متعدد اقوال نقل کرنے میں حرج نہیں، مگر مفتیٰ بہ قول کی نشاندہی پھر بھی کردینی چاہئے۔

جواب مختصر ہو

جہاں تک ممکن ہو جواب میں کم سے کم عبارت لکھی جائے، بشرطیکہ وہ سائل کے مقصود میں مخل نہ ہو، قاضی ابوحامدؒ سے منقول ہے کہ ان سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، جس کے اخیر میں یہ الفاظ تھے: یجوز أم لا۔ تو انہوں نے جواب دیا: لا۔ وباللہ التوفیق۔

جواب میں دلیل لکھنا

اگر عامی یا بے علم آدمی کو جواب دینا ہے تو دلیل لکھنے کی زیادہ ضرورت نہیں، بلکہ سوال کے مطابق حکم لکھ دے، ہاں اگر مستفتی نے دلائل طلب کئے ہیں، اسی طرح اگر مستفتی عالم ہے اور

استفتاء سے اس کا مقصد و دلیلیں حاصل کرنا ہے تو دلائل اور حکم کے ماٰخذ لکھ دینے چاہئیں۔ اور اگر مفتی خود اس درجہ کا نہ ہو کہ لوگ اس کی بات بلا دلیل مان لیتے ہوں تو اسے اپنے ہر فتویٰ میں دلائل لکھنے اور جزئیات نقل کر دینے کا التزام کرنا چاہئے، تاکہ لوگوں کی نظر میں اس کی بات باوزن ہو اور خود اس کے علم و مطالعہ میں جِلا پیدا ہو سکے۔

حوالہ جات لکھنے کے آداب

فتویٰ میں حوالہ جات لکھتے وقت خاص طور پر درج ذیل امور کا لحاظ رکھیں:

الف:- جس کتاب کا حوالہ یا عبارت نقل کی جائے اس کا صفحہ نمبر اور مطبع بھی لکھ دیں۔

ب:- اگر کتاب کے متعدد نسخے چھپے ہوں تو صفحہ و مطبع کے ساتھ باب اور فصل بھی لکھیں۔

ج:- جب تک مطلوبہ مسئلہ اور عبارت حوالہ کی اصل کتاب میں نہ دیکھ لیں تو کسی اور مصنف کے حوالہ سے اسے نقل نہ کریں۔ اگر بالفرض اصل کتاب نہ ملتی ہو تو جس کتاب سے حوالہ نقل کریں اس کا بھی ذکر کر دیں، مثلاً ''طحطاوی علی الدر بحوالہ اعلاء السنن ۴/۳۲۸''۔

د:- اگر کسی مصنف کی بعینہٖ عبارت نقل کریں تو اس کا اہتمام رکھیں کہ آپ کی عبارت سے منقولہ عبارت بالکل ممتاز ہو، اور اس عبارت کے قائل کا حوالہ دیں۔

ہ:- اگر بعینہٖ عبارت نقل نہ کریں، بلکہ مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیں، تو اخیر میں مستفاد کہہ کر اس کا حوالہ دیں۔

وراثت کے مسائل لکھنے کا طریقہ

ترکہ کی تقسیم کے استفتاء عموماً پیچیدہ ہوتے ہیں، اور تقسیم کے جھگڑے کے دونوں فریق اپنی اپنی منشاء کے مطابق مستحقین اور ورثاء کی فہرست پیش کرتے ہیں۔ خاص کر جب مسئلہ قدیم ہو اور اس میں مناسخہ کی ضرورت پیش آئے تو معاملہ اور نازک ہو جاتا ہے، اس لئے مفتی کو چاہئے کہ وراثت کے متعلق فتویٰ کے شروع میں درج ذیل تین قیدوں کا اضافہ کرے: (۱) برتقدیر صحت واقعہ (۲) بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث (۳) وعدم موانع ارث (یا اس جیسے الفاظ) اس طرح مفتی

عنداللہ وعندالناس گرفت سے بچ جائے گا۔اس کے بعد قواعد کے مطابق مسئلہ کی تخریج کرے،اور سب ورثاء کے سہام الگ الگ لکھ دے۔

اہلِ مجلس کے سامنے فتویٰ سنانا

مفتی کے لئے ایک ادب یہ بھی ہے کہ وہ اپنے فتویٰ کو بطور مشورہ علماء اور اہل مجلس کے سامنے رکھے،اگر چہ وہ اس کے شاگرد ہی کیوں نہ ہوں،اور اگر فتویٰ میں کوئی بات باعثِ اشکال ہو تو اس پر نرمی اور انصاف کے ساتھ بحث ومباحثہ کرے،اور حق سامنے آجانے پر اسے قبول کرنے میں کوئی تأمل نہ کرے۔

غلطی ظاہر ہونے پر رجوع کرلے

اگر تحقیق کے بعد کسی مفتی کے سامنے اپنے مسئلے کی غلطی واضح ہو جائے تو اسے رجوع کرنے میں کوئی تامل نہ کرنا چاہیے، یہ مفتی کی سلامت روی اور دیانت داری کی بڑی دلیل ہے،اور بڑے اکابر ومشائخ نے غلطی سامنے آنے پر اپنی رائے سے رجوع کیا ہے۔(اصول الافتاء وآدابہ ۲۹۵)

دوسرے کے فتویٰ کی تصدیق کے آداب

اگر مفتی کے سامنے دوسرے مفتی کا فتویٰ تصدیق کے لیے پیش کیا جائے تو دیکھنا چاہئے کہ:

الف:- جس شخص کا فتویٰ پیش ہوا ہے وہ افتاء کے لائق ہے یا نہیں؟ اگر وہ فتویٰ دینے کی لیاقت نہ رکھے تو اگر اس کا مسئلہ صحیح ہو پھر بھی اس کی تصدیق نہ کرے(کیونکہ اس تصدیق سے غیر اہل شخص کو اعتبار ملے گا) بلکہ اگر جواب ضروری ہو تو الگ سے علاحدہ کاغذ پر جواب لکھے۔

ب:- اور اگر مذکورہ شخص لائق اعتبار ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کا جواب مفتی کے نزدیک درست ہوگا یا درست نہ ہوگا؟ اگر درست نہ ہو تو بھی اس کی تصدیق نہ کرے؛ بلکہ الگ سے جواب لکھے۔

ج:- اور اگر جواب درست ہو؛ لیکن دلائل یا تفصیلات میں کچھ کمی ہو تو بھی اس کی تصدیق

وتائید نہ کرے بلکہ الگ سے جواب لکھے۔

د:- اور اگر جواب اور دلائل وتفصیلات سب قابلِ اطمینان ہوں تو اس کی تصدیق کرنے میں حرج نہیں ہے۔(اصول الافتاءوآدابہ ۳۲۱)

فتاویٰ کی نقل

اپنے فتاویٰ کی نقل رجسٹر میں محفوظ رکھنی چاہئے، یہ بہت سے فتنوں سے بچنے کا ذریعہ اور اپنے علمی سرمایہ کی حفاظت کا بہترین انتظام ہے۔

مستفتیوں کے لئے چند اہم ہدایات

جو حضرات کسی دینی مسئلے میں حکم معلوم کرنے کے طالب ہوں ان کے لئے درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا مناسب ہے:

(۱) جس شخص سے فتویٰ پوچھا جائے اس کے علم اور ثقاہت پر اعتماد ہونا چاہئے اور ہر کس وناکس سے فتویٰ پوچھ کر عمل نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) اگر کسی شہر میں بڑے عالم یا مفتی موجود ہوں، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مسئلہ انہیں سے پوچھا جائے؛ بلکہ ان کے علاوہ دیگر معتبر علماء سے بھی رجوع کر کے شریعت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

(۳) اگر مستفتی نے کئی علماء ومفتیان سے استفتاء کیا اور جواب میں اختلاف ہو گیا، تو مستفتی کو چاہئے کہ وہ بڑے عالم کے فتویٰ پر اعتماد کرے یا پھر کسی دوسرے معتمد علیہ مفتی کی طرف رجوع کرے۔

(۴) مستفتی کو چاہئے کہ وہ مفتی کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کرے اور بے ادبی اور گستاخی سے پیش نہ آئے۔

(۵) اگر مفتی کسی ہنگامی حالت میں ہو، مثلاً سفر کے لئے تیار ہو یا حالتِ غیظ وغضب میں ہو تو اس حالت میں اس سے سوال نہ کرے۔

(۶) عام مستفتی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سوال کرنے کے بعد مفتی سے جرح کرے یا دلیل پوچھے؛ البتہ اطمینان قلب کے لئے کسی دوسرے وقت مفتی سے رجوع کرے تو اس میں حرج نہیں۔ (اصول الافتاء وآدابہ ۳۳۳-۳۳۴)

نوٹ:- مندرجہ بالا آداب کے ماخذ حسبِ ذیل ہیں:

(١) البحر الرائق كتاب القضاء فصل في المفتى فصل في المستفتي ٢٦٥/٦

(٢) فصل آداب الفتوىٰ عن شرح المهذب للإمام النووي

(ماخوذ شرح عقود رسم المفتى مطبوعه سهارنپور)

(٣) أصول الافتاء و آدابه للشيخ المفتى محمد تقى العثماني

(٤) آداب افتاء و استفتاء (ملفوظات حكيم الامت حضرت تهانویؒ،

مرتبه : مولانا محمد زيد مظاهرى)

(٥) آداب فتوىٰ نويسى (مفتى ابو لبابه شاه منصور)

باب:-۱۵

فقہ حنفی کے موجودہ مراجع

گذشتہ صفحات میں فقہ حنفی کی بنیادی اور اساسی کتابوں کا اجمالی ذکر آ چکا ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے میں علماء ومفتیان احناف جن کتابوں پر خاص طور پر اعتماد کرتے ہیں ان کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے درج ذیل ہے:

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار

(حاشیہ ابن عابدین/ فتاویٰ شامی)

شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمر تاشیؒ (المتوفی ۱۰۰۴ھ) کا تحریر فرمودہ متن ''تنویر الابصار'' ہے جس کی سب سے معروف شرح علامہ علاؤالدین الحصکفیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) کی کتاب ''الدر المختار'' ہے، اسی شرح پر علامہ محمد بن امین المعروف بابن عابدین الشامیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) کا تحریر فرمودہ عدیم النظیر حاشیہ ''ردالمحتار'' ہے۔

یہ اس وقت فقہ حنفی کا سب سے مقبول اور مستند مجموعہ ہے، جس میں تمام کتبِ متقدمین ومتأخرین کا عطر اور نچوڑ آ گیا ہے، اسی لئے اس حاشیہ کو پورے طبقۂ احناف میں مرجعیت کا مقام حاصل ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس کے مصنف علامہ محمد ابن عابدین شامیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) نقل میں اثبت ہیں یعنی انہوں نے کتب فقہ سے جو عبارات وجزئیات اور حوالے نقل فرمائے ہیں وہ اصل کے موافق نکلے ہیں۔ اسی لئے اس کتاب کا وزن علماء احناف کی نظر میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے، اور اس ایک کتاب نے بہت سی کتب فقہ سے مستغنی کر دیا ہے۔

مفتیانِ کرام کو چاہئے کہ اگر وہ کوئی جزئیہ یا مسئلہ کسی اور کتاب میں دیکھیں تو اسے شامی سے ضرور ملالیں، تاکہ آخری اور راجح قول کا علم ہوسکے۔

واضح ہو کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''درمختار'' پر حواشی کا کام ''کتاب الاجارہ'' سے شروع کیا تھا، پھر تکمیل کے بعد جب ان حواشی کو صاف فرمانے لگے، تو ابھی کتاب القضاء مسائل شتیٰ کی تبییض ہو پائی تھی کہ آپ کی وفات ہوگئی اس لئے مابقیہ حصہ کی تبییض وترتیب کا کام آپ کے جلیل القدر صاحبزادے علامہ محمد علاؤالدین ابن محمد امین نے انجام دیا، اس حصہ کو ''قرۃ عیون الاخبار تکملۃ ردالمحتار'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

فتاویٰ شامی کے بہت سے مطبوعہ نسخے دستیاب ہے۔ بعض پانچ جلدوں میں، بعض آٹھ جلدوں میں اور بعض بارہ جلدوں میں ہیں۔ اور اب ایک تحقیقی نسخہ دمشق میں تیار ہورہا ہے جو ''نسخۂ فرفور'' کے نام سے معروف ہے، وہ اب تک شائع شدہ نسخوں میں سب سے زیادہ صحیح اور ممتاز ہے، اس کی اب تک ۱۷رجلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

اور مزید مسرت کی بات یہ ہے کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند (جو فقہ حنفی کا مرکزی ادارہ ہے) کی مجلسِ شوریٰ نے نوجوان فاضل جناب مولانا مفتی محمد مصعب علی گڈھی زید علمہ معین مفتی دارالعلوم دیوبند کو اپنے دو رفقاء کے ساتھ شامی کا ایک محقق نسخہ تیار کرنے کا مکلّف کیا ہے، اور جس نہج پر یہ کام ہورہا ہے، اگر وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا، تو ایک عظیم علمی شاہ کار کی صورت میں جلوہ گر ہوگا، انشاءاللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ فتاویٰ شامی پر ایک قیمتی حاشیہ علامہ عبدالقادر الرافعیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) کا تحریر فرمودہ ہے جو ''تقریرات الرافعی'' کے نام سے مشہور ہے، یہ الگ سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔ شامی کا جو نسخہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی سے شائع ہوا ہے، اس میں ہر جلد کے ساتھ رافعی کا متعلقہ حصہ لگا دیا گیا ہے۔

اسی طرح ''زکریا بک ڈپو دیوبند'' نے جب شامی کا نیا نسخہ شائع کرنے کا ارادہ کیا، تو حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مفتی مدرسہ شاہی کے مشورہ پر اور موصوف ہی کی محنت سے ہر جلد کے ساتھ تقریرات رافعی کا لاحقہ حصہ لگا دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے نسخہ کی اہمیت مزید بڑھ گئی۔

(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی ’’الدر المختار‘‘

فقہ حنفی کی جامع ترین کتاب ’’الدر المختار‘‘ پر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۱ھ) کا یہ بے نظیر حاشیہ ہے۔ جو اپنے اختصار کے باوجود بہت سے علمی وفقہی نکات کو شامل ہے، اس میں ’’درمختار‘‘ کی مغلق اور مجمل عبارتوں کے حل کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے، یہ کتاب پاکستان سے چار جلدوں میں شائع شدہ ہے، مگر ہندوستان میں عام طور پر دست یاب نہیں ہے، اس کی اشاعت کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

(۳) حاشیۃ الطحطاوی علی ’’مراقی الفلاح‘‘

علامہ شرنبلالیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) کی مشہور کتاب ’’مراقی الفلاح شرح نور الایضاح‘‘ پر علامہ طحطاویؒ (المتوفی ۱۲۳۱ھ) کے اس تفصیلی حاشیہ کا شمار فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں ہوتا ہے، اس میں زیادہ تر جزئیات نماز کے مسائل واحکام سے متعلق ہیں، اس کتاب کے پرانے نسخے مصری ٹائپ کا عکس لے کر شائع کئے جا رہے تھے، اب یہ نسخہ بیروت سے نئے کمپیوٹر ٹائپ پر شائع ہوا ہے جس میں متن اوپر ہے اور حاشیہ نیچے ہے، اسی نسخہ کا عکس اب دیوبند کے کتب خانوں سے شائع ہو رہا ہے۔

اس کی ایک تفصیلی فہرست حضرت الاستاذ المعظم حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے تیار فرمائی تھی، بعد میں احقر نے طحطاوی کے چار نسخوں سے ملا کر ’’الفہرس الحاوی لحاشیۃ الطحطاوی‘‘ کے نام سے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے، فالحمد کلہ للہ۔

(۴) بدائع الصنائع

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر بن سعود الکاسانی الحنفیؒ (المتوفی ۵۸۷ھ) کی یہ کتاب فقہ حنفی کی کتابوں میں حسنِ ترتیب، حسنِ تعبیر اور جامعیت کے اعتبار سے اپنی امتیازی شان رکھتی ہے، جزئیات کے ساتھ ساتھ اختلافِ ائمہ اور ہر فریق کے دلائل کی تفصیل اور پھر راجح مذہب کی ترجیح بہت آسان اور مرتب انداز میں کی گئی ہے۔ یہ کتاب علامہ محمد بن احمد علاء الدین السمرقندیؒ

(المتوفی ۵۳۹ھ) کے تحریر فرمودہ متن (تحفۃ الفقہاء) کی شرح ہے، لیکن عبارت میں اتنی یکسانیت ہے کہ شرح اور متن کا فرق ہی کہیں نظر نہیں آتا۔ مشہور ہے کہ جب علامہ کاسانیؒ نے یہ کتاب اپنے استاذ علامہ سمرقندی موصوفؒ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس قدر خوش ہوئے کہ اپنی عالمہ فاضلہ صاحبزادی فاطمہ بنت محمد کا نکاح علامہ کاسانیؒ کے ساتھ کر دیا۔ یہ کتاب پہلے تین جلدوں میں چھپی تھی، اب نئی طباعت ''محمد عدنان بن یاسین درویش'' کی تحقیق وتخریج کے ساتھ بیروت سے ۶ رجلدوں میں شائع ہوئی ہے، جس کا عکس دیو بند کے کتب خانوں سے چھپ رہا ہے۔

(۵) فتح القدیر (شرح الہدایۃ)

علامہ برہان الدین المرغینانیؒ (المتوفی ۵۹۳ھ) کی کتاب ''الہدایہ شرح بدایۃ المبتدی'' فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ علماء احناف نے اس کتاب کی بہت سی شروحات لکھی ہیں، ان میں سب سے امتیازی شرح علامہ کمال الدین ابن الہمامؒ (المتوفی ۶۸۱ھ) کی ''فتح القدیر'' ہے، جس میں فاضل مصنف نے اپنے تبحر علمی کا کھل کر مظاہرہ فرمایا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے فقہی اسرار ورموز سے پردہ اٹھتا ہے، اور فکر ونظر میں گیرائی اور گہرائی پیدا ہوتی ہے، فقہ وفتاویٰ سے وابستہ افراد کے لئے یہ کتاب بہترین رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب دار الفکر بیروت سے ۱۰ رجلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے حاشیہ پر علامہ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) کی شرح ''العنایۃ علی الہدایۃ'' اور علامہ سعدی آفندیؒ (المتوفی ۹۴۵ھ) کا حاشیہ بھی شائع شدہ ہے۔ واضح ہو کہ فتح القدیر مکمل ہدایہ کی شرح نہیں ہے بلکہ صرف کتاب الوکالۃ تک ہے جو ۷ رجلدوں میں آئی ہے، اس کے بعد کی ۳ رجلدیں علامہ قاضی زادہؒ (المتوفی ۹۸۸ھ) نے تکملہ کے طور پر لکھی ہیں، جس کا نام ''نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار'' ہے۔

(۶) البحر الرائق (شرح کنز الدقائق)

علامہ زین الدین بن نجیم الحنفی (المتوفی ۹۷۰ھ) کی یہ کتاب فقہ حنفی کے مشہور اور جامع

متن ''کنز الدقائق للعلامۃ النسفیؒ'' (المتوفی ۷۱۰ھ) کی تفصیلی شرح ہے، اقوال فقہاء اور جزئیات کے احاطہ کے اعتبار سے یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے۔

(۷) مجمع الانہر

یہ ملتقی الابحر کی شرح ہے جسے علامہ عبد الرحمٰن بن الشیخ محمد بن سلیمان المدعو بشیخی زادہؒ (المتوفی ۱۰۷۸ھ) نے تحریر فرمایا ہے، یہ کتاب بھی اہل افتاء کے لئے بہت مفید اور جامع ہے، اسے اپنے مطالعہ میں ضرور رکھنا چاہئے، یہ کتاب دار احیاء التراث العربی بیروت سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

(۸) المحیط البرہانی

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعۃ البخاریؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) کی یہ کتاب فقہ حنفی کے بنیادی مصادر میں شمار ہوتی ہے، جس میں کتبِ اصول، نوادر اور فتاویٰ و واقعات کے مسائل بہت عمدگی کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں۔ فقہی جزئیات کا یہ عظیم موسوعہ ابھی تک غیر مطبوعہ شکل میں تھا، اب محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی نگرانی میں موصوف کے بھانجے مولانا نعیم اشرف نور احمد کی اَن تھک کاوش سے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی پاکستان'' سے ۲۵؍ضخیم جلدوں میں شائع ہوگیا ہے، اور شائقین کی آنکھوں میں نور اور دلوں میں سرور پیدا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے شائع کرنے والوں کو جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔ علماء احناف کے لئے یہ دورِ حاضر کا بے نظیر تحفہ ہے، اس منصوبہ کو بروئے کار لانے میں مجلس علمی ڈابھیل وساؤتھ افریقہ کا گراں قدر تعاون حاصل رہا ہے، شروع میں مولانا نعیم اشرف نور احمد کا مقدمہ بہت جامع اور معلوماتی ہے، جو بجائے خود ایک مستقل کتاب کہے جانے کے لائق ہے۔

(۹) فتاویٰ خانیہ

فتاویٰ عالمگیری کی اولین تین جلدوں کے حاشیہ پر علامہ فخر الدین اوزجندیؒ (المتوفی ۲۹۵ھ)

کی تالیف درج ہے جو ''فتاویٰ خانیہ'' کے نام سے معروف ہے، اس کتاب میں مذہب حنفی کے راجح اور مفتیٰ بہ مسائل کو جمع کیا گیا ہے اور مذہب میں اس کا درجہ بہت بلند ہے۔

(۱۰) الفتاویٰ الولوالجیہ

یہ کتاب علامہ ابوالفتاویٰ ظہیر الدین عبدالرشید ابن ابی حنیفہ الولوالجیؒ (المتوفی ۵۴۰ھ) کی تصنیف فرمودہ ہے، جس کا شمار فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں ہوتا ہے اور اکثر کتابوں میں اس کا حوالہ ملتا ہے، اس کتاب کے معتمد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مصنفؒ نے مذہب کی معتبر ترین کتابوں سے استفادہ کا اور مسائل کی تلخیص کا خاص اہتمام کیا ہے اور کتب ظاہر الروایہ سے لے کر کتب فتاویٰ و واقعات سے بھرپور استفادہ کیا ہے، یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں تھی، ۱۴۲۴ھ میں اسے پہلی مرتبہ دارالکتب العلمیہ بیروت سے خوب صورت کمپیوٹر کتابت کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۱۱) الجامع الوجیز (فتاویٰ بزازیہ)

یہ کتاب فتاویٰ عالمگیری کے آخری تین جلدوں کے حاشیہ پر شائع ہوئی ہے، جو علامہ حافظ الدین محمد ابن محمد المعروف بابن البزازؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) کی تالیف کردہ ہے، جس میں بہت مرتب انداز میں مسائل فقہ جمع کئے گئے ہیں اور کہیں کہیں دلائل سے بھی بحث کی گئی ہے۔

(۱۲) شرح منظومۃ ابن وہبان

علامہ عبدالوہاب بن احمد المعروف بہ ''ابن وہبان'' الدمشقیؒ (المتوفی ۷۶۸ھ) نے فقہ حنفی کے نادر اور غریب مسائل کو تقریباً ایک ہزار اشعار میں جمع فرمایا تھا؛ تاکہ انہیں یاد کرنے میں سہولت ہو۔ یہ مسائل موصوف نے ۳۶؍فقہی کتابوں سے اخذ کئے اور اس نظم کا نام ''قید الشرائد ونظم الفرائد'' رکھا تھا، جس نے بعد میں ''منظومۂ وہبانیہ'' یا منظومۃ ابن وہبان'' کے نام سے شہرت پائی، اور اسے فقہ حنفی کی معتمد علیہ منظومات میں شمار کیا گیا۔ علامہ حصکفیؒ نے ''درمختار'' میں اور علامہ شامیؒ نے ''ردالمحتار'' میں بطور استشہاد اس منظومہ کے حوالے دئے ہیں، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا

جاسکتا ہے۔ بعد میں اس منظومہ کی شروحات بھی لکھی گئیں، ان میں سب سے مشہور اور جامع شرح علامہ عبدالبر ابن احمد المعروف بہ ''ابن الشحنہ الحلبیؒ (المتوفی ۹۲۱ھ) نے دو جلدوں میں تحریر فرمائی جس کا نام ''**تفصيل عقد الفرائد بتكميل قيد الشوارد**'' رکھا، جو طبقۂ علماء میں ''شرح منظومۂ ابن وہبان'' سے معروف ہے، اب تک یہ شرح غیر مطبوعہ تھی۔

مقام مسرت ہے کہ مخدوم مکرم حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ یہ قیمتی سرمایہ اب کمپیوٹر کتابت اور دورنگی طباعت کے ساتھ ایک جلد میں منظر عام پر آ گیا ہے، علماء ومفتیانِ کرام کو اس کتاب سے استفادہ کرنا چاہئے۔

(۱۳) الفتاویٰ التاتارخانیہ

ہندوستان کے مسلم بادشاہ فیروز شاہ تغلق کے دور میں ایک بااثر علم دوست امیر ''تاتارخاں'' کے حکم پر دہلی کے وسیع النظر حنفی عالم، علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلویؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) نے محیط برہانی، ذخیرۂ برہانیہ، فتاویٰ خانیہ اور فتاویٰ ظہیریہ کے فقہی مسائل کو ایک مجموعہ میں مرتب انداز میں جمع فرمایا اور امیر مذکور کے نام پر اس مجموعہ کا نام ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' رکھا۔ یہ کتاب عرصۂ دراز تک مخطوطہ کی شکل میں رہی، ۱۴۰۴ھ میں ہندوستان کی وزارت برائے فروغ انسانی وسائل (وزارتِ تعلیم) کی طرف سے حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ (المتوفی ۱۴۱۱ھ) صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری کو اس کتاب کی تحقیق وتعلیق کی ذمہ داری دی گئی، اور حکومت کے خرچ پر دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے اس کی اشاعت شروع ہوئی، مگر ۶؍ ضخیم جلدوں میں کتاب البیوع تک اشاعت کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔ اس کی ۵؍ جلدیں قاضی صاحبؒ کی حیات میں ہی چھپ گئی تھیں، جو اہل علم تک پہنچ گئیں، مگر چھٹی جلد بعد میں شائع ہوئی اور وہ عام نہیں ہوسکی تھی۔

اب نہایت مسرت کی بات ہے کہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے مفتی ومحدث حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہم نے نہایت جانفشانی کے ساتھ اس کتاب کے مختلف نسخوں کو

حاصل کیا اور نہ صرف یہ کہ مکمل کتاب کو دنیا میں پہلی مرتبہ تحقیق کے ساتھ اشاعت کا شرف حاصل کیا بلکہ تقریباً دس ہزار احادیث وآثار کو فقہی مسائل کے ساتھ حاشیہ میں درج کر کے اس کتاب کو مفید تر بنانے میں کامیابی حاصل کی، یہ کتاب ۲۳/جلدوں میں زکریا بکڈپو دیوبند سے شائع ہو چکی ہے اور اہل علم اس سے برابر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ **فجزاهم الله تبارک و تعالیٰ أحسن الجزاء**

(۱۴) غنية المتملي شرح منية المصلي

یہ کتاب علامہ ابراہیم حلبیؒ (المتوفی ۹۵۶ھ) کی تالیف کردہ ہے جس میں صرف نماز کے مسائل اور جزئیات کو جمع کیا گیا ہے، اس کو ''کبیری'' اور ''حلبی کبیر'' بھی کہتے ہیں، نماز سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں اس کتاب کو مرجعیت حاصل ہے۔ ''سہیل اکیڈمی'' لاہور پاکستان نے اسے بہت عمدہ انداز میں شائع کیا ہے، کیا اچھا ہوتا کہ ہندوستان میں بھی اس کی اشاعت ہو جاتی تو عام لوگوں کے لئے اس کا حاصل کرنا آسان ہو جاتا۔

(۱۵) فتاویٰ عالمگیری

یہ کتاب علم دوست مغل بادشاہ حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے حکم پر حضرت ملا نظام الدین برہان پوریؒ نے متعدد ماہر علماء کرام کے تعاون سے مرتب فرمائی ہے۔ جس میں معتبر کتبِ فتاویٰ سے بے شمار جزئیات بہت سلیقہ سے جمع کئے گئے ہیں۔ مشہور ہے کہ بادشاہ عالمگیرؒ نے اس کی تیاری میں دو لاکھ روپئے صرف کئے، (جو اس زمانہ میں بہت خطیر رقم تھی) اور غالباً دو سال میں ۱۰۸۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، اور دورِ عالم گیری میں اس کتاب کو پورے ملک میں سرکاری طور پر مرجع کی حیثیت حاصل رہی۔ (تفصیل دیکھئے: برصغیر میں علم فقہ (اسحٰق بھٹی) ۲۸۲)

جزئیات کی کثرت کے اعتبار سے یہ کتاب ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور عام طور پر کتب خانوں میں دست یاب ہے۔

چند اردو فتاویٰ

برصغیر میں بکثرت فقہ حنفی کے اردو فتاویٰ کے مجموعے شائع ہوئے ہیں جو عظیم علمی افادات پر مشتمل ہیں، ذیل میں چند اہم فتاویٰ کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) فتاویٰ رشیدیہ

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) کے فتاویٰ اولاً تین حصوں میں شائع ہوئے تھے پھر ان کو یکجا کر کے ایک جلد میں شائع کیا گیا، اب دیوبند کے کتب خانوں سے اس کی اشاعت ہورہی ہے۔ نیز ادارۂ اسلامیات لاہور نے ''تالیفات رشیدیہ'' کے نام سے ایک جلد میں فتاویٰ کے ساتھ حضرتؒ کے مختلف علمی وفقہی رسائل کو شامل کر کے شائع کیا ہے۔

اور معروف محقق جناب مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہ العالی نے بڑی جانفشانی سے حضرت کے مابقیہ فتاویٰ کو جمع فرمایا اور بہترین ترتیب اور مفید حاشیہ کے ساتھ ایک ضخیم جلد میں ''باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ'' کے نام سے شائع کر دیا، تمام اہل علم کی طرف سے موصوف مبارک باد کے مستحق ہیں۔ **فجزاهم الله تعالیٰ أحسن الجزاء۔**

(۲) عزیز الفتاویٰ/ امداد المفتیین

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۷ھ) کے تقریباً پندرہ سو منتخب فتاویٰ اس مجموعہ میں شامل ہیں، پہلے اسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۹۵ھ) نے اپنے مجموعہ فتاویٰ ''امداد المفتیین'' کے ساتھ ملا کر شائع کیا تھا۔ لیکن اب پاکستان سے دونوں مجموعوں کو الگ الگ شائع کیا گیا ہے، ان دونوں مجموعوں کو ''فتاویٰ دارالعلوم قدیم'' بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) فتاویٰ دار العلوم (جدید)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۴۷ھ) کے فتاویٰ کی تدوین کا کام بعد میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند (المتوفی ۱۴۰۳ھ) کے حکم سے حضرت الاستاذ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نور اللہ مرقدہ نے شروع فرمایا تھا جس کی ۱۲ر ضخیم جلدیں شائع ہو چکی تھیں۔

بعد میں حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری مدظلہ کی سرپرستی میں مزید جلدوں کی ترتیب کا کام شروع ہوا، اب تک الحمد للہ کل ملا کر ۱۸ر جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے فتاویٰ کی ترتیب مکمل ہوگئی ہے، خدا کرے یہ سلسلہ آگے بڑھے اور اہل علم کے لئے اس سے استفادہ کا موقع نصیب ہو، آمین۔

(۴) کفایت المفتی

ذہانت، معاملہ فہمی اور اہل زمانہ ومصالح کی رعایت کے معاملہ میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۷۲ھ) اپنے ہم عصروں میں امتیازی مقام پر فائز تھے، آپ کی انہی امتیازی خوبیوں کا رنگ واضح طور پر آپ کے فتاویٰ میں جھلکتا نظر آتا ہے جنہیں آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحب زادے مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؒ نے ۹ر ضخیم جلدوں میں بڑی خوبی کے ساتھ مرتب کیا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے جدید مسائل ومعاملات میں امت کے لئے تسہیل کا پہلو نکالنے کی سعی فرمائی ہے۔ آپ کے فتاویٰ کی زبان نہایت چست، برمحل اور حشو وزوائد سے بالکل پاک ہے اور بعد کے مفتیانِ کرام کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

پہلے یہ کتاب ۹ر جلدوں میں شائع ہوتی رہی لیکن حال ہی میں دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کی زیر نگرانی اس پر تحقیق وتحشیہ کا کام بہترین انداز میں کیا گیا جس کی بناء پر اب ۱۴ر ضخیم جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی ہے جو ایک بڑا فقہی سرمایہ ہے۔

(۵) امدادالفتاویٰ

یہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کے فتاویٰ کا انتہائی قیمتی مجموعہ ہے جس سے موجودہ دور میں کوئی بھی مفتی مستغنی نہیں ہوسکتا۔ حضرتؒ کے یہ فتاویٰ اکثر ماہنامہ ''النور'' میں چھپتے تھے اور اسی دوران ان کی تنقیح و تحقیق بھی ہوتی رہتی تھی۔ اور ''ترجیح الراجح'' کے کالم میں غیر راجح فتاویٰ سے رجوع کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، بعد میں ان سب فتاویٰ کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ مفتی اعظم پاکستان نے فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب فرمایا، جس کی اس وقت چھ ضخیم جلدیں شائع شدہ ہیں۔ اس پر حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے حاشیہ لگانے کا کام شروع کیا تھا، مگر افسوس ہے کہ وہ پہلی جلد کے بعد جاری نہ رہ سکا، اگر یہ حاشیہ مکمل ہوجاتا تو اس میں مزید چار چاند لگ جاتے۔ بہر حال مسائل کی تحقیق اور دلائل کی جستجو اور راجح قول کی تلاش کے لئے یہ مجموعۂ فتاویٰ بے حد مفید ہے۔

(۶) امدادالاحکام

اس مجموعۂ فتاویٰ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۹۴ھ) اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ (المتوفی ۱۳۶۸ھ) کے فتاویٰ شامل ہیں۔ اور ان میں اکثر فتاویٰ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے تصدیق فرمودہ ہیں، اس لئے اسے اگر ''امدادالفتاوی'' کا تتمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کیوں کہ انداز تحریر میں بہت زیادہ یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ فتاویٰ چار جلدوں پر مشتمل ہیں اور دیوبند کے کتب خانوں سے شائع ہورہے ہیں۔

(۷) فتاویٰ خلیلیہ (فتاویٰ مظاہر علوم)

محدثِ کبیر، فقیہ وقت حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) کے فتاویٰ بجا طور پر علمی تحقیق اور فقہی بصیرت کے شاہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا منتخب مجموعہ کئی سال قبل مظاہر علوم سہارن پور نے شائع کیا تھا، جسے مولانا مفتی سید محمد خالد صاحب سہارن پوری نے مرتب کیا ہے۔

(۸) فتاویٰ شیخ الاسلام

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) نے اپنے مکتوبات میں جن فقہی سوالوں کے جوابات دئے ہیں، انہیں اس مجموعہ میں فقہی ابواب کے مطابق ایک جلد میں جمع کر دیا گیا ہے، اور حاشیہ میں فقہی عبارات بھی درج کردی گئی ہیں، جانشینِ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے حکم کی تعمیل میں اس خدمت کی سعادت احقر کو حاصل ہوئی، فالحمد للہ علی ذلک، یہ مجموعہ مکتبہ دینیہ دیوبند وغیرہ سے شائع ہوا ہے۔

(۹) فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۱۷ھ) نے پوری زندگی فقہ وفتاویٰ کے مشغلہ میں گذاری، مظاہر علوم سہارن پور، جامع العلوم کان پور اور دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں آپ کے قلم سے ہزاروں فتاویٰ تحریر کئے گئے، اور بے شمار خلق خدا نے آپ کی ذاتِ عالی سے دینی رہنمائی حاصل کی۔ عمر کے آخری مرحلہ تک آپ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ آپ کے فتاویٰ جمع ہوکر شائع ہوں گے اور رہتی دنیا تک کے لئے صدقۂ جاریہ بن جائیں گے، مگر بلا شبہ یہ آپ کے اخلاص کی برکت تھی کہ آپ کے خصوصی شاگرد اور فیض یافتہ محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی مدظلہ العالی نے بتوفیق خداوندی اس جوکھم بھرے کام کا بیڑا اٹھایا، اور موصوف نے نہ صرف حضرتؒ کے فتاویٰ جمع کئے؛ بلکہ لفظاً لفظاً انہیں حضرت والا کو سنایا اور حضرت ہی سے معلوم کرکے ہر فتویٰ پر عنوانات لگائے۔

پہلے یہ فتاویٰ حاشیہ کے بغیر شائع ہوئے تھے، پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ کی نگرانی میں دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے زیر اہتمام ۲۰/جلدوں میں نئی ترتیب اور نہایت مفید حواشی کے ساتھ شائع ہوئے، اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب کی نگرانی میں میرٹھ میں اس پر تحشیہ کا کام مکمل ہوا، اور اب از سرنو ترتیب کے بعد ان سب فتاویٰ کی ۳۱/جلدوں میں اشاعت ہوئی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اس وقت یہ فتاویٰ علماء دیو بند کے طبقے میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، جن سے حضرت مفتی صاحب کی گہری بصیرت، تقویٰ و دیانت اور تدبر و احتیاط کا آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، بلاشبہ یہ ''علم نافع'' حضرت مفتی صاحب کے لیے عظیم صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت ہے۔

(۱۰) منتخبات نظام الفتاویٰ

حضرت اقدس مولانا مفتی نظام الدین صاحب نوراللہ مرقدہٗ (المتوفی ۱۴۲۰ھ) دارالعلوم دیو بند کے دارالافتاء کے صدر تھے، اور مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے، اصول وکلیات سے مسائل کی تخریج کا آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ جس کا اندازہ آپ کے فتاویٰ کے مطالعہ سے لگایا جاسکتا ہے، آں موصوف نے خود اپنی حیات میں اپنے منتخب فتاویٰ دو جلدوں میں شائع فرمائے تھے، بعد میں انہیں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ (المتوفی ۱۴۲۳ھ) نے اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام مزید تصحیح کے ساتھ شائع کیا اور اس کی تیسری جلد بھی جلد ہی شائع ہو چکی ہے۔

(۱۱) فتاویٰ رحیمیہ

یہ مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ (المتوفی ۱۴۲۲ھ) کے مبسوط فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو اصلاً اردو میں تھا بعد میں اس کے گجراتی اور انگریزی میں بھی تراجم ہو چکے ہیں، یہ مجموعہ ۱۲؍جلدوں پر مشتمل ہے، اور عوام وخواص میں اسے مقبولیت حاصل ہے۔

(۱۲) احسن الفتاویٰ

یہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۲۲ھ) کے علمی وتحقیقی فتاویٰ کا نہایت معتبر اور مستند مجموعہ ہے جو ۸؍جلدوں میں شائع ہوا، چوں کہ اس کی ترتیب وتہذیب خود صاحب فتاویٰ نے کی ہے اس لئے اس میں تکرار بالکل نہ ہونے کے برابر ہے اور تحقیق وتخریج پر پہلے ہی سے توجہ دی گئی ہے، مفتی صاحب موصوف کا مزاج مدلل گفتگو کرنے کا ہے اس لئے یہ مجموعہ علماء ومفتیان کی نظر میں بہت قابل اعتماد اور باوزن سمجھا جاتا ہے۔

(۱۳) آپ کے مسائل اور ان کا حل

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۲۱ھ)

عرصۂ دراز تک پاکستان کے معروف ''روزنامہ جنگ'' میں دینی مسائل کے جوابات دیتے رہے اور اس سلسلہ کو نہایت قبولیت حاصل ہوئی، بعد میں مولانا مفتی محمد جمیل خاں صاحب شہیدؒ (المتوفی ۱۴۲۵ھ) کی توجہ سے یہ مسائل فقہی ابواب کے اعتبار سے مرتب ہو کر شائع ہوئے، جس کی پہلے دس جلدیں حاشیہ کے بغیر چھپی تھیں۔

پھر بعد میں حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہیدؒ کی توجہ سے ۸/ضخیم جلدوں میں مفید حاشیہ کے ساتھ اس کی اشاعت ہوئی ہے اور عوام وخواص اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

(۱۴) کتاب الفتاویٰ

چند سال قبل ''کتاب الفتاویٰ'' کے نام سے معروف صاحبِ نظر عالم اور مفتی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بانی وناظم المعہد العالی الاسلامی للدراسات الاسلامیہ حیدرآباد کے فتاویٰ چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئے ہیں، یہ ان فقہی مسائل کے جوابات کا مجموعہ ہے جو موصوف کے قلم سے ''روزنامہ منصف'' حیدرآباد — جو ملک کا سب سے کثیر الاشاعت اردو روزنامہ ہے — کے جمعہ ایڈیشن میں کئی سال تک شائع ہوتے رہے۔ انہیں مفتی عبداللہ سلیمان مظاہری نے بڑے سلیقہ سے مرتب کردیا ہے، بلاشبہ یہ ''کتاب الفتاویٰ'' دورِ حاضر کا قابل قدر علمی وفقہی کارنامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس مجموعہ کو قبولیت سے نوازیں، آمین۔

(۱۵) فتاویٰ عثمانی

یہ محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ومدت فیوضہم کے فتاویٰ کا عظیم مجموعہ ہے، جو آپ نے مختلف اوقات میں گذشتہ ۴۵/سالوں میں دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے جاری فرمائے ہیں، جن کو آپ کے ہونہار شاگرد رشید مولانا محمد زبیر حق نواز صاحب نے پرانے

رجسٹروں سے نقل کرکے بہترین انداز میں مرتب فرمایا ہے، یہ سب فتاویٰ انتہائی تحقیقی اور مدلل ہیں۔

بہت سے فتاویٰ پر آپ کے والد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے تصدیقی دستخط بھی ہیں، اب تک ان فتاویٰ کی تین جلدیں شائع ہوچکی ہیں، اور عوام وخواص میں مقبول ہیں۔

(۱۶) محمود الفتاویٰ

یہ مفتی اعظم گجرات حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری دامت برکاتہم کے فتاویٰ کا قابل قدر مجموعہ ہے، جسے جناب مولانا مفتی عبدالقیوم راج کوٹی نے حضرت مفتی صاحب کی نگرانی میں مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، اب تک ۶ رجلوں میں ان کی اشاعت ہوچکی ہے، اور مزید سلسلہ جاری ہے۔

(۱۷) فتاویٰ ریاض العلوم گورینی

مدرسہ ریاض العلوم گورینی مشرقی یوپی کے مرکزی اداروں میں شمار ہوتا ہے، اور علاقہ کے عوام وخواص دینی مسائل میں اس مدرسہ کے دارالافتاء کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہاں بڑے جید الاستعداد مفتیان فقہی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ مسرت کی بات ہے کہ دارالافتاء کے ریکارڈ میں نقل شدہ فتاویٰ کی ترتیب واشاعت کا کام ''فتاویٰ ریاض العلوم'' کے نام سے شروع ہوگیا ہے۔ اب تک اس کی تین جلدیں شائع ہوچکی ہیں، یہ فتاویٰ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حنیف صاحب نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا مفتی رحمت اللہ قاسمی، مولانا مفتی عبداللہ مظاہری، مولانا مفتی محمد عثمان صاحب حلیمی کے فتاویٰ پر مشتمل ہے، اس مجموعہ میں بہت سے فتاویٰ بڑے تحقیقی ہیں، اور خاص کر علماء وطلبہ کے لئے ان کا مطالعہ مفید ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے فتاویٰ شائع ہوچکے ہیں؛ بلکہ مسلسل شائع ہورہے ہیں، ان سب کا احاطہ باعث طوالت ہے، اللہ تعالیٰ ایسی سب کاوشوں کو قبول فرمائیں اور امت کو ان سے زیادہ سے زیادہ نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

باب:-۱۶

فقہ وفتاویٰ کی اہمیت

فقہ کی تعریف

تفقہ کے معنی جاننے کے آتے ہیں اور اصولیین کی اصطلاح میں فقہ کا اطلاق "تفصیلی دلائل سے منتخب کردہ جزئیات کو جان لینے" پر ہوتا ہے، جب کہ فقہاء ہر ایسے شخص کو فقیہ کہنا روا سمجھتے ہیں جس کو جزئی مسائل کے احکامات یاد ہوں، اور اہلِ حقیقت اولیاء اللہ کے نزدیک فقیہ وہ شخص ہے جس کے علم وعمل میں مطابقت پائی جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ مشہور ہے کہ فقیہ وہ ہے جو (۱) دنیا سے اعراض کرنے والا (۲) آخرت کی طرف رغبت رکھنے والا (۳) اور اپنے عیوب سے باخبر ہو۔ (مستفاد: درمختار مع الشامی ۱/۱۱۸-۱۱۹)

دین میں تفقہ فرضِ کفایہ ہے

تفقہ میں مہارت پیدا کرنا امت پر فرضِ کفایہ ہے، ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں ایسے ماہر علماء ومفتیان کا وجود ناگزیر ہے جو ضرورت کے وقت امت کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَوْ لاَ نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں، اور تاکہ خبر قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ پہنچائیں اپنی قوم کو جب ان کی طرف لوٹ کر

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (التوبه ۱۲۲) آئیں تاکہ وہ بچتے رہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تفقہ حاصل کرنے کے لئے اگر سفر کرنا پڑے تو اس کی بھی ہمت کی جائے؛ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارکہ علم کا سرچشمہ ہوتی تھی اور آپ کا علمی فیضان سفر وحضر ہر جگہ جاری رہتا تھا، اسی فیضان سے استفاضہ کے لئے خاص جماعت کو آپ کے ساتھ سفر کرنے کا حکم دیا گیا، اور یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا اور جو نائبینِ رسول علماء وفقہاء موجود رہیں گے ان سے علمی وفقہی استفادہ کا سلسلہ برابر جاری رہے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ (الجامع لاحکام القرآن الکریم للقرطبی ۲۱۰/۴)

فقہ سراپا خیر ہے

تفقہ فی الدین اللہ تعالیٰ کا بے نظیر انعام ہے، جس کو یہ دولت مل جائے وہ یقیناً ''خیر کثیر'' سے بہرہ ور ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِىَ خَيْراً كَثِيْراً. اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سمجھ عنایت فرماتا ہے اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی۔

(البقرة ۲۷۹)

مشہور مفسر حضرت مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ وغیرہ نے آیت میں ''حکمت'' سے تفقہ مراد لیا ہے، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِىْ الدِّيْنِ. (بخاری شریف ۱۶/۱، مختصر بیان العلم ۳۳) جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

نیز ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تَجِدُوْنَ النَّاسَ مَعَادِنَ خِيَارُهُمْ فِىْ الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِىْ تم لوگوں کو کانوں (معدنیات کے ذخائر) کی طرح پاؤ گے ان میں جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں

الإِسْلاَمِ إِذَا فَقُهُوْا.
(الفقيه والمتفقه ١٤)

باوقار سمجھے جاتے تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی افضل اور باوقار رہیں گے، بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں معیار شرافت ''دین کی سمجھ'' ہے، ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس معیار کو حتی الوسع حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر علیہ السلام سے سوال کیا کہ دو شخص ہیں ایک تو وہ ہے جو مسلسل اللہ تعالی کی عبادت میں مشغول رہتا ہے، اور دوسرا شخص وہ ہے جو فرائض کے علاوہ نوافل وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتا؛ لیکن وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا ہے (ان دونوں میں افضل کون ہے؟) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اس عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ درجہ کے شخص پر''۔(الفقیہ والمتفقہ ۲۴)

اور ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''سب سے افضل عبادت ''فقہ'' ہے اور سب سے افضل دین پرہیزگاری اور ورع وتقویٰ ہے''۔(الفقیہ والمتفقہ ۲۸)

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ''سب سے افضل علم وہ ہے جس کے لوگ محتاج ہوں''۔(الفقیہ والمتفقہ ۴۱)

اور ظاہر ہے کہ دنیا میں اہل ایمان کے لئے سب سے زیادہ ضرورت مسئلہ مسائل جاننے کی ہے اس لئے یہی علم اس حدیث کی رو سے سب سے افضل کہلائے جانے کے لائق ہے۔

فقہ میں اشتغال افضل ترین عبادت ہے

دینی مسائل کا سیکھنا سکھانا، اور نت نئے مسائل کے احکامات معلوم کرنا اور امت کی رہنمائی کرنا افضل ترین عبادت ہے، اس لئے کہ اس عمل کا نفع ساری امت تک متعدی اور رہتی دنیا تک باقی رہنے والا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

مَا عُبِدَ اللّٰهَ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ فِقْهٍ تفقہ فی الدین سے بڑھ کر کسی عمل کے ذریعہ اللہ

فِیُ الدِّیُنِ وَلَفَقِیُهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَی الشَّیُطَانِ مِنُ أَلُفِ عَابِدٍ وَلِکُلِّ شَیءٍ عِمَادٌ وَعِمَادُ الدِّیُنِ اَلُفِقُهُ.

(شامی مقدمه ۱۲۳، البیهقی فی السنن الکبریٰ ۱۰۲/۱، الدار القطنی ۷۹/۳)

تعالیٰ کی عبادت نہیں کی جاسکتی (کیوں کہ مقبول عبادت کے لئے علم صحیح ضروری ہے جس کا ذریعہ تفقہ ہی ہے) اور ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے بڑھ کر ہے، اور ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور دین کا ستون تفقہ فی الدین ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ''فقہی مجلس میں شرکت کا ثواب ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے''۔ (الفقیہ والمتفقہ ۲۰)

تفقہ سے دین میں تصلب نصیب ہوتا ہے

جس شخص کو فقاہت کی دولت نصیب ہوجاتی ہے اس کا سینہ دینی مسائل واحکام کے لئے پوری طرح منشرح ہوجاتا ہے، پھر نہ تو وہ حالات سے مرعوب ہوتا ہے اور نہ کوئی لالچ یا دھمکی اسے راہِ حق سے ہٹنے پر مجبور کرتی ہے بلکہ وہ ذہنی طور پر پوری یکسوئی کے ساتھ دین پر عمل کرتا ہے اور اس کے برخلاف جو شخص نرا عابد ہو اور وہ ضروری دینی علم سے محروم ہو تو اس کے لئے حق پر ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہوتا ہے وہ بہت جلد حالات اور فتوحات سے متاثر ہوجاتا ہے حتی کہ بسا اوقات گمراہی میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔

لَوُ أَنَّ هٰـذِہٖ وَقَعَتُ عَلٰی هٰذِہٖ یَعُنِیُ السَّـمَـاءَ عَـلٰـی الأَرُضِ وَزَالَ کُلُّ شَيءٍ عَنُ مَـکَـانِـہٖ مَـا تَرَکَ الُعَالِمُ عِلُمَهُ وَلَوُ فُتِحَتِ الـدُّنُیَـا عَـلٰی عَابِدٍ لَتَرَکَ عِبَادَةَ رَبِّہٖ تَعَالیٰ.

(الفقیه والمتفقه ۲٤)

اگر یہ یعنی آسمان اس یعنی زمین پر گر پڑے اور ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو پھر بھی عالم اپنے علم کو نہ چھوڑے گا اور اگر نرے عابد پر دنیا کے دہانے کھول دئے جائیں تو وہ اپنے پروردگار کی عبادت چھوڑ بیٹھے گا۔

اس لئے ضروری ہے کہ عالم اور فقیہ اپنے موقف میں ثابت قدم ہو اور راہِ حق سے سر مو بھی انحراف نہ کرے۔

فقہاء روحانی معالج ہیں

عبید اللہ بن عمرو نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت سلیمان اعمشؒ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آیا اتفاق سے وہاں حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت اعمشؒ نے امام صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ کی اس مسئلہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ امام صاحبؒ نے اپنی رائے بتادی، اس پر حضرت اعمش نے پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کہاں سے دیا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اُس روایت سے جو آپ نے ہم سے بیان کررکھی ہے۔ یہ سن کر حضرت اعمش بول اٹھے: **نحن صیادلة وأنتم أطباء** (یعنی ہم تو محض دوافروش ہیں اور تم لوگ (فقہاء) طبیب ہو)۔ (الفقیہ والمتفقہ ۲۶/۱)

تفقہ باعثِ عزت ہے

دین میں تفقہ اور حلت وحرمت کا علم انسان کو عزت بخشتا ہے، اور اس سے انسان کو جو عزت ملتی ہے وہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ میں استاذ معظم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ تخت پر تشریف فرما رہتے اور آپ کے اردگرد خاندان قریش کے لوگ موجود ہوتے آپ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، آپ کی اس عزت افزائی کو دیکھ کر قریش کے لوگ ناگواری محسوس کرتے، چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا احساس ہوگیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ''اسی طرح یہ علم شریف آدمی کی شرافت میں اضافہ کرتا ہے اور غلام شخص کو تخت نشین بنادیتا ہے''۔ (الفقیہ والمتفقہ ۴۰/۱)

حضرت عطاء ابن رباحؒ مکہ معظّمہ میں ایک عورت کے غلام تھے آپ کے چہرے کی رنگت سیاہ تھی اور آپ کی ناک باقلا کی پھلی کے مانند تھی (یعنی بدصورت تھے، مگر علمی وفقہی مقام یہ تھا کہ) ایک مرتبہ اموی بادشاہ امیر المؤمنین سلیمان بن عبدالملک اپنے دو بیٹوں کے ساتھ آپ سے ملنے آئے آپ نماز پڑھنے میں مشغول تھے، اس لئے وہ لوگ انتظار میں بیٹھ گئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف متوجہ ہوئے، امیر المؤمنین ان سے حج کے مسائل پوچھتے رہے اور آپ

بے رخی سے جواب دیتے رہے پھر سلیمان نے اپنے بیٹوں سے کہا یہاں سے چلو اور ''دیکھو علم دین سیکھنے میں آنا کانی مت کرنا اس لئے کہ آج اس کالے غلام کے سامنے بیٹھنے سے جو میری ذلت ہوئی ہے اسے میں کبھی نہ بھول پاؤں گا''۔ (الفقیہ والمتفقہ ۴۰)

تو معلوم ہوا کہ علم فقہ کا تعلق خوبصورتی یا عالی نسبی سے نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی علم دین میں کمال اور فقہ میں مہارت پیدا کرلے گا وہ لوگوں کی نظر میں باعزت ہو جائے گا، تاریخ کے ہر دور میں اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس لئے ہر طالب علم کو بالخصوص دین میں اختصاص پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔

محمد بن قاسم ابن خلاد کہتے ہیں کہ ''یہ بات معروف ہے کہ اسلام میں کسی کو کمتر سمجھنا جائز نہیں ہے، اسلام میں فضیلت اور شرافت کا معیار دین داری اور پرہیزگاری ہے، اور اگر اس پرہیزگاری کے ساتھ نسبی شرافت بھی مل جائے تو سونے پر سہاگہ ہے''۔ (الفقیہ والمتفقہ ۴۰)

عزت کا مقام تو یہ ہے

امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ مکہ کی وادی ابطح میں اپنی مجلس جمائی اور حجاج کی جماعتیں آپ کے سامنے سے گذرنے لگیں آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے ''قرظہ'' بھی تھے، ایک قافلہ گذرا اس میں ایک نوجوان شخص شعر گنگنا رہا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن جعفرؓ ہیں، آپ نے فرمایا انہیں جانے دو، پھر دوسرا قافلہ گذرا اس میں بھی ایک جوان اشعار پڑھ رہا تھا، معلوم کیا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ عمر بن ابی ربیعہ ہیں، آپ نے ان کو بھی جانے کا حکم دیا، اس کے بعد ایک بڑی جماعت گذری جس میں ایک صاحب تھے جن سے لوگ حج کے مسائل پوچھ رہے تھے، کوئی کہہ رہا تھا کہ میں نے سر منڈانے سے پہلے رمی کرلی؟ اور کوئی پوچھ رہا تھا کہ میں نے رمی سے پہلے سر منڈا لیا؟ وغیرہ۔ (اور وہ سب کو جواب دے رہے تھے) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ جواب ملا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کی طرف

متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ''واللہ دنیا اور آخرت کی عزت وشرافت تو یہی ہے'' (کہ انسان کو دینی مرجعیت حاصل ہو جائے)۔(الفقیہ والمتفقہ ۴۱)

اس لئے اس شرافت کو حاصل کرنے کے لئے جتنی بھی تگ ودو اور جدوجہد کی جائے وہ کم ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

إِذَا مَـا اعْتَـزَّ ذُوْ عِـلْـمٍ بِعِلْـمٍ ❖ فَـعِـلْـمُ الْـفِـقْـهِ أَوْلـىٰ بِـاعْتِـزَازٖ
فَكَمْ طِيْبٍ يَفُوْحُ وَلاَ كَمِسْكٍ ❖ وَكَـمْ طَيْـرٍ يَطِيْـرُ وَلاَ كَبَـازِيٖ

ترجمہ:- اگر کوئی علم والا کسی علم سے عزت حاصل کرے تو علم فقہ عزت دلانے میں سب سے زیادہ کارگر ہے، اس لئے کہ کتنی ہی خوشبوئیں پھیلتی ہیں؛ لیکن مشک کی طرح نہیں ہوتیں، اور کتنے ہی پرندے اڑتے ہیں مگر شکرہ کی طرح نہیں اڑتے۔

اور دوسرے شاعر نے کہا:

وَخَيْـرُ عُلُوْمٍ عِلْـمُ فِقْـهٍ لأَنَّـهٗ ❖ يَكُوْنُ إِلـىٰ كُلِّ الْعُلُوْمِ تَوَسُّلاً
فَـإِنَّ فَـقِيْهـاً وَاحِـداً مُتَـوَرِّعـاً ❖ عَلٰى أَلْفِ ذِيْ زُهْدٍ تَفَضَّلَ وَاعْتَلٰى

ترجمہ: - علوم میں سب سے بہتر علم فقہ ہے کیوں کہ وہ تمام علوم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے (اس لئے کہ فقیہ کے لئے لغت واشتقاق سے لے کر تفسیر وحدیث اور دیگر علوم کا جاننا لازم ہے) اور اس لئے کہ ورع وتقویٰ سے متصف ایک فقیہ ایک ہزار نرے زاہدوں سے بڑھ کر فضیلت رکھتا ہے۔(درمختار مع الشامی ۱/۱۲۲-۱۲۳)

نیز یہ اشعار بھی قابل لحاظ ہیں جو امام محمدؒ کی طرف منسوب ہیں:

تَـفَـقَّـهْ فَـإِنَّ الْـفِـقْـهَ أَفْضَلُ قَـائِدٍ ❖ إِلـَى الْبِـرِّ وَالتَّقْوىٰ وَأَعْدَلُ قَاصِدٍ
وَكُـنْ مُسْتَـفِيْـداً كُـلَّ يَوْمٍ زِيَـادَةً ❖ مِنَ الْفِقْهِ وَأَسْبَحْ فِيْ بُحُوْرِ الْفَوَائِدٖ
فَـإِنَّ فَـقِيْهـاً وَاحِـداً مُتَـوَرِّعـاً ❖ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٖ

ترجمہ: - (۱) تفقہ حاصل کرو کیوں کہ فقہ نیکی اور تقویٰ کی طرف لے جانے والا بہترین رہنما اور آسان راستہ ہے۔

(۲) اور ہر روز فقہ سے استفادہ میں زیادتی کرکے علمی فوائد ولطائف کے سمندروں میں غوطہ زنی کیا کرو۔

(۳) اس لئے کہ ایک صاحب ورع وتقویٰ فقیہ شیطان پر ایک ہزار نرے عبادت گزاروں پر بھاری ہے۔

مذکورہ اشعار میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ مبنی بر حقیقت ہیں اس لئے کہ تمام علوم اسلامیہ کا منتہی اور مرجع ''علم فقہ'' ہے، بقیہ تمام علوم تفقہ حاصل کرنے کے ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لغت نحو اور اشتقاق سے لے کر حدیث وتفسیر کا علم اسی لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ حلال وحرام کے بارے میں امتیاز ہو جائے اور دینی اعتبار سے کیا عمل صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ اس کا پتہ چل جائے۔ اور یہ بات فقہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دیگر کسی علم کے لئے فقہ میں مہارت ضروری نہیں؛ لیکن کامل فقیہ بننے کے لئے دیگر علوم میں مہارت بھی لازم ہے۔

فقیہ صحیح معنی میں وہی ہو سکتا ہے جو نہ صرف علوم عربیہ پر دستگاہ رکھتا ہو؛ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدیث وتفسیر، آثارِ صحابہ اور اقوال سلف پر بھی گہری نظر رکھنے والا ہو، یعنی علوم نقلیہ وعقلیہ کا جامع ہو اسی پر درحقیقت ''فقیہ'' کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، اس کے برخلاف جو صرف ناقل کے درجہ میں ہو وہ ''فقیہ'' نہیں بلکہ ''ناقل فقہ'' ہے۔

علوم کے چند مراتب

معلومات حاصل کرنے کے چند مراتب ہیں:

(۱) **فرض عین**: جن مسائل کا جاننا عقائد کی درستگی اور اعمال کی تصحیح کے لئے ضروری ہے اتنی حد تک معلومات کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے، مثلاً اسلام کے بنیادی عقائد، وحدانیت، رسالت، آخرت، تقدیر وغیرہ اور نماز، روزہ وغیرہ کے اہم مسائل جن سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ دینے والے کے لئے زکوٰۃ کے مسائل جاننا اور حج کو جانے والے کے لئے حج کے مناسک کا ضروری علم حاصل کرنا یہ فرض ہے، اگر معلومات نہیں کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔

(۲) **فرض کفایہ** : جن علوم ومسائل کے جاننے کی عام لوگوں کو ضرورت کبھی کبھی پڑتی ہو، مثلاً غسل جنازہ کے مسائل، یا احکام مساجد، مسائل وقف، یا جن علوم کے جاننے پر قرآن وحدیث کا سمجھنا منحصر ہو جیسے علم صرف ونحو، لغت، اشتقاق، یا جن علوم کو جاننے سے صحیح علم تک رہنمائی ہوتی ہو مثلاً ناسخ منسوخ کا علم، یا رواۃ حدیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا علم جسے علم اسماء الرجال کہا جاتا ہے الیٰ آخرہ۔ اس طرح کے علوم کا جاننا فرض کفایہ ہے یعنی کچھ افراد ان علوم کے حاملین امت میں ضرور رہنے چاہئیں، جن کی طرف بوقت ضرورت رجوع کیا جا سکے۔ اگر کوئی نہ رہے گا تو پوری امت گنہ گار ہوگی، اور چند افراد بھی اس ذمہ داری کو اوڑھ لیں گے تو پوری امت گناہ سے محفوظ رہے گی۔

(۳) **مستحب**: علاوہ ازیں علم فقہ میں کمال حاصل کرنا، اور اخلاقی اصلاح کی صورتوں پر مطلع ہونا، استحبابی درجہ رکھتا ہے، یعنی جو علمی تبحر پیدا کرے گا وہ بڑے اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔

(۴) **حرام**: جادوگری، کہانت، رمل وجعفر علم فلسفہ کے بعض اجزاء کا جاننا شرعاً حرام ہے۔

(۵) **مکروہ**: ایسے غزلیہ اشعار اور افسانوں کا علم جن میں عشق ومحبت کی فرضی داستانیں بیان کی جائیں مکروہ ہے۔

(۶) **مباح**: ایسے اشعار وواقعات یا علوم کا جاننا جس سے کسی دوسرے کی حق تلفی یا اور کوئی شرعی مفسدہ لازم نہ آتا ہو شرعاً مباح ہے۔ آج کل کے جدید علوم: سائنس، انجینئرنگ وغیرہ بھی اسی دائرہ میں آتے ہیں کہ اگر انہیں منکرات ومعاصی سے بچتے ہوئے حاصل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اسلام اور انسانیت کی خدمت کی نیت سے ان کا سیکھنا اجر وثواب کا باعث بھی ہوگا؛ لیکن بہر حال خلاف شرع امور سے بچنا لازم ہے۔ (درمختار مع الشامی ۱/۱۲۵ تا ۱/۱۳۶)

تفقہ کے لئے ذہنی یکسوئی ضروری ہے

سلیم بن وکیع کہتے ہیں کہ میرے سامنے ایک شخص نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا کہ فقہی معلومات کو ذہن میں محفوظ اور راسخ کرنے کے لئے کس چیز سے مدد حاصل کی جائے؟ آپ جواب دیا کہ یکسوئی سے مدد لی جائے (یعنی طبعیت میں یکسوئی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے

جبھی فقہ میں کمال حاصل ہوگا) پھر اس شخص نے پوچھا کہ تعلقات اور خیالات سے چھٹکارا کیسے پایا جائے؟ تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ضرورت سے زائد کوئی چیز حاصل مت کرو (یعنی دنیا کا ہر کام اور ہر ضرورت بقدر حاجت رہے اس میں زیادتی نہ کی جائے)۔ (الفقیہ والمتفقہ ۲/۳۸۵)

آج کے طلبہ میں استعداد کی کمی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا بھر کی مصروفیات اور تعلقات کی وجہ سے انہیں ذہنی یکسوئی میسر نہیں آتی، جس کے نتیجہ میں حافظہ اور استعداد میں کمزوری رہ جاتی ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طبعیت زمین ہے اور علم بیج کے مانند ہے، اور علم کے لئے طلب اور شوق لازم ہے۔ پس جب طبعیت علم کی طرف مائل ہوتی ہے تو علم میں اسی طرح برگ وبار آتے ہیں جیسے زمین کی نرمی سے بیج بارآور ہوتا ہے۔ (الفقیہ والمتفقہ ۳۸۵)

کم عمری میں تفقہ کا مشورہ

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ نے ارشاد فرمایا: "تفقهوا قبل أن تسودوا"، یعنی سرداری حاصل کرنے سے پہلے ہی تفقہ کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو، پھر اسی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر تم نے نوعمری میں علم نہ سیکھا تو بڑے ہونے کے بعد تمہیں کسی کی شاگردی کرتے ہوئے شرم آئے گی اور تم جاہل کے جاہل ہی رہ جاؤ گے اور اگر اپنے سے کم عمر سے مسئلہ پوچھو گے تو اس کی وجہ سے تمہاری عزت پر حرف آئے گا، اور لوگ اس پر طعنہ دیں گے"۔ (الفقیہ والمتفقہ ۳۶۰)

حضرت عمرؓ کا یہ مشورہ بالکل برحق ہے اور تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، اصل محنت کی عمر تو ابتدائی جوانی کی ہی ہوتی ہے، اسی زمانہ کی محنت کا ثمرہ آدمی زندگی بھر کھاتا رہتا ہے۔ اور جس نے اس قیمتی زمانہ کو ضائع کر دیا تو وہ ہمیشہ کف افسوس ہی ملتا رہے گا، اور اس کی مرادیں ہرگز پوری نہ ہوں گی۔

باب:-۱۷

دارالافتاء مدرسہ شاہی اور اس کا منہج

برصغیر ہندو پاک میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور کے ساتھ ساتھ دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی طرف بھی عوام وخواص کا رجوع رہا ہے۔

مدرسہ شاہی کا قیام حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ کی تحریک پر اگرچہ ۱۲۹۶ھ میں ہوا تھا؛ لیکن قیام کے بعد سے ۱۳۴۲ھ تک یہاں باقاعدہ دارالافتاء قائم نہ تھا؛ بلکہ موجودہ اکابر اساتذہ حسبِ ضرورت دینی مسائل زبانی یا تحریری طور پر سائلین کو بتادیا کرتے تھے۔ بہرحال ۱۳۴۲ھ میں باقاعدہ ارالافتاء کا قیام عمل میں آیا اور سب سے پہلے مفتی کے طور پر حضرت مولانا مفتی مصلح الدین صاحب عمرویؒ کا تقرر ہوا، جنہوں نے ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۵۵ھ تک افتاء کی خدمت انجام دی، اس کے بعد حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۹۵ھ) حضرت مولانا مفتی عجب نور صاحب سرحدیؒ (المتوفی ۱۳۸۵ھ) حضرت مولانا مفتی سید حامد میاں صاحبؒ (المتوفی ۱۴۰۸ھ) حضرت مولانا مفتی سید واحد رضا صاحب مرادآبادیؒ (المتوفی ۱۴۰۷ھ) حضرت مولانا مفتی اختر شاہ صاحب سنبھلیؒ (المتوفی ۱۳۸۸ھ) حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب بچھرایونویؒ (المتوفی ۱۴۰۳ھ) حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب میرٹھیؒ (المتوفی ۱۹۹۰ء) حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب دربھنگویؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالوہاب صاحب سہارن پوریؒ (المتوفی ۱۹۹۱ء) نے اس شعبہ سے وابستہ رہ کر نمایاں خدمات انجام دیں۔

شروع میں دارالافتاء سے صرف فتویٰ نویسی کا کام ہوتا رہا، پھر ۱۳۹۲ھ سے ''تکمیل افتاء'' کے شعبہ کا اضافہ کیا گیا، اور فاضل طلبہ کو تمرین افتاء کرا کر رجال سازی پر محنت شروع ہوئی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں، تاریخ شاہی نمبر ۱۷۰-۱۸۱)

مدرسہ شاہی میں افتاء کی تعلیم پر خاص توجہ

تا آں کہ ۱۴۰۷ھ میں اس وقت کے صاحبِ فراست مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین

صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہٗ کی توجہ سے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ العالی کا مفتی کی حیثیت سے تقرر ہوا، موصوف نے اپنی خداداد صلاحیت اور محنت وجستجو کی دیرینہ عادت کی بنا پر شعبۂ افتاء کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا، اور حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھرپور سرپرستی بھی آپ کو حاصل رہی، حضرت مفتی صاحب نے طلبۂ افتاء میں محنت ومجاہدہ اور تحقیق وتخریج کا ایسا ماحول بنایا کہ جلد ہی شاہی کے افتاء کی تعلیم کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی، اور ہر سال دور دراز سے طالبانِ فقہ وفتاویٰ مدرسہ شاہی کی طرف رجوع کرنے لگے، جن میں اکثریت دارالعلوم دیوبند اور دیگر مرکزی اداروں کے فضلاء پر مشتمل ہوتی ہے۔

حسن اتفاق کہ مخدوم گرامی حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی رحمہ اللہ کی خواہش اور حضرت اقدس والد صاحب زید مجدہم کے حکم پر شوال ۱۴۱۰ھ سے احقر کو بھی مدرسہ شاہی میں تدریس وافتاء کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی، اور حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ کی نیابت اور ماتحتی میں کام کرنے سے ظاہری وباطنی ہر طرح کی اصلاح ہوئی، بلاشبہ اس شعبہ سے وابستگی کو احقر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل وکرم سمجھتا ہے، فالحمد کلہ للہ۔

مدرسہ شاہی میں ’’تکمیلِ افتاء‘‘ کا تعلیمی امتیاز

عام طور پر مدارس میں ’’شعبۂ تکمیل افتاء‘‘ میں مقررہ نصاب کی کتابوں کی تدریس پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے؛ لیکن حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ نے مدرسہ شاہی آکر ’’تکمیلِ افتاء‘‘ کے شعبہ کو محض تدریسی شعبہ نہ رکھ کر پوری طرح تمرینی شعبہ بنا دیا، کہ یہاں نصاب کی کتابیں اصل مقصود نہیں ہیں؛ بلکہ فقہ وفتاویٰ سے حقیقی مناسبت طالب علم میں پیدا کرنا اصل مقصود ہے، چناں چہ یہاں نصاب میں داخل چاروں کتابیں — (۱) سراجی (۲) درمختار (منتخب ابواب) (۳) شرحِ عقودِ رسم المفتی (۴) اور الاشباہ والنظائر — مشق وتمرین کے انداز میں پڑھائی جاتی ہیں۔

’’سراجی‘‘ کی مکمل مشق ہوتی ہے، ’’درمختار‘‘ میں جزئیہ کو عنوان بنا کر مضمون نگاری کرائی جاتی ہے، ’’رسم المفتی‘‘ میں قواعد پر مثالوں کی تطبیق کرانے کے لئے تمرینات کرائی جاتی ہیں، اور اس بہانے دسیوں کتابوں پر طالب علم کی نظر پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح ’’الاشباہ والنظائر‘‘ کے درس میں محض ترجمہ

وتقریر نہیں ہوتی؛ بلکہ استاذ ہر عبارت پر ایک عنوان نوٹ کراتا ہے، اور طالب علم کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ کاپی میں اس عنوان کی تشریح اپنے انداز میں کر کے پیش کرے، اور ''الاشباہ'' کے ذکر کردہ جزئیہ کو اصل فقہی کتابوں سے ملائے اور اگر وہ جزئیہ مفتی بہ قول کے خلاف ہو تو اس کی بھی وضاحت کرے۔

اس طرزِ تعلیم کا ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کا ذہن اور اس کے تمام اوقات تحصیل علم میں پوری طرح مشغول ہوجاتے ہیں، ہر وقت اسے اپنا مفوضہ کام پورا کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے، دوسرے یہ کہ اس بہانے فقہ کی مختلف کتابوں اور متعدد حوالہ جات پر گہری نظر ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔

علاوہ ازیں روزانہ پیش آمدہ مسائل میں فتویٰ نویسی کی مشق الگ سے کرائی جاتی ہے، اور ایسے سوالات انہیں حل کرنے کے لئے دئے جاتے ہیں جن میں عام طور پر ابتلاء پیش آتا ہے، اور سال بھر میں تقریباً سات آٹھ سو مسائل حل کرائے جاتے ہیں، اِنہی وجوہات کی وجہ سے محنتی طلبہ مدرسہ شاہی میں افتاء کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

نقل فتاویٰ

دارالافتاء کے قیام کے بعد عرصہ تک یہ صورت رہی کہ مفتیانِ کرام بذاتِ خود یا طلبۂ افتاء کے ذریعہ اہم فتاویٰ رجسٹر میں نقل کرلیا کرتے تے؛ لیکن جب کام کا اضافہ ہوا تو ضرورت محسوس کرتے ہوئے نقلِ فتاویٰ کے لئے حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی نور اللہ مرقدہٗ کے دورِ اہتمام میں ۱۴۱۰ھ میں ایک ہونہار محنتی نوجوان فاضل، جناب مولانا کلیم اللہ صاحب قاسمی سیتاپوری زید علمہ کا تقرر کیا گیا۔ موصوف اُسی وقت سے پوری تندہی اور ذمہ داری کے ساتھ اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں، اور زیر نظر فتاویٰ بھی انہی کے نقل کردہ ہیں، **فجزاهم الله تعالیٰ أحسن الجزاء**۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے اور اس کے تمام شعبوں کو مزید ترقیات سے نوازیں، اور ہر قسم کے داخلی وخارجی شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں، اور ہم سب کو تادم آخر اپنے دین کے مخلص خدام میں شامل رکھیں، آمین۔

فقط واللّٰه الموفق والمعین

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۳/۱۱/۱۴۳۵ھ

عقائد و اِیمانیات

اِیمان و اِسلام کے لغوی اور شرعی معنی کیا ہیں؟

سوال (۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
صحیح بخاری ” **باب سوال جبرئیل النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم عن الإیمان والإسلام** “ کے تحت حدیث جبرئیل میں ایمان اور اسلام کے لغوی اور شرعی معنی کیا ہیں؟ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو ”أخبرني“ صیغۂ امر استعمال کیا ہے، یہ خلافِ ادب تو نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایمان کے لغوی معنی تصدیق یعنی کسی خبر کے حکم پر یقین کرنے کے ہیں، اور شرعی معنی دل سے ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا ہے جو نبی کریم ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے۔

الإیمان في اللغة التصدیق، وفي الشرع التصدیق بما جاء به النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم من عند اللّٰہ. (شرح عقائد ۱۲۰)

اور اسلام کے لغوی معنی ماننے اور تابع داری کرنے کے ہیں، اور شریعت میں کلمہ شہادت کا اقرار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرماں بردار بن کر اس کے اوامر کو بجالانے اور نواہی سے باز رہنے کا نام اسلام ہے۔

فنقول الاسلام في اللغة الإنقیاد والإذعان، وفي الشریعة الإنقیاد للّٰہ بقبول رسوله علیه السلام بالتلفظ بکلمتی الشهادة والإتیان بالواجبات والإنتهاء عن المنکرات کما دل علیه جواب النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم. (عمدة القاري ۱۰۹/۱)

اورحدیث شریف میں ''أخبـــرنـي''، فعل امرحکم کے معنی میں نہیں؛ بلکہ استدعاء کے لئے ہے؛ لہٰذا یہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے منافی نہیں ہے۔

أخبـرنـي أي عـلمني وصيغة الأمر للاستدعاء لما تقرر أن الرسول أفضل من الملائكة العلوية. (مرقاة قديم ۱/٤٥، امداديه پاكستان ۱/٥۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایمان وعقائد میں کیا فرق ہے

ســـوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایمان وعقائد میں کیا فرق ہے؟ ایمان کامل کیسے ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: ایمان دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے، اِسی کو عرف میں عقیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ایمانِ کامل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی تمام ایمانیات پر یقین کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تقاضوں پر عمل بھی کرے، یعنی تمام مامورات کو حتی الوسع بجالائے اور منہیات سے بچے۔

العقيدة: ...... ما عقد عليه القلب واطمأن إليه. (معجم لغة الفقهاء ۳۱۸)

الإيـمـان لغة: هو عبارة عـن تـصـديـق كـلام أحـد تصديقاً جازمًا ثقة به، واصـطـلاحاً: هو التصديق بكل ما أخبر به الرسول صلى الله عليه وسلم تصديقًا محضًا بغير مشاهدة، ثقةً به ويقينًا عليه. (الأحاديث المنتخبة في الصفات الست للدعوة إلى الله تعالىٰ ۱ للشيخ محمد يوسف الكاندهلوى) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمُ الخ“ سے کون سا ایمان مراد ہے؟

سوال (۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے) سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ کیفیت آدمی کے اندر پیدا نہ ہو، تو کیا ایمان معتبر نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ“ میں نفس ایمان کی نفی نہیں ہے؛ بلکہ کمالِ ایمان کی نفی ہے؛ لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص یہ کیفیت اپنے اندر نہ پائے تو وہ کمالِ ایمان کی ایک علامت سے محروم ہے؛ البتہ نفس ایمان سے اسے محروم قرار نہیں دیا جائے گا۔

والمراد بالنفي كمال الإيمان، فإن قيل: فيلزم أن يكون من حصلت له هٰذه الخصلة مؤمناً كاملاً، وإن لم يأت ببقية الأركان، أجيب بأن هٰذا ورد مورد المبالغة، وقد صرح ابن حبان من رواية ابن أبي عدي عن حسين المعلم بالمراد ولفظه: ”لا يبلغ عبدٌ حقيقةَ الإيمان“، ومعنى الحقيقة هنا: الكمال، ضرورة أن من لم يتصف بهٰذه الصفة لا يكون كافراً. (فتح الباري، كتاب الإيمان / باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ۷۹/۱ رقم: ۱۳، فتح الملهم، كتاب الإيمان /باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير ۲۲۲/۱، رقم ۴۵)

”لا يؤمن أحدكم“ إيماناً كاملاً فالمراد بنفيه هنا نفي بلوغ حقيقته ونهايته من قبيل خبر ”لا يزني الزاني حين يزني وهومؤمن“. (فيض القدير بيروت ۵۴۴/۶ تحت رقم: ۹۹۴۰)

قال العلماء رحمهم اللّٰه: معناه لا يؤمن الإيمان التام، وإلا فأصل الإيمان يحصل لمن لم يكن بهٰذه الصفة، والمراد يحب لأخيه من الطاعات والأشياء

الـمبـاحـات، ويدل عليه ما جاء في رواية النسائي في هٰذا الحديث: ”حتى يحب لأخيـه من الخير ما يحب لنفسه“...... إذ معناه لا يكمُل إيمان أحدكم حتى يحب لأخيـه فـي الإسلام مثل ما يحب لنفسه. (الـمنهـاج في شرح صحيح مسلم للنووي مكمل: كتـاب الإيـمـان / باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه من الخير ۱۲۲، رقم: ۴۵ بيروت، نعمة المنعم ۲۷۷/۱ البدر ديوبند) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

سوال (۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایمان مخلوق ہے یا نہیں؟ اس میں اقوال علماء دین کیا ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبالله التوفيق: اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ایمان بھی منجملہ مخلوقات خداوندی میں سے ہے، ائمۂ سمرقند کا موقف یہی ہے اس کے برخلاف ائمۂ بخاریٰ سے منقول ہے کہ وہ ایمان کو غیر مخلوق مانتے ہیں؛ لیکن دراصل یہ اختلاف ایمان کی تعریف کے اعتبار سے ہے، ائمۂ بخاریٰ ایمان کی تعریف اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں یہ اللہ کی صفت ہونے کی وجہ سے غیر مخلوق قرار پائے گی، جبکہ ائمۂ سمرقند ایمان کو بندہ کا فعل قرار دیتے ہیں، تو اس اعتبار سے وہ یقیناً مخلوق ہے، تو یہ اختلاف ایمان کی حقیقت میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

الإيـمـان غيـر مـخـلـوق عـند أئمة بخاريٰ، وعند أئمة سمرقند مخلوق، وقيـل: الاختـلاف بيـنهـم في الحقيقة؛ لأن البخاريين قالوا: الإيمان هداية الرب لعبده إلى معرفته، وذٰلک غير مخلوق. والسمرقنديين قالوا: الإيمان فعل العبد، وإنه مخلوق. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴/۱۸ رقم: ۲۷۸۴۹ زكريا، ومثله في الفقه الأكبر ۲۴۴)

قـال فـي شـرح الـعـقـائد النسفية: واللّٰه تعالىٰ خالق أفعال العباد كلها من

الـكـفـر والإيـمـان والـطـاعة والـعـصيان لا كما زعمت المعتزلة أن العبد خالق لأفعاله. (شرح عقائد مع النبراس ۱۷۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۲/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اسلام میں داخل ہونے کے کیا شرائط ہیں؟

سوال (۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی ہندو شخص کو اسلام قبول کرنا ہو تو اس کو اسلام کے کن کن شرائط کو عمل میں لانا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص اسلام میں داخل ہونا چاہے اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دے، اور اسلام کے تمام عقائد کی تصدیق کرے اور کفر وشرک کے تمام شعائر سے اظہار برأت کرے، بہتر ہے کہ اسلام لانے سے پہلے غسل کرکے اچھی طرح طہارت حاصل کرلے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۲۰۲/۱)

عـن خليفة بن حصين عن جده قيس بن عاصم قال: أتيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أريد الإسلام فأمرني أن اغتسل بماء وسدر. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة/ باب رجل يسلم فيؤمر بالغسل ۵۱/۱، رقم ۳۵۵)

وإسـلامـه أن يأتي بكلمة الشهادة ويتبرأ عن الأديان كلها سوى الإسلام.

(الـفتـاوىٰ الهـنـديـه، كتاب السير/ الباب التاسع في أحكام المرتدين ۲۵۳/۲، البحر الرائق، كتاب السير/ باب أحكام المرتدين ۲۱۶/۵ رشيديه، ۷٤/۵ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۳/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دین پر پوری طرح عمل لازم ہے

سوال (۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا دین پر بس ایک حد تک رہنے کا نام ہے؟ کیا اس کو اپنی زندگی میں اتارنا بے وقوفی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام کی نظر میں دین زندگی کے لئے لازم وملزوم ہے، بس انسان کے لئے ضروری ہے کہ پیدائش سے لے کر موت تک اس کا ہر عمل شریعتِ محمدی کے مطابق ہو۔ معاشرت، سیاست، تجارت الغرض ہر موڑ پر شرعی رہنمائی کی پاس داری لازم ہے، اور جو شخص دین کو زندگی میں اتارنے کو بے وقوفی کہتا ہے وہ خود بے وقوفی میں مبتلا ہے، اور قرآنِ پاک کی ہدایت کے برخلاف نظریہ رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ، إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [البقرة: ۲۰۸] اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو؛ کیوں کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

نیز ایک دوسری آیت میں تمام اہل ایمان کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس رنگ کو سب سے بہترین رنگ قرار دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کا رنگ یہی شریعتِ محمدی ہے جس کے اثرات ہر مؤمن کی نقل وحرکت سے عیاں (ظاہر) ہونے چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ، وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً، وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۳۸] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نجات کا دارومدار اعمال پر ہے یا عقائد پر؟

سوال (۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: شریعت میں نجات کا دارومدار اعمال پر ہے یا عقائد پر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دین کے بنیادی عقائد پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص نجات نہیں پاسکتا، اگرچہ اس کے اعمال دیکھنے میں کتنے اچھے کیوں نہ ہوں، اور اگر عقائد درست ہوں؛ لیکن عمل خراب ہو تو انجام کار جنت میں داخلہ تو مل جائے گا؛ لیکن عمل میں کوتاہی کی وجہ سے سزا بھگتنی پڑسکتی ہے۔

﴿اِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ [المائدة: ٧٢]

إن الإيمان في كلام الشارع قد جاء بمعنى أصل الإيمان، وهو الذي لايعتبر فيه كونه مقرونا بالعمل – إلى قوله – فإن الإيمان المنجي من دخول النار هو الثاني باتفاق جميع المسلمين، والإيمان المنجي من الخلود في النار هو الأول باتفاق أهل السنة. (عمدة القاري بيروت ١٠٤/١)

إن مذهب أهل السنة وما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً دخل الجنة قطعاً – إلى قوله – فلا يخلد في النار أحد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصي ما عمل كما أنه لا يدخل الجنة أحد مات على الكفر ولو عمل من أعمال البر ما عمل. (شرح النووي على مسلم ٤١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایمان کی طاقت کو اللہ کی طاقت سے زیادہ کہنا؟

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے بیان کے درمیان یہ لفظ بولا کہ ”ایمان کی طاقت اللہ کی طاقت سے زیادہ ہے“، اور یہ لفظ قصداً بولا، تو کیا حکم ہے؟ یا سہواً بولا تو کیا حکم ہے؟ زید نے یہ الفاظ جو استعمال کئے ہیں آدھا

گھنٹہ بیان ایمان پر کیا ہے، پھر یہ الفاظ استعمال کئے اور کئی بار بولا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اب زید کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا یہ کہنا کہ ''ایمان کی طاقت اللہ کی طاقت سے زیادہ ہے'' محض جہالت ہے؛ اس لئے کہ ایمان اللہ کا ایک امر ہے، اور قدرت خداوندی کے ماتحت ہے اور جو چیز ماتحت ہو وہ اصل سے زیادہ طاقت ور کیسے ہوسکتی ہے؟ اس لئے زید پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے اور آئندہ ایسے کلمات زبان سے نہ نکالے اور احتیاطاً نکاح کی تجدید کرے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا﴾ [النساء: ١٣٦]

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: إن وفد عبد القيس أتوا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ...... فأمرهم بالإيمان باللّٰه وحده، وقال: أتدرون ما الإيمان باللّٰه؟ قالوا: اللّٰه ورسوله أعلم، قال: شهادة أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأن محمداً رسول اللّٰه، وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، وأن تؤدوا خمسًا من المغنم. (صحيح مسلم، الإيمان / باب الأمر بالإيمان باللّٰه تعالىٰ ورسوله رقم: ٢٤)

النكاح فهو لا شك فيه احتياطا خصوصا فى حق المحج الأرذال الذين يشتمون بهذه الكلمة. (شامی زکریا ٦/٣٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۷/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ موجود ماننا شرک ہے؟

سوال (۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: سعودی عرب میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر جگہ موجود سمجھنا شرک ہے، صرف اوپر رہنے کا یقین ضروری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''ناظر'' تو ٹھیک ہے مگر ''حاضر'' کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جسم وجسمیات سے پوری طرح منزہ اور بالاتر ہیں، حاضر وناظر کا یہ مطلب نکالنا کہ جس طریقہ سے ہمارے کہیں موجود ہونے کے لئے جسم کا وجود ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے جسم و جثہ کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے یہ تشریح نامناسب ہے؛ بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے ہر جگہ حاضر وناظر ہے اور کوئی بھی چیز اس کے علم وقدرت سے باہر نہیں ہے، اور ہمارے عرف میں جو حاضر وناظر بولا جاتا ہے یہ ایک ہی معنی میں ہے یعنی جو ناظر کے معنی ہیں وہی حاضر کے معنی ہیں، اردو میں تعبیرات میں مترادفات کا استعمال عام ہے اس حقیقت کو نظر انداز کرکے ناظر اور حاضر کو الگ الگ معنی میں رکھ کر علماء دیوبند اور علماء حق سے بدگمانی پیدا کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک بھی حاضر وناظر سے جسمانی وجود مراد نہیں بلکہ اللہ کا علیم وخبیر ہونا مراد ہے اور حاضر وناظر کی تعبیر قرآنی آیات: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحديد: ٤] اور: ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق: ١٦] وغیرہ سے ماخوذ ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ [السباء: ٣]

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ [آل عمران: ٥]

﴿وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ [إبراهيم: ٣٨]

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الطلاق: ١٢]

وإنما المراد إحاطة عظمة وسعة وعلم وقدرة (شرح العقيدة الطحاوية ٢٨١ قديم)

ولا يتمكّن في مكان؛ لأن التمكن عبارة عن نفوذ بعض في آخر متوهم أو متحقق يسمونه المكان والعبد عبارة عن امتداد قائم بالجسم أو بنفسهٖ عند القائلين بوجود الخلاء والله تعالىٰ منزه عن الامتداد والمقدار لاستلزامه التجزي......الخ.

ومحمل الكلام وزبدة المرام أن الواجب لا يشبه الممكن، ولا الممكن يشبه الواجب فليس بمحدود ولا معدود ولا متصور ولا متبعض ولا متحيز ولا متركب ولا متناه ولا يوصف بالمائية والماهية ولا بالكيفية من اللون والطعم والرائحة الحرارة والبرودة واليبوسة وغير ذٰلک مما هو من صفات الأجسام، ولا متمكن في مكان لا علو و لا سفل ولا غيرهما ولا يجرى عليه الزمان كما هو يتوهمه المشبهة المجسمة والحلولية. (شرح العقائد النسفية ۳۹-٤۰، شرح الفقه الأكبر ۳۳-۳٤ دار الكتب العلمية، بيروت)

وجه ذٰلک أن جهة العلم لما كانت أشرف أضيف إليها ...... والمقصود علو الذات والصفات وليس ذٰلک باعتبار أنه محله أو جهته، تعالىٰ الله عن ذٰلک علوا كبيراً. (عمدة القاري ۲٥/ ۱۱٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اللہ کے لئے ’’ید‘‘ (ہاتھ) ہونے کا عقیدہ

سوال (۱۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کتاب ’’مباحث العقیدہ‘‘ مکتبۃ الرشید ریاض سے شائع ہوئی ہے، مبسوط کلام ہے، آخر میں پورے کلام کا خلاصہ ۱۳ رنمبروں میں تحریر ہے۔ خلاصہ کا عکس ارسال ہے، ایک عالم صاحب سے اس کا ترجمہ بھی کرایا ہے، وہ بھی ارسال ہے، ہم عربی اور اردو دونوں کے مجموعہ کو چھاپنے کا

ارادہ کررہے ہیں، ترجمہ بھی پیش ہے، ان میں فقرہ نمبر۱۱رقابلِ تشویش ہے، جس کی عبارت یہ ہے:

”للّٰہ تعالیٰ یدان حقیقیتان وهما من صفات الکمال التي اتصف بها – سبحانه – وإنهما کما یلیق بجلاله، وما ورد في شأنهما من الإمساک والطي، والقبض والبسط والحثیات وخلق الخلق بالیدین وکتب التوراة بیده وغرس جنة عدن بیده، وکون المقسطین عن یمینه وتخییر اٰدم بین ما في یدیه، وأخذ الصدقة بیمینه یربیها لصاحبها، وأنه مسح ظهر اٰدم بیده إلی غیر ذٰلک مما ورد في شأنها مما یدل دلالة واضحة علی أنها ید حقیقیة کما أخبر بذٰلک – جل وعلا – وأن تأویلها بالقدرة أو النعمة أو القوة تأویل ظاهر البطلان)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کے حقیقی دو ہاتھ ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال میں سے ہیں جن سے وہ متصف ہے، اور وہ دونوں ہاتھ اس طرح کے ہیں جیسے اس کی شان عالی کے لائق ہوں، اور ان دونوں ہاتھوں کے بارے میں (قرآن وحدیث میں) جو وارد ہے یعنی پکڑنا، لپیٹنا، بند کرنا، پھیلانا، مٹھی بھرنا، دونوں ہاتھوں سے مخلوق کو پیدا کرنا، اپنے ہاتھ سے توریت لکھنا، جنت میں اپنے ہاتھ سے درخت لگانا، انصاف پسندوں کا اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ کے دائیں جانب رہنا، اپنے ہاتھوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کو اختیار دینا اور صدقہ کا مال اپنے ہاتھ میں لے کر اس میں اضافہ کرنا، اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنا وغیرہ باتیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی ہاتھ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، اور ان ہاتھوں کی تاویل کرنا کہ اس سے قوت وقدرت اور نعمت مراد ہے تو یہ ظاہراً باطل ہے۔

مسئلہ عقائد کا ہے، اصل کتاب کے لئے فرمائیں تو وہ بھیج دی جائے، ہم لوگ فضل الٰہی سے مسلم بچوں کے عقائد ٹھوس بنانے کی محنت میں لگے ہوئے ہیں، اگر کوئی غلط عقیدہ بچوں میں اتر گیا تو اس کا وبال ہم لوگوں پر ہوگا، مفتیانِ کرام کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقرہ ۱۱؍ میں جو عقیدہ لکھا گیا ہے وہ سلفِ صالحین کی رائے کے مطابق ہے۔ یعنی یہ تو یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں؛ لیکن وہ کیسے ہیں؟ کس طرح کے ہیں؟ ان کی شکل وہیئت کیا ہے؟ اس بارے میں ادراک کرنے سے عقل انسانی عاجز ہے، اس کی کیفیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اس کی تشبیہ انسانوں کے ہاتھ سے نہیں دی جاسکتی، لیکن اس فقرہ کے اخیر میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ اس کی کسی طرح سے بھی تاویل باطل ہے، یہ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، بلکہ علماء حق کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر الفاظ ساتھ دیں تو عوام کو سمجھانے کے لیے ان صفات کی مناسب تاویل کی جاسکتی ہے تاہم اس تاویل پر کامل یقین نہ کیا جائے۔ (المہند علی المفند) اس لئے مناسب یہ کہ اگر یہ فقرہ چھاپا جائے تو اس میں مذکورہ وضاحت بھی کر دی جائے۔

وقال سلف الأمة رضي اللّٰه عنهم: أن هٰذا من المتشابه وتفويض تاويله إلى اللّٰه تعالىٰ هو الأسلم، وقد صح عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه أثبت للّٰه تعالىٰ عز وجل يدين، وقال: وكلتا يديه يمين ولم يرو عن أحد من أصحابه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليهم، أنه أول ذٰلك بالنعمة أو بالقدرة بل أبقوها كما وردت وسكتوا. (روح المعاني ١٨١/٦)

ونعم ما قال الإمام المالك حيث سئل عن ذٰلك: الاستواء معلوم، والكيف مجهول، والسوال عند بدعة، والإيمان به واجب. (شرح الفقه الأكبر ٤٦، فتاویٰ دار العلوم ديوبند ١٠٩/١٨)

عن عبد اللّٰه بن عباس رضي اللّٰه عنه وأكثر المفسرين أنه تأولوا ''استوىٰ'' في قوله عز وجل: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوىٰ﴾ بمعنى: ارتفع، ومثله: ما رواه ابن حجر عن ابن بطال من كلام طويل عن معنى الاستواء في الآية المذكورة إلى أن قال: وأما تفسير استوىٰ ''علا'' فهو صحيح وهو المذهب

وقول أهل السنة. (فتح الباري ۱۳/ ۳۱۵)

من ذٰلک ما صح من تاويل الإمام محمدؒ "جاء" في قوله عز وجل: ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾ بمعنی و جاء أمر ربک کما قال تعالیٰ: ﴿اَوْ يَأْتِيَ اَمْرُ رَبِّکَ﴾. (کتاب الأسماء و الصفات ۲۹۲ بحواله: علماء ديوبند کے عقائد و نظريات ۴۶-۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۸/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بیداری کی حالت میں خدا کو کس نے دیکھا ہے؟

سوال (۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خدا کی مخلوق میں سے بیداری کی حالت میں خدا کو کسی نے دیکھا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین پر رہتے ہوئے کسی بھی انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار نصیب نہیں ہوا؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر معراج میں آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں آپ کو دیدارِ خداوندی نصیب ہوا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، رویت اور عدم رویت دونوں باتیں مدلل ہیں، اس لئے اس معاملہ میں توقف کرنا چاہئے، اور خواہ مخواہ بحث نہ کرنی چاہئے۔

قال الحافظ ابن حجرؒ: اختلف السلف في رؤية النبي صلی اللّٰه عليه وسلم ربَّه فذهبت عائشة وابن مسعود رضي اللّٰه عنهما إلی إنكارها، واختلف عن أبي ذر، وذهب جماعةٌ إلی إثباتها وحكی عبد الرزاق عن معمر عن الحسن أنه حلف أن محمداً رایٰ ربه، وأخرج ابن خزيمة عن عروة بن الزبير إثباتها وكان يشدُّ عليه إذا ذكر له إنكار عائشة، وبه قال سائر أصحاب ابن عباس رضي

اللّٰـه عنهما، وجزم به كعب الأحبار والزهري وصاحبُه معمر وآخرون وهو قول **الأشعري**. (فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان / باب قول اللّٰه تعالىٰ: لقد رآه نزلة أخرىٰ، وهل رأى النبي ﷺ ليلة الإسراء ۳۲۷/۱)

والحاصل أن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه كان يذهب في ذٰلك إلى أن الذي رآه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم هو جبريل كما ذهبت إلى ذٰلك عائشة. (فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان / باب قول الله تعالىٰ: لقد رآه نزلة أخرىٰ، وهل رأى النبي ﷺ ليلة الإسراء ۳۲۷/۱)

فالحاصل أن الراجح عند أكثر العلماء أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رأى ربه بعيني رأسه ليلة الإسراء لحديث ابن عباس وغيره مما تقدم وإثبات هٰذا لا يأخذونه إلا بالسماع من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (شرح النووي على مسلم كتاب الإيمان، باب قول الله تعالىٰ: لقد رآه نزلة أخرىٰ، وهل رأى النبي ﷺ ليلة الإسراء)

وقد رجح القرطبي في المفهم قول الوقف في هٰذه المسئلة وعزاه إلى الجماعة من المحققين وقواه بأنه ليس في الباب دليل قاطع وليست المسألة من العمليات فيكتفي فيها بالأدلة الظنية وإنما هي من المعتقدات فلا يكتفي فيها إلا بالدليل القطعي. (نعمة المنعم ۴۴۸/۱، المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي، كتاب الإيمان / باب هل رأى محمد ﷺ ربه ۴۰۲/۱-۴۰۳ بيروت، معارف القرآن ۲۰۵/۸ تفسير سورة النجم زكريا قديم، وإتمام البحث في فتح الباري، كتاب التفسير، سورة النجم: ۷۸۰/۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۶/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کیا نبی کو اللہ کے ساتھ کسی چیز میں شریک کیا جا سکتا ہے؟

سوال (۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: شرک کرنا کیسا ہے؟ کسی نبی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز میں شریک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرک؛ عظیم گناہ اور نا قابل معافی جرم ہے، کسی نبی کو اللہ کی ذات یا صفاتِ عالیہ میں کسی بھی درجہ میں شریک کرنا قطعاً حرام ہے۔

﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳]

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾. [النساء: ٤٨] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸؍۴؍۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انسان، فرشتہ اور جن کے علاوہ کون سی مخلوق مکلّف ہے؟

سوال (۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انسان فرشتہ اور جن کے علاوہ دوسری کوئی مکلّف مخلوق ہے یا نہیں، اگر نہ ہو تو انبیاء کرام کس ذات میں شمار کئے جائیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان، جنات اور فرشتے سب اطاعتِ خداوندی کے مکلّف ہیں اور دیگر مخلوقات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں؛ لیکن جزاء اور سزا کا تعلق صرف انسان اور جنات سے ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں صنفیں فرماں برداری اور نافرمانی دونوں کی صلاحیت رکھتی ہیں، جب کہ فرشتہ اور دیگر مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے بال برابر بھی روگردانی کی صلاحیت نہیں رکھی؛ لہٰذا وہ من جانب اللہ جزا وسزا کے مکلّف نہیں ہیں؛ البتہ مخلوقات میں سے اگر کسی مخلوق نے دوسری مخلوق کی حق تلفی یا اس پر ظلم کیا ہوگا، مثلاً کسی جانور نے دوسرے جانور کو ستایا ہوگا تو میدانِ محشر میں اس کو بدلہ دلوا کر پھر سب کو مٹی میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تعلق صنفِ انسان سے ہے؛ لہٰذا وہ بھی بلا شبہ شرعی احکام کے مکلّف ہیں۔

﴿وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ [بنی اسرائیل: ٤٤]

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ [الاحزاب:٧٢]

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذّٰریت: ٥٦]

﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الرحمٰن: ٣٣]

وتخصيص الإنسان بالذكر مع أن الجن مكلفون أيضاً وكذٰلك الملائكة عليهم السلام. (روح المعاني ١٣٩/١٢)

فقال ابن عبد البر: الجن عند الجماعة مكلفون. وروى أبو الشيخ في تفسيره عن مغيث بنسمي قال: ما من شيءٍ إلا وهو يسمع زفير جهنم إلا الثقلين الذين عليهم الحساب والعقاب. (فتح الباري ٣٤٤/٦-٣٤٦)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لتؤدن الحقوق إلى أهلها حتى تقاد الشاة الجلحاء من الشاة القرناء. (سنن الترمذي ٦٧/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کلام اللہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

سوال (۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کلام اللہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کلام اللہ کے حروف گوکہ مخلوق ہیں؛ لیکن نفس کلام الٰہی جوحروف والفاظ سے مستغنی ہے، قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ شرح فقہ اکبر میں تحریر ہے: **ولفظنا بالقرآن مخلوق، وكتابتنا له مخلوقة، وقراء تنا له مخلوقة، والقرآن غير مخلوق ......، والحروف مخلوقة؛ لأنها أفعال العباد، وكلام اللّٰه سبحانه وتعالىٰ غير مخلوق؛ لأن الكتابة والحروف والكلمات والآيات كلها آلة القرآن لحاجة العباد إليها، وكلام اللّٰه تعالىٰ قائم بذاته.** (شرح الفقه الأكبر ٤٨ بيروت)

القرآن كلام اللّٰه تعالىٰ غير مخلوق ولا محدث، والمكتوب في المصاحف دال على كلام اللّٰه تعالىٰ وأنه مخلوق. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٥/١٨ رقم: ٢٧٨٥٣ زكريا)

وإن القرآن كلام اللّٰه، منه بدأ بلا كيفية قولاً، وأنزله على رسوله وحياً، وصدَّقه المؤمنون على ذٰلك حقاً، وأيقنوا أنه كلام اللّٰه تعالىٰ بالحقيقة، ليس بمخلوق ككلامة البرية. (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الدمشقي ١٠٢ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۰/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اللہ کے نزدیک حضور زیادہ محبوب ہیں یا دین اسلام؟

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اللہ کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس زیادہ محبوب ہے یا دین اسلام زیادہ محبوب ہے؟ آج کل زیادہ تر ہمارے ساتھیوں کی زبان پر یہ جملے ہیں کہ: ’’اللہ کے نزدیک دین زیادہ محبوب ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے؛ اسی لئے اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دین کی خاطر پٹتے ہوئے دیکھا، مگر دین مٹتے نہیں دیکھا‘‘، اس سلسلہ میں شرعاً کیا فیصلہ ہے؟ عند اللہ دین اسلام زیادہ محبوب ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرورعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دین محمدی دونوں لازم ملزوم ہیں، نہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور بغیر دین اسلام کے ممکن ہے، اور نہ ہی دین اسلام کا تصور بغیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے متصور ہے، بریں بنا یہ سوال ہی مہمل ہے کہ عنداللہ اسلام محبوب ہے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دونوں محبوب و پسندیدہ ہیں۔

اور سوال میں جو جملہ منقول ہے کہ: ''اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دین کی خاطر پٹتے ہوئے دیکھا، مگر دین مٹتے نہیں دیکھا''، یہ تعبیر نہایت جاہلانہ ہے؛ کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کو جو بھی تکلیفیں پہنچیں، وہ ان کے لئے رفع درجات کا سبب ہیں؛ لہٰذا ایسی تعبیرات سے ہر مسلمان کو احتراز کرنا لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالی: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹]

أخرج الترمذي حديثاً طويلاً، قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ألا وأنا حبيب اللّٰه ولا فخر ...... وأنا أكرم الأولين والآخرين ولا فخر. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲۰۲/۲)

والمعتقد المعتمد أن أفضل الخلق نبينا حبيب الحق، وقد ادعى بعضهم الإجماع على ذٰلک، فقد قال ابن عباس رضي اللّٰه تعالیٰ عنهما: إن اللّٰه فضّل محمداً على أهل السماء وعلى الأنبياء. (شرح الفقه الأكبر ۱۱٤)

وأفضل الأنبياء محمد صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم لقوله تعالیٰ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ اُخْرِجَتْ. الآية﴾ وعندنا في الاستدلال وجهان:

أحدهما: الإجماع، فهو قول لم يعرف له مخالف من أهل السنة بل من أهل القبلة كلهم.

ثانيهما: الأحاديث المتظاهرة لقوله صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: ''إن اللّٰه فضّلني على الأنبياء، وفضّل أمتي على الأمم''. (سنن الترمذي) وقوله: ''أنا سيد

الناس يوم القيامة". (صحيح مسلم) **وقوله: "أنا أكرم الأولين والآخرين على اللّٰه ولا فخر"**. (سنن الترمذي والدارمي) **وقوله: "إذا كان يوم القيامة كنت إمام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم غير فخر"**. (سنن الترمذي) **وأمثالها كثيرة**. (النبراس، شرح شرحِ العقائد النسفية ۲۸۶ ملتان، بحواله: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳۸۶/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اللہ کے دین کے مقابلہ میں شخصیات یا نبی کی کوئی حیثیت نہیں؟

سوال (۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غیر مقلد شخص نے مسجد میں اجتماع عام میں بیان کیا اور اس نے بیان اس طرح شروع کیا کہ: "اللہ کے دین کے مقابلہ میں شخصیات کا کوئی مقام اور حیثیت نہیں، حتی کہ اللہ کے دین کے مقابلہ میں نبی کی بھی کوئی حیثیت نہیں"۔

اور آگے چل کر بیان کے دوران بھی کہا کہ: "اس دور میں دین کا سب سے بڑا دشمن وہ عابد ہے، جو گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہو"۔

اور یہ شخص علماء پر بھی تنقید کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اللہ کے دین کے مقابلہ میں شخصیات یا نبی کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور ایسے شخص سے تعلق رکھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: برتقدیرِ صحت سوال مذکورہ شخص کی بیان کردہ باتیں علی الاطلاق صحیح نہیں ہیں، اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کو معیارِ حق بنایا ہے، جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱] (یقیناً تمہارے

لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے)

اور فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۳۱] (اے پیغمبر! آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو)

اسی طرح دیگر آیات واحادیثِ طیبہ سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کے لئے عملی نمونہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنتوں کے ساتھ خلفاء راشدین کے بتائے ہوئے طریقوں کے اتباع کا بھی اُمت کو حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ. (مسند أحمد ١٢٦/٤، سنن ابن ماجة ٥، مشكوٰة المصابيح ٣٠، مرقاة المفاتيح ٣٧١/١ بيروت)

(تم پر میری سنت کے ساتھ ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقوں پر چلنا بھی لازم ہے، ان پر مضبوطی سے قائم رہو اور دانت گاڑے رکھو)

اور اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سب عادل اور برحق ہیں۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: من كان مستنا فليستن بمن قد مات، فإن الحيّ لا تُؤمن عليه الفتنة، أولٰئک أصحاب محمد صلى اللّٰه عليه وسلم أبرّها قلوباً، وأعمقها علماً، وأقلها تكلفهاً، اختارهم اللّٰه لصحبة نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم ولإقامة دينه فأعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم على إثرهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم. (مشكوٰة المصابيح ٣٢/١) **ومثله عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما.** (كذا في الحلية الأولياء لأبي نعيم الأصفهاني ٣٠٥/١، بحواله: حياة الصحابة ٢٣/١-٢٤)

الصحابة كلهم عدول مطلقاً لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يعتد به. (مرقاة المفاتيح ٥/١٧/٥)

ذهب جمهور العلماء إلى أن ليس في الصحابة من يكذب وغير ثقة. (عمدة القاري ١٠٥/٢)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کے مفسر وشارح ہیں، ان کے اعمال دین کے خلاف نہیں؛ بلکہ دین کی تشریح کرنے والے ہیں، دین کو ان حضرات کے اعمال وکردار کی روشنی میں سمجھا جائے گا اور ہدایت حاصل کی جائے گی، ان شخصیات کی عظمت اور اہمیت کا انکار خودفریبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح گھر میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے کو دین کا مطلق دشمن قرار دینا بھی غلط ہے، ہر شخص اپنے دین کی حفاظت کا پابند ہے، اب اگر کوئی شخص اس پرفتن زمانہ میں اپنے دین کی حفاظت اور معاصی سے بچنے کے لئے کنارہ کشی کر کے سنت کے مطابق عبادت میں مشغول رہتا ہے، تو اسے قابلِ ملامت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتنوں کے دور میں گھروں میں زیادہ وقت گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: **عن أبي موسیٰ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إن بين يدي الساعة فتنا ...... و الزموا فيها أجواف بيوتكم.** (یعنی فتنوں کے زمانے میں اپنے گھروں کو لازم پکڑو)۔ (سنن الترمذي، أبواب الفتن/ باب ما جاء ستكون فتنة كقطع الليل المظلم ٤٤/٢ رقم ٢٢٠٢ سنن أبي داؤد، الفتن الملاهم / باب في النهي السعي في الفتنة رقم: ٤٢٥٩)

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: قلت يا رسول الله! ما النجاة؟ قال: أملك عليك لسانك وليسعك بيتك وابك على خطيئتك. (سنن الترمذي، أبواب الزهد / باب ما جاء في حفظ اللسان، ٦٦/٢ رقم: ٢٤٠٦)

اور علماء حق پر تنقید بھی انتہائی خطرناک ہے؛ اس لئے ایسے شخص کو اپنی حرکتوں سے باز آنا چاہئے، دوسرے لوگوں کو بھی اسے سمجھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

وفي الخلاصة: من أبغض عالماً من غير سبب ظاهرٍ خيف عليه الكفر.

(شرح الفقه الأكبر، فصل في العلم والعلماء ۱۷۳ قديمی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۶/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عصمتِ انبیاء کا ثبوت قرآن وحدیث سے

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں، عصمتِ انبیاء کو قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ثابت کردیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: متعدد آیات واحادیث سے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا پتہ چلتا ہے، مثلاً:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ [الطور: ٤٨]

﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا، لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾. [جن: ٢٧] وغیرہ۔

اور مسلم شریف کی یہ روایت عصمت انبیاء علیہم السلام پر صریح ہے:

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما منكم من أحد إلا وقد وكل به قرينه من الجن وقرينه من الملائكة، قالوا وإياك يا رسول اللّٰه قال: وإياك ولكن اللّٰه أعانني عليه فأسلم فلا يأمرني إلا بخير. (كتاب صفة القيامة / باب تسويس الشيطان وبعثه مراماه وفتنته رقم ٢٨١٤، رواه حاكم، كتاب الإيمان / باب الوسوسة رقم ٦٩)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کے پاس ایک شیطان اور ایک فرشتہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: آپ کے ساتھ بھی یا رسول اللہ! فرمایا: ہاں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری مدد فرمائی، وہ میرے تابع ہو گیا، وہ مجھے بھلائی کا ہی حکم دیتا ہے۔

نیز حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں ہمارے سامنے آئینہ کی طرح موجود ہیں، جن میں کہیں منکر ومعصیت کا نام نہیں ملتا، اور جن بعض اجتہادی باتوں میں خلافِ منصبِ نبوت امور ان حضرات کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، ان کی بہتر تاویلات وتوجیہات علماء تفسیر نے فرمائی ہیں، ان کو ملاحظہ کیا جائے۔ (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱۶۰/۶ کراتشی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عصمتِ صبی اور عصمتِ نبی میں کیا فرق ہے؟

سوال (۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عصمتِ صبی وعصمتِ نبی میں کیا فرق ہے؟ میرے ذہن میں یہ فرق ہے کہ بچہ تو عدم تکلیف کی بنا پر معصوم ہے اور نبی مکلّف ہونے کے باوجود معصوم ہوتا ہے، مگر یہ ذہنی اختراع ہے کہیں نظر سے نہیں گذرا، اس لئے تحقیق کے ساتھ مع حوالہ جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصمتِ انبیاء اور عصمتِ اطفال کے درمیان فرق کے سلسلہ میں آپ نے جو بات لکھی ہے کہ ان میں تکلیف اور عدم تکلیف کا فرق ہے، یہ بالکل واضح ہے اور حدیث نبوی: **رفع القلم عن ثلاثة ......وعن الصبي حتی یکبر.** (سنن أبي داؤد ۶۰۴/۲) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور بچہ کی یہ عصمت صرف اس معنی کر ہے کہ اس سے زمانہ طفولیت کے کسی فعل پر آخرت میں مؤاخذہ نہ ہوگا، ورنہ دنیوی اعتبار سے اس سے فعل گناہ صادر ہو سکتا ہے، مثلاً وہ ظلماً کسی کو مار دے یا چوری کر لے یا شراب پی جائے وغیرہ، اس کے برخلاف

حضرات انبیاء علیہم السلام سے مکلّف ہونے کے باوجود گناہ کا صدور ہی نہیں ہوسکتا، وہ جذبۂ معاصی سے پوری طرح معصوم اور محفوظ ہوتے ہیں اور گناہ کا اختیار ہونے کے باوجود ان سے معصیت صادر نہیں ہوسکتی، اہلِ سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ: ’’بچوں میں معصومیت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ ان میں گناہ کرنے کی قوت بیدار نہیں ہوتی، صرف مادہ موجود ہوتا ہے اور انبیاء میں وہ ساری قوتیں موجود ہیں، پھر بھی وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے معصوم رہتے ہیں‘‘۔ (مجالس حکیم الاسلام ۵۴۷)

﴿وَلَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ٧٤]

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی﴾ [النجم: ٢]

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ [یوسف: ٢٤]

إن الأنبياء معصومون عن الكذب في التبليغ وغيره خصوصاً فيما يتعلق بأمر الشرائع وتبليغ الأحكام وإرشاد الأمة وهو أنهم معصومون من الكفر قبل الوحي وبعده بالإجماع. (نبراس ٢٨٣)

والمختار عندي أنهم معصومون عن وساوس الشيطان وعن الكذب والكبائر والصغائر عمداً وسهواً قبل البعثة وبعدها. (مرام الكلام ٣٢)

والأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر.

(شرح الفقه الأكبر ٥٦)

قال القاضي عياض: واعلم أن الأمة مجتمعة على عصمة النبي من الشيطان في جسمه وخاطره ولسانه. (تفسير خازن ٢/ ٢٧٠)

وأما تعريفها الحقيقي على ما ذكره في شرح المقاصد فهو أنها ملكة اجتناب المعاصي مع التمكن منها. (حاشية خيالي ١٠٧)

قال أئمة الأصول: الأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم معصومون لا يصدر عنهم ذنب ولو صغيرة سهواً ولا يجوز عليهم الخطاء في دين اللّٰه قطعاً وفاقاً للأستاذ أبي إسحق الأسفرايني وأبي الفتح الشهرستاني والقاضي عياض والشيخ تقي الدين السبكي وغيرهم. (اليواقيت والجواهر ٢/٢)

عن علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: "رفع القلم عن ثلاثة: عن الصغير حتى يبلغ، وعن النائم حتى يستيقظ، وعن المصاب حتى يكشف عنه". (مسند الإمام أحمد بن حنبل ١٨٧/١ رقم: ٩٤٣ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۳/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انبیاء علیہم السلام کو ''بڑے بھائی'' کہنے کا مطلب؟

سوال (۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے انبیاء واولیاء کو بڑا بھائی کہنے کی جسارت کی ہے، جیسا کہ ذیل کی عبارت سے واضح ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''یعنی تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو، باقی سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہئے، معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں؛ مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے''۔ (تقویۃ الایمان ۷۰، مطبوعہ فیصل پبلی کیشنز دیوبند) تو انبیاء کو بڑا بھائی کہنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عبارت ''تقویۃ الایمان'' مطبوعہ عبدالغنی

چاندنی چوک دہلی ص: ۹۵ پر موجود ہے، یہ بات حضرت نے مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھی ہے، جس میں یہ مضمون ہے: کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ''یارسول اللہ جب درخت اور چوپائے آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم لوگ آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں؟'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أعبدوا ربکم وأکرموا أخاکم** اپنے رب کی عبادت کرو (یعنی سجدہ صرف اللہ ہی کے لئے کرو) اور اپنے دینی بھائی (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۲)

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ مذکورہ عبارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کیوں کہا گیا ہے؟ دراصل حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں حدیث سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہی گئی ہے؛ بلکہ حدیث ہی کے اتباع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہا گیا ہے۔

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا یہ سوءادبی بھی نہیں ہے؛ اس لئے کہ قرآن کریم میں ہر نبی کو اپنی امت کا بھائی قرار دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِلٰی عَادَ اَخَاھُمْ ھُوْدًا﴾ [هود: ٥٠]

﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا﴾ [هود: ٨٤]

﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صَالِحًا﴾ [هود: ٦١]

﴿وإخوان لوط﴾ [ق: ١٣]

اسی طرح قرآن میں ہر مومن کو بھائی کہا گیا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ١٠]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی فرمایا ہے، بخاری کی حدیث ہے: **عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لو كنت متخذا من أمتي خليلاً لاتخذت أبابكر، ولكن أخي وصاحبي.** (صحيح البخاري ٥١٦/١، رقم: ٣٥٢٧)

اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی فرمایا ہے، ترمذی شریف میں ہے: **عن عمر رضي اللّٰه عنه أنه استأذن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في**

العمرة، فقال: أي أخي أشركنا في دعائک ولا تنسنا. (سنن الترمذي ٢/ ١٩٦)

اسی طرح بعد میں آنے والے تمام لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی فرمایا ہے:

وددت أنا قد رأينا إخواننا، قالوا: أو لسنا إخوانک يا رسول اللّٰه! قال: أنتم أصحابي وإخواننا الذين لم يأتوا بعد. (صحيح مسلم ١/ ١٢٧، سنن النسائي ١/ ١٩، سنن ابن ماجة ٣١٩)

ان تمام آیات واحادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بھی ایک دوسرے انسان کا بھائی قرار دینا قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔ (مستفاد: تائید محمدی ضمیمہ تقویۃ الایمان ۱۰۸)

البتہ تاج دار مدینہ، سرکار دو عالم اور آقائے نام دار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ صرف بھائی کے درجہ میں ہی ہیں، ان سے زیادہ آپ کی کوئی اور فضیلت نہیں ہے، تو یہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے؛ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱/۳۸۸)

اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عبارت سے اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف وہ اسی عبارت سے متصل لکھتے ہیں: ''ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے''۔

اور اسی کتاب کے ص: نمبر ۳۰ / پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس نے بے خبروں کو خبر دار کیا اور ناپاکوں کو پاک کیا اور جاہلوں کو عالم اور احمقوں کو عقل منداور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر چلایا''۔

لہٰذا مذکورہ عبارت (جو سوال میں ہے) سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف یہ نسبت کرنا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا مرتبہ گھٹا دیا ہے، محض الزام اور بہتان نیز حقیقت کے بالکل خلاف ہے، وہ تو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے صحیح وارث تھے، اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کو فروغ دینے میں صرف کردی حتی کہ اسی راہ میں اپنی جان قربان کردی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اُمتیوں کو بھائی کہنے والی روایت بیان کرنے والے کو گستاخِ رسول کہنا؟

سوال (۲۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں ایک عالم دین نے عوام کے درمیان اپنے ایک خطاب میں یہ فرمایا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امتیوں کو اپنا بھائی قرار دیا ہے، جن کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرحومین کو ایصال ثواب کرنے اور دعا مغفرت کے خاطر قبرستان میں تشریف لائے اور فرمایا: تم پر سلام ہو اے مومنین کی جماعت! انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کاش اپنے بھائیوں یعنی قیامت تک آنے والے اُمتیوں کو دیکھ لیتا! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میرے صحابی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے''۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ عمرہ کے لئے روانہ ہونے لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اے میرے چھوٹے بھائی ہم کو اپنی دعاء میں شریک کرنا اور فراموش نہ کرنا''۔

مذکورہ بالا الفاظ کی بنا پر کچھ لوگوں نے ان عالم صاحب کو گستاخ رسول قرار دیا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو اپنی امت کا بھائی کہنا حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا بھائی قرار دینے کی وجہ سے عالم مذکور کو گستاخ رسول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کرنے والا قرار دیا جاسکتا ہے، مذکورہ سوالات کے جوابات مفصل اور مدلل عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عالم صاحب نے اپنے بیان میں جو دو روایتیں پیش کی ہیں وہ صحیح سند سے ثابت ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں آپ نے

قیامت تک آنے والے امتیوں کو ''بھائیوں'' سے تعبیر فرمایا ہے، یہ حدیث شریف مسلم شریف وغیرہ میں موجود ہے۔ اسی طرح سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوٹا بھائی قرار دینے کی روایت صحیح سند سے متعدد کتبِ حدیث میں موجود ہے، اس لئے ان صحیح روایات کو بیان کرنے کی وجہ سے مذکورہ عالم دین کو گستاخِ رسول قرار دینا خود اپنی کم علمی کی دلیل ہے۔

لیکن یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ اس سے حقیقی بھائی نہیں؛ بلکہ دینی بھائی ہونا مراد ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اُخوت دینی کے اعتبار سے تمام مسلمان اہلِ ایمان اولین وآخرین سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

خود قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ اور ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار یارِ غار خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو واضح طور پر ''أخي في الدين'' (دینی بھائی) قرار دیا ہے؛ لہٰذا اس طرح کی اخوت پر کوئی اعتراض یا اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إلى المقبرة فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، وودت إني قد رأيت إخواننا، قالوا: يا رسول الله ألسنا إخوانک؟ قال: أنتم أصحابي، وإخواني الذين لم ياتوا بعد وأنا فرطهم على الحوض. (سنن النسائي ۱۹/۱، صحیح مسلم ۱۲۶/۱-۱۲۷، سنن ابن ماجة ۳۱۹)

إن عمر بن الخطاب رضي الله عنه استأذن النبي صلى الله عليه وسلم في عمرة، فأذن له، وقال: يا أخي أشركنا في دعائک ولا تنسأنا في دعائک. (سنن أبي داؤد ۲۱۰/۱، سنن ابن ماجة ۲۰۸، شعب الإيمان ۵۰۲/٦)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم أخو المسلم. (مسند أحمد ۹/۲، صحيح البخاري ۳۳۰/۱، سنن الترمذي ۲٦۳/۱)

قال صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذا من هذه الأمة خليلا دون ربي

عـز وجـل لاتـخـذت ابـن أبـي قحافة، ولكنه أخي في الدين، وصاحبي في الغار.
(مسند أحمد ٤/٤، سنن الترمذي ٢٠٧/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۷/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہنا؟

سوال (۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک سید البشر تھے، اورانسانی صفات اور کیفیات سے متصف تھے، اسی اعتبار سے قرآن کریم میں آپ سے متعدد جگہ اعلان کرایا گیا کہ: ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ یعنی اے پیغمبر! فرمادیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں؛ لہٰذا آپ کے بشر ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں؛ لیکن اس صفت بشریت کے باوجود آپ کی حیاتِ طیبہ اخلاق وکردار کے اعتبار سے فرشتوں کے لئے بھی قابلِ رشک تھی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ نفس بشریت میں سب انسانوں کی طرح ہیں؛ لیکن اعلیٰ صفات کے اعتبار سے کوئی انسان آپ کا ہم سر نہیں ہے؛ اس لئے اِن صفاتِ عالیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ کو محض اپنے جیسا انسان کہنا مناسب تعبیر نہیں ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۳۸۷/۱)

إن أفضل المخلوقات في الدنيا والآخرة هو سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم الذي جمع كل خلال الخير، ونعوت الكمال وبعثته صلى الله عليه وسلم عامة لجميع المكلفين، وأفضليته صلى الله عليه وسلم على جميع المخلوقات

مـمـا أجـمـع عـلـيـه الـمـسـلـمـون لـقـوله صلى اللّٰه عليه وسلم: أنا أكرم الأولين والآخرين على اللّٰه ولا فخر. (الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر ١٢٢)

ولا نـفـضـل أحـداً مـن الأولـيـاء عـلـى أحـد من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، ونقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء. (العقيدة الطحاوية ١٤)

ولا يبـلـغ ولـي درجة الأنبيـاء؛ لأن الأنبيـاء مـعـصـومـون مأمونون عن خـوف الـخـاتـمة، مـكـرمـون بـالـوحي ومشاهدة المَلَک، مأمورون بتبليغ الأحـكـام وإرشـاد الأنـام بعد الاتصاف بكلمات الأولياء، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر وضلال. (شرح العقائد النسفية للتفتاذاني ١٦٥-١٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''رحمۃ اللہ للعالمین'' حضور ﷺ کی صفتِ خاصہ ہے

سوال (۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لفظ ''رحمۃ اللہ للعالمین'' رسولِ کریم ﷺ کی صفتِ خاصہ ہے، حضور ﷺ کے علاوہ دیگر بزرگوں کو رحمۃ اللہ للعالمین کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قرآنِ پاک میں خاص طور پر نبی اکرم علیہ السلام کے لئے ''رحمۃ للعالمین'' کا لقب استعمال ہوا ہے، اس لئے اِس کے سب سے اعلیٰ مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں؛ لہٰذا کسی دوسرے نبی یا بزرگ کے لئے بلا تاویل ''رحمۃ اللہ للعالمین'' کے الفاظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ [الانبياء: ۱۰۷]

قال سعيد بن جبير عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان محمد ﷺ رحمة لجميع الناس فمن آمن به وصدّق به سعد، ومن لم يؤمن به سلِم مما لحق الأمم من الخسف والغرق. وقال ابن زيد: أراد بالعالمين المؤمنين خاصة. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٦/٢٥٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آنا مفسدِ صلوٰۃ ہے؟

سوال (۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آ جائے تو کیا نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے دوران محض خیال آ جانا نماز کے لئے مفسد نہیں ہے، اور یہ خیال آخر کیسے مفسد ہوسکتا ہے؟ جب کہ التحیات اور درود شریف پڑھتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام کا ذکر لازم ہے جو نماز کے واجبات وسنن میں شامل ہے؛ البتہ اگر اس طرح کا تصور نمازی کے ذہن میں جم جائے کہ وہ نعوذ باللہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت نہ کر کے پیغمبر علیہ السلام کی عبادت اور ان کے سامنے رکوع اور سجدہ کر رہا ہے، تو اس خاص صورت میں شرک فی العبادۃ کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ نماز فاسد ہوگی؛ بلکہ نمازی کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جائے گا؛ کیوں کہ غیر اللہ کی عبادت کا تصور بھی حرام ہے۔ (کفایت المفتی ۱/۱۵۹، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱/۳۷۹، ۶/۶۲۸)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ولو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها. (سنن الترمذي، أبواب الرضاع/ باب في حق الزوج على المرأة ١/٢١٩)

قال الملا علی القاري: فإن السجدة لاتحل لغير الله. (مرقاة المفاتيح ٢٧٢/٦)

السجود لغير الله علی وجه التكرمة والتحية منسوخ. (أحكام القرآن الكريم للجصاص ٣٢/١)

يجب حضور القلب عند التحريمة فلو أشتغل قلبه بتفكر مسألة مثلًا في أثناء الأركان فلا تستحب الإعادة، وقال البقالي: لم ينقص أجره إلا إذا قصر. (شامي زكريا ٩٤/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں حضور ﷺ کا خیال مبارک آنے سے متعلق علماء دیوبند اور مدرسہ شاہی کا موقف؟

سوال (۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گذشتہ کچھ دنوں سے مرادآباد اور اس کے اطراف میں دارالافتاء مدرسہ شاہی کی طرف منسوب کرکے ایک فتویٰ پھیلایا جارہا ہے جس کا سائل عمران علی گلی نمبر ا/ جامع مسجد مرادآباد ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ نعوذ باللہ نماز میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال آنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا واقعی یہ فتویٰ آپ کے دارالافتاء سے جاری ہوا ہے، اور اس بارے میں علماء دیوبند اور مدرسہ شاہی کا موقف کیا ہے؟ واضح طور پر تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر صاحبِ ایمان کی نظر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد سب سے بلند مرتبہ ذات نبی آخر الزماں، سرور عالم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے؛ اس اعتبار سے یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص صاحب ایمان بھی ہو اور اس کے دل میں حضور اکرم ﷺ کا خیال نہ رہتا ہو، خاص طور پر جب درود شریف پڑھا جاتا ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، تو حضور ﷺ کا خیال

ضرور آتا ہے، اس لئے یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا خیال آنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور علماء دیو بند وعلماء شاہی کا واضح موقف یہی کہ نبی اکرم ﷺ کا محض خیال اور تصور آنے سے نماز میں کوئی فساد نہیں آتا۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳/۳۳۳-۳۳۴، میرٹھ ۶/۱۶۵)

اور اس بارے میں سوال میں جس فتویٰ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ قطعاً جھوٹ اور من گھڑت ہے، دار الافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے اس طرح کا کوئی فتویٰ جاری نہیں ہوا ہے؛ بلکہ کسی شر پسند نے امت میں تفرقہ ڈالنے کے لئے یہ ناپاک حرکت کی ہے، وہ فوٹو کاپی اور اسکین کے ذریعہ کسی اور فتویٰ کی مہر اور دستخط اس جھوٹے فتویٰ پر لگا کر عوام میں انتشار پیدا کر رہا ہے، یہ حرکت انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ دار الافتاء مدرسہ شاہی اس سے قطعاً بری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۴/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیدۂ حیات النبی ﷺ

سوال (۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) کیا اہلِ سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ اور فیصلہ ہے، یا اس بارے میں ان کے مابین اختلاف ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی اسی قبر مبارک میں (جس میں دفن ہیں) اعادۂ روح کے ساتھ دنیوی حیات کی طرح زندہ ہیں اور اپنے جسد عنصری کے ساتھ عادۃً دیکھتے، سنتے، جواب دیتے ہیں؛ حالاں کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبات اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے۔

(۲) اگر کوئی عالم یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں دنیوی حیات کی طرف زندہ نہیں ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حیات برزخی حیات ہے اور جسم مبارک روضۂ اطہر میں قبر کے اندر محفوظ ہے البتہ روح پاک کا جسم مبارک سے ایک قسم کا تعلق رہتا ہے، جس کی حقیقت وکیفیت اللہ رب العزت ہی کو معلوم ہے، تو یہ عالمِ دین اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہوجائیں گے یا اس میں داخل رہیں گے؟ اور ایسے عالمِ دین کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) اہلِ سنت والجماعت کا یہ واضح عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اعلیٰ ترین درجہ کی حیات کے ساتھ تشریف فرما ہیں، یہ حیاتِ برزخی ایسی قوی ہے کہ اس کے اثرات دنیوی حیات تک رونما ہوتے ہیں، مثلاً:

الف:- انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی وراثت جاری نہیں ہوتی۔

ب:- انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کی ازواج مطہرات کو نہ تو عدت گذارنے کا حکم ہے اور نہ ہی ان کا کسی سے نکاح حلال ہوتا ہے۔

ج:- انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ بعینہٖ قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور ان کا روح سے ایسا خاص تعلق ہوتا ہے کہ وہ اپنی قبر پر حاضر ہوکر سلام کرنے والوں کا جواب مرحمت فرماتے ہیں؛ البتہ یہ زندگی دنیوی حیات سے بایں معنیٰ جداگانہ ہے کہ وفات کے بعد احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا مکلّف انہیں قرار نہیں دیا جاتا؛ لیکن اگر وہ چاہیں تو اپنی مرضی سے عبادات انجام دے سکتے ہیں اور سوال نامہ میں میں جن عالم صاحب کا عقیدہ نمبر۲ پر ذکر کیا گیا ہے وہ عقیدہ صحیح ہے، اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا شخص اہل سنت والجماعت سے خارج نہیں ہے اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا بلاشبہ درست ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون. (مسند أبو یعلی ۲۱۶/۳)

صح خبر "الأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون". (مرقاة المفاتیح ۲۶۱/۲)

لا شک في حیاته صلی اللّٰه علیه وسلم بعد وفاته، وکذا سائر الأنبیاء علیهم السلام أحیاء في قبورهم، حیاة أکمل من حیاة الشهداء التي أخبر ه اللّٰه بها في کتابه العزیز. (وفاء الوفاء ۴۰۷/۲)

وأما أدلة حیا ة الأنبیاء فمقتضاها حیاة الأبدان حالة الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء. (وفاء الوفاء ۴۰۷/۲)

عـن أنـس بـن مـالک رضـي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مررت على موسىٰ وهو يصلي في قبره. (صحيح مسلم ٢٦٨/٢ رقم: ٢٣٧٥)

وصـلوتهم في أوقات مختلفة وفي أماكن مختلفة لا يرده العقل، وقد ثبت به النقل، فدل ذٰلک على حياتهم. (فتح الباري ٣٣٠/٢)

و كما أن موسىٰ يصلي في قبره وكما صلى الأنبياء خلف النبي صلى اللّٰه عـليـه وسـلـم ليـلة الـمعـراج بيت المقدس وتسبيح أهل الجنة والملائكة فهم يمتعون بذلک و هم يفعلون ذلک بحسب ما يسره اللّٰه لهم ويصدره لهم ليس هو من باب التكليف الذى يمتحن به العباد. (فتاوىٰ ابن تيميه ٣٥٤/١)

عـن عـائشة رضـي الـلّٰـه عـنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا نورث ما تركنا فهو صدقة. (شمائل ترمذى ٢٨)

إن الـمـنـع هنا لانتفاء الشرط، وهو إما عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كـمـا اقتـضـاه الـحـديث، وإما عدم موت المورث بناء على أن الأنبياء أحياء في قبورهم كما ورد في الحديث. (رسائل ابن عابدين ٢٠٢/٢)

لا عدة على أزواجه لأنه حي فتزوجه باقية. (شرح زرقاني على المواهب ٣٣٤/٥)

لا عدة عـليهن لأنه صلى اللّٰه عليه وسلم حي في قبره وكذا سائر الأنبياء.

(مرقاة المفاتيح ٢٥٦/١١)

عـن ابـن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم : إن للّٰه ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام. (سنن النسائي ١٨٩/١)

قـال الـنبي صلى اللّٰه عليه وسلم : إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة – إلى قـولـه – وكيف تـعـرض صـلوتنا وقد أرمت؟ فقال: إن اللّٰه حرم على الأرض أن تاكل أجساد الأنبياء. (سنن النسائي ٢٠٤/١)

قال النبي صلى الله عليه وسلم : من صلى عليّ عند قبري سمعته ومن صلى عليّ نائيا أبلغته. (كنز العمال ۲٤۹/۱، برقم: ۲۱٦۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۵/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور ﷺ قبرِ مبارک میں جسدِ عنصری کے ساتھ موجود ہیں

سوال (۲٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جس کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے وہ دعوی کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ مبارکہ میں اپنے جسد عنصری کے ساتھ موجود نہیں ہیں، حضرات مفتیان کرام سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمائیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر مبارک میں جسد عنصری کے ساتھ موجود ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اپنی مبارک قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ تشریف فرما ہیں، اللہ تعالی نے مٹی پر یہ بات حرام کردی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد طیبہ کو ختم کرے اور مٹی میں ملائے، صحیح احادیث شریفہ سے یہ بات ثابت ہے؛ لہٰذا کسی مسلمان کے لئے اس کے انکار کی اجازت نہیں ہے۔

عن أوس بن أوس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا على من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة علي قال: قالوا: يارسول اللّٰه! وكيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت؟ قال: يقولون: بليت، فقال: إن اللّٰه عز وجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء. (سنن أبي داؤد ۱۵۰/۱، رقم: ۱۰٤۷، ۲۱٤/۱، رقم: ۱۵۳۱، المعجم الكبير ۲۱٦/۱، رقم: ۵۸۹، سنن ابن ماجة

۱۱۸/۱، رقم: ۱٦٣٦، ۱٦٣٧، مسند أحمد ٨/٤ برقم: ۱٦٢٦٢، سنن النسائي ۱٥٥/۱، رقم: ۱٣٧٠، السنن الکبری للنسائي ۱٩/۱ه، رقم: ۱٦٦٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳؍۱۰؍۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا حضور علیہ السلام اپنے ہر امتی کی مدد کے لئے دنیا میں تشریف لاتے ہیں؟

سوال (۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں پر ایک صاحب نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ہر امتی کی فریاد اور اس کی مصیبت دور کرنے تشریف لاتے ہیں؛ کیوں کہ انبیاء واولیاء کرام کو خداوند کریم دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اپنے دنیوی نظام کو چلانے کے کام پر لگا دیتا ہے۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کیا انبیاء واولیاء کرام کو دنیا کا نظام چلانے کے لئے لگا دیا جاتا ہے؟ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کے لئے پکارا جاسکتا ہے، اور کیا آپ مدد کے لئے تشریف لاتے ہیں؟ اگر نہیں تو ایسا عقیدہ رکھنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ شرعی عقیدہ جاننے کا خواہش مند ہوں؛ تاکہ گمراہی سے بچ سکوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد اقدس کے ساتھ حیات سے مشرف ہیں؛ لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ آپ اپنی امت کی مدد کے لئے ہر جگہ تشریف لاتے ہیں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی نظام چلانے میں لگا رکھا ہے، یہ عقیدہ خلافِ شریعت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ میں تن تنہا قادر ومختار ہے، اس کو قطعاً کسی درجہ میں بھی کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کو مدد کے لئے پکارنا بھی جائز نہیں ہے، یہ مدد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے گی، کسی نبی یا ولی سے نہیں۔ سورۂ فاتحہ میں ہے: ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحة: ٤] (ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے: **إذا سألت فاسئل اللّٰه وإذا استعنت فاستعن باللّٰه.** (سنن الترمذي رقم: ٢٥١٦، مشكوة المصابيح ٤٥٣/٢ رقم: ٥٣٠٢) (اور جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے مانگو، اور جب مدد کی ضرورت ہو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو) لہٰذا غیر اللہ سے براہِ راست استعانت موہم شرک اور ناجائز ہے۔

البتہ اللہ تعالیٰ سے کسی مقرب بزرگ یا نبی کے وسیلہ سے مانگنے کی اجازت ہے۔

عن أبي الدرداء رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي اللّٰه حي يرزق. (سنن ابن ماجة رقم: ١٦٣٧، مشكوٰة المصابيح على هامش المرقاة بيروت ٤١٥/٣، رقم: ١٣٦٦)

فإن منهم من قصد بزيارة قبور الأنبياء والصلحاء أن يصلي عند قبورهم ويدعوا عندها ويسألهم الحوائج، وهذا لا يجوز عند أحد من علماء المسلمين؛ فإن العبادة وطلب الحوائج والإستعانة للّٰه وحده. (مجمع بحار الأنوار ٢/ ٧٣، بحواله: عقائد أهل السنة والجماعة مدلل ١٧٦، حجة اللّٰه البالغة ١٦١، الجنة لأهل السنة ٢٢)

عن عمر ابن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال في واقعة العباس: اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا صلى اللّٰه عليه وسلم فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاستقنا، قال فيسقون. (صحيح البخاري ١٣٧/١)

ويستفاد من قصة العباس رضي اللّٰه عنه استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة. (فتح الباري ١٥١/٣)

يجوز التوسل إلى اللّٰه تعالىٰ والإستغاثة بالأنبياء والصالحين بعد موتهم.

(بريقه محموديه بحواله: تسكين الصرورة ٤٣٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۰/۳/۲۲ھ

روضۂ اقدس پر دوسروں کا سلام پہنچانے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کہا جاتا ہے کہ روضۂ اقدس رسول اللہ ﷺ پر خود تو سلام عرض کرسکتا ہے؛ لیکن دوسروں کا سلام پہنچانا صحیح نہیں ہے، اس کی اصل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری کے وقت جیسے خود سلام پیش کرنا درست ہے، اسی طرح دوسروں کی طرف سے بھی سلام پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے، تابعی جلیل، خلیفہ راشد، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنے دار الحکومت ملک شام سے خاص طور پر اپنی طرف سے روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کے لیے قاصد روانہ فرمایا کرتے تھے، اور عقلاً یا نقلاً اس میں کسی طرح بھی کوئی اشکال کی بات نہیں ہے؛ کیوں کہ جب غیر حاضر امتیوں کی طرف سے متعینہ فرشتے آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے، تو کوئی امتی آپ ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر دوسرے کی طرف سے سلام پیش کرے تو اس میں کیا اشکال کی بات ہوسکتی ہے؟

وقد استفاض عن عمر بن عبد العزيز أنه كان يبرد البريد من الشام يقول: سلم لي على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وفي هامشه: عن أبي سعيد مولى المهدي قال: قدمت على عمر بن عبد العزيز إذ كان خليفة بالشام فلما ودعته قال: إني لي إليک حاجة إذا أتيت المدينة سترى قبر النبي ﷺ فاقرأه مني السلام. (خلاصة الوفاء ۱/۳۵۹-۳۶۰)

إن لله ملائكة سياحين يبلغوني عن أمتي السلام. (الترغيب والترهيب مكمل: ۳۸۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائيا أبلغته. (شعب الإيمان ۲/۲۱۸، رقم: ۱۵۸۳)

ويبلغه سلام من أوصاه فيقول: السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك إلى ربك فاشفع له ولجميع المسلمين. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل: ۳۹۵، فتح القدير بيروت ۱۸۱/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور علیہ السلام کے لئے ''وسیلہ'' کی دعا کرنا

سوال (۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ''وسیلہ'' کی دعا کرنا شریعت کے لحاظ سے کیسا ہے؟ اور آپ بروز قیامت مؤمنوں کے حق میں شفیع ہوں گے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''وسیلہ'' کی دعا کرنا باعثِ ثواب ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''جب تم مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنو، تو وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو؛ کیوں کہ جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو؛ کیوں کہ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے، جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گا، اور امید ہے کہ وہ میں ہوں گا، جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا وہ میری شفاعت کا حق دار ہوگا''۔

اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام آخرت میں اہل ایمان کے لئے شفاعت فرمائیں گے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي فإنه من

صلى علي صلوٰة صلى الله عليه بها عشراً، ثم سلوا الله لي الوسلية فإنها منزلة في الجنة لا ينبغي إلا لعبد من عباد الله وأرجوا أن أكون أنا هو فمن سأل لي الوسيلة حلت عليه الشفاعة. (صحيح مسلم ١٦٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ختم نبوت ذاتی وزمانی؟

سوال (۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت کے بارے میں کہ:

’’بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا‘‘۔ (حوالہ تحذیر الناس ص:۴۱، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند)

کیا اس عبارت سے ختم نبوت کا معاذ اللہ انکار لازم آتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت نانوتویؒ کی کتاب ’’تحذیر الناس‘‘ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:

’’ہاں اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصفِ نبوت لیجئے، جیسا کہ اس ہیچ مداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثلِ نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے؛ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہوجائے گی؛ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا‘‘۔

واضح رہنا چاہئے کہ حضرت نانوتویؒ نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ تین طریقوں سے خاتم النبیین ہیں:

(۱) خاتمیت مکانی (۲) خاتمیت زمانی (۳) خاتمیت ذاتی مرتبی یعنی زمانہ اور مکان کی قید سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم نبوت کے مرتبہ پر فائز ہونا جس کو حدیث: ''**کنت نبیا و آدم بین الماء والطین**'' میں بیان فرمایا گیا ہے، مذکورہ عبارت میں اسی خاتمیت ذاتی سے بحث کی گئی ہے، اس عبارت کا تعلق خاتمیت زمانی کے بحث سے بالکل ہے ہی نہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات والا صفات کے اعتبار سے زمان ومکان کی قید سے بالاتر ہو کر خاتمیت نبوت سے متصف ہیں۔ (مستفاد: قادیانی مغالطے ۶۱)

اسی کو سمجھاتے ہوئے حضرت نانوتویؒ نے یہ بات لکھی ہے ''کہ اگر بالفرض (محض سمجھانے کے لئے ایک فرضی صورت اختیار کی ہے جس پر اگر اور بالفرض کے الفاظ صراحۃً دلالت کرر ہے ہیں، اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے امکان کے قائل ہیں) بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی (یعنی بحیثیت ذاتی) میں کچھ فرق نہ آئے گا'' (بلکہ اس مفروضہ صورت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی خاتم النبیین کی مستحق ہوگی)

معلوم یہ ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کی اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ آں موصوف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے منکر ہیں قطعاً صحیح نہیں ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف سب نبیوں کے بعد میں آنے کی وجہ سے ہی خاتم النبیین نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی مرتبہ کی بنا پر بھی خاتم النبیین ہیں، یعنی دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ ختم نبوت کے منکر ہوں، حالاں کہ رسالہ ''تحذیر الناس'' کا موضوع ہی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اور خود ''تحذیر الناس'' میں جابجا حضرت نانوتویؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا صراحۃً ذکر فرمایا ہے۔

مثال کے طور پر ص: ۱۰/ پر تحریر فرماتے ہیں: ''سوا اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے''

اور ص: ۲۱/ پر ہے ''درصورت کہ زمانے کو حرکت کہا جائے تو اس کے لئے کوئی مقصود بھی ہوگا، جس کے آنے پر حرکت منتہی ہو جائے سو حرکت سلسلہ نبوت کے لئے نقطہ ذات محمدی منتہی ہے''۔

اسی طرح اپنی دیگر تصنیفات میں بھی اس کی صراحت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں۔

مناظرہ عجیبہ کے ص: ۲۹/ پر ہے ''خاتمیت زمانی اپنا دین وایمان ہے ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں''

اور ص؛ ۶۹/ پر رقم طراز ہیں ''ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے''۔

اور صفحہ ۱۰۳ پر ارقام فرماتے ہیں ''بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں، جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں (مستفاد: فیصلہ کن مناظرہ ص: ۵۳)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں؛ بلکہ یہ کہئے کہ منکروں کے لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی''۔ (جواب محذورات ۵۰)

قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی مذکورہ بالا تصریحات کے ہوتے ہوئے کوئی صاحبِ دیانت اور صاحبِ عقل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ آپ ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں؛ لیکن افتراء پردازی کا کوئی علاج نہیں۔

نیز یہ بتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحقیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم مرتبی اور خاتم ذاتی بھی ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے کمالات نبوت براہ راست عطا فرمائے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے، اس میں حضرت نانوتویؒ متفرد نہیں؛ بلکہ بہت سے متقدمین علماء محققین بھی اس کی تصریح فرما چکے ہیں۔

اور خود مولوی احمد رضا خاں بریلوی بھی اپنے رسالہ ''**جزاہ اللہ عدوہ**'' کے ص: ۲۳/ پر

لکھتے ہیں ’’اور نصوص متواترہ اولیاء کرام وائمہ عظام وعلماء اعلام سے مبرہن ہو چکا ہے کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی (الی قولہ) ملک یا انسان جن یا حیوان؛ بلکہ تمام ماسوا اللہ میں جسے جو کچھ ملی ہے یا ملتی ہے یا ملے گی اس کی کلی انہیں کے صبائے کرم سے کھلی اور کھلتی ہے، یا کھلے گی، یہ سر الوجود اور اصل الوجود خلیفۃ اللہ الاعظم وولی نعمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ خود فرماتے ہیں: صلى الله عليه وسلم أنا أبو القاسم، الله يعطي وأنا قاسم‘‘.

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں جو کچھ نعمت روحانی یا جسمانی کسی کو ملی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست کرم کا نتیجہ ہے، اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلی درجہ کی روحانی نعمت ہے؛ لہٰذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطہ سے ملی ہے اور اسی حقیقت کا نام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی اصطلاح میں ’’خاتمیت ذاتی‘‘ اور ’’خاتمیت رتبی‘‘ ہے۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الاحزاب: ٤٠]

عن جبير بن مطعم رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ...... وأنا العاقب، والعاقب الذي ليس بعده نبي. (صحيح البخاري، المناقب / ما جاء في أسماء رسول الله ﷺ رقم: ٣٥٣٢، صحيح مسلم، الفضائل / باب في أسمائه ﷺ رقم: ٢٣٥٤)

’’وقد أخبر الله تبارك وتعالىٰ في كتابه ورسوله صلى الله عليه تعالىٰ عليه وسلم في السنة المتواترة أنه لا نبي بعده، ليعلموا أن كل من ادعى هٰذا المقام بعده، فهو كذاب وأفاك دجال ضال مضل‘‘. (تفسير ابن كثير ٦٥٢/٣ الاحزاب: ٤٠ بيروت)

اعلم أن الإجماع قد انعقد على أنه صلى الله عليه وسلم خاتم المرسلين كما أنه خاتم النبيين وإن كان المراد بالنبيين في الآية هم المرسلين. (اليواقيت والجواهر ٣٧/٢)

قـولـه: ''وكـل دعوى النبوة بـعـده فـغـي وهـوى'' ش: لـما ثبت أنه خاتم النـبيين، علـم أن من ادعى بعده النبوة فهو كاذب. (عقيدة الطحاوية مع الشرح ۱۷۶، بحواله: عقائد أهل السنة والجماعة ۱۰۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹؍۳؍۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معجزۂ شق القمر

سوال (۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شق القمر کا معجزہ قرآن پاک سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے، یا دونوں سے ثابت ہے؟ نیز یہ بات بھی بتائیں کہ واقعہ شق القمر حضور ﷺ کی انگلی مبارک کے اشارہ سے ہوا یا یوں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بغیر انگلی کے اشارہ کے چاند کے دو ٹکڑے فرمادئے تھے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شق القمر کا واقعہ حضور ﷺ کی انگلی کے اشارہ سے نہیں ہوا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شق القمر کا واقعہ ہوا ہی نہیں، سرے سے وقوع کا ہی انکار کرتے ہیں، اصل حقیقت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والا شخص ایک قطعی واقعہ کا انکار کرنے والا ہے؛ البتہ جو شخص یہ کہے کہ واقعۂ شق القمر تو پیش آیا؛ لیکن اس میں پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ کے اشارہ کا کوئی دخل نہیں تھا، تو ایسے شخص کی بات کی تردید نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ اشارہ کرنے کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [القمر: ۱]

إن أهـل مـكة سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يريهم آية فأراهم انشقاق القمر. (صحيح البخاري ۱/۵۱۳، رقم: ۳۵۰۸)

عـن ابـن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالىٰ: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ

الْقَمَرُ﴾ قال ابن عباس: اجتمعت المشركون إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، منهم: الوليد بن المغيرة وأبوجهل بن هشام والعاص بن أبي وائل والعاص بن هشام والأسود بن عبد يغوث والأسود بن عبد المطلب بن أسد بن عبد العزّى وزمعة بن الأسود والنضر بن الحارث ونظراؤهم كثير، فقالوا للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن كنت صادقاً فشقِ القمر لنا فرقتين: نصفاً على أبي قبيس ونصفاً على قعيقعان، فقال لهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: إن فعلتُ تؤمنوا؟ قالوا نعم، وكانت ليلة بدرٍ، فسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم اللّٰهَ عزّوجلّ أن يعطيه ما سألوا، الحديث. (دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ۲۷۹/۱ رقم: ۲۰۹، بحواله: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۲۳۹/۱۸)

وقد شاع أن النبي صلى الله عليه وسلم أشار إلى القمر بسبّابته الشريفة فانشق ولم أره في خبر صحيح. (روح المعاني ۱۱۵/۱۵)

إذا أنكر آية من القرآن أو سخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أو عاب فقد كفر. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۳۱۵/۷ رقم: ۱۰۵۷٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۴/۱۵ھ

تقدیر کی کتنی قسمیں ہیں؟

سوال (۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم اللہ کے فضل سے اس سال حدیث پڑھ رہے ہیں، مسئلہ تقدیر سمجھ سے بالاتر لگ رہا ہے، حضرت الاستاذ سے سنا کہ ''حقیقۃً تقدیر ایک ہی قسم کی ہے جو کہ اٹل ہے، جس کا نام مبرم ہے، اور معلق نامی کوئی تقدیر نہیں'' جب کہ مرقاۃ کے باب الایمان بالقدر کے تحت دونوں قسم کا ذکر ملتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ تقدیر کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور کیا کیا ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقدیر کا مسئلہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم سے تعلق رکھتا ہے، اور ہر مسلمان کا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر کامل ایمان ہے؛ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کو ازلی عالم الغیب والشہادۃ مان لیا، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کائنات میں انفرادی یا اجتماعی طور پر جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہورہا ہے، اور جو کچھ ہوگا وہ تمام جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور اس میں ذرہ برابر بھی تخلف نہیں ہوسکتا، اسی کا نام تقدیر ہے، جو ایمان کا جزوِ اعظم ہے۔

اور رہ گئی تقدیر معلق اور تقدیر مبرم کی بات، تو یہ بحث اس لئے پیدا ہوئی کہ متعدد احادیث میں: **الصدقة ترد البلاء**" یا "**الدعاء ترد القضاء**" جیسے الفاظ آتے ہیں، تو اشکال ہوتا ہے کہ جب قضاء وقدر متعین ہیں تو وہ کسی عمل کی وجہ سے کیسے بدل سکتے ہیں؟

تو اس کا جواب دیتے ہوئے شارحین کو یہ تفصیل کرنی پڑی کہ ایک قضاء مبرم ہے، اور ایک قضاء معلق ہے، اور یہ تعلیق صرف بندہ کے اعتبار سے ہے کہ بندہ اگر ایسا کرے گا تو اس کے لئے قضاء یہ ہوگی؛ لیکن چوں کہ بندہ کا کرنا نہ کرنا پہلے ہی سے اللہ کے علم میں ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے بالآخر قضاء؛ مبرم ہی مبرم ہے معلق کچھ نہیں، آپ کے اطمینان کے لئے مذکورہ جواب کافی ہے۔

مزید تحقیق چاہیں تو فتح الباری، فتح الملہم، اور حدیث جبرئیل کی تشریح میں محدثین نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کا مطالعہ کریں، نیز عقائد کی کتابیں مثلاً: "العقیدۃ الطحاویۃ" اور "شرحِ فقہ اکبر" کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اس پر بغیر سمجھے ایمان لائیں اور زیادہ گہرائی میں نہ پڑیں۔

﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ [القمر: ٤٩]

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ [النساء: ٧٨]

﴿رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ﴾ [القصص: ٦٨]

﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ [الاحزاب: ٣٨]

﴿وَاِذَا قَضٰی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنَ﴾ [البقرة: ١١٧/٥]

﴿وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ مِنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا﴾ [الانعام: ٢]

﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ﴾ [البروج: ١٦]

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: كنا جلوساً مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، ومعه عود ينكث في الأرض، فقال: ما منكم من أحد إلا قد كتب مقعده من النار، أو من الجنة، فقال رجل من القوم: ألا نتكل يا رسول اللّٰه! قال: لا، إعملوا فكل مُيَسَّر، ثم قرأ: ﴿فَأَمَّا مَنۡ أَعۡطٰی وَاتَّقٰی﴾ الآية. (صحيح البخاري، كتاب القدر / باب وإن أمر اللّٰه قدراً مقدوراً ٩٧٧/٢ رقم: ٦٦٠٥)

وتعلق الإرادة تابع لتعلق العلم فلا يوجد أو يعدم سبحانه من الممكنات عندنا إلا ما أراد. (شرح عقيدة سفارينيه ١٥٥/٢-١٥٦)

وأصل القدر سر اللّٰه تعالىٰ في خلقه، لم يطلع على ذٰلك ملك مقرب، ولا نبي مرسل، والتعمق والنظر في ذٰلك ذريعة الخذلان، وسُلِّم الحرمان، ودرجة الطغيان، فالحذرَ كل الحذر من ذٰلك نظراً وفكراً ووسوسةً، فإن اللّٰه تعالىٰ طوى علمَ القدر عن أنامه، ونهاهم عن مرامه، كما قال اللّٰه تعالىٰ في كتابه: ﴿لَا يُسۡـَٔلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡـَٔلُوۡنَ﴾ [الانبياء: ٢٣] **فمن سأل: لِمَ فعل؟ فقد ردَّ حكم الكتاب، ومن ردَّ حكمَ الكتاب كان من الكافرين.** (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الدمشقي ١٨٨ بيروت)

(القدر) أي وبالقضاء والقدر. (خيره وشره) أي نفعه وضره وحلوه و مره حال كونه (من اللّٰه تعالىٰ) فلا تغيير للتقدير، فيجب الرضاء بالقضاء والقدر، وهو تعيين كل مخلوق بمرتبته التي توجد من حسن وقبح ونفع وضر، وما يحيط به من مكان وزمان، وما يترتب عليه من ثواب أو عقاب. (شرح الفقه الأكبر بحث في الإيمان بالقضاء والقدر٢٩، دار الكتب العلمية بيروت)

إن القدر وهو ما يقع من العبد المقدر في الأزل من خيره وشره وحلوه ومره كائن منه سبحانه وتعالىٰ بخلقه وإرادته، ما شاء كان ومالا فلا (والقضاء والقدر) المراد بأحدهما الحكم الإجمالي وبالاٰخر التفصيلي. (شرح الفقه الأكبر بحث في القضاء والقدر وأنهما من صفات اللّٰه الأزلية، ٧٥، دار الكتب العلمية بيروت)

وملخص الكلام ما أشار إليه الإمام حجة الإسلام الغزالي، وهو أنه لما بطل الجبر المحض بالضرورة وكون العبد خالقاً لأفعاله بالدليل، وجب الاقتصاد في الاعتقاد وهو أنها مقدورة بقدرة اللّٰه تعالىٰ اختراعاً، وبقدرة العبد على وجه اٰخر من التعلق يعبر عنه عندنا بالاكتساب. (شرح المقاصد ١٦٦/٣-١٦٧)

إن العبد مختار مستطيع على الطاعة والمعصية وليس بمجبور، والتوفيق من اللّٰه تعالىٰ كما يدل عليه قوله سبحانه: ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (شرح الفقه الأكبر بحث: في أن اللّٰه خلق الخلق سليمًا من الكفر والإيمان ٨٦ بيروت)

قال الملا علي القاري: إذا المعلق والمبرم كل منهما مثبت في اللوح غير قابل للمحو، نعم المعلق في الحقيقة مبرم بالنسبة إلى علمه تعالى، فتعبيره بالمحو إنما هو من الترديد الواقع في اللوح إلى تحقيق الأمر المبرم المبهم الذي هو معلوم في أم الكتاب، أو محو أحد الشقين الذي ليس في علمه تعالى: فتأمل، فإنه دقيق وبالتحقيق حقيق. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان / باب الإيمان بالقدر، الفصل الأول ٢٤٠/١، رقم: ٧٩ بيروت)

اعلم أن للّٰه تعالىٰ في خلقهٖ قضائين: مبرماً ومعلّقاً بفعل. كما قال: إن فعل الشيء الفلاني كان كذا وكذا، وإن لم يفعله فلا يكون كذا وكذا من قبيل ما يتطرق إليه المحو والإثبات. كما قال تعالىٰ في محكم كتابه: ﴿يَمْحُوْا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ﴾ [الرعد: ٣٩] وأما القضاء المبرم فهو عبارة عما قدره سبحانه في

الأزل من غير أن يعلّقه بفعل. فهو في الوقوع نافذ غاية النّفاذ بحيث لا يتغير بحال ولا يتوقّف على المقضىٰ عليه ولا المقضى له؛ لأنه من علمه بما كان وما يكون. وخلاف معلومه مستحيل قطعاً، وهٰذا من قبيل ما لا يتطرق إليه المحو والإثبات، قال تعالىٰ: ﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ [الرعد: ٤١] وقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا مردّ لقضائه ولا مردّ لحكمه، فقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: ''إذا قضيت قضاءً فلا يردّ'' من القبيل الثاني. (مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل والشمائل / باب فضائل سيد المرسلين الفصل الأول ١٠/ ٤٣٠، تحت رقم: ٥٧٥٠)

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تقدیر کا انکار کرنا

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں جدید تعلیم سے متأثر اور اسلامیات کا کچھ مطالعہ رکھنے والا ایک شخص ہے، جو اس بات کا قائل ہے کہ انسان کی ہر چیز کا مدار اس کی کاوش اور محنت پر ہے، یعنی انسان جتنی محنت اور کسب کرے گا اتنا ہی اسے علم ورزق ملے گا، حتی کہ وہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ علم وہبی اور عطائی نہیں؛ بلکہ کسبی ہے، اور بعینہٖ یہی مسئلہ رزق کا بھی ہے، اور دنیا میں انسانوں کو جو بھی کامیابی اور ناکامی ملتی ہے وہ اس کے عمل اور محنت کا نتیجہ ہوتا ہے، تقدیر الٰہی (جو ازل میں لکھ دیا گیا ہے) کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ ہم ابنائے دارالعلوم نے اس کو کافی سمجھایا بجھایا؛ لیکن وہ اس بات کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں، اور برابر مسئلہ تقدیر کے متعلق گفت وشنید کرتا ہے اور اس پر تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو کافی تشویش لاحق ہے؛ کیوں کہ علاقے کی فضا بھی مسموم ہورہی ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ اہلِ سنت والجماعت کا فرد ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس مسئلہ میں بڑھ چڑھ کر گفتگو کرنے میں حصہ لیتے ہیں یہ ان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہلِ سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ تقدیر برحق ہے، اور انسان سے صادر ہونے والے اعمال، اخلاق، کمالات اور صلاحیتیں خواہ ان کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے، سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل ہوتی ہے، جو شخص اس عقیدہ کے خلاف رائے رکھتا ہے، وہ یقیناً اہل سنت والجماعت سے خارج اور گمراہ ہے، اس پر اپنے غلط عقیدہ سے توبہ کرنا لازم ہے، اور جو شخص سرے سے بلا کسی تاویل کے تقدیر ہی کا منکر ہو تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لا یؤمن عبد حتی یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ، وحتیٰ یعلم أن ما أصابہ لم یکن لیخطئہ، وأنما أخطأہ لم یکن لیصیبہ. (سنن الترمذي، کتاب القدر / باب الإیمان بالقدر خیرہ وشرہ ۳۶/۲ رقم: ۲۲۳۱، سنن ابن ماجۃ، کتاب السنۃ / باب اجتناب الرأي والقیاس ۱۰/۱ رقم: ۸۷)

عن ابن بریدۃ عن یعمر – إلی قولہ – فوفق لنا عبد اللّٰہ بن عمر بن الخطاب داخلان المسجد، فاکتنفتہ أنا وصاحبي أحدنا عن یمینہ والآخر عن شمالہ، فظننت أن صاحبي سیکل الکلام إلي، فقلت یا أبا عبد الرحمن! إنہ قد ظہر قبلنا ناس یقرؤن القرآن ویتقفرون العلم، وذکر من شانہم، وأنہم یزعمون أن لا قدر، وأن الأمر أنف، قال: إذا لقیت أولئک فأخبرہم أني بریئ منہم وإنہم براء مني، والذي یحلف بہ عبد اللّٰہ بن عمر لو أن لأحدہم مثل أحد ذہبا فأنفقہ ما قبل اللّٰہ منہ حتی یؤمن بالقدر. (صحیح مسلم، کتاب الإیمان / باب بیان الإیمان والإسلام والأحسان ۲۷/۱ رقم: ۱)

إن اللّٰہ تعالی خلق أفعال العباد، وأفعالہم بقضاء اللّٰہ تعالی ومشیتہ، وإن اللّٰہ تعالی خالق لم یزل. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۱۸/۶ رقم ۲۷۸۵۶ زکریا)

فإن أہل الحق یفوضون أمورہم إلی اللّٰہ سبحانہ وتعالی ویضیفون القدر

والأفعال إلى الله تعالى، وهولاء الجهلة يضيفونه إلى أنفسهم. (نووي شرح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان ۲۷/۱ رقم: ۱)

وقد تظافرت الأدلة القطعيات من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة وأهل الحل والعقد من السلف والخلف على إثبات قدر الله سبحانه وتعالىٰ.

(نووي شرح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان ۲۷/۱ رقم: ۱)

ومن كان كامل العقل بصيرا بالأمور تام الجثة فهو أيضا بتقدير الله تعالى، وليس ذلک بقوته وقدرته، فانه لا حول ولا قوة إلا بالله. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ۱٤۷/۱ أشرفية)

وإن القدر خيره وشره من الله تعالى، ومن لم يؤمن بهذا كله فهو صاحب هوي وبدعة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱۸/٦، رقم: ۲۷۸٥٦ زكريا)

روي أنه كتب الحسن البصري إلى الحسن بن علي رضي الله عنهم يسأله عن القضاء و القدر، فكتب إليه الحسن بن على: من لم يؤمن بقضاء الله وقدره و خيره وشره فقد كفر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان / الفصل الأول ۱۱۹/۱ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۴/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''ہر کام اللہ کے حکم اور مرضی سے ہوتا ہے'' اس کا کیا مطلب ہے؟

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے اکثر لوگوں سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہر کام میں خدا کی مرضی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بات کیسے ہے؟ جب کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر کام میں اللہ کی مرضی نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ دنیا میں دو طرح کے کام ہیں: اچھے اور برے، اور اسی طرح انسان ہے اچھا یا برا، جب کہ قرآن میں جگہ جگہ اللہ نے انسان کو برے کام اور برا کرنے سے منع کیا ہے؛ کیوں کہ میں سمجھتا ہوں

کہ خدا کسی کو اندھیروں میں لے جانے کی یا گناہوں یا برے کاموں پر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا؛ کیوں کہ اللہ نے جو کتاب (قرآن) نازل کی ہے وہ اصول وضوابط ہے جس میں تمام برائیوں سے بچنے کی ہدایت ہے، لیکن ایک ایسا آدمی جو پہلے سے گمراہی اور برے کاموں میں مبتلا ہو وہ یہ بات سن کر کہ ہر کام میں اللہ کی مرضی ہے اور زیادہ اندھیروں میں چلا جائے گا، جب کہ اسے ہدایت اور روشنی کی ضرورت ہے، لہٰذا جو لوگ یہ بات کہتے کہ ہر کام میں اللہ کی مرضی ہے یا وہ خود گمراہ کرنے کے فراق میں ہیں۔

اس لئے اگر مندرجہ بالا بات صحیح ہے تو سب سے بڑے گنہگار وہ لوگ ہیں، جو لوگوں کو برائیوں اور برے کاموں سے روکنے میں لگے ہوئے ہیں، کیوں کہ اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ اگر لوگ برے کام کر رہے ہیں تو وہ اللہ کے حکم سے یعنی اللہ کی مرضی سے کر رہے ہیں، چاہے وہ شیطانی کام ہو، پھر روکنے کا کیا سوال؟ اگر لوگ اس بات کو مان لیں تو تمام دنیا اندھیروں اور گمراہی میں دھنستی چلی جائے گی، جب کہ سورہ النحل آیت: ۳۷-۳۵ کے ترجمہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ حرام کاموں سے منع کرتا ہے، اور تمام رسول جو دنیا میں بھیجے گئے ان کا صرف ایک ہی کام رہا ہے کہ اللہ کے راستے پر چلو اور برے اور حرام کام نہ کرو؛ کیوں کہ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو شرک کے کاموں میں جان بوجھ کر مبتلا کر دیتا ہے، تو کیا وہ اس شرک کو بھی اللہ کی مرضی سمجھ لے؟ کیوں کہ کافر لوگ ہماری قوم کو شرک میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، جب کہ قرآن پاک میں اللہ پاک خود فرماتے ہیں کہ تم میرا کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔

اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مسئلہ کا جواب صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے اردو میں وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں، کیوں کہ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہند سرکار نے صرف ان کاموں کو منع کیا ہے جو برے اور حرام ہیں، اگر ان کاموں کو کوئی انسان کرتا ہے تو قانون اس کو سزا دیتا ہے، ٹھیک اسی قرآن کو دیکھ کر تمام دنیا نے قانون بنائے ہیں، پھر جب ہند جیسی سرکار کی حرام کام میں مرضی نہیں ہے تو، پھر اللہ تو نیک انسانوں کو پسند کرتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو انسان شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے، اس کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل نہیں ہے؛ بلکہ وہ انسان کا اپنا عمل ہے، جس کی قدرت اسے اللہ تعالیٰ نے بطور امتحان دے رکھی ہے، چوں کہ اگر برے کام کی قدرت آدمی کو حاصل نہ ہوتو پھر انسان اور فرشتہ میں کوئی فرق نہیں رہے گا، اور آخرت میں جزا اور سزا کا کوئی مطلب نہ ہوگا؛ لہٰذا کسی برائی کرنے والے کی برائی پر یہ کہنا کہ یہ خدا کی مرضی سے ایسا کررہا ہے یہ تعبیر مناسب نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے، کیونکہ خدا کی مرضی یہی ہے کہ سب انسان پوری طرح اللہ تعالی، قرآنِ پاک اور پیغمبر علیہ السلام کی تابع داری کریں، اور کوئی بندہ خلاف ورزی نہ کرے، اور جو خلاف ورزی کرے گا آخرت میں اسے سزادی جائے گی؛ البتہ جب انسان کوئی بھی خیر یا شر کا کام کرتا ہے تو اللہ کی مشیت اور ارادہ اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے؛ لیکن یہ اس کی مرضی اور خوشنودی کی دلیل نہیں ہے۔

﴿قُلْ آمِنُوْا بِهٖ أَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ [بنی إسرائيل: ۱۰۷]

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [كهف: ۲۹]

عن علي ﷺ عن النبي ﷺ قال:...... إعملوا فكل ميسر لما خلق له. (صحيح البخاري، كتاب القدر / باب وكان أمر الله قدرا مقدورا ۹۷۷/۲ رقم ۶۶۰۵)

والحسن منها أي من أفعال العباد برضاء الله تعالى، والقبيح منها ليس برضائه لما عليه من الاعتراض، قال الله تعالى: ﴿وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ – إلى قوله– والرضاء والمحبة والأمر لايتعلق إلا بالحسن دون القبيح. (شرح عقائد ۸۴ – ۸۵)

وكذٰلك القدرية يضيفون الخير إلى الله عزوجل والشر إلى غيره والله سبحانه وتعالىٰ خالق الخير والشر جميعاً لا يكون شيء منهما إلا بمشيته فهما مضافان إلى الله سبحانه وتعالىٰ خلقاً وإيجاداً وإلى الفاعلين لهما من عباده فعلاً واكتساباً، والله اعلم. (نووي شرح مسلم ۲۷/۱)

إن الله جل شانه لايستحمد الكفر لعباده كما يستحمد الإسلام لهم. (روح المعاني ۱۳/ ۸۵۸، حاشية عقيدة الطحاوي ۱۳۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۸/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی کا کام بگڑنے پر کہنا کہ اس نے اپنی قسمت خود خراب کی ہے؟

سوال (۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی کے ساتھ کچھ برا ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی قسمت خود خراب کی ہے جب کہ قسمت تو پہلے ہی لکھ چکی، تو ایسا کہنا کیسا ہے؟ کیا اس طرح کہنا چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کوئی شخص اپنی قسمت نہ بنا سکتا ہے نہ بگاڑ سکتا ہے اور قسمت ایک غیبی تکوینی چیز ہے، جس کے بارے میں ہماری ناقص عقل اس کی گہرائی تک پہنچنے سے عاجز ہے۔ اس لئے کسی برے کام پر کسی کو یہ طعنہ دینا کہ اس نے اپنی قسمت خود خراب کی ہے یہ جہالت کی بات ہے، ایسی بات زبان پر نہیں لانی چاہئے۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: الله يؤذيني ابن آدم يسب الدهر وأنا الدهر بيدي الأمر أقلب الليل والنهار.

(صحيح البخاري ۲/ ۱۱۱۶ رقم: ۷۴۹۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روح کیا ہے؟

سوال (۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روح کی حقیقت کیا ہے؟ اس موضوع پر علماء دین کیا کہتے ہیں، روح فنا ہوتی ہے یا نہیں؟

کیا روح کا تعلق مرنے کے بعد بھی بدن سے رہتا ہے، جب کہ روح پرواز ہوکر مولیٰ کی تحویل میں ہوجاتی ہے، حالاں کہ روح ربِ قدیر کی بارگاہ میں جمع ہوجاتی ہے اور بدن سڑگل کر مٹی ہوجا تا ہے، حقیقت کے ساتھ وضاحت وتفصیل مطلوب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روح کی حقیقت تک ہماری ناقص عقلیں اور محدود علم رسائی حاصل نہیں کرسکتا، اس لئے اس کے بارے میں چون وچرا کرنے کا ہمیں حق واختیار نہیں، اور اس پر بلا تفصیل ایمان لانا لازم ہے۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ، وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ [بني إسرائيل: ۸۵] **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۱/۶/۱۴۳۵ھ

روح کی حقیقت

سوال (۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روح کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں؟ نیز اگر کسی کا انتقال ہوجائے تو کیا اس کی روح کسی کے اوپر آسکتی ہے؟ جب کہ اس کا انتقال ایمان کی حالت میں ہوا ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روح دراصل ایک سربستہ راز ہے، اس کے بارے میں بغیر کسی واضح شرعی دلیل کے کوئی حتمی اور یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، خود قرآنِ کریم میں اس کے متعلق سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾** (اے پیغمبر! آپ فرمادیجئے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ایک ہے اور تمہیں بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے) البتہ یہ بات طے ہے کہ موت سے پہلے یا

موت کے بعد کسی انسان کی روح دوسرے انسان پر نہیں آ سکتی، اس بارے میں جو باتیں عوام میں مشہور ہیں وہ سب غلط اور بے دلیل ہیں، موت کے بعد ارواح کے ٹھکانے متعین ہیں، ان جگہوں سے باہر آ کر کسی دوسرے انسان سے ان کے تعلق کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور عالم برزخ کے حالات کا ہم پوری طرح ادراک کرنے سے قاصر ہیں، ایسی چیزوں پر اجمالاً ایمان لانا چاہئے اور بحث ومباحثہ نہیں کرنا چاہئے۔

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [الإسراء: ٨٥]

أي من جنس ما استأثر اللّٰه تعالىٰ بعلمه من الأسرار الخفية التي لا تكاد تدركها عيون عقول البشر. (روح المعاني ٢٢١/٩)

وقال أهل النظر منهم: إنما سألوه عن كيفية الروح ومسلكه في بدن الإنسان وكيف امتزاجه بالجسم واتصال الحياة به، وهٰذا شيء لا يعلمه إلا اللّٰه تعالىٰ. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ٥، الجزء العاشر ٢٩١، الإسراء: ٨٥، المكتبة التجارية مصطفى أحمد الباز، رحمة اللّٰه الواسعة شرح حجة اللّٰه البالغة ٢٤١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۵/۶/۱۱ھ

انتقال کے بعد روح کے دنیا میں واپس آنے کا عقیدہ

سوال (۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا انسان کے انتقال ہوجانے کے بعد اس کی روح اس کے دنیاوی گھر میں آتی جاتی ہے، اگر اس کے گھر کے حالات اچھے ہوں، تو روح خوش ہوتی ہے، اگر خراب حالات ہوں تو روح رنجیدہ ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ عقیدہ محض باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں؛ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص حدیث وفقہ کی رو سے جاہل اور گمراہ ہے۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''مردوں کی ارواح کا مرنے کے بعد مکان پر آنا نہ تو قرآن کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ہے، اور ارواح کے واپس آنے کے سلسلہ میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں، مثلاً:

قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا خرج الروح من ابن آدم ثلاثة أيام يقول الروح: يا رب! ائذن لي حتى أجيء، وأنظر إلى جسدي الذي كنت فيه، فيأذن اللّٰه له فيجيء إلى قبره وينظر إليه من يعيد...... الخ.

وفي رواية: قال ابن عباس رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما: إذا كان يوم العيد ويوم العاشوراء ويوم الجمعة الأولىٰ من رجب وليلة النصف من شعبان وليلة القدر وليلة الجمعة، تخرج أرواح الأموات من قبورهم ويقفون على أبوابهم وعلى أبواب بيوتهم.

وفي رواية: عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أنه قال: إذا مات المؤمن دارت روحه حول داره شهراً. (هكذا في دقائق الأخبار ١٨)

ان احادیث کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''اشعۃ اللمعات'' میں بلا سند اور بغیر حوالے کے نقل فرمایا ہے، نیز اس قسم کا مضمون کسی بھی صحیح اور معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ صحاح کی روایتیں اس کے برخلاف ہیں، جن میں اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد روحیں اپنے اپنے ٹھکانے پر چلی جاتی ہیں، دنیا میں واپس آنے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱/۲۰۶-۲۰۹ ملخصاً)

قال علمائنا: من قال: أن أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر. (البحر الرائق ١٢٤/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۳/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا میت کی روح واپس آتی ہے؟

سوال (۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا میت کی روح مکان میں آتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں آتی تو خواب میں کیوں آتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی میت کی روح کا انتقال کے بعد اپنے مکان میں آنا کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں ہے، اور خواب کی کیفیت عالم مثال کے ہوتی ہے، اس کی کیفیت کو حقیقت پر محمول نہیں کیا جاسکتا، اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتے باجازت خداوندی کسی خاص شکل میں متشکل ہوکر سامنے آتے ہیں، جس کی حکمت اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق روح سے نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱/۶۰۷، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۰۹، بہشتی زیور ۶/۵۴)

إنما الصحیح منها ما کان من اللّٰہ تعالی یأتیک بہ ملک الرؤیا من نسخة أم الکتاب. (مرقاة المفاتیح ۹/۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ رکھنا؟

سوال (۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انسان مرجانے کے بعد کیا دوبارہ جنم لے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرنے کے بعد دنیا میں دوسرے جنم کا عقیدہ قطعاً لغو اور باطل ہے، قرآنِ کریم نے جابجا اس کی تردید فرمائی ہے۔

﴿وَلَوْ تَرَى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْ رُؤُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ [السجدة: ١٢]

﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا وَمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ [الانعام: ٢٧]

قوله تعالىٰ: ﴿فَارْجِعْنَا﴾ أي إلى الدنيا ﴿نَعْمَلْ صَالِحاً اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ أي مصدقون بالبعث؛ قاله النقاش، وقيل: مصدقون بالذي جاء به محمد صلى الله عليه وسلم أنه حق؛ قاله يحى بن سلام. قال سفيان الثوري: فأكذبهم الله تعالىٰ فقال: ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْ عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ﴾ [الانعام: ٢٧]

وقيل: إن معنى: ﴿إِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ أي قد زالت عنا الشكوك الآن؛ يسمع، وكانوا يسمعون ويبصرون في الدنيا، ولكن لم يكونوا يتدبرون، وكانوا كمن لا يبصر ولا يسمع، فلما تنبهوا في الآخرة صاروا حينئذٍ كأنهم سمعوا وأبصروا.

وقيل: أي ربنا لک الحجة، فقد أبصرنا رسلک وعجائب خلقک في الدنيا، وسمعنا كلامهم فلا حجة لنا. فهٰذا اعتراف منهم، ثم طلبوا أن يردّوا إلى الدنيا ليؤمنوا. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي، سورة السجدة: ١٢، الجزء: ١٤، ٨٩/٧ المكتبة البخارية مصطفى أحمد الباز)

﴿رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا﴾ وبيانه هو أنه تعالىٰ قال: إني لو أرجعتكم إلى الإيمان لهديتكم في الدنيا ولما لم أهدكم تبين أني ما أردت وما شئت إيمانكم فلا أردكم. (التفسير الكبير للإمام فخر الدين الرازي ١٧٩/١٣ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مرنے والی کی روح گھر کے کسی فرد پر آ سکتی ہے؟

سوال (۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب کا نام کمال الدین تھا، ان کا انتقال ہوگیا ان کے

مرنے کے کچھ دن بعد ایک صاحب پر اثر ہوا، مولوی صاحب کو بلایا گیا انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے بتایا میں کمال الدین ہوں، تو کیوں آیا؟ اس نے کہا کہ ان کے یہاں گوشت پکا ہوا تھا کھانے کے لئے آیا ہوں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ کیا مرنے کے بعد بھی اپنے گھر والوں پر آ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرنے کے بعد مردہ کی روح اپنے اپنے مقام (علیین یا سجین) میں پہنچادی جاتی ہے، اسے دنیا میں نہیں بھیجا جاتا، ان دونوں جگہوں کا ذکر قرآنِ کریم کی سورۂ تطفیف میں موجود ہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جس شخص پر اثر ہوا اور وہ اپنا نام کمال الدین بتا رہا ہے، یہ مردہ کی روح نہیں ہے؛ بلکہ جنات کا اثر معلوم ہوتا ہے، اس کے اثرات زائل کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔

﴿كَلَّا إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِىْ سِجِّيْنٍ﴾ [المطففين: ۷]

﴿كَلَّا اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِىْ عِلِّيِّيْنَ﴾ [المطففين: ۱۸، تفسير ابن كثير ۱٤۱۸ -۱٤۱۹]

الأرواح على أربعة أوجه: أرواح الأنبياء تخرج من جسدها وتصير مثل صورتها مثل المسک والكافور، وتكون في الجنة، تأكل وتشرب وتتنعم، وتأوى بالليل إلى قناديل معلقة تحت العرش، وأرواح الشهداء، تخرج من جسدها وتكون في أجواف طير خضر في الجنة تأكل وتتنعم وتأوى بالليل إلى قناديل معلقة بالعرش...... وأرواح العصاة من المؤمنين، تكون بين السماء والأرض في الهواء، وأما أرواح الكفار فهي في سجين، في جوف طير سود، تحت الأرض السابعة، وهي متصلة بأجسادها، فتعذب الأرواح وتتالم الأجساد منه، كالشمس في السماء ونورها في الأرض. (شرح الصدور للسيوطي ۳۲۵ مكتبة دار التراث بيروت، عقائد أهل السنة والجماعة ۱٦۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۳/۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۳؍شعبان کو روحیں اکھٹی ہونے کا عقیدہ رکھنا

سوال (۴۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۳؍شعبان کو ہمارے علاقے میں روحیں اکھٹی کرتے ہیں اس کو ہمارے علاقے میں ''عرفہ'' کا دن کہتے ہیں، اس میں محلّہ اور بستی کے چھوٹے بچوں کو اور بعض بڑی عورتوں کو اور مردوں کو کھانا کھلاتے ہیں، اور فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں، تو بتاؤ کہ عرفہ ۱۳؍تاریخ کو جائز ہے یا چودہ تاریخ کو؟ کب سنت ہے؟ اور اس کی اصل کیا ہے؟ اور عرفہ کے دن روحیں اکھٹی کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کھانا کھلانے سے روحیں اکھٹی ہو جاتی ہیں، اور کوئی لاوارث ہے تو اس کی روحیں کیسے اکھٹی کریں؟ سنت طریقہ بتائیں؛ تاکہ ہم یہ کام بھی سنت کے مطابق کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیرہویں یا چودھویں شعبان کو عرفہ کا دن کہنا نری جہالت ہے، اور اس دن یہ عقیدہ رکھنا کہ کھانا کھلانے سے روحیں اکٹھا ہوتی ہیں، نہایت واہیات بات ہے، اسلام میں ان خرافات کی کوئی گنجائش نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۳؍۲۵۶ ڈابھیل)

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ [بنی إسرائیل: ۸۵]

الأرواح علی أربعة أوجه: أرواح الأنبياء تخرج من جسدها وتصير مثل صورتها مثل المسک والكافور، وتكون في الجنة، تأكل وتشرب وتتنعم، وتأوی بالليل إلی قناديل معلقة تحت العرش، وأرواح الشهداء، تخرج من جسدها وتكون في أجواف طير خضر في الجنة تأكل وتتنعم وتأوی بالليل إلی قناديل معلقة بالعرش...... وأرواح العصاة من المؤمنين، تكون بين السماء والأرض في الهواء، وأما أرواح الكفار فهي في سجين، في جوف طير سود، تحت الأرض السابعة، وهي متصلة بأجسادها، فتعذب الأرواح وتتالم الأجساد

منـه، كالشمس في السماء ونورها في الأرض. (شرح الصدور للسيوطي ٣٢٥ مكتبة دار التراث بيروت، عقائد أهل السنة والجماعة ١٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرنے کے بعد عذاب اور ثواب بدن پر ہوگا یا رُوح پر؟

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ کریم میں ہے کہ روح کو اللہ کا امر کہا گیا ہے اور انسان جب مر جاتا ہے تو اس کی روح باقی رہتی ہے اور جسم ختم ہوجاتا ہے، تو اس صورت میں گنہگاروں کو عذاب کس طریقہ پر اور کس چیز پر ہوگا، بدن پر کہ روح پر؟ یعنی اللہ عز وجل روح کو عذاب دیں گے یا کہ اجسام کو زندہ کرکے ان کو؟ جب کہ روح تو اللہ کا امر ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: گنہگاروں کو عذاب اور نیکوکاروں کو ثواب کا اثر روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے؛ لیکن اس کی کیفیت کیا ہے؟ ہماری عقل نارسا اس کو جاننے سے عاجز ہے۔

واختلف فيه أنه بالروح أو بالبدن أو بهما وهو الأصح منهما إلا أنا نؤمن بصحته، ولا نشتغل بكيفيته. (شرح الفقه الأكبر ١٢٤، شرح الصدور للسيوطي ٢٤٧ دار التراث بيروت، شرح النووي على صحيح مسلم ٢/ ٣٨٦)

هل تموت الروح أم لا؟ فقالت طائفة: تموت؛ لأنها نفس، وكل نفس ذائقة الموت. قالوا: وإذا كانت الملائكة تموت، فالنفوس البشرية أولى بالموت. وقال آخرون: لا تموت الأرواح، فإنها خلقت للبقاء، وإنما تموت الأبدان. قالوا: وقد دل على ذلك الأحاديث الدالة على نعيم الأرواح وعذابها بعد المفارقة إلى أن يرجعها اللّٰه في أجسادها. والصواب أن يقال: موت النفوس هو مفارقتها

لأجسادها وخروجها منها، فإن أريد بموتها هٰذا القدر، فهي ذائقة الموت، وإن أريد أنها تعدم وتفنى بالكلية، فهي لا تموت بهٰذا الاعتبار، بل هي باقية بعد خلقها في نعيم أو في عذاب. (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الدمشقي ۳۲۰، ومثله في شرح النووي على مسلم، كتاب صفات المنافقين وأحكامهم / باب عرض جهة الميت في الجنة والنار وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه ۳۸٦/۲، التذكرة في أحوال الموتى والآخرة للقرطبي ۱٤۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عذابِ قبر جسم کو ہوتا ہے یا روح کو؟

سوال (۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب مردہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے جسم میں روح ڈالی جاتی ہے، جس کے بعد منکر نکیر سوال کرتے ہیں، اور پھر کیا وہ روح نکال لی جاتی ہے، اور عذاب یا فرحت جو اس کو ہوتی ہے وہ صرف روح کو ہوتی ہے یا اس کی روح اسی جسم میں واپس ڈالی جاتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موت کے بعد کے حالات کا یقینی علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے؛ البتہ علماء نے مختلف نصوص کو سامنے رکھ کر مختلف امکانات بیان فرمائے ہیں، ان میں ایک امکان وہ ہے جو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے بیان فرمایا کہ قبر کا عذاب نفس لطیف (جو جسم عنصری کے علاوہ ایک الگ لطیف جسم ہے) کے واسطے سے روح کو ہوتا ہے، اور روح اور نفس لطیف کا تعلق برابر باقی رہتا ہے۔ (تفصیل دیکھئے: معارف القرآن ۶۶۵/۸-۶۶۶)

واختلف فيه أنه بالروح أو بالبدن أو بهما وهو الأصح منهما إلا أنا نؤمن بصحته، ولا نشتغل بكيفيته. (شرح الفقه الأكبر ۱۲٤، شرح الصدور للسيوطي ۲٤۷ دار التراث بيروت، ونووي على المسلم ۲/ ۳۸٦)

ثم المعذب عند أهل السنة الجسد بعينه أو بعضه بعد إعادة الروح إليه أو إلى جزء منه، وخالف فيه محمد بن جرير وعبد اللّٰه بن كذام وطائفة، فقالوا: لا يشترط إعادة الروح. قال أصحابنا: هٰذا فاسد؛ لأن الألم والإحساس إنما يكون في الحي، قال أصحابنا: ولا يمنع من ذٰلک کون الميت قد تفرقت أجزاءه كما نشاهد في العادة أو أكلته السباع أو حيتان البحر أو نحو ذٰلک فكما أن اللّٰه تعالىٰ يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالىٰ قادر على ذٰلک، فكذا يعيد الحياة إلى جزء منه أو أجزاء وأن أكلته السباع والحيتان. (شرح النووي على مسلم ۳۸٦/۲، التذكرة في أحوال الموتى والآخرة للقرطبي ۱٤۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۳/۷ھ

مرنے کے بعد میت کو عذاب کیسے دیا جاتا ہے؟

سوال (۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روح کی حقیقت کیا ہے؟ قبر میں مردے کو بدن کے ختم ہونے کے بعد عذاب کس کو دیا جاتا ہے اس کی کیا کیفیت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روح کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قبر میں عذاب اور راحت برحق ہے، اور اسی عذاب وراحت کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں انسان کے جزو بدن سے ہوتا ہے؛ لیکن ہماری عقلیں اس کی کیفیت سمجھنے سے قاصر ہیں، یہ ایسی چیز ہے جس پر سمجھے بغیر ایمان لانا ضروری ہے۔

﴿وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۳۱]

واختلف فيه أنه بالروح أو بالبدن أو بهما وهو الأصح منهما إلا أنا نومن بصحته ولا نشتغل بكيفيته. (شرح الفقه الأكبر: ١٢٤، شرح الصدور للسيوطي ٢٤٧ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۶/۱۱ھ

عالم برزخ کہاں ہے؟ اور علیین وسجین کسے کہتے ہیں؟

سوال (۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عالم برزخ کہاں قائم ہے اگر زمین کے نیچے ہے تو علیین سجین کا کیا مطلب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عالم برزخ کسی جگہ اور مقام کا نام نہیں؛ بلکہ موت سے لے کر حشر تک کے درمیانی وقفہ کو برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور علیین اور سجین خاص جگہوں کے نام ہیں، اکثر مفسرین کے نزدیک علیین (مؤمن روحوں کا مستقر) ساتویں آسمان پر ہے، اور سجین (کافر روحوں کا مستقر) ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۴۱۸/۱ وغیرہ)

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ [المؤمنون: ١٠٠]

البرزخ: ما بين كل شيئين وفي الصحاح: الحاجز بين الشيئين، والبرزخ: ما بين الدنيا والآخرة قبل الحشر ومن وقت الموت إلى البعث، فمن مات فقد دخل البرزخ. وقال الفراء: البرزخ من يوم يموت إلى يوم يبعث. (لسان العرب ٩٠٨/٣)

پھر ارواح کے ایمان واعمال کے اعتبار سے بھی علیین اور سجین کے الگ الگ درجات ہیں، مثلاً انبیاء علیہم السلام کا مقام علیین میں سب سے اعلیٰ ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ دیگر حضرات کا مقام ہے۔ (تفصیل دیکھیں: کتاب الروح لابن القیم ۱۸۷)

قال في حاشية الروح لابن القيم نقلاً عن مختار الصحاح: البرزخ هو

الحاجز بين الشيئين وهو أيضاً ما بين الدنيا والآخرة من وقت الموت إلى البعث فمن مات فقد دخل البرزخ. (حاشية كتاب الروح لابن القيم الجوزية ٨٤ بيروت، ومثله في التذكرة للقرطبي ٢٠٠، كذا في تفسير جمل ٢٥٧/٥ بيروت، تفسير أحكام القرآن الكريم للقرطبي ١٠٠/١٢ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۳ھ

عالم برزخ کا مطلب کیا ہے؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مرنے کے بعد انسان کی روح قبر میں رہتی ہے یا برزخ میں رہتی ہے، جنت وجہنم میں رہتی ہے یا علیین وسجین میں رہتی ہے؟ واضح فرمائیں۔ اور قبر جس میں مردے دفن کرتے ہیں اس کو برزخ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو پھر ہم اور آپ جو پانی زمین سے نکلا ہوا پیتے ہیں وہ برزخی پانی ہے، اور اسے دوسرے عالم کا پانی کہنا درست ہے یا نہیں؟ زمین کے اندر کا حصہ اسی دنیوی عالم میں شامل ہے یا دوسرے عالم میں؟ بیان فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیک ارواح کا ٹھکانا ''علیین'' میں ہے اور بدکاروں کی ارواح کا ٹھکانا ''سجین'' میں ہے؛ البتہ علیین اور سجین میں رہتے ہوئے ارواح کا کچھ نہ کچھ تعلق اپنے اجزاء جسمانی سے باقی رہتا ہے، چاہے یہ اجزاء دنیا میں کسی بھی شکل میں موجود ہوں، اس کے لئے قبر کے گڑھے کی کوئی تخصیص نہیں، اور جس جگہ انسان کو دفن کیا جاتا ہے اسے قبر کہتے ہیں، اور قبر کے حالات کا تعلق عالم برزخ سے ہے، اور عالم برزخ کسی جگہ کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ یہ موت اور قیامت کے درمیان پیش آنے والے حالات کا عنوان ہے۔ سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائل برزخ کو قبر کی جگہ تک محدود سمجھ رہا ہے، تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ برزخی زندگی ہمارے لئے پردۂ خفاء میں ہے جس کی اصل کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو

ہے، اور زمین سے جو پانی نکلتا ہے اس کا عالم برزخ سے کوئی تعلق نہیں، وہ تو اسی دنیا سے نکلنے والا پانی ہے، زمین کے اندر کا حصہ بھی عالم دنیوی ہی میں شامل ہے، اس پر عالم برزخ کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۶۰۱-۶۰۲، احسن الفتاویٰ ۴/۱۹۴، فتاویٰ عثمانی ۱/۶۷-۷۷، عقائد اہل السنۃ والجماعۃ ۱۶۴-۱۶۷)

إن ابن عباس رضي الله عنه سأل كعب الأحبار عن قوله: ﴿إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ﴾ [مطففين: ٧] قال: إن روح الفاجر يصعد بها إلى السماء فتأبى السماء أن تقبلها فيهبط بها إلى الأرض فتأبى الأرض أن تقبلها فيدخل بها تحت سبع أرضين حتى ينتهي إلى السماء فتنفتح لها أبواب السماء، وتلقاه الملائكة بالبشرىٰ حتى ينتهي بها إلى العرض وتعرج الملائكة. (الدر المنثور ٦/٥٣٨)

أخرج عبد بن حميد عن الربيع قال: البرزخ القبور، وأخرج عبد بن حميد عن قتادة: ﴿وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ﴾ قال العلماء: عذاب القبر هو عذاب البرزخ، أضيف إلى القبر؛ لأنه الغالب وإلا فكل ميت...... قبر أو لم يقبر ولو صلب أو غرق في البحر الخ. (شرح الصدور للسيوطي ١٦٤ بيروت، بحواله: عقائد أهل السنة والجماعة ١٦٤)

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْكَنّٰهُ فِيْ الْاَرْضِ﴾ [المؤمنون: ١٨]

هٰذا الذي ذكر الله سبحانه وتعالىٰ، وأخبر بأنه استوعه فى الأرض وجعله فيها مختزنا لسقي الناس يجدونه عند الحاجة إليه وهو ماء الأنهار والعيون وما يستخرج من الآبار. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي، سورة المؤمنون ١٨، ٦/ جزء ١٢/١٠٤ ١١٢/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۳۵ھ

برزخی زندگی؟

سوال (۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: انسان جب مرجاتا ہے تو اس کی موت اور انبیاء کی موت میں کیا فرق ہوتا ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ قبرستان میں جاؤ سلام کرو مردے تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں، تو کیا ان کی بھی قبر میں زندگی ہے؟ اس زندگی کی کیفیت کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عام انسان کی بعد الموت کی زندگی میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برزخی زندگی کے مراتب مختلف ہیں، جن میں سب سے کم درجہ کی زندگی عام مُردوں کو حاصل ہے، اور سب سے اعلیٰ درجہ کی زندگی انبیاءِ کرام کو حاصل ہے، حتی کہ اس زندگی کا اثر دنیوی زندگی میں بھی اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کسی کے لئے حلال نہیں۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی، نیز پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا دیتے ہیں، اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں، اور انبیاء سے کم درجہ کی زندگی شہداء کو حاصل ہے، ان شہداء کی ارواح کو ہرے پرندوں کے پپوٹوں میں رکھ دیا جاتا ہے اور وہ جنت میں سیر کرتے ہیں، اس کے علاوہ عالم برزخ کے احوال ہم دنیا میں رہ کر نہیں جان سکتے۔

قال: إن اللّٰه حرم على الأرض أن تاكل أجساد الأنبياء فنبي اللّٰه حيٌّ يرزق. وفي المرقاة: فلا فرق له في الحالين. (مرقاة المفاتيح ٣/٢٤١)

وفي الجملة: رد الروح على الميت فى البرزخ، ورد السلام على ما يسلم عليه لا يستلزم الحياة – إلى قوله – وإن كان نوع حياة برزخية. (تسكين الصدور ٢٠٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۳۵ھ

عالم برزخ

سوال (۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنت اور جہنم کا فیصلہ بعد قیامت ہوگا اور جنت میں داخلہ بعد حساب ہوگا، پھر اس کی کیا حقیقت ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا شخص کی خواب میں زیارت کی، تو جنت میں سیر کررہے تھے، یا پوچھا کہ تمہارے اوپر کیا گزری؟ تو کہتے ہیں اللہ نے کرم کیا اور جنت میں پہنچادیا، نیز شہداء کی روحیں دن بھر جنت میں سیر کرتی ہیں، اور شام کو عرش کے نیچے بسیرا کر کے صبح پھر جنت میں چلی جاتی ہیں، اس کی مکمل وضاحت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنت اور جہنم میں روح اور جسم کے ساتھ حقیقی داخلہ تو قیامت میں فیصلہ کے بعد ہی ہوگا؛ لیکن عالم برزخ میں جنت اور جہنم کے اثرات -خواہ راحت کی شکل میں ہوں یا عذاب کی- ظاہر ہوسکتے ہیں، اور شہداء کی ارواح کا جنت میں جانا آنا بھی اسی برزخی حالت میں ہے اور خوابوں میں جو احوال دکھائے جاتے ہیں یا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج میں جن بدعملوں کے احوال کا مشاہدہ فرمایا، ان کا تعلق بھی عالم برزخ سے ہے۔

إن المنظور إليه هي أرواحهم فلعلها مثلت له، صلى الله عليه وسلم في الدنيا كما مثلت له ليلة الإسراء. (فتح الملهم أشرفي ۱/ ۳۳۰)

عن أبي سعيد الخدري عن النبي ﷺ أنه قال له أصحابه يا رسول الله! أخبرنا عن ليلة القدر أسري بك فيها...... ثم مضت هنية فإذا أنا بأقوام بطونهم أمثال البيوت كلما نهض أحدهم خر يقول: اللّٰهم لا تقم الساعة، قال: وهم على سابلة آل فرعون، قال: فتجيء فتطأهم؛ قال: فسمعتهم يضجون إلى الله سبحانه. قلت: يا جبريل! من هؤلاء؟ قال: هؤلاء من أمتک، ﴿اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ قال: ثم مضت هنية،

فإذا أنا بأقوام مشافرهم كمشافر الإبل، قال: فتفتح على أفواههم ويلقون ذٰلک الحجر؛ ثم يخرج من أسافلهم، فسمعتهم يضجون إلى الله عز وجل، فقلت: يا جبريل من هؤلاء؟ قال هؤلاء من أمتک، ﴿يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتَامىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ قال: ثم مضت هنيئة فإذا أنا بنساء يعلقن بثديهن فسمعتهن يصحن إلى اللّٰه عزوجل قلت: يا جبريل! من هؤلاء النساء؟ قال: هؤلاء الزناة من أمتک قال ثم مضيت هنية فإذا أنا بأقوام تقطع من جنوبهم اللحم فيلقمون فيقال له: كل كما كنت تأكل من لحم أخيک، قلت: يا جبريل من هؤلاء؟ قال هؤلاء الهمازون من أمتک اللمازون. (دلائل النبوة ۲/ ۳۹۲-۳۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۱۱ھ

برزخی زندگی کا مدار قبر پر نہیں ہے

سوال (۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا میت سے سوال وجواب سزا یا ثواب گڑھے (جس میں مردے دفن کرتے ہیں) میں ہوتا ہے یا عالم برزخ میں روح سے ہوتا ہے؟ اگر اسی گڑھے میں ہوتا ہے تو جو مردے دفن نہیں کئے جاتے ان سے کہاں ہوتا ہے؟ اللہ رب العزت کی قدرت سے تو کوئی چیز بعید ومحال نہیں، مگر اس بارے میں اللہ رب العالمین کی عادت وضابطہ کیا ہے؟ اور جن روایتوں میں قبر کا لفظ آیا ہے ان میں قبر سے یہی گڑھا جس میں مردے دفن ہوتے ہیں، مراد ہے یا برزخ مراد ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انسان کی وفات سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کا زمانہ عالم برزخ ہے، اور برزخی زندگی کا انحصار صرف قبر ہی پر

نہیں ہے؛ بلکہ موت کے بعد جسم انسانی کے اجزاء جہاں بھی پائے جائیں-خواہ وہ مٹی کا گڑھا ہو یا سمندر کا پانی ہو یا جانوروں کا پیٹ ہو- یہ سب اس کے لئے قبر کے درجہ میں ہیں، اور یہی برزخی زندگی کہلاتی ہے،موت کے بعد اسی عالم برزخ میں روحِ انسانی اپنے بدن یا جزوِ بدن کی طرف متوجہ ہوتی ہے؛ تاکہ وہ منکر نکیر کے سوالات کا جواب دے سکے، اور پھر اس روح کا کم ازکم اس قدر تعلق اپنے کسی جزوِ بدن سے ضرور باقی رہتا ہے کہ وہ اس کی بنا پر قبر کی راحت وعذاب کو محسوس کرسکے؛ تاہم یہ ایسی چیز ہے جو انسانی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی، اور نہ انسان کے بنائے ہوئے کسی آلہ سے اس راحت وعذاب کو محسوس کیا جاسکتا ہے، اس پر بلا کسی تفصیل کے مخبر صادق کے خبر دینے پر ایمان لانا لازم ہے۔

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ [المؤمنون: ۱۰۰]

البرزخ: ما بين كل شيئين وفي الصحاح: الحاجز بين الشيئين، والبرزخ: ما بين الدنيا والآخر ة قبل الحشر ومن وقت الموت إلى البعث، فمن مات فقد دخل البرزخ. وقال الفراء: البرزخ من يوم يموت إلى يوم يبعث. (لسان العرب ۹۰۸/۳)

قال هو ما بين الموت والبعث. (التذكره للقرطبي ۱۵۸ بحواله: عقائد أهل السنة والجماعة ١٦٤)

أخرج ابن أبي حاتم عن مجاهد قال: البرزخ الحاجز ما بين الدنيا والآخرة. أخرج ابن أبي شيبة وهنّاد وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وأبو نعيم في الحلية عن مجاهد في قوله: ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ قال هو ما بين الموت إلى البعث.

وأخرج عبد بن حميد عن الربيع قال: البرزخ القبور.

وأخرج عبد بن حميد عن قتادة: ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ﴾ قال: أهل القبور في برزخ ما بين الدنيا والآخرة. (الدر المنثور بيروت ۲۹/۵)

والجواب أنه يجوز أن يخلق اللّٰه تعالیٰ في جميع الأجزاء أو في بعضها نوعاً من الحياة قدر ما يدرک ألم العذاب أو لذة التنعيم، وهٰذا لا يستلزم إعادة الروح إلى بدنه ولا أن يتحرک أو يضطرب أو يرى أثر العذاب عليه حتى أن الغريق في الماء والماكول في بطون الحيوانات والمصلوب في الهواء يعذب، وإن لم نطّلع عليه – إلى قوله – ودليل الكل أنها أمور ممكنة أخبر بها الصادق ونطق بها الكتاب والسنة فتكون ثابتة. (شرح العقائد النسفية ١٠٠-١٠١)

واعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، فكل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصيبه قبر أو لم يقبر أكلته السباع أو احترق حتى صار رماداً أو نسف في الهواء أو صلب أو غرق في البحر وصل إلى روحه وبدنه من العذاب ما يصل إلى القبور. (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الدمشقي ٣٢٤، مؤسسة المختار) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۶/۱۱ھ

رمضان المبارک میں انتقال کرنے والے کا حکم

سوال (۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مؤمن شخص رمضان المبارک میں انتقال کرجاتا ہے، تو کیا اس سے بھی منکر نکیر سوال وجواب کرتے ہیں یا نہیں؟ اور شریعت میں رمضان المبارک میں انتقال کرجانے کی کیا فضیلت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: رمضان المبارک میں وفات پانے والے کے متعلق بھی ضعیف حدیث وارد ہے کہ اس کو قبر میں سوال وجواب اور عذاب نہ ہوگا۔

قال ابن رجب: روى باسناد ضعيف عن أنس بن مالک رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن عذاب القبر يرفع عن الموتى في شهر رمضان. (شرح الصدور للسيوطي ٢٥٤

مکتبة دار التراث بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۵/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا رمضان میں وفات پانے والے سے برزخ کا عذاب تا قیامت ختم کردیا جاتا ہے؟

سوال (۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احسن الفتاوی اور فتاوی محمودیہ وغیرہ میں لکھا ہے اور خطبات حکیم الاسلام میں بھی لکھا ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال رمضان میں ہوجائے تو اس سے برزخ کا عذاب قیامت تک کے لئے ختم کردیا جاتا ہے؛ لیکن ہمارے بعض علماء اس سے اتفاق نہیں کررہے ہیں، اس لئے دارالافتاء سے رجوع کیا جارہا ہے، فیصلہ فرمادیں، جب کہ جمعہ کے بارے میں متفق ہیں کہ جمعہ میں اگر انتقال ہوجائے تو برزخ کا عذاب قیامت تک کے لئے ختم ہوجاتا ہے، اس لئے مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں انتقال کرنے والے شخص سے قبر کا عذاب ہٹائے جانے کا ثبوت بعض ضعیف روایات سے ہوتا ہے؛ لیکن ان میں تا قیامت کی قید نہیں ہے، انہی کو بنیاد بناکر مذکورہ کتابوں میں رمضان المبارک میں وفات پانے والوں کے متعلق مذکورہ بات لکھی گئی ہے؛ اور جمعہ کے دن وفات پانے سے متعلق عذابِ قبر نہ ہونے کی بات متعدد احادیث سے ثابت ہے، وہ احادیث اگرچہ متکلم فیہ ہیں؛ لیکن تعددِ طرق کی وجہ سے فضائل میں انہیں قبول کیا جاسکتا ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة إلا وقاہ اللّٰہ فتنة القبر. (سنن الترمذي أبواب الجنائز/ باب ما اء فیمن یموت یوم الجمعة ۲۰۵/۱، وقال: هذا حدیث غریب و لیس اسنادہ بمتصل)

عـن أنـس بـن مـالـک رضي اللّٰه عنه أن عذاب القبر يرفع عن الموتى في شهر رمضان. (شرح الصدور للسيوطي ٢٥٤ مكتبة دار التراث بيروت)

ويـرفـع الـعـذاب يـوم الجمعة وشهر رمضان بحرمة النبي صلى اللّٰه عليه وسـلـم لأنـه مـا دام فـي الأحياء لا يعذبهم اللّٰه تعالىٰ بحرمته. فكذلک في القبر يرفع عنهم العذاب يوم الجمعة وكل رمضان بحرمته. (شرح الفقه الأكبر ١٧٢ بيروت)

قـال ابن عابدينؒ في اٰخر باب الجمعة: قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسؤال منكر ونكير وضغطة القبر حق لكن إن كان كافراً فعذابه يدوم إلـى يوم القيامة ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان. (شـامی / باب الجمعة، مطلب ما اختص به يوم الجمعة ١٦٥/٢ كراچی، ٤٤/٣ زكريا)

ثـم الـمـؤمـن عـلـى وجهيـن: إن كان مطيعاً لا يكون له عذاب ويكون له ضغطة، فيجد هول ذٰلک وخوفه، وإن كان عاصياً يكون له عذاب القبر وضغطة القبر، لكن ينقطع عنه عذاب القبر يوم الجمعة وليلة الجمعة، ثم لا يعود العذاب إلـى يـوم الـقيـامة، وإن مـات يـوم الجمعة أو ليلة الجمعة يكون له العذاب ساعةً واحدةً، وضـغـطة الـقبـر، ثم ينقطع عنه العذاب، كذا في المعتقدات للشيخ أبي الـمعين النسفي. (الأشبـاه والـنـظـائـر مـع: الـفـن الثالث، الجمع والفرق / القول في أحكام الجمعة ٢٠٠/٣، شرح الحموي ٥٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۷/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن وفات پانے والوں کے لئے فضیلت

سوال (۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا یہ بات صحیح ہے کہ جمعہ کے دن یا اس کی رات میں مرنے والوں کو قبر کا عذاب اور سوال وجواب نہیں ہوتا؟ اور کیا قیامت تک ان سے عذاب ہٹا رہتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعدد طرق سے یہ حدیث مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص جمعہ کے دن یا اس کی رات میں انتقال کر جائے وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جاتا ہے'' اور قبر کے فتنہ میں بظاہر سوال وجواب اور عذاب دونوں شامل ہیں، یعنی ایسا شخص دونوں باتوں سے بچا رہتا ہے، اب یہ صورت قیامت تک یونہی برقرار رہے گی یا بعد میں کسی وقت عذاب ممکن ہے؟ اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں:

حکیم ترمذیؒ نے نوادر الاصول میں لکھا ہے کہ ''تکوینی طور پر کسی شخص کی موت کا جمعہ کے دن یا رات کے موافق ہوجانا اس کی سعادت مندی کی دلیل ہے، اور یہ سعادت صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتنۂ قبر سے محفوظ رکھا جانا منظور ہوتا ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ تا قیامت اس سے محفوظ رہے۔ بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ بعض روایات میں جمعہ کے دن وفات پانے والے کو درجہ شہادت کا مستحق بھی قرار دیا گیا ہے۔ اور شہید کا عذابِ قبر سے محفوظ رہنا طے شدہ امر ہے''۔

اس کے برخلاف ملا علی قاریؒ نے شرح فقہِ اکبر میں اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: ''اس مسئلہ کا تعلق چونکہ عقائد سے ہے؛ لہٰذا اس کے بارے میں جب تک کوئی مضبوط روایت یا نص قطعی نہ ہو کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی''۔

تاہم علماء کے اس اختلاف کے باوجود اگر کوئی شخص جمعہ کے دن وفات سے متعلق فضیلت کی حدیث کو عمومی معنی میں رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة إلا وقاہ اللّٰہ فتنة القبر. (سنن الترمذي، الجنائز / باب ما جاء في من یموت یوم الجمعة ۱/۲۰۵ وقال هذا حدیث غریب ولیس اسنادہ بمتصل)

عن ابن شهاب موقوفا: أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من مات لیلة

الجمعة أو يوم الجمعة برئ من فتنة القبر و كتب شهيداً. (مصنف عبد الرزاق ٣/٢٦٩)

قال الحكيم الترمذي في نوادر الأصول: ومن مات يوم الجمعة فقد انكشف له الغطاء عما له عند اللّٰه؛ لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم وتغلق أبوابها، ولا يعمل سلطان النار فيه ما يعمل سائر الأيام، فإذا قبض اللّٰه عبداً من عبيده فوافق قبضه يوم الجمعة كان ذلک دليلا لسعادته وحسن مآبه، وإنه لايقبض في هذا اليوم إلا من كتب له السعادة عنده فلذلک يقيه فتنة القبر. (شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور للسيوطی ٢٠٩ مكتبة دار التراث المدنية المنورة، مرقاة المفاتيح للملا علی القاري ٢/٢٤٢)

وقال الملا علي قاريؒ: فلا يخفى أن المعتبر في العقائد هو الأدلة اليقينية وأحاديث الآحاد لو ثبت إنما تكون ظنية، نعم ثبت في الجملة أن من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يرفع العذاب عنه إلا أن لا يعود إليه إلى يوم القيامة فلا أعرف له أصلا الخ. (شرح الفقه الأكبر للملا علي قاري ١٧٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۱۱ھ

فاسق وفاجر مسلمان اگر جمعہ کے دن مرجائے تو عذابِ قبر ہوگا یا نہیں؟

سوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسلمان جو کہ شرابی ہے، جواری، فاسق ہے، بے نمازی ہے اور بدعتی ہے، اس آدمی کا اگر جمعہ کے روز انتقال ہو جائے تو اس کو عذاب قبر ہوگا یا نہیں؟ حدیث شریف میں جو فضائل جمعہ کے دن انتقال ہونے والے کے لئے آئے ہیں، اس میں یہ آدمی داخل ہوگا یا نہیں؟ یا پھر یہ فضائل صرف مؤمن کے لئے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن مرنے والے کے عذاب قبر سے محفوظ

رہنے کے بارے میں جو روایت مروی ہے اس میں صرف مسلم کی قید ہے اور بظاہر اس میں صالح وفاسق دونوں شامل ہیں، اس لئے امید رکھنی چاہئے کہ بلا امتیاز ہر مسلمان اس بشارت کا مستحق ہوگا، مگر واضح ہو کہ اس بشارت کا تعلق صرف اَحوالِ قبر سے ہے، یہ آخرت میں حساب وکتاب اور عذاب سے محفوظ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة إلا وقاہ اللّٰہ فتنة القبر.

(سنن الترمذي ۱/۲۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن مرنے والے کا حکم

سوال (۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مؤمن شخص جمعہ کے روز مرتا ہے تو اس کا شریعت میں کیا مرتبہ ہے؟ اور اس سے قبر کے اندر سوال وجواب منکر نکیر کرتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کے متعلق ایک ضعیف روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ وہ قبر کے سوال وجواب اور فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة إلا وقاہ اللّٰہ فتنة القبر.

(سنن الترمذي ۱/۲۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۵/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم بچوں کا مرنے کے بعد کیا حشر ہوگا؟

سوال (۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جو غیر مسلم ہے، اور ایک اس کا بچہ جو نابالغ ہے، وہ اپنے غیر مسلم باپ کے یہاں انتقال کر جاتا ہے، تو کیا اس کا حشر غیر مسلم باپ کے ساتھ ہوگا، یا ملتِ اسلامیہ کے قاعدہ کے مطابق معصوم تسلیم کیا جائے گا؟ اور اس کا حشر مسلمانوں کے ساتھ ہوگا؟

اسی طرح ایک شخص بالغ ہے؛ لیکن عقل سے معذور ہے، اس کا حشر کس کے ساتھ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن غیر مسلم بچوں کا انتقال بچپن میں ہو جائے ان کے جنت یا جہنم میں جانے سے متعلق علماء کرام وفقہاء عظام سے مختلف اقوال مروی ہیں، چناں چہ:

(۱) بعض علماء کہا کہنا ہے کہ ان کا جنت یا جہنم میں جانا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ (۲) اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم بچے اپنے والدین کے تابع ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت ودوزخ کے درمیان اعراف میں رہیں گے۔ (۴) چوتھا قول یہ ہے کہ وہ اہل جنت کے خدام ہوں گے۔ (۵) پانچواں قول یہ ہے کہ بروز قیامت وہ مٹی ہو جائیں گے۔ (۶) چھٹا قول یہ ہے کہ آخرت میں ان کا امتحان لیا جائے گا، اس طور پر کہ ان کو جہنم میں جانے کا حکم دیا جائے گا، جو اطاعت کریں گے ان کے لئے جنت، اور جو نافرمانی کریں گے ان کے لئے جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ (۷) ساتواں قول یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے۔ (۸) اور آٹھواں قول یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف کیا جائے، اور احناف کے نزدیک یہی صحیح مذہب ہے کہ ان کے بارے میں کسی بھی قسم کی رائے زنی نہ کی جائے، اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

اور عقل سے معذور اشخاص سے متعلق صحیح ترین مذہب یہی ہے کہ ان کا امتحان لیا جائے گا، اس طور پر کہ ان کو جہنم میں جانے کا حکم ہوگا، حکم کی اطاعت کرنے والوں کے لئے جنت اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے جہنم کا فیصلہ ہوگا۔

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: سئل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن ذراری المشركين، فقال: اللّٰه أعلم بما كانوا عاملين. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز/ باب ما قيل في أولاد المشركين ١/١٨٥ رقم: ١٣٦٨ ف: ١٣٨٤)

عـن سـمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أولاد الـمشركين خدم أهل الجنة. (الـمعـجم الأوسط ١/٥٥٥ رقم: ٢٠٤٥، المعجم الكبير ٧/٢٤٤ رقم: ٦٩٩٣)

اختـلف العلماء قديماً وحديثاً في هذه المسئلة على أقوال: أحدها أنهم في مشيـئة الـلّٰه تعالى، وهو منقول عن الحمادين وابن المبارک واسحاق. ثانيا: أنهم تبـع لآبـائهـم، فـأولاد الـمسـلـميـن فـي الـجنة، وأولاد الكفار في النار. ثالثاً: أنهم يـكـونـون في برزخ بين الجنة والنار؛ لأنهم لم يعملوا حسنات يدخلون بها الجنة، ولا سيـئـات يـدخـلـون بها النار. رابعها: خدم أهل الجنة. خامسها: أنهم يصيرون تـرابـاً. سـادسها: هم في النار. سابعها: أنهم يمتحنون في الآخرة بأن ترفع لهم نار، فمن دخلها كانت عليه برداً وسلاما، ومن أبى عذب، وقد صحت مسألة الامتحان فـي حـق الـمـجـنـون، ومـن مات في الفترة من طرق صحيحة، وحكى البيهقي في كتـاب الاعتقاد أنه المذهب الصحيح. ثامنها: أنهم في الجنة. تاسعها: الوقف الخ.

(فتح الباري ٣/١٩٥– ١٩٦ مصري، عمدة القاري ٨/٢١٢–٢١٣ بيروت، ٦/٢٩٣ زكريا)

واعـلـم أن الولد تابع لأشرف الأبوين دينا فيما يرجع إلى أمور الدنيا وهو مـعـنـى قـولـه صلى اللّٰه عليه وسلم في بعض الروايات، هم من آبائهم، وأما فيما يـرجع إلى أمور الآخرة مـن الثـواب والـعقاب، فموقوف وموكول إلى علم اللّٰه تعالى؛ لأن السعادة والشقاوة ليستا معللتين عندنا بالأعمال؛ بل اللّٰه تعالىٰ خلق مـن شـاء شـقيـا، ومن شاء سعيداً، وجعل الأعمال دليلاً على السعادة والشقاوة.

(مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح اشرفي ١/١٦٦، ١/١٨٢)

وتوقف الإمام في سوال أطفال الكفرة، ودخولهم الجنة وغيره حكم بذلک، فيکونوا خدم أهل الجنة. (شرح الفقه الأكبر ۱۲۱)

وحكى البيهقي في كتاب الاعتقاد أن مسألة الامتحان في حق المجنون، ومن مات في الفترة هو المذهب الصحيح. (عمدة القاري ۲۱۳/۸ بيروت، ۲۹۳/٦ زكريا)

وأما أولاد الكفار إذا ماتوا قبل أن يعقلوا اختلف فيه أهل السنة والجماعة، وروي عن محمد أنه قال: إني أعرف أن اللّٰه تعالىٰ لا يعذب أحداً من غير ذنب، وبعضهم قالوا: يكونون في الجنة خداماً للمسلمين، وبعضهم قالوا: إن كانوا قالوا ''بلى'' يوم الميثاق عن اعتقاد يكونون في الجنة، وإن كانوا قالوا من غير اعتقاد يكونون في النار، وروي عن أبي حنيفة أنه توقف فيهم ووَكَّل أمرهم إلى اللّٰه تعالىٰ. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / باب من يصلى عليه ومن لا يصلى عليه ۵۸/۳ تحت رقم: ۳۷۱۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قیامت قائم ہونے پر جب آسمان بھی ٹوٹ جائے گا تو عرش کہاں قائم ہوگا؟

سوال (۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب قیام قریب ہوگی تو میدانِ محشر کیا عرفات کا میدان ہوگا؟ نیز قیامت قائم ہونے کے وقت دوسرے صور کے بعد تمام نظام درہم برہم ہوجائے گا، تو کیا آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ جائے گا؟ جیسا کہ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے، پھر عرش الٰہی کہاں قائم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: میدانِ عرفات میں حشر ونشر کے قیام کے متعلق کوئی

روایت نظر سے نہیں گذری؛ البتہ ایک روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ حشر بیت المقدس کے قریب قائم ہوگا، مگر یہ روایت وہب بن منبہ سے مروی ہے، جو اسرائیلی روایات نقل کرنے میں مشہور ہیں، اس لئے اس کے متعلق اصل علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی۔

اور قیامت کے وقت آسمانوں کا پھٹ جانا قرآن سے ثابت ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ**:
﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور آسمانوں کے فنا ہوجانے سے عرشِ الٰہی کا فنا ہونا ہرگز لازم نہیں آتا؛ اس لئے کہ عرشِ الٰہی آسمانوں پر موقوف نہیں ہے؛ بلکہ وہ تو اپنی ناقابل تصور وسعتوں کے ساتھ جوں کا توں موجود ہے، اور موجود رہے گا، اس وقت اسے ۴؍ عظیم ترین فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، اور قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہوجائے گی، اسی کو قرآنِ کریم میں آیت:
﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾ [الحاقة جزء آيت: ١٧] میں بیان فرمایا گیا ہے۔

عن المنذر بن النعمان أنه سمع وهب بن منبه يقول: قال اللّٰه تعالىٰ: لصخرة بيت المقدس: لأضعن عليك عرشي، ولأحشرن عليك خلقي و فيأتينك يومئذ داؤد راكباً. (التذكرة في أحوال الموتىٰ والآخرة للقرطبي ٢٢٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۳ھ

کیا جنت اور جہنم آج بھی اُسی صفت پر قائم ہیں جس پر قیامت کے دن ہوں گے؟

سوال (۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنت اور دوزخ کیا اسی صفت اور کیفیت پر آج بھی قائم ہیں جس صفت اور کیفیت پر قیامت کے بعد قائم ہوں گی، تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا؟ جس میں یہ ہے کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے، جب کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اسی نیک عمل کی بدولت اس میں بالا خانے باغات وغیرہ تیار ہوتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنت اور جہنم اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق آج بھی اپنی تمام صفات کے ساتھ موجود ہیں، اور قیامت کے بعد بھی اسی طرح رہیں گے۔ **والجنة والنار مخلوقتان اليوم**. (شرح الفقه الأكبر ١٥٩)

اور قرآنِ کریم میں جابجا جنت کی صفات بیان کرتے ہوئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جو ان کے وجود پر کھلی دلیل ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا: ﴿**وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا**﴾ [التوبة: ١٠٠]

اور جس حدیث میں جنت کو چٹیل میدان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے حضرات شارحین نے مختلف توجیہات کی ہیں:

الف: علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چوں کہ عالم الغیب ہے، اس لئے اس نے ہر جنتی کے عمل کے موافق اس کی جنت بنائی ہے، اور پھر اپنے فضل سے اسی کے مطابق اسے اعمالِ حسنہ کی توفیق بھی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اسی کو چٹیل میدان کے بعد آبادی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ب: ملاعلی قاریؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ ہر جنتی کو دو جنتیں دی جائیں، ایک تو پہلے ہی سے بھری پڑی ہو اور دوسری خالی ہو، اس کی آبادی اعمالِ صالحہ پر موقوف ہو۔

ج: اور امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جنت کے تمام درخت پہلے ہی سے تیار ہو کر ایک جگہ مجتمع ہیں، اور جو شخص اعمالِ صالحہ کرتا رہتا ہے اسی حساب سے وہ درخت اس کی جنت میں لاکر لگائے جاتے رہتے ہیں۔ (فضائل اعمال ۱/۱۴۲ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لقيت إبراهيم ليلة أسري بي فقال: يا محمد! إقرئي أمتک مني السلام، وأخبرهم أن الجنة طيبة التربة، عذبة الماء، وأنها قيعان وأن غراسها سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر. (سنن الترمذي رقم: ٣٦٦٠)

وقال الملا على القاري في شرحه: والجواب أنها كانت قيعانا ثم أن اللّٰه أوجد بفضله فيها أشجارا و قصوراً بحسب أعمال العاملين لكل عامل ما يختص به بسبب عمله. (مرقاة المباتيح شرح مشكاة المصابيح، الدعوات / باب ثواب التسبيح والتحميد ۲۲۵/٥ تحت رقم: ۲۳۱٥)

ويخطر بالبال واللّٰه أعلم أن أقل أهل الجنة من له جنتان كما قال: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ﴾ [الرحمن ٤٦]

فيقال: جنة فيها أشجار وأنهار وحور وقصور خلقت بطريق الفضل وجنة يوجد فيها ما ذكر بسبب جدور الأعمال والأذكار من باب العدل. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الدعوات / باب ثواب التسبيح والتحميد والتهليل والتكبير، الفصل الثاني ۲۲۵/٥ رقم: ۲۳۱٥ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۳ھ

عقیدۂ شفاعت

سوال (۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شفاعت کسے کہتے ہیں؟ اور قیامت میں انبیاء اولیاء گنہگاروں کی شفاعت کریں گے یا نہیں؟ نیز جو شفاعت کا انکار کرے اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ ان باتوں کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء اہلِ سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ سرور کائنات، فخر موجودات، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے شفاعتِ کبریٰ کے بلند مقام پر سرفراز فرمایا ہے۔ میدانِ حشر میں جب اللہ رب العزت کے جاہ وجلال کے سامنے کسی شخص کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی، اس وقت صرف سیدالانبیاء

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ ربّ العزت میں نہ صرف یہ کہ امتوں کے حساب کتاب کے لئے شفاعت فرمائیں گے؛ بلکہ امتِ محمدیہ کے گنہگاروں کی بخشش کے لئے یعنی آپ کو شریعت کا خصوصی حق دیا جائے گا، اور جب تک ادنی سے ادنی آپ کا اُمتی جہنم سے نکل کر جنت میں نہ چلا جائے گا اس وقت تک آپ برابر سفارش فرماتے رہیں گے۔ صحیح احادیثِ شریفہ میں یہ مضمون بڑی تفصیل کے ساتھ وارد ہے، نیز یہ بھی ثابت ہے کہ دیگر انبیاء، صدیقین، شہداء، علماء اور حفاظ نیز قرآنِ کریم کو بھی اللہ کی اجازت سے شفاعت کے حق سے نوازا جائے گا، اور یہاں یہ نہ کہا جائے کہ قرآنِ پاک کی بعض آیات میں شفاعت کی نفی کی گئی؛ اس لئے کہ وہاں ہر طرح کی شفاعت کی نفی نہیں ہے؛ بلکہ اس شفاعت کی نفی ہے جو اللہ کی اجازت کے بغیر ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت چوں کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہی ہونے والی ہے، اس لئے وہ مذکورہ آیات کا مصداق نہیں۔ خود آیاتِ مذکورہ میں بھی اشارات موجود ہیں۔

چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرۃ: ۲۵۵] (کون ہے جو اللہ کے دربار میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے)

نیز ارشاد ہے: ﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴾ [طٰہٰ: ۱۰۹] (اس دن کام نہ آئے گی سفارش اور جس کو اجازت دی اللہ نے اور پسند کی اسی کی بات)

اِن آیات سے صاف معلوم ہوا کہ اجازت کے بعد شفاعت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے؛ لہٰذا مطلق شفاعت کا انکار کرنے والا شخص قرآن حدیث کا منکر اور صریح گمراہی میں مبتلا ہے، اسے اپنا عقیدہ صحیح کرنا لازم ہے۔

قال اللّٰه تعالی: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ﴾ [المدثر: ٤٨]

﴿مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ﴾ [المؤمن: ١٨]

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه مرفوعًا قال: فيقول اللّٰه تعالیٰ

شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون ولم يبق إلا أرحم الرحمين. (صحيح مسلم ۱۰۳/۱)

عن عثمان ابن عفان رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: يشفع يوم القيامة ثلاثة: الأنبياء ثم العلماء ثم الشهداء. (سنن ابن ماجة: ۳۳۰، رقم: ۴۳۱۳)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة وأول من ينشق عند القبر وأول شافع وأول مشفع. (سنن الترمذي ۲۴۵/۲)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ القرآن فاستظهره شفع في عشرة أهل بيته قد وجبت له النار. (مسند أحمد ۱۸۵۱/۱)

قال النووي: قال القاضي عياض رحمه اللّٰه تعالى: مذهب أهل السنة جواز الشفاعة عقلا ووجوبها سمعا لصريح قوله تعالى: ﴿يَوْمَئِذٍ لَاتَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾

وبخبر الصادق صلى اللّٰه عليه وسلم جاء ت الآثار التي بلغت من مجموعها التواتر لصحة الشفاعة في الآخرة لمذنبي المؤمنين، واجمع السلف الصالح ومن بعدهم من أهل السنة عليها ومنفعت لخوارج وبعض للمعتزلة منها. (شرح النووي على مسلم ۱۰۴/۱)

والشفاعة هي في اللغة: المعونة، وفي الاصطلاح: رفع العقوبة وطلب التجاوز عن الذنب ثابتة ...... الشفاعة المقبولة ثابتة للرسل والأخيار هم الصلحاء والاتقياء والانبياء والشهداء والأصحاب والعلماء في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار خلافًا للمعتزلة. (شرح العقائد النسفية ۱۱۴-۱۱۵)

الحاصل أنه يجب أن يعتقد أن غير النبي من سائر الرسل والانبياء والملائكة والصحابة والشهداء والصدقين والأولياء على اختلاف مراتبهم

ومقامتهم عند ربهم يشفعون وبقدر جاههم ووجاهتهم يشفعون لثبوت الأخبار بذلک وترادف الآثار علی ذلک، وهو أمر جائز غير مستحيل فيجب تصديقه.

(شرح العقيدة الطحاوية ۲۰۹/۲، فتاویٰ محموديه ڈابهيل ۴۰۰/۱-۴۰۱، عقائد أهل السنة والجماعة ۱۴۳-۱۴۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۷/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انبیاء اور اولیاء کو کس قسم کی شفاعت کا حق ہے؟

سوال (۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت سید اسماعیل شہیدؒ نے درج ذیل عبارت میں بظاہر شفاعت کا انکار کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

’’اور جو کسی نبی وولی کو یا امام وشہید کو یا کسی فرشتے کو یا پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے سو وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل‘‘۔ (حوالہ تقویۃ الایمان صفحہ ۲۵، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

اس عبارت کے متعلق وضاحت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقویۃ الایمان کی مذکورہ عبارت کے ایک جملہ ’’اس قسم کا شفیع‘‘ سے مراد کس قسم کا شفیع ہے؟ اس کی وضاحت خود حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب میں فرمادی ہے، مگر معترض نے اس سے پہلے کی عبارت چھوڑ کر اس عبارت کا غلط مفہوم سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ چناں چہ حضرت شاہ صاحبؒ شفاعت کی مختلف قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’**شفاعتِ وجاہت:** یعنی سفارش کرنے والے کی وجاہت کی بنا پر اس سے دب کر اس کی سفارش قبول کرنا، ایسی سفارش کا حق بارگاہ خداوندی میں کسی نبی یا ولی کو ہرگز نہ ہوگا؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کی وجاہت کی بنا پر اس نبی سے دب کر اس کی

سفارش قبول کرے گا، حالاں کہ اللہ رب العزت اس سے منزہ اور پاک ہے؛ اس لئے جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ نبی یا ولی، امام یا شہید وغیرہ سے اللہ رب العزت دب کر اور یہ سمجھ کر اس کی سفارش قبول کرلے گا کہ اگر قبول نہ کریں گے تو اس کی سلطنت کی کچھ رونق گھٹ جائے گی، جیسا کہ دنیا کا بادشاہ اپنی سلطنت کے بڑے رکن کی سفارش اسی وجہ سے قبول کرتا ہے تو ایسا شخص اصلی مشرک اور بڑا جاہل ہے''۔

ایسا شخص مشرک اور جاہل کیوں ہے؟ اس کی وجہ اس عبارت سے بالکل متصل آپ نے بیان کی ہے کہ:

''اس نے خدا کے کچھ معنی ہی نہیں سمجھے اور اس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی، اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک دم میں سارا عالم عرش سے فرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرلے کہ اس کے محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے۔ وہ ہر صورت سے بڑوں کا بڑا ہے اور بادشاہوں کا بادشاہ اس کا نہ کوئی کچھ بگاڑ سکے اور نہ کچھ سنوار سکے''۔ (تقویۃ الایمان ۴۶)

معلوم یہ ہوا کہ مذکورہ فی السوال عبارت کو بیچ سے اٹھا کر اعتراض کیا گیا ہے، اس عبارت کے آگے اور پیچھے کی عبارت کا مطالعہ کرلیا جائے تو بات بے غبار ہو جاتی ہے؛ لہٰذا اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے نبی کو شفیع نہیں مانا ہے، اور ان کا مرتبہ گھٹا دیا ہے بالکل غلط ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ آپ خود شفاعت کی تیسری قسم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کو (یعنی دلالۃً رضامندی پاکر سفارش کرنے کو) شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروانگی سے ہوتی ہے سو اللہ کی جناب میں ایسی قسم کی شفاعت ہوسکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت قرآن وحدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں''۔ (تقویۃ الایمان ۴۸)

چناں چہ خود قرآن کریم اعلان کرتا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں صرف اسی کو شفاعت کا حق ہوگا اور اسی کی شفاعت کارگر ہوگی جس کو اس کی اجازت ملی ہو۔ ﴿لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ﴾ [سبا، آیت: ۲۳]

اسی بات کوحضرت اسماعیل شہیدؒ نے بیان فرمایا ہے کہ انبیاء کوشفاعت بالاذن کا حق ہوگا اوراس کےعلاوہ شفاعتِ وجاہت وغیرہ کا حق نہ ہوگا۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يجتمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا فيأتون آدم، فيقولون: أنت أبو الناس، خلقک اللّٰه بيده، وأسجدَ لک ملائكته، وعلمک أسماء كل شيء، فاشفع لنا عند ربک حتى يريحنا من مكاننا هٰذا، فيقول: لست هناكم، ويذكر ذنبه فيستحي، إيتوا نوحاً ...... فيأتوني فأنطلق حتى استأذن على ربي فيؤذن، فإذا رأيت ربي، وقعت ساجداً فيدعني ما شاء، ثم يقال: إرفع رأسک، وسل تعطه، وقل تسمع، واشفع تشفع...... الخ. (صحيح البخاري ٦٤٢/٢)

والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار – إلى أن قال – لنا قوله تعالىٰ: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ وقوله تعالىٰ: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ﴾ – إلى أن قال–: وقوله عليه الصلاة والسلام: ”شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي“ وهو مشهور بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنى. (شرح العقائد للنسفي ٨٨)

وشفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام حق: أى عموماً في المقصود (وشفاعة نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم): أي خصوصاً في المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود (للمؤمنين المذنبين): أي من أهل الصغائر المستحقين للعقاب (ولأهل الكبائر منهم): أي من المؤمنين (المستوجبين للعقاب، حق ثابت) فقد ورد: (شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي) رواه أحمد وأبوداؤد والترمذي وابن حبان والحاكم عن أنس، والترمذي وابن ماجة وابن حبان والحاكم عن جابر، والطبراني عن ابن عباس، والخطيب عن ابن عمر وعن كعب بن عجر ة رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما، فهو حديث مشهور في المعنى؛ بل

الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنى". (شرح الفقه الأكبر ٩٤ كراچی، شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الدمشقي ١٦٧ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اولیاء اللہ کو متصرف ماننا درست نہیں

سوال (۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی درج ذیل عبارت کا مطلب واضح فرمائیں: ''اور کسی انبیاء اور اولیاء کی پیر وشہید کی بھوت وپری کی یہ شان نہیں ہے کہ کوئی ایسا تصرف کرے اس سے مرادیں مانگیں اور توقع پر نذر ونیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے''۔ (حوالہ تقویۃ الایمان ۸-۹، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

اب سوال یہ ہے کہ کیا نذر ونیاز کرنے سے آدمی کافر ومشرک ہو جاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عبارت تقویۃ الایمان مطبوعہ عبدالغنی ۱۳/ پر ہے، معترض یہاں پر عبارت پانچ لائن اوپر سے نقل کرتا تو پھر کوئی اشکال باقی نہ رہتا، وہ عبارت یہ ہے:

''دوسری بات یہ ہے کہ عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا، روزی کی کشائش اور تنگی کرنا، تندرست اور بیمار کر دینا، فتح وشکست دینا، اقبال وادبار دینا، مرادیں پوری کرنی، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دست گیری کرنی برے وقت میں پہونچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے''۔

یہ سب اللہ رب العزت کی خاص صفات ہیں۔ ان صفاتوں کا غیر اللہ میں ماننا شرک فی الصفات والتصرف ہے؛ لہٰذا انبیاء واولیاء میں ایسی صفات کا ماننا اور یہ سمجھنا کہ وہ ایسا تصرف کر سکتے ہیں، یعنی کسی کو بیمار کر سکتے ہیں، کسی کی مرادیں پوری کر سکتے ہیں اور اسی امید پر نذر ونیاز ان کے

لئے کرنا، ان سے منتیں ماننا، یہ ناجائز اور شرک ہے، قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ غیر اللہ کے لئے ایسا تصرف ثابت کرنے کی کھلم کھلا نفی کرتی ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا، قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا﴾ [جن: ۲۲]

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں ہے۔

﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَھُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْئًا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ﴾ [نحل: ۷۳]

اور غیر اللہ کسی چیز کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں۔

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ، فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [یونس: ۱۰۶]

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَایَمْلِکُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَھُمْ فِیْھِمَا مِنْ شِرْکٍ وَّمَالَھُمْ مِّنْھُمْ مِّنْ ظَھِیْرٍ﴾ [سبا: ۲۲]

﴿قُلْ مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ﴾ [مؤمنون: ۸۸-۸۹]

احادیثِ شریفہ میں بھی اللہ کے ساتھ ایسے عمل میں شریک کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قال اللّٰه تعالى: إذا أغني الشركاء عن الشرك من اعمل عملاً أشرك فيه معي غيري تركته وشركه. وفي رواية: فأنا منه برئ. (صحيح مسلم رقم: ٤٦-٢٩٨٥، سنن ابن ماجة رقم: ٤٢٠٢، مشكوة المصابيح ٤٥٤ سعد بكڈپو)

وعن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كنت خلف رسول اللّٰه ﷺ يوما فقال: إحفظ اللّٰه يحفظك احفظ اللّٰه تجده تجاهك، وإذا سألت فاسئل اللّٰه، وإذا استعنت فاستعن باللّٰه، وأعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه اللّٰه لك، ولو اجتمعوا على أن يضروك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه اللّٰه عليك، رفعت الأقلام وجفت الصحف.

(سنن الترمذي رقم ٢٥١٦، مسند أحمد ٢٩٣/١٧، مشكوة المصابيح ٤٥٣)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ليسأل أحدكم ربه حاجته كلها وحتى يسئله شسع نعله إذا إنقطع. (سنن الترمذي رقم ٢٦٨٢،مشكوة المصابيح ١٩٦)

یعنی اللہ ہی سے اپنی تمام حاجتیں مانگے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ اگر ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگے۔

اور صاحبِ روح المعانی اولیاء سے خواہ زندہ ہوں یا انتقال فرما گئے ہوں، ان سے مانگنے کو شرک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

إن الناس قد أكثر من دعا غير اللّٰه تعالى من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل يا سيدي فلان أغثنى، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء، وقد عده أناس من العلماء شركا وأن لا يكنه فهو قريب من، ولا أرى أحداً ممن يقول ذلك إلا وهو يعتقد أن المدعو الحى الغائب المبت المغيب يعلم الغيب، أو يسمع النداء، ويقدر بالذات أو بالغير على جلب الخير ودفع الأذى. (روح المعاني زكريا ٤/ ١٨٨، المائدة: ٣٥)

اِن تمام آیات واحادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی کی حاجت پوری کرنا، مصیبت کو دور کرنا اللہ کے علاوہ کسی کی قدرت میں نہیں ہے؛ لہٰذا کسی نبی یا ولی کو مصیبت کے وقت یہ عقیدہ رکھ کر پکارنا شرک ہے۔

تقویۃ الایمان کی مذکورہ بالا عبارت میں یہی بات کہی گئی ہے جو قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے، اس کے خلاف نہیں، اس کی وجہ سے کسی نبی یا ولی کے حقیقی مرتبہ اور عظمت میں کچھ بھی نقص نہیں آتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بزرگوں کو اپنی قبروں میں متصرف سمجھنا

سوال (۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اولیاء کرام اور بزرگانِ دین کیا قبروں میں زندہ ہیں؟ جو لوگ مزاروں پر جاتے ہیں اور اپنے حق میں دعا کراتے ہیں، کیا وہ دعا کرتے ہیں؟ لوگ ان کی دعاؤں سے فیض یاب ہوتے ہیں؟ قرآنِ پاک میں کون سے پارے میں یا کونسی سورت میں اس کا ذکر ہے، اور بخاری شریف میں کسی جگہ ذکر ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بزرگوں کے مزارات پر جاکر ان سے براہ راست دعائیں کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کے تصرف سے ہمارے بگڑے ہوئے کام بن جائیں گے قطعاً جائز نہیں ہے، بلکہ موجبِ شرک ہے؛ البتہ اگر دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا وسیلہ پکڑا جائے تو اس کی گنجائش ہے، اس کے لئے مزاروں پر جانا بھی ضروری نہیں؛ بلکہ گھر میں بیٹھ کر بھی دعاء میں وسیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۳/۳)

عن النعمان بن بشير رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الدعاء هو العبادة، ثم قرأ: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ هذا حديث حسن صحيح (سنن الترمذي ۲/۱۷۵)

والعبادة لاتكون للمخلوق. (البحر الرائق ۲/۲۹۸)

فخطب الناس عمر رضي اللّٰه عنه، فقال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم كان يرى للعباس ما يرى الولد للوالد، فاقتدوا أيها الناس برسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في عمه العباس، واتخذوه وسيلة إلى اللّٰه. (فتح الباري ٦٣٢/٣ تحت رقم: ١٠١٠ دارالكتب العلمية بيروت)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب رضي اللّٰه عنه، فقال: اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا صلى اللّٰه عليه وسلم فتسقينا وإنا نتوسل إليک بعم نبينا فأسقنا، قال: فيسقون. (صحيح البخاري ١٣٧/١، رقم: ١٠٠٠)

ولا أرى أحداً ممن يقول ذٰلک إلا وهويعتقد أن المدعو الحي الغائب، أو الميت المغيب يعلم الغيب، أويسمع النداء، ويقدر بالذات أو بالغيرعلى جلب الخير ودفع الأذىٰ، وإلا لما ادعاه، ولا فتح فاه. (روح المعاني (المائدة: ٣٥) ١٢٨/٦ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وفي البزازية: قال علماؤنا: من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر.

(البحر الرائق ٢٠٩/٥، مجمع الأنهر ٦٩١/١ بيروت)

والتفسير في المسئلة أن التوسل بالمخلوق له تفاسير ثلاثة: الأول: دعاؤه واستغاثته كديدن المشركين وهو حرام إجماعاً. الثاني: طلب الدعاء منه ولم يثبت في الميت بدليل فيختص هٰذا المعنى بالحي. والثالث: دعاء اللّٰه ببركة هٰذا المخلوق المقبول، وهٰذا قد جوّزه الجمهور. (بوادر النوادر ٧٠٦/٢-٧٠٨ لاهور وزمزم ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۳/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اولیاء اللہ اپنی قبروں میں اَجسام کے ساتھ زندہ ہیں؟

سوال (۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جو حقیقت میں اولیاء اللہ ہیں کیا عالم برزخ میں وہ اسی طرح اپنے جسموں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں، یا ان کا معاملہ عام انسانوں کی طرح ہے، یعنی عام انسان اپنی روحوں کے ساتھ زندہ ہیں اور جسموں کو زمین کھا جاتی ہے، یا ان کا معاملہ انبیاء علیہم السلام اور عام انسانوں دونوں سے مختلف ہے، اگر مختلف ہے تو کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وفات کے بعد جسم کا مٹی بننے سے محفوظ رہنا صرف انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے، بقیہ کسی کے لئے خواہ وہ شہداء ہوں یا اولیاء اللہ بدن کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اور شہداء کے لئے قرآنِ پاک میں جس حیات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ حیاتِ برزخی ہے، اس کے لئے بدن کا سالم رہنا شرط نہیں ہے؛ البتہ تاریخ میں بعض ایسے واقعات بھی ثابت ہیں جن میں غیر نبی کے اجسام کا محفوظ ہونا معلوم ہوتا ہے، یہ واقعات شاذ ونادر ہیں ان سے کوئی کلی اصول مستنبط نہیں کیا جاسکتا۔

إن اللّٰه عز وجل حرّم على الأرض أجساد الأنبياء. (سنن أبي داؤد ١٥٠/١)

وأما القول بحياة هذا الجسد الرميم مع هدم بنيته وتفرق أجزائه وذهاب هيئته، وإن لم يكن ذلک بعيدا عن قدرة من يبدأ الخلق ثم يعيده، لكن ليس إليه كثير حاجة، ولا فيه مزيد فضل، ولاعظيم منة، بل ليس فيه سوى إيقاع ضعفة المومنين بالشكوک والأوهام وتكليفهم. (روح المعانی زکریا ٣٢/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۳/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَنبیاء، صحابہ اور اَولیاء کی قبروں پر جا کر دعا کی درخواست کرنا

سوال (۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انبیاء کرام، صحابہ کرام، اولیاء اللہ، شہداء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور لوگوں کے لئے اپنی قبور

میں کچھ کرسکتے ہیں؟ ان سے کہنا کہ ہمارے لئے یہ کروادیں کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حضراتِ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ موجود ہیں، ان کے جسم کو زمین نہیں کھاسکتی؛ لیکن حضراتِ صحابہ اور شہداء کرام کو ایسی حیات حاصل نہیں ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام سے طلب شفاعت درست ہے؛ لیکن کسی صحابی یا ولی سے اس طرح دعا کے لئے کہنا صحیح نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [الفاتحة: ٤]

وقال عليه السلام: إذا سألت فاسئل اللّٰه، وإذا استعنت فاستعن باللّٰه.

(مشکوٰة المصابيح / باب التوكل والصبر ٤٥٣/٢)

قال العلامة الآلوسي: ولا أرى أحداً فمن يقول ذٰلک إلا وهو يعتقد أن المدعو الحي الغائب أو الميت المغيب يعلم الغيب أو يسمع النداء، ويقدر بالذات أو بالغير على جلب الخير ودفع الأذى، وإلا لما أدعاه ولا فتح فاه، لم يشک في أن الاستغاثة بأصحاب القبور...... أمر يجب اجتنابه، ولا يليق بأرباب العقول ارتكابه. (روح المعاني، المائدة: ٣٥، ١٢٨/٦-١٢٩ دار إحياء التراث العربي)

عندنا ومشائخنا حضرة الرسالة صلى اللّٰه عليه وسلم حي في قبره الشريف وحياته صلى اللّٰه عليه وسلم دنوية من غير تكليف وهي مختصة به صلى اللّٰه عليه وسلم وبجميع الأنبياء صلاة اللّٰه عليهم. (المهند على المفند ٣٧-٣٨، مرقاة المفاتيح ٢٥٦/١١، رسائل بن عابدين ٢٠٢/٢، شرح الشفاء للملا علي القاري ٤٩٩/٣، فتح الباري ١٣٠/١، عقائد أهل السنة والجماعة ١٧٠)

عن العتبي قال: كنت جالساً عند قبر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فجاء أعرابي، فقال: السلام عليک يا رسول اللّٰه، سمعت اللّٰه يقول: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ

ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُ وْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ وقد جئتك مستغفراً لذنبي مستشفعاً بك إلى ربي، أنشأ يقول:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي التُّرْبِ اَعْظُمُهٗ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنّ الْقَاعُ وَالْاُكُمْ
نَفْسِيْ الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمْ

ثم انصرف الأعرابي، فغلبتني عيني فرأيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في النوم، فقال: يا عتبي ألحق الأعرابي، فبشره أن اللّٰه قد غفر له. (تفسير ابن كثير، النساء: ٦٤، ١/٦٩١ مكتبة دار الفيحاء) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۸/۱۴۱۷ھ

اللہ کی صفاتِ عالیہ، قرآنِ کریم اور حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا؟

سوال (٦٥): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا دعا مانگتے وقت دعا میں اللہ کو نبی علیہ السلام کا واسطہ یا اللہ کے جلال قرآن وغیرہ کا واسطہ دے کر دعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفاتِ عالیہ اور قرآنِ کریم کے واسطے سے دعا کرنے کا حکم خود اَحادیثِ شریفہ میں وارد ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اور وسیلے سے بھی دعا کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ دراصل اس رحمتِ خداوندی کے وسیلے کے مرادف ہے جو اعمالِ صالحہ کی بدولت پیغمبر علیہ السلام کو حاصل ہے؛ لہٰذا اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يَأَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ [المائدة: ۳۵]

اللّٰهم إني أشهدک أنک أنت اللّٰه لا إلٰه إلا اللّٰه الأحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد، اللّٰهم آنس وحشتي في قبري، اللّٰهم ارحمني بالقرآن العظيم.

(الحزب الأعظم ۱۸۵/٤٤)

عن عمر ابن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال في واقعة العباس: اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا صلى اللّٰه عليه وسلم فتسقينا وإنا نتوسل إليک بعم نبينا فاستقنا. (صحيح البخاري ۱۳۷/۱)

وفي الباب حديث عثمان بن حنيف رضي اللّٰه عنه: (سنن الترمذي أبواب الدعوات / باب دعاء النبي ﷺ وتعوذه في دبر كل صلاة ۱۹۸/۲ رقم: ۳۵۷۸)

عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصادقين في حياتهم وبعد وفاتهم. (المنهد على المفند ۱۳۱۲)

وقال السبكي: يحسن التوسل بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف والخلف. (عقائد أهل السنة والجماعة مدلل ۱۷۵-۱۷٦، فتاوی محمودیه ۱۳۲/۳ میرٹھ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور پاک علیہ السلام اور بزرگوں کے وسیلہ سے دعا کرنا

سوال (٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور پاک ﷺ کے وسیلہ سے یا بزرگانِ دین کے صدقہ طفیل سے دعاء مانگنا کہاں ثابت ہے؟ دعاء بغیر وسیلہ کے بھی مانگ سکتے ہیں، تو وسیلہ تلاش کرنے سے کیا مراد ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آنحضرت ﷺ اور بزرگانِ دین کے وسیلہ سے اس

عقیدہ کے ساتھ دعاء مانگنا درست اور ثابت ہے کہ ان بزرگوں کے صدقہ میں ہماری دعاء بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل کرنے کی زیادہ مستحق ہوگی۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعاء مانگا کرتے تھے۔ ادعیہ ماثورہ کی مشہور کتاب حصن حصین میں وسیلہ کو آدابِ دعاء میں شمار کیا ہے، اور علامہ شامیؒ نے علامہ سبکیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ دعاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ درست ہونے پر سوائے علامہ ابن تیمیہؒ کے سارے علماء سلف وخلف متفق ہیں۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب رضي الله عنه، فقال: اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا صلى الله عليه وسلم وإنا نتوسل إليک بعم بنبينا فاسقنا. (صحيح البخاري ١/١٣٧)

وقال في الشامي: وقد عد من آداب الدعاء التوسل على ما في الحصن. فيه: وقال السبكي: يحسن التوسل بالنبي إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية فابتدع مالم يقله عالم قبله. (شامی کراچی ٦/٣٩٧، زكريا ٩/٥٦٩، البحر الرائق ٨/٢٠٧، بدائع الصنائع زكريا ٤/٣٠٢، عين الهداية زكريا ٤/٣٥٧، روح المعاني ٦/١٢٨)

عن عثمان بن حنيف أن رجلاً كان يختلف أبي عثمان ابن عفان في حاجة له فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر في حاجته فلقى عثمان فصل فيه ركعتين، ثم قل: إني أسئلک وأتوجه إليک بنبينا محمد صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وآله وسلم نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بک إلى ربي فتقضي لحاجة. (المعجم الصغير ١٠٣)

وبعد هٰذا كله أنا لا أرى بأساً في التوسل إلى اللّٰه تعالیٰ بجاه النبي صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم عند اللّٰه تعالیٰ حياً وميتاً، ويراد من الجاه معنىً يرجع إلى صفة من صفاته تعالیٰ، مثل أن يراد به المحبة التامة المستدعية عدم رده وقبول شفاعته، فيكون معنىً قول القائل: إلٰهي! أتوسل بجاه نبيک صلى اللّٰه عليه تعالیٰ عليه وسلم أن تقضى لي حاجتي، إلٰهي! اجعل محبتک له وسيلةً في قضاء حاجتي......الخ.

إن التوسل بجاه غير النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا بأس به أيضاً إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند اللّٰه تعالىٰ كالمقطوع بصلاحه وولايته، وأما من لا قطع في حقه بذٰلک فلا يتوسل بجاهه. (روح المعاني ١٢٦/٦-١٢٩، المائدة: تحت آية: ٣٥، مطبوعة مصطفائية ديوبند، المدخل ٢٥٤/١ مصر، بحواله: فتاویٰ محمودیه میرٹھ ١٣٢/٣-١٤٦، امداد الفتاویٰ زکریا ٣٦/٤)

قال ابن حجر: واستسقى معاوية بيزيد بن الأسود فقال: اللّٰهم إنا نستسقي بخيرنا وأفضلنا، اللّٰهم إنا نستسقي بيزيد بن الأسود، يا يزيد! ارفع يديک إلى اللّٰه، فرفع يديه ورفع الناس أيديهم، فثارت سحابة من المغرب كأنها ترس، وهبّت ريح، فسقوا حتى كاد الناس لا يبلغون منازلهم. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة / باب الاستسقاء ٦١٩/٣-٦٢٠ كوئٹه)

وقال السبكي يحسن التوسل بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف والخلف إلا ابن تيمية فابتدع ما لم يقله عالم قبله. (رد المحتار، الحظر والإباحة / فصل في البيع ٥٦٩/٩ زكريا، ٣٩٧/٦)

ويستفاد من قصة العباس رضي اللّٰه عنه استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة. (فتح الباري ١٥١/٣)

عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين في حياتهم وبعد وفاتهم بأن يقول في دعائه: اللّٰهم إني أتوسل إليک بفلان أن تجيب دعوتي وتقضي حاجتي إلى غير ذٰلک. (المنهد على المفند ١٢-١٣، عقائد أهل السنة والجماعة مدلل ١٧٥ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۱/۴/۱۴۱۲ھ

دعاؤں میں توسل اور عقیدۂ حیات النبی ﷺ

ســـوال (٦٧): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عام طور پر لوگ اولیاء اللہ کا وسیلہ لیتے ہیں تو کیا یہ شرک ہے؟ مگر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ مانگنا اپنی دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیوں؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان تھے، اور وہ انتقال فرما چکے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وسیلہ سے دعا مانگنا مطلقاً شرک نہیں ہے، وسیلہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آدمی اللہ کے کسی مقرب بندے کے اعمالِ صالحہ کو مقبول سمجھ کر دعا کی قبولیت میں ان کو ذریعہ بنائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اصل میں فیصلہ کرنے والی ذات تو اللہ کی ہے، جس پر نہ کسی کا دباؤ ہے اور نہ زور وز بردستی، تاہم اس نے خود مقبول اعمال کی برکت سے اللہ تک وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے اس عمل کو اختیار کیا جارہا ہے۔ بزرگانِ دین اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے وسیلہ کا مطلب ان کی ذات کا وسیلہ نہیں ہے؛ بلکہ ان کے مقبول اعمال کا وسیلہ ہے؛ کیوں کہ وہ ان اعمال سے متصف ہیں، اس لئے ان کا نام لے لیا جاتا ہے؛ لہٰذا اولیاء اللہ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے دعا مانگنا جائز ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص وسیلہ کا مطلب یہ سمجھے کہ نعوذ باللہ بزرگوں کا نام لیتے ہی اللہ پر قبول کرنا لازم ہوجائے گا، تو ظاہر ہے کہ یہ بالکل ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کے کہنے کا پابند نہیں ہے، وسیلہ کے متعلق حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن عثمان بن أبي حنيف أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: أدعوا اللّٰه أن يعافيني، قال: إن شئت دعوت وإن شئت صبرت فهو خير لك، قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعو بهٰذه الدعاء: ”اللّٰهم إني أسئلك وأتوجه إليه بنبيك محمد نبي الرحمة إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هٰذه لتقضي لي، اللّٰهم فشفعه في“ هٰذا حديث حسن صحيح. (سنن

الترمذي ۱۹۸/۲، المعجم الكبير ۳۱/۹، مسند امام احمد ۱۳۸/٤، مستدرك حاكم ۷۰۱/۱، المعجم الصغير للطبراني رقم ۱۰۳)

وبعد هٰذا كله أنا لا أرى بأسا في التوسل إلى اللّٰه تعالىٰ بجاه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عند اللّٰه تعالىٰ حياً وميتاً – إلى قوله – وإن التوسل بجاه غير النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا بأس به أيضاً إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند اللّٰه تعالىٰ كالمقطوع بصلاحه وولايته. (روح المعاني ۱۸٤/٤)

اعلم أنه يجوز ويحسن التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى ربه سبحانه وتعالىٰ وجواز ذٰلک وحسنه من الأمور المعلومة لكل ذي دين والمعروفة من فعل الأنبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء والعوام من المسلمين، ولم ينكر أحد ذٰلک من أهل الأديان، ولا سمع به زمن من الزمان حتى جاء ابن تيمية فتكلم في ذٰلک. (شفاء السقام ۱۳۳، خلاصة الوفاء ۵۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیوی اعتبار سے وفات پاچکے ہیں؛ لیکن اپنی قبرِ اطہر میں اعلیٰ درجہ کی برزخی حیات کے ساتھ تشریف فرما ہیں، اور قبر میں اس خاص برزخی حیات کا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے مجھ تک پہنچاتے ہیں، اور جو میری قبر پر آ کر درود پڑھتا ہے تو میں خود اسے سن کر جواب دیتا ہوں''۔ اگر آپ کو برزخی حیات حاصل نہ ہوتی تو آپ سن کر کیسے جواب دیتے؟ الغرض آپ کی وفات عنصری ہے، اور حیات برزخی؛ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن أوس بن أوس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: فأكثروا علي من الصلوٰة فيه فإن صلاتكم معروضة عليّ، فقال رجل يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! وكيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت؟

قـال: يـقـولون بليت، قال: إن اللّٰه عزوجل قد حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء عليهم السلام. (سنن ابن ماجة ٧٦، سنن أبي داؤد ١/ ١٥٠، سنن النسائي ١/ ٢٠٣)

عن أبي الدرداء رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اكثـروا الـصـلـوٰة عليّ فإنه شهود وتشهده الملائكة وإن أحداً لن يصلي علي إلا عـرضـت عـلـي صـلاتـه حتـى يـفـرغ منها، قال: قلت: وبعد الموت؟ قال: وبعد الـمـوت إن الـلّٰه تعالىٰ حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبيـاء فنبي اللّٰه حيي يرزق. (سنن ابن ماجة ١١٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۳/۴/۲۸ھ

اولیاء اور مشائخ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

سوال (٦٨): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس طرح اعمال صالحہ کے وسیلہ سے حق تعالیٰ سے دعا مانگنا درست ہے، کیا بزرگوں، مشائخ، اولیاء اللہ کے وسیلہ اور طفیل سے بھی دعاء مانگنا درست ہے، خواہ وہ مشائخ اولیاء اللہ حیات ہوں یا انتقال فرما گئے ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: معتبر اور متبع شریعت مشائخ اور اولیاء اللہ کے وسیلہ اور واسطہ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا کرنا بشرطیکہ بذاتِ خود ان مشائخ کے اختیار رکھنے کا عقیدہ نہ ہو؛ بلکہ انہیں محض وسیلہ بنایا جائے، تو یہ اہل سنت والجماعت اور حضراتِ اکابر دیوبند کے نزدیک بلاشبہ درست ہے۔

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: إن التـوسـل بـجـاه غير النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا بـأس بـه أيضاً إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند اللّٰه

تعالیٰ کالمقطوع بصلاحه وولایته. (روح المعاني ٦/١٢٨)

اورزندہ بزرگوں کے وسیلہ سے بھی دعا مانگی جاسکتی ہے، چناں چہ ایک مرتبہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی، تو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (آنحضرت ﷺ کے عم محترم) کے وسیلہ سے دعا مانگی ہے، دعا کے الفاظ یہ ہیں:

فقال: اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا صلى اللّٰه عليه وسلم فتسقينا وإنا نتوسل إليک بعم نبينا فاسقنا، قال: فيسقون. (صحيح البخاري ١/١٣٧)

علماء دیوبند کی مشہور کتاب ''المہند علی المفند ۱۲-۱۳'' پر بھی حیات ووفات دونوں حالتوں میں توسل کی اجازت دی گئی ہے۔ (بحوالہ تسکین الصدور ۳۴۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۳/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگنا؟

سوال (٦٩): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اہل بیت اور شہداء اسلام اور خصوصاً حضرت حسین کے وسیلے سے دعا مانگنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سبھی شہداء کے وسیلہ سے دعا مانگی جاسکتی ہے، اس میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

عندنا وعند مشايخنا: يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين في حياتهم وبعد وفاتهم. (المهند على المفند مع فتاوى خليليه ٣٣٧)

إن التوسل بجاه غير النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وآله وسلم لابأس به أيضا، إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاها عند اللّٰه تعالى كالمقطوع بصلاته وولايته. (روح المعاني ٥/١٨٨)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه کان إذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضي اللّٰه عنه، فقال: اللّٰهم إنا کنا نتوسل إلیک بنبینا صلی اللّٰه علیه وسلم فتسقینا، وإنا نتوسل إلیک بعم بنبینا فاسقنا، قال: فیسقون. (صحیح البخاري ۱۳۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شفاء کے عقیدے سے ریکارڈنگ پر قرآنی آیات سننا

سوال (۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے صوبۂ گجرات میں ریکارڈنگ جو آیات قرآنی پر مشتمل ہے، جو رقیہ شرعیہ کے نام سے عوام وخواص میں گردش کررہا ہے، اسے سننے والا شفاء حاصل کرنے کی غرض سے سنتا ہے اور پڑھنے پر بھی سننے کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے متعلق کچھ سوالات درپیش ہیں: کیا کسی ریکارڈنگ سننے سے یہ اعتقاد قائم کرنا کہ اس سے شفاء حاصل ہوتی ہے، از روئے شریعت کیسا ہے؟ کیا یہ ریکارڈنگ قرآن پڑھ کر بند کرنے کے حکم میں آئے گی؟ جب کہ اس کے سننے سے سجدہ وغیرہ واجب نہ ہونے پر اتفاق ہے۔ کیا یہ اعتقاد رکھنا کہ اس سے سحر اور جادو جیسے مہلک امراض ختم ہوجاتے ہیں، درست ہے؟ آج کے اس پرفتن دور میں اس قسم کی ریکارڈنگ کو رواج دینا کیسا ہے؟ جب کہ اغیار وباطل کی طرف سے طرح طرح کے الیکٹرانک ذرائع امت میں داخل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: ریکارڈنگ کی آواز صدائے بازگشت کے حکم میں ہے، اس کے سننے میں تو حرج نہیں ہے؛ لیکن اس عقیدے کے ساتھ سننا کہ سننے سے وہی اثر ہوگا جیسے آیاتِ قرآنیہ پڑھ کر دَم کرنے سے ہوتا ہے یہ قطعاً غلط اور بے دلیل ہے، اس میں وہ تاثیر ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی جو کسی مکلّف مسلمان صاحبِ علم وعمل کے پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ نیز اس طرح

کی چیزوں کے رواج سے دینی امور کے ساتھ بے حرمتی اور لہو ولعب سے مشابہت بھی لازم آتی ہے، لہٰذا اس کی شرعاً تائید نہیں کی جاسکتی؛ بلکہ اس پر نکیر کرنا ضروری ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے اس کے سننے سے فائدہ پہنچا ہے، تو یہ فائدہ سننے سے نہیں؛ بلکہ اس کے وہم وعقیدے سے ہے؛ کیوں کہ اکثر اوپری بیماریوں کا تعلق وہم سے ہوتا ہے اور یہ وہم جیسے بھی دور ہوجائے آدمی کو سکون مل جاتا ہے؛ لہٰذا اسے قرآنی آیات کا اثر سمجھنا صحیح نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۷/۲/۴۷)

بخلاف السماع عن الببغاء والصدی فإن ذٰلک لیس بتلاوة، وکذا إذاسمع من المجنون؛ لأن ذٰلک لیس بتلاوة صحیحة لعدم أهلیة القاري. (بدائع الصنائع ۷٤٢/١، شامی کراچی ١٠٨/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۵/۳/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا فلم دیکھنے والا اسلام سے خارج ہوجاتا ہے؟

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ کہتے ہیں اور فتوی دیتے ہیں کہ جو آدمی فلم دیکھے تو چالیس دن تک وہ اسلام سے خارج رہتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فلم بینی بلا شبہ ناجائز اور حرام ہے؛ لیکن اس کی بناء پر فلم دیکھنے والے کو چالیس روز تک اسلام سے خارج گردانا درست نہیں؛ کیوں کہ گناہ کے ارتکاب سے کوئی شخص اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

قال عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه تعالیٰ عنه: الغناء ینبت النفاق في القلب. (شعب الإیمان ٢٧٨/٤ رقم: ٥٠٩٨)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه

وسلم: **النظرة سهم مسموم من سهام إبليس، من تركها من مخافتي أبدلته إيماناً يجد حلاوته في قلبه.** (المعجم الكبير للطبراني ۱۰/۱۷۳)

أما التلفزيون والفديو فلا شک في حرمة استعمالهما بالنظر إلى ما يشتملان عليه من المنكرات الكثيرة من الخلاعة والمجون، والكشف عن النساء المتبرجات أو العاريات، وما إلى ذٰلک من أسباب الفسوق. (تكملة فتح الملهم ۱٦٤/٤)

استماع الملاهي معصية. (شامی، الحظر والإباحة ۹/٥٠٤ زكريا)

ولا نكفر مسلما بذلک من الذنوب وإن كانت كبيرة. (شرح الفقه الأكبر ۸٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا فاسق وفاجر کی مغفرت نہ ہوگی؟

سوال (۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا فاسق وفاجر شخص کی بخشش نہیں ہوگی، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فاسق وفاجر شخص کی بخشش اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب دے، نیز باجازتِ خداوندی انبیاء، صلحاء، علماء اور حفاظ کی سفارش سے فاسقوں کی مغفرت میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۱/۱۳۵)

إن مذهب أهل السنة وما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً دخل الجنة قطعاً – إلى قوله – فلا يخلد في النار أحد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصي ما عمل كما أنه لا يدخل الجنة أحد مات على الكفر ولو عمل من أعمال البر ما عمل. (شرح النووي على مسلم ۱/٤١)

والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر، وقال المحشي: (قوله) والأخيار هم الصلحاء والأتقياء والأنبياء والشهداء والأصحاب **والعلماء.** (شرح العقائد النسفية ١١٤)

وأهل الكبائر من أمة محمد صلى اللّٰه عليه وسلم في النار لا يخلدون، إذا ماتوا وهم موحدون، وإن لم يكونوا تائبين، بعد أن لقُوا اللّٰه عارفين مؤمنين، وهم في مشيئته وحكمه إن شاء غفر لهم، وعفا عنهم بفضله، كما ذكر عزوجل في كتابه: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ﴾ [النساء: ٤٨]

وإن شاء عذبهم في النار بعدله، ثم يخرجهم منها برحمته وشفاعة الشافعين من أهل طاعته، ثم يبعثهم إلى جنته. (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الدمشقي ٢٩٦، الفتاویٰ التاتارخانية ٥١٨/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۵/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بداخلاق جنت میں نہ جائے گا؟

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی روایت میں یہ بھی ہے کہ بداخلاق آدمی جنت میں نہیں جائے گا، اگر ہوتو تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ: **لا يدخل الجنة الجواظ.** (سنن أبي داؤد ٦٦١/٢) (یعنی بدخلق شخص جنت میں نہ جائے گا) مگر علماء اہلِ سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بداخلاق مؤمن آدمی اگر توبہ نہ کرے تو وہ پہلے مرحلہ میں جنت میں داخلہ کا مستحق نہ ہوگا، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کبھی جنت میں داخل ہی نہ ہوگا۔

أي لا يدخلها مع بذٰلك بل يصفى من خبث القطيعة إما بالتعذيب أو

بـالـعـفـو، وكـذا يـقال في نحو لا يدخل الجنة متكبر وشبهه، وهو محمول على المستحل أو على سوء الخاتمة. (فيض القدير ٥٥٢/٦ بيروت)

أحـدهما يحمل على المستحل بغير تاويل مع العلم بالتحريم، والثاني لا يدخلها دخول الفائزين. (شرح النووي على مسلم ٧١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۶/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کیا خودکشی کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

سوال (۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خودکشی حرام ہے تو کیا اگر کوئی متقی شخص خودکشی کر بیٹھے تو وہ جہنم میں لازمی طور پر جائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا، یا دوسرے گنہگار مسلمانوں کی طرح اس کا معاملہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے چاہے وہ پہلے سے متقی شخص ہی کیوں نہ ہو؛ تاہم اگر کوئی مؤمن خودکشی کا مرتکب ہوجائے تو انشاء اللہ اپنے ایمان کی بدولت خودکشی کی سزا بھگتنے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی ملنے کے بعد وہ جنت میں داخل کردیا جائے گا۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [النساء: ٢٩]

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ [النساء: ٣٠]

عن أبي هريرة رضي الله عنه أراه رفعه قال: من قتل نفسه بحديدة جاء يوم القيامة وحديدته في يده يتوجأ بها بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً أبدا. (سنن الترمذي ٢٥/٢)

وأما أحـكام الأحاديث ومعانيها ففيها بيان تحريم قتل نفسه. (شرح النووي

على صحيح مسلم ٧٣/١، فتح الباري ٥٩٣/٣، عمدة القاري ١٩١/٤ بيروت)

إن مذهب أهل السنة وما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً دخل الجنة قطعاً – إلى قوله – فلا يخلد في النار أحد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصي ما عمل كنا أنه لا يدخل الجنة أحد مات على الكفر ولو عمل من أعمال البر ما عمل. (شرح النووي على مسلم ٤١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۱/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا کسی کی جائیداد ہڑپنے سے ایمان نکل جاتا ہے؟

سوال (۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایمان کن کن باتوں سے نکل جاتا ہے؟ کیا کسی کی جائیداد یا مال لے لیا تو لینے والا شخص بغیر ایمان رہ جاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایمان کا تعلق عقیدہ سے ہے، اگر عقیدہ میں کوئی بگاڑ ایسا آجائے جو ایمان کے تقاضے کے بالکل منافی ہو، تو پھر آدمی ایمان والا نہیں رہتا، مثلاً کوئی ایسا عقیدہ رکھا جو امت کے اجماعی عقیدہ یا قرآن وسنت کے خلاف ہے، تو آدمی کا ایمان جاتا رہتا ہے، اور کسی کی جائیداد ناحق دبالینا یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہوجانا اگرچہ قطعاً ممنوع اور حرام ہے؛ لیکن ان گناہوں کی وجہ سے آدمی نفسِ ایمان سے محروم نہیں ہوتا۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من ظلم قيد شبرٍ من الأرض طوّقه من سبع أرضين. (رواه البخاري، الظالم / باب إم من ظلم شيئاً من الأرض رقم: ٢٤٥٣، صحيح مسلم، المساقاة / باب قدر الطريق إذا اختلفوا فيه، رقم: ١٦١٢)

إجماع أهل الحق على أن الزاني والسارق والقاتل وغيرهم من أصحاب

الكبائر غير الشرك لا يكفرون بذلك بل هم مؤمنون ناقصوا الإيمان إن تابوا سقطت عقوبتهم. (شرح النووي على مسلم ١/٥٥)

إن مذهب أهل السنة وما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً دخل الجنة قطعاً – إلى قوله – فلا يخلد في النار أحد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصي ما عمل كما أنه لا يدخل الجنة أحد مات على الكفر ولو عمل من أعمال البر ما عمل. (شرح النووى على مسلم ١/٤١)

والكبيرة لا تخرج العبد المؤمن من الإيمان ولا تدخله الكفر. قال التفتازاني تحته:...... خصوصاً إذا اقترن به خوف العقاب ورجاء العفو والعزم على التوبة لاينافيه (أي الإيمان) (شرح العقائد النسفية ١٠٦-١٠٨)

ولا نكفِّرُ أي لا ننسب إلى الكفر مسلماً بذنب من الذنوب أي بارتكاب معصية كثيرة، وإن كانت كبيرة أي كما يكفر الخوارجُ مرتكبَ الكبيرة إذا لم يستحلَّها أي لكن إذا لم يكن يعتقد حلتها؛ لأن من استحلّ معية قد ثبت حرمتها بدليل قطعي فهو كافر، ولا نُزيلُ عنه اسمَ الإيمان أي ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتكاب كبيرة وصف الإيمان كما يقوله المعتزلة. (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري ٨٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کیا محض کفریہ خیالات آنے کی وجہ سے آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے؟

سوال (۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ایمان والا ہے؛ لیکن گذشتہ کچھ دنوں سے اس شخص کے دل میں مسلسل کفریہ خیال

آرہے ہیں،نعوذ باللہ مثلاً مذہب اسلام کے بارے میں غلط خیال آرہے ہیں، وہ شخص ان خیالات کی وجہ سے اتنا پریشان ہے کہ وہ اپنے آپ کو گویا یہ محسوس کررہا ہے کہ اس کو مذہب اسلام کے بارے میں یقین ہی نہیں رہا۔

اب جب یہ خیال اس شخص کے دل میں آتے ہیں تو اس شخص کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور دل اندر ہی اندر رونے لگتا ہے اور فوراً اللہ سے استغفار کرتا ہے تو کیا وہ شخص ان خیالات کی بنا پر خارج از ایمان ہوگیا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض کفریہ خیالات آنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا؛ البتہ اگر کفریہ کلمہ زبان سے نکالے گا یا کوئی کفریہ عمل کرے گا تو کفر کا حکم لگایا جاسکتا ہے، مذکورہ شخص کو چاہئے کہ وہ دل لگا کر استغفار کرے اور جہاں تک ممکن ہوسکے، ایسے فاسد خیالات سے بچنے کی کوشش کرے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تجاوز عن أمتي ما وسوست به صدرها مالم تعمل به أو تتكلم. (صحيح البخاري، العتق / باب الخطأ والنسيان ۳۴۳/۱ رقم: ۲۵۲۸، صحيح مسلم، الإيمان / باب تجاوز الله عن حديث النفس رقم: ۲۰۲)

قوله: "مالم تعمل أو تكلم" إشارة إلى أن وسوسة الأعمال والأقوال معفوة قبل ارتكابها. (مرقاة المفاتيح ملتان ۱۳۴/۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء ناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فسألوه: إنا نجد في أنفسنا ما يتعاظم أحدُنا أن يتكلم به! قال: "أو قد وجدتموه؟" قالو: نعم، قال: "ذاك صريح الإيمان". (صحيح مسلم، الإيمان / باب بيان الوسوسة من الإيمان رقم: ۲۰۹)

إذا خطر بباله أشياء توجب الكفر به، لكنه لا يتكلم به فذٰلك محض

الإيمان بالحديث. (مجمع الأنهر ۲/۲ ۵۰ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۷/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بلا عذر شریعت کے چھوٹے مسئلوں پر عمل کو ترک کرنا؟

سوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شریعت کے چھوٹے چھوٹے مسئلوں پر عمل نہ کرنے والے کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حتی الامکان شریعت کے ہر حکم پر عمل کرنا چاہئے، خاص طور پر جو احکام فرض یا واجب ہیں ان کی تعمیل ضروری ہے، جو شخص معقول عذر کے بغیر واجب عمل کو چھوڑے گا وہ گنہگار ہوگا۔

مستفاد: عن عبد اللّٰه بن مغفل رضي اللّٰه عنه كان جالساً إلى جنبه ابن أخ له فخذف فنهاه، وقال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عنها، وقال إنها لاتصيد صيداً، ولا تنكئ عدواً، وإنها تكسر السن وتفقا العين، قال: فعاد ابن أخيه يخذف فقال: أحدثك أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عنها عُدتَّ ثم تخذف، لا أكلمك أبداً. (سنن ابن ماجة ۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۳/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یہ کہنا کہ جس کے نام کے شروع میں ''دال'' ہو وہ دوزخی، اور جس کے نام میں ''ب'' وہ جنتی؟

سوال (۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص اپنے بیان میں کہتا ہے کہ جن لوگوں کے نام کے شروع میں لفظ دال ہو وہ سب

دوزخی ہیں اور جس جگہ کے نام کے شروع میں لفظ دال ہو وہ بھی سب دوزخی ہیں اور جن لوگوں کے ناموں یا جن جگہوں کے ناموں کے شروع میں لفظ ''ب'' ہو وہ سب بہشتی ہیں، یہ الفاظ ادا کرنے والا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟ کیا ان الفاظ کے ادا کرنے کے بعد اسے توبہ کرنا لازم ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس شخص کا قول بے اصل ہے ایسا عقیدہ رکھنا سراسر گمراہی ہے، جنتی اور دوزخی ہونے کا مدار الفاظ پر نہیں ہے؛ بلکہ عقائد اور اعمال پر ہے، جس کے عقائد اور اعمال درست ہوں گے وہ شخص جنتی ہوگا، اور جو بدعقیدگی اور بدعملی کے ساتھ دنیا سے جائے گا اس کے لئے قرآن واحادیث میں جہنم کی وعیدیں آئی ہیں؛ لہٰذا مذکورہ شخص کو اپنے قول سے توبہ کرنی چاہئے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ [الكهف: ١٠٧]

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ﴾ [البروج ١١]

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [آل عمران: ١٨٥]

عن عثمان رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من مات وهو يعلم أنه لا إلٰه إلا اللّٰه دخل الجنة. (صحيح مسلم، الإيمان / باب الدليل على أن من مات على التوحيد رقم: ٢٦)

عن عِتبان بن مالك رضي اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يشهد أحدٌ أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأني رسول اللّٰه فيدخل النار، أو تطعمهٗ. مختصراً. (صحيح مسلم، الإيمان / باب الدليل على أن من مات على التوحيد رقم: ٣٣)

وإن كانت نية الوجه الذي يوجب التكفير لا تنفعه فتوىٰ المفتي ويؤمر

بالتوبة والرجوع عن ذٰلک. (عالمگیری ۲/۲۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۲/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضرت غوثِ اعظمؒ کا دنیا کو دیکھنا؟

سوال (۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت غوث اعظمؒ کے بارے میں سنا جاتا ہے کہ آپ دنیا کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ، اس کا ثبوت کہاں سے ہے؟ نیز غوث اعظم نے بارہ برس کی ڈوبی ہوئی بارات کو نکالا، جس میں لوگ زندہ تھے، یہ کہاں سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ (معروف بہ: غوث اعظم) کی طرف منسوب مذکورہ باتیں بے اصل اور غیر معتبر ہیں، اور کسی بھی مخلوق کے لئے خدائی صفات ثابت کرنا شرعاً جائز نہیں، یہ کھلا ہوا شرک ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/۱۰۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۶/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شرعی احکام کے بجائے خودساختہ قوانین پر عمل کرنے کا پابند کرنا

سوال (۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو لوگ شرعی احکام کے بجائے اپنے بنائے ہوئے قانون پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کو پابند کریں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اپنے بنائے ہوئے قانون شرعی کے خلاف نہیں

ہے تو اس کی پابندی کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر شریعت کے خلاف کسی کے بنائے ہوئے قانون کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور جو لوگ مخالف شریعت قانون اپنانے پر زور ڈالیں انہیں اپنے فعل سے باز آنا چاہئے۔

كتب عمر بن عبد العزيز رحمه الله إلى عدي بن عدي أن الإيمان فرائض وشرائع وحدوداً وسنناً، فمن استكملها استكمل الإيمان، ومن لم يستكملها لم يستكمل الإيمان. (صحيح البخاري ٦/١)

عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، لا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراما. (سنن الترمذي ٢٥١/١)

عن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث جيشا وأمر عليهم رجلا ...... **(وفيه أيضا) لا طاعة في معصية الله إنما الطاعة في المعروف.**

(صحيح البخاري ٢/ ١٠٧٧، رقم: ٦٩٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۵/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ دیوبند سچے متبع رسول ہیں

سوال (۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ خاکسار ایک سیدھا سادہ کلمہ گو مسلمان ہے، اللہ رب العزت کو اپنا رب مانتا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزماں مانتا ہے، کچھ عرصہ سے اللہ پاک نے نماز پڑھنے کی توفیق دی ہے، میرے قریب میں ایک مسجد ہے جہاں نماز ادا کر لیتا ہوں، مگر میرے کچھ مسلمان بھائی مجھے اس مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ دیوبندی لوگوں کی مسجد ہے یہ کافر ہیں، گستاخِ رسول ہیں، درود شریف نہیں پڑھتے، اولیاءِ کرام کا اکرام نہیں کرتے، ایصالِ ثواب نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے نماز نہ پڑھنا بہتر ہے، اس صورت

حال سے میں بہت کشمکش میں ہوں۔ آپ سے گذارش ہے، آپ وضاحت کریں کہ اہلِ دیو بند کونسی جماعت ہے؟ ان کے عقائد اور مسلک کیا ہیں؟ تاکہ میں بھی مطمئن ہوسکوں اور میری طرح بہت سے لوگ جو اس صورتِ حال سے پریشان ہیں وہ بھی اطمینان حاصل کرسکیں؛ تاکہ مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنے والوں سے ہوشیار رہا جاسکے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہلِ دیو بند سچے متبع رسول اور اپنے عقائد و اعمال میں شریعتِ محمدیہ کی کامل پیروی کرنے والے لوگ ہیں، یہ حضرات محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کا جزو اعظم سمجھتے ہیں، درود شریف پڑھنا ان کے نزدیک عظیم عبادت ہے۔ اسی طرح وہ اولیاء اللہ کا دل سے احترام کرتے ہیں اور کسی بھی ایسے کام کے قائل نہیں ہیں، جس سے نعوذ باللہ سرورِ کائنات فخرِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں گستاخی اور بے ادبی کا کوئی شائبہ بھی پایا جائے؛ تاہم چوں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بدعات وخرافات سے بچنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، اور دین میں پیدا کی جانے والی رسومات کو گمراہی قرار دیا ہے، اس لئے اہلِ دیو بند بجا طور پر ہر بدعت سے نفرت کرتے ہیں، مثلاً تیجہ، چالیسواں منانا، مزارات پر جاکر چادر چڑھانا، ان کو سجدہ اور طواف کرنا اور ان سے منتیں مانگنا وغیرہ، یہ سب چیزیں دورِ نبوت اور دورِ صحابہ سے بالکل ثابت نہیں ہیں، اس لئے علماء دیو بند ایسے ناجائز کاموں میں شرکت نہیں کرتے اور نہ اس کی تائید کرتے ہیں؛ بلکہ ان پر سخت نکیر کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف جو نام نہاد محبانِ رسول ہیں اور اپنے کو اہلِ سنت والجماعت کہنے کے باوجود بدعت والے کاموں میں مبتلا بلکہ مبلغ ہیں، ایسے لوگ اہلِ دیو بند کو محض اس وجہ سے لعن طعن کا نشانہ بناتے ہیں کہ اہلِ دیو بند بدعتوں میں ان کا ساتھ نہیں دیتے، تو ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر علماء دیو بند کی مخالفت قطعاً جائز نہیں ہے؛ لہٰذا منصف مزاج حضرات کو چاہئے کہ وہ انصاف کے ساتھ جائزہ لیں کہ کون سنت پر عامل ہے اور کون بدعت کا مرتکب ہے؟ اور پھر سنت پر چلنے والوں کی پیروی کریں اور بدعت میں مبتلا لوگوں سے اپنے کو بچائیں۔

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين. (صحيح البخاري رقم: ١٤، فتح الباري ٨٠/١)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح مسلم ٧٧/٢)

عن إبراهيم ابن مسيرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من وقّر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام، رواه البيهقي في شعب الإيمان مرسلا. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٦١/٧ رقم: ٩٤٦٤، مشكوة المصابيح ٣١)

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أما بعد! فإن خير الحديث كتاب اللّٰه وخير الهدي هدي محمد وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة. (صحيح مسلم، الجمعة / باب تخفيف الصلاة والخطبة رقم: ٨٦٨، مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ٢٧ رقم: ١٤١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴/۷/۱۴۲۵ھ

کافروں کو دنیا میں تکلیف کیوں نہیں؟

سوال (۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کافر اگر مال دار ہے یا بہت آسودہ حال ہے، تو اس کا جواب علماء یہ دیتے ہیں کہ اس کو اس کی ہر بھلائی اور خیر کا حصہ دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ دے دیتا ہے؛ کیوں کہ آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہے؛ لیکن جو کافر غریب اور پریشان حال ہیں یا بیمار ہیں، انہوں نے تمام تکالیف دنیا میں اٹھائیں، اب آخرت میں بھی وہ تکالیف اٹھائیں گے، تو بوجہِ کفر اس بارے میں مغالطے کئی بار لوگ سامنے لاتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل بات یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات میں بندہ

کو چوں چرا کرنے کا حق نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ اور عمل میں خود مختار ہے، اور اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق وہ جس کے ساتھ جس طرح کا چاہے معاملہ کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے متعلق ہمارا آپس میں بحث ومباحثہ کرنا محض بے فائدہ، بے کار اور لغو ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو ایسی جھک بازی سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر کسی کے سامنے ایسا سوال اٹھایا جائے تو یہ کہہ کر بحث پر بند لگا دینا چاہئے کہ ہماری ناقص عقلیں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ تاہم آپ نے جو سوال اٹھایا ہے، اس کے متعلق خود قرآنِ کریم میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ سب ہی لوگ کافر ہوجائیں گے، تو اللہ تعالیٰ سب ہی کفار پر بلاامتیاز دنیوی نعمتوں کے دہانے کھول دیتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کو نعمتوں سے محروم کرنا اس حکمت کی بنا پر ہے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ خود نفسِ کفر موجبِ نعمت ہے؛ بلکہ یہ یقین کرلیا جائے کہ دینوی آسائش سے محرومی کا مدار قدرتی فیصلوں پر ہے نہ کہ ایمان وکفر پر۔

﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ [الأنبياء: ۲۳]

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ﴾ [الزخرف: ۳۳]

وفي روح المعاني: والكراهة المذكورة هي وجه الحكمة في ترك تنعيم كل كافر وبسط (الرزق) عليه. (روح المعاني ١٤/١٢١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا گنہگار خوش وخرم ہیں؟

سوال (۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب بہت دعا کرنے کے بعد بھی اگر کوئی خواہش پوری نہیں ہوتی ہے، تو ان سے کہا گیا کہ اگر کوئی گناہ تم سے برابر لگاتار ہو رہا ہے، تو اس کو چھوڑ کر دیکھو، چاہے وہ گناہ تمہاری نظر میں چھوٹا ہی

ہو، اللہ تعالیٰ سے استغفار کی کثرت کرو، جواب ملا کہ ہم سے بڑے گنہگار بھی تو ہیں، تو ان کو کیوں خوش وخرم رکھ رہے ہیں اللہ میاں؟ جواب کیا دوں؟ کیوں کہ قربان ہونے کو تیار نہیں، اور تمنا پوری نہ ہو اس پر صبر نہیں کرتے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دنیا میں کسی خواہش کا پورا ہو جانا اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت نہیں ہے، اللہ کے یہاں باعزت اور مقبول شخص وہی ہے جو ایمان اور عملِ صالح سے متصف اور گناہوں سے دور ہو، اور جو گنہگار لوگ دنیا میں خوش وخرم نظر آ رہے ہیں، وہ ان کے لئے وقتی خوشی اور چند دنوں کی ڈھیل ہے، ان کے دنیا سے جاتے ہی جب سزا کا سلسلہ شروع ہوگا، تو دنیا کی ساری خوشیاں بھول جائیں گے، اس لئے ہر مسلمان کو بہر حال گناہوں سے بچنا چاہئے، اور بظاہر دعاء پوری نہ ہونے سے مایوس نہ ہونا چاہئے، اور سوال میں ذکر کردہ یہ جواب کہ: ''دنیا میں ہم سے بھی بڑے گنہگار ہیں، جو خوش وخرم ہیں'' اصل حقیقت سے نادانی پر مبنی ہے۔

﴿لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ [آل عمران: ۱۹۶-۱۹۷]

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳]

إن الأكرم عند اللّٰه تعالىٰ والأرفع منزلة لديه عزوجل في الآخرة والدنيا هو الأتقى. (روح المعاني زكريا ١٤/٢٤٤)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه ﴿فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا﴾ قال: وادٍ في جهنم يُقذف فيه الذين يتبعون الشهوات. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٥٥٠٣)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۴/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کوے بیٹھنے کا عقیدہ رکھنا؟

سـوال (۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کوا شام سات بجے کے وقت ۲۰/ اگست کو آیا، کافی اس کو اڑانا چاہا مگر نہیں گیا، اپنی جگہ سے نہیں اڑا، اور پھر ایک لڑکی کی طبعیت خراب ہونے لگی، کافی پڑھنے پھونکنے کے بعد ٹھیک ہوگئی، اس دن تایا کی برسی بھی تھی، ان کے انتقال سے پہلے بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا تھا، جب بھی ایک کوا آیا تھا اور اس کو کمرے میں بند کردیا تھا اور صبح کو جب کھول کر اڑایا، تو اسی وقت تایا صاحب اس دنیا سے رخصت ہوگئے، یہ کیا چیز ہوتی ہے اور کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کوے وغیرہ کے بیٹھنے کا کوئی اثر شرعاً معتبر نہیں ہے اور اس طرح کا عقیدہ بھی شریعت کے خلاف ہے۔

عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا عدوىٰ ولا طيرة ولا هام ولا صفرة. (صحيح البخاري ۸۵۷/۲)

وأصل التطير أنهم كانوا في الجاهلية يعتمدون على الطير، فإذا خرج أحدهم لأمر فإن رأى الطير طار يمنة تيمن به واستمر، وإن رآه طار يسرة تشاء م به ورجع، وربما كان أحدهم يهيج الطير ليطير فيعتمدها، فجاء الشرع بالنهي عن ذٰلک. (فتح الباري شرح صحيح البخاري ۲٦۱/۱۳ تحت رقم: ۵۷۵۳)

قوله: "لا طيرة" أي لا عبرة بالتطير تشاؤماً وتفاؤلاً "وخيرها" أي خير أنواع الطيرة بالمعنى اللغوي الأعم من المأخذ الأصلي "الفأل" أي الفأل الحسن بالكلمة الطيبة لا المأخوذ من الطير. ومعناه: أن الفأل محض خير. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ۳۹۲/۸ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۲۳ھ

جیوتش کا حساب لگا کر اپنے کام کاج طے کرنا؟

سوال (۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ مسلمانوں میں بھی علم جیوتش پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنا کوئی بھی کام بغیر جیوتش کا حساب لگائے نہیں کرتے، مثلاً شادی کی تاریخ طے کرنا، سفر کے لئے نکلنا، مکانات یا کوئی بھی چیز کی خریداری وغیرہ کرنا، کیا ایسے لوگوں کا یہ عمل جائز ہے اور اس طرح کے لوگوں سے رشتہ، شادی وغیرہ جوڑنا صحیح ہے یا غلط؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیوتشیوں اور نجومیوں کی بات پر یقین کرنا اور اپنے معاملات کی انجام دہی میں ان کے مشورے قبول کرنا غیر اسلامی عمل ہے، اسلامی شریعت میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے اور ایسے لوگوں کا ایمان خطرہ میں ہے، اور بہتر ہے کہ ایسے لوگوں سے رشتے وناطے میں احتیاط کی جائے؛ تاکہ ان کے غلط نظریات دوسرے خاندانوں اور افراد کی طرف منتقل نہ ہوں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/۵۲)

﴿وَلاَ تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ [هود: ۱۱۳]

عن معاوية بن حكم رضي اللّٰه عنه قال: قلت يا رسول الله! أموراً كنا نصنعها في الجاهلية، كنا نأتي الكهان قال: فلا تأتوا الكهان. (صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة / باب تحريم الكلام في الصلاة رقم: ۱۲۱-۵۳۷)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت سأل أناس رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الكهان فقال لهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إنهم ليسوا بشيء.

(صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب قول الرجل للشيء (ليس بشيء) رقم: ۶۲۱۳، صحيح مسلم، السلام / باب تحريم الكهانة وإتيان الكاهن رقم: ۲۲۲۸)

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أتى كاهنا

فـصدقة بـما يقول......فقد برئ مما أنزل على محمد. (مسند أحمد ٤٠٨/٢، سنن أبي داؤد رقم: ٣٩٠٤، سنن الترمذي رقم: ١٣٥، مشكوٰة المصابيح ٣٩٢-٣٩٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۷/۸/۱۴۲۶ھ

گھر میں نحوست کا عقیدہ؟

ســــوال (۸۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے ایک گھر میں سکونت اختیار کی، جہاں وہ بہت سی بیماریوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ اور اس کے گھر والے اس گھر کو منحوس سمجھنے لگے، تو کیا اس وجہ سے اس گھر کو چھوڑنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالله التوفيق: انسان پر جتنی بھی مصیبتیں اور پریشانیاں آتی ہیں وہ اللہ کی مشیت اور تقدیر کی وجہ سے آتی ہیں، اس میں کسی چیز کا براہِ راست دخل نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ اس گھر کی وجہ سے ہمارے اوپر پریشانیاں اور مصیبتیں آرہی ہیں، قطعاً غلط ہے؛ تاہم اگر کسی کو کسی گھر میں رہنا پسند نہ ہو تو وہاں سے منتقل ہونا اس کے لئے جائز ہے۔

وقيـل هـذا إرشـاد مـنـه صلى الله عليه وسلم لأمته فمن كان له دار يكره سكناها، أو إمراة يكره صحبتها، أو فرس لا تعجبه بأن يفارق بالإنتقال عن الدار، وتـطـليق المرأة، وبيع الفرس، فلا يكون هذا من باب الطيرة المنهي عنها. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح أشرفى ١٩١/٦)

قـال الخطابي: هذه الأشياء الثلاثة ليس لها بأنفسها وطباعها فعلٌ وتاثيرٌ وإنما ذٰلک كله بمشيئته وقضائه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ١٩١/٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/۶/۱۴۳۵ھ

عصر کی نماز کے بعد گھر میں جھاڑو لگانے سے برکت ختم ہونے کا عقیدہ رکھنا؟

سوال (۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عصر کی نماز کے بعد جھاڑو لگانے سے گھر میں خیر و برکت ختم ہو جاتی ہے؟ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مغرب کے بعد بالکل بھی صفائی نہیں کرنی چاہئے، اگر کرنی ہے تو کپڑے وغیرہ سے کی جائے، تو کیا صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر کی نماز کے بعد جھاڑو لگانے یا مغرب کے بعد صفائی کرنے سے متعلق یہ کہنا کہ اس کی وجہ سے گھر میں خیر و برکت ختم ہو جاتی ہے، یہ بالکل بے اصل اور قابلِ ترک ہے، یہ محض توہم پرستی ہے، قرآن وحدیث میں کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ [التوبۃ: ۱۵]

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا عدویٰ ولا طیرة ولا هامة ولا صفر. (صحیح البخاري ۲/۸۵۷)

التطیر هو التشاؤم بمرئی أو بمسموع أو معلوم کالتشاؤم ببعض الأیام أو بعض الشهور أو بعض السنوات فهذه لا تریٰ ولا تسمع. (کتاب التوحید ۲/۹۳، بحواله: المسائل المهمة ۲/٤٤، أغلاط العوام ۲۲۵، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/۵۳۳) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

شبِ برأت میں ۱۲/ بجے نلوں میں زمزم آنے کا عقیدہ رکھنا؟

سوال (۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ۱۵؍شعبان یعنی شب برأت میں رات کو بارہ بجے ہرنل میں زمزم کا پانی آتا ہےلوگوں کا یہ عقیدہ ہےتو کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۵؍شعبان کی رات میں ہرنل میں زمزم کے پانی آنے کا عقیدہ قطعاً من گھڑت اور باطل ہے، کسی معتبر دلیل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور ایسی من گھڑت اور سنی سنائی باتوں کوکسی سے بیان کرنا بھی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ بیان کرنے سے ہی اس کی اشاعت ہوتی ہے، اگر لوگ ایسی باتوں کا ذکر چھوڑ دیں تو افواہیں اپنی موت آپ مرجائیں۔

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين. (مقدمة لصحيح مسلم ٦/١)

عن حفص بن عاصم رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: كفى بالمرأ كذبا أن يحدث بكل ما سمع. (مقدمة لصحيح مسلم ٨/١)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: سيكون في آخر أمتي أناس يحدثون بما لا تسمعوا ولا آبائكم فإياكم وإياهم. (مقدمة لصحيح مسلم ٩/١) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۵/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

مغرب کی اذان کے وقت سب کام چھوڑ دینے کو ضروری سمجھنا؟

سوال (۸۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری نانی کہتی ہیں کہ مغرب کی اذان کے وقت تمام کام روک دینے چاہئیں کہ اس وقت چرند پرند حتی کہ چلتے ہوئے سمندر اور دریا بھی ٹھہر جاتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نانی جان کا یہ کہنا کہ مغرب کی اذان کے وقت سب

کام روک دینا چاہئے وغیرہ، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، شریعت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں، البتہ اذان کے بعد سب گھر والوں کو دیگر مشاغل ترک کر کے نماز کی تیاری ضرور شروع کردینی چاہیے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا عدىٰ ولا طيرة ولا هامة ولا صفر. (صحيح البخاري ۸۵۷/۲ رقم: ۵۵۳٤)

وأصل التطير أنهم كانوا في الجاهلية يعتمدون على الطير، فإذا خرج أحدهم لأمر فإن رأى الطير طار يمنة تيمن به واستمر، وإن رآه طار يسرة تشاء م به ورجع، وربما كان أحدهم يهيج الطير ليطير فيعتمدها، فجاء الشرع بالنهي عن ذٰلک. (فتح الباري شرح صحيح البخاري للإمام الحافظ أحمد بن حجر العسقلاني ۲٦۱/۱۳ تحت رقم: ۵۷۵۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا عصر اور مغرب کے درمیان پانی پینا منع ہے؟

سوال (۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری ایک پڑوسن کہہ رہی تھیں کہ عصر کے بعد مغرب کی اذان تک پانی نہیں پینا چاہئے، میں نے پوچھا کہ کیوں؟ تو جواب دیا کہ اس وقت زندہ انسان پانی پیتے ہیں، تو اس سے مردوں کو تکلیف ہوتی ہے، کیا یہ خیال درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عصر کے بعد پانی پینے سے مردوں کو تکلیف ہونے کی بات بے ثبوت، اور محض جہالت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، آدمی جب چاہے پانی پی سکتا ہے، کسی خاص وقت میں کوئی ممانعت منقول نہیں۔

مستفاد: عن أبي هريرة ﷺ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا عدوى

ولا طيرة ولا هامة ولا صفر. (صحيح البخاري ٨٥٦/٢ رقم: ٥٧٥٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دولڑکیوں کی شادی ایک ساتھ کرنے کو برا سمجھنا؟

سوال (۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکثر لوگ کہتے ہیں کہ دولڑکیوں کی شادی ایک ساتھ نہیں کرنی چاہئے، ان کا ماننا ہے کہ ایک لڑکی خوش رہتی ہے اور ایک کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسلام میں اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لوگوں کا یہ عقیدہ رکھنا کہ دولڑکیوں کی ایک ساتھ شادی کرنے سے ایک خوش رہتی ہے اور دوسری پریشان رہتی ہے، یہ بے اصل بات ہے، قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مستفاد: عن أبي هريرة ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر. (صحيح البخاري ٨٥٦/٢ رقم: ٥٧٥٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کیا دوعیدوں کے درمیان نکاح غلط ہے؟

سوال (۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دونوں عیدوں کے درمیان نکاح ٹھیک نہیں، اس لئے عید الفطر سے پہلے اور عید الاضحیٰ کے بعد شادی کرلینا چاہئے، اگر دونوں عیدوں کے درمیان نکاح کیا تو پھر شادی کامیاب نہیں رہتی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں عیدوں کے درمیان ہونے والے نکاح کے

کامیاب نہ ہونے کا عقیدہ رکھنا بے اصل اور خلافِ شرع ہے، صحیح روایت میں ہے کہ ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے شوال کے مہینہ میں مجھ سے نکاح فرمایا، اور اسی مہینہ میں میری رخصتی ہوئی، اسی بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عام لوگوں کے لئے بھی اسی مہینہ میں نکاح کرنے کو مستحب سمجھتی تھیں، اور شوال کا مہینہ دونوں عیدوں کے درمیان ہی آتا ہے، اس لئے اس طرح کے عقیدہ اور خیال سے ہر مسلمان کو بچنا لازم ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: تزوجني رسول الله ﷺ في شوال وبنىٰ بي في شوال، وكانت عائشة تستحب أن يبنىٰ بنسائها في شوال. (سنن الترمذي ۲۰۷/۱)

وفي الحديث: استحباب التزوج والدخول في شوال رداً لما كان أهل الجاهلية كما في اسم الشوال من الأشالة والدفع، لمعات. (نفع قوت المغتذي على هامش السنن للإمام الترمذي للعلامة السيد على بن السيد سليمان الدمنتي المالكي ۲۰۷/۱)

والبناء والنكاح بين العيدين جائز وكره الزفاف، والمختار أنه لا يكره؛ لأنه عليه السلام تزوج بالصديقة في شوال وبنىٰ بها فيها. (شامي زكريا ٦٧/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۴/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صفر کے مہینے کو برا سمجھنا اور اس میں نکاح کرنے سے باز رہنا؟

سوال (۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکثر لوگ صفر کے مہینے میں نکاح کرنے کو منع کرتے ہیں، اور صفر کے مہینہ کو اچھا نہیں مانتے، کیا صفر میں کسی صحابی یا نبی کا نکاح ہوا ہے؟ اگر ہوا ہے تو جواب میں اس کا ذکر کریں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صفر کے مہینہ کو برا سمجھنا اور اس میں نکاح وغیرہ کرنے

سے رکنا اس وجہ سے کہ یہ مہینہ اچھا نہیں ہے، جاہلیت والا عقیدہ ہے، اس سے احتراز لازم ہے، اور اس مہینہ میں کسی صحابی یا نبی کے نکاح کی صراحت نہیں ملی۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر. (صحيح البخاري ٨٥٦/٢ رقم: ٥٧٥٧)

قال القاضي: ويحتمل أن يكون نفياً لما يتوهم أن شهر صفر تكثر فيه الدواهي والفتن. (مرقاة المفاتيح أشرفية ٤/٩)

إذ الأيام كلها لله تعالىٰ لا تنفع ولا تضر بذاتها. (روح المعاني زكريا ١٣١/١٥)

وقيل: في الصفر قول آخر، وهو أن المراد به شهر صفر، وذٰلک أن العرب كانت تحرم صفر وتستحل المحرم كما تقدم في كتاب الحج، فجاء الإسلام برد ما كانوا يفعلونه من ذٰلک، فلذٰلک قال صلى الله عليه وسلم: ''لا صفر'' قال ابن بطال: وهٰذا القول مروى عن مالک. (فتح الباري شرح صحيح البخاري للإمام الحافظ أحمد بن حجر العسقلاني ٢١١/١٣ تحت رقم: ٥٧١٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

زمین پانی سے ۵/۷ گنا کم ہے تو قیامت میں اس پر مخلوق کیسے سمائے گی؟

سوال (۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زمین پانی سے ۵/۷ گنا کم ہے، تو قیامت میں مخلوق اس زمین پر کیسے سما سکے گی؟ اس کے لئے پانی کو خشک کیا جائے گا اور اس پر مزید زمین کو بچھایا جائے گا؛ تاکہ تمام اولین وآخرین اس پر جمع ہوسکیں یا کوئی اور صورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس بارے میں اصل کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، قرآنِ کریم میں ﴿یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ﴾ فرمایا گیا ہے، جس سے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمین کی جگہ دوسری زمین لائی جائے گی، بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بعض علماء نے حقیقی تبدیلی کے بجائے محض صفات کی تبدیلی مراد لی ہے۔

اور آپ کا یہ اشکال کہ پھر اس پر مخلوق کیسے سمائے گی؟ اس کے جواب کے لئے قرآنِ کریم کی یہ آیت کافی ہے: ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ﴾ یعنی جب زمین کو پھیلا دیا جائے گا۔ گویا کہ وہ زمین خواہ پہلی والی ہو یا نئی ہو، اتنی وسیع ہوجائے گی کہ تمام اولین وآخرین اس پر سما جائیں گے۔

واللّٰه اعلم بكيفيته وهو العلي العظيم. (تفسير ابن كثير مكمل ٧٢٦-٧٢٦، الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٢٥١/٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۳ھ

بدھ کے دن ناخن کاٹنے سے برص کی بیماری کا عقیدہ رکھنا؟

سوال (۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بدھ کے دن ناخن کاٹنے سے برص کوڑھ کی بیماری ہوجاتی ہے، مجھے اس قول میں تردد ہے؛ کیوں کہ بلاشبہ ناخن جمعہ کے روز کترنا مستحبات سے ہے مگر اس کے علاوہ دنوں میں مندرجہ بالا وجہ (برص) کی بناء پر منع ہونا عام معلومات میں نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بدھ کے دن ناخن کاٹنے سے برص ہوجانے کی روایت بے اصل اور ناخن کاٹنا مطلقاً سنت ہے، اس میں کسی دن کی اور کیفیت کی قید لازم نہیں ہے۔

قلت: وفي المواهب اللدنية قال الحافظ بن حجر: إنه يستحب كيف ما

احتاج إليه ولم يثبت في كيفيته شيءٌ ولا في تعيين يوم له عن النبي صلى الله عليه وسلم وما يعزىٰ من النظم في ذلک للإمام علي ثم لابن حجر قال شيخنا: **إنه باطل.** (الدر المختار مع الشامي کراچی ٦/ ٤٠٦، زکريا ٩/ ٥٨٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۶/۶/۱۴۱۱ھ

کھاتے وقت زبان یا گال کٹ جانے پر یہ سمجھنا کہ کسی برائی کا نتیجہ ہے؟

سوال (۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لوگوں کا کہنا ہے کہ بولتے وقت یا کچھ کھاتے وقت اگر زبان یا گال کٹ جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ کوئی برائی کرر ہا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ مہربانی کر کے تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بولتے یا کھاتے وقت زبان یا گال کٹ جانا ایک اتفاقی امر ہے، اس کی بنا پر یہ سمجھنا کہ کوئی برائی کرر ہا ہے، یہ بے دلیل خیال ہے۔ شریعت کی اس میں کوئی اصل نہیں۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اوران کا حل ۱/۸۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وآله وسلم: لاعدوی ولا طيرة......، وفرّ من المجذوم فرارک من الأسد.

(صحيح البخاري رقم: ٥٧٠٧)

وفي حاشيته: وإنما أراد بذلک نفي ما اعتقدوا من أن العلل المعدية مؤثرة لامحالة فأعلمهم أن ليس كذلک؛ بل هو متعلق بالمشية إن شاء كان وإن لم يشاء لم يكن. (مشكوة المصابيح / باب الفال والطيرة ٣٩١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ بیت سے محبت رکھنا اہلِ ایمان کی شان ہے

سوال (۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اہل بیت سے محبت رکھنا اوراس محبت کو لازمی اورضروری سمجھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات اہلِ بیت سے محبت رکھنا یقیناً اہل ایمان کی شان ہے؛ لیکن یہ محبت نہیں کہ ان کے مقدس نام پر دنیا میں طوفان بدتمیزی برپا کیا جائے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أحبوا أهل بيتي بحبي. (سنن الترمذي ۲۱۹/۲)

عن يعلى بن مر ة حدثهم ...... وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: حسين مني وأنا من حسين أحب اللّٰه من أحب حسينا حسين سبط من الأسباط.

(سنن ابن ماجة: ۱٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یزید کو کافر اور جہنمی سمجھنا؟

سوال (۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یزید کو کافر اور جہنمی سمجھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہلِ سنت والجماعت یزید کے تمام برے اعمال سے بیزار ہیں، اوراسے غلطی پر سمجھتے ہیں؛ خاص کر حضرات اہل بیت کے ساتھ اس کے معاملات سے ہر مؤمن بے زار ہے، لیکن اسے کافر قرار دینے کی کوئی حتمی دلیل نہیں ہے، محض گناہ کرنے سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔

لم يثبت لنا عنه تلك الأسباب الموجبة أي لكفره وحقيقة الأمر المتوقف فيه، ومرجع أمره إلى الله سبحانه وتعالى. (شرح الفقه الأكبر ٨٨)

ويجوز أن يكون أي الشخص مؤمناً أي بتصديقه وإقراره فاسقا لعصيانه وإصراره غير كافر. (شرح الفقه الأكبر ٨٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کافر کو کافر کہنا؟

سوال (۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کافر کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور فقہاء احناف کے اقوال کو مدلل تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کافر کو چڑھانے کے لئے گالی کے طور پر کافر کہنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر تحقیر مقصود نہ ہو؛ بلکہ اظہار حقیقت کے طور پر کسی کافر کو کافر کہا جائے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أهجوا قريشاً فإنه أشد عليهم من رشق النبل. (صحيح مسلم / فضائل حسان بن ثابت رقم: ٢٤٩٠، مشكوٰة المصابيح ٢)

لو قال ليهودي أو مجوسي يا كافر يأثم إن شق عليه. (البحر الرائق ٤٤/٥)

والمنهي عنه هو التلقيب بما يتداخل المدعو به كراهة لكونه تقصيراً به وذماله وشيئاً. (روح المعاني ديوبند ١٥٤/٢٦، امداد الفتاویٰ ١٦٦/٤، ٥٣٦/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱/۱۴۱۱ھ

اظہارِ حقیقت کے لئے کفار کو کافر کہنا؟

سوال (۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کافر کو کافر کہنا جائز نہیں ہے تو ان آیات وروایات کا کیا جواب ہوگا؟ جیسے: ﴿قُلْ یٰٓأَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ، اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ﴾ واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم میں کفار اور ان کے معبودانِ باطلہ کے بارے میں جو صراحت کی گئی ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر یا طبیب مرض کی نشان دہی کرے، اس کا مقصد چڑھانا یا گالی دینا نہیں جو ممنوع ہے؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ لوگ حقیقت سے آگاہ ہوکر ان عیوب سے بچیں اور نجات پائیں۔ (معارف القرآن ۳/۴۲۰ مفتی محمد شفیع صاحبؒ) نیز ان آیات کو کفار کے اعتراضات کا جواب بھی قرار دیا جاسکتا ہے جو ممنوع نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴/۱/۱۴۱۱ھ

حضور ﷺ کے والدین کو مؤمن نہ ماننا؟

سوال (۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بہت سے لوگ مؤمن نہیں مانتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات ان کے ایمان کے قائل ہیں اور بعض عدمِ ایمان کے، دلائل دونوں طرف ہیں، کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں ہے، اس لئے محققین علماء کے نزدیک اس سلسلہ میں توقف کرنا بہتر ہے، اور جہاں تک ہوسکے اس بارے میں بحث سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ولا يقال: إن فيه إساءة أدب لاقتضائه كفر الأبوين الشريفين مع أن اللّٰه تعالىٰ أحياهما له وآمنا به، كما ورد في حديث ضعيف...... وما فيه أيضا أن رجلاً قال: يا رسول اللّٰه! أين أبي؟ قال: في النار، فلما قفا دعاه فقال: إن أبي وأباك في النار. وأما الاستدلال على نجاتهما بأنهما ماتا في زمن الفترة، فهو مبني على أصول الأشاعرة أن من مات ولم تبلغه الدعوى يموت ناجياً. أما الماتريدية، فإن مات قبل مضي مدة يمكنه فيها التأمل – إلى قوله – وعلى هذا فالظن في كرم اللّٰه تعالىٰ أن يكون أبواه صلى اللّٰه عليه وسلم من أحد هذين القسمين؛ بل قيل: أن آباءه صلى اللّٰه عليه وسلم كلهم موحدون. وبالجملة كما قال بعض المحققين: أنه لا ينبغي ذكر هذه المسئلة إلا مع مزيد الأدب، وليست من المسائل التي يضر جهلها أو يسأل عنها في القبر أو في الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها إلا بخير أولى وأسلم. (شامی زکریا ۳٤۸/٤)

وروي بأسانيد ضعيفة أن النبي ﷺ دعا ربه فأحياه وآمنة أم رسول اللّٰه ﷺ فآمنا به. واختار الإمام الرازي أنهما ماتا على ملة إبراهيم عليه الصلاة والسلام، والجمع أن الإحياء كرامة لهما ليضاعف ثوابهما. وقد ألف الحافظ المحقق جلال الدين السيوطي رسائل ستًّا في إثبات إيمانهما وإيمان جميع آباء النبي ﷺ إلى آدم، وتبعه محققوا المتأخرين، وعارضه علي بن سلطان القاري برسالته في إثبات كفرهما، فرأى استاذه ابن حجر مكي في منامه أن القاري سقط من سقف فانكسرت رجلاه، فقيل: هٰذا جزاء إهانة والدي رسول اللّٰه ﷺ، فوقع كما رأى، ومن أراد كشف مشكلات هٰذه المسئلة فلينظر في رسائل السيوطي. (النبراس شرح شرح العقائد النسفية ٣١٦، بحواله: فتاویٰ محمودیه ڈابھیل ۱/ ٤٠٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خواجہ ابو طالب کو کافر کہنے والے پر تنقید کرنا؟

سوال (۱۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے مندرجہ ذیل اشعار سے جو علماء کرام ''ابو طالب'' کے ایمان کے قائل نہیں ہیں، ان کی سخت قسم کی توہین ہوتی ہے، ایسے شاعر کی ان اشعار کی کتاب پر تقریظ لکھنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ مفصل جواب عنایت فرماکر ممنون فرمائیں۔

کافر ابو طالب کو جو کہنے پے تلی ہے ❖ گستاخِ زباں بغض وعداوت میں پلی ہے

اِک اُن میں ہے محبوبِ خدا ایک علی ہے ❖ بس یہ تھا سبب اس نے جو دو بچوں کو پالا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرورِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خواہش تھی کہ آپ کے چچا جناب ابو طالب- جنہوں نے آڑے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت اور حمایت ونصرت کا بے مثال نمونہ پیش کیا تھا- کہ وہ دولت ایمان سے مشرف ہو جائیں، اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابو طالب کی وفات کے وقت تک اس سلسلہ میں کوشاں رہے، چناں چہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب جناب ابو طالب کی حالت نازک تھی، تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لے گئے، وہاں کفار مکہ کے کئی سردار ابو جہل اور عبد اللہ بن اَبی امیہ وغیرہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخری وقت میں اپنے محسن چچا کو کلمہ کی دعوت پیش فرمائی، جس پر ابو جہل نے جناب ابو طالب کو عار دلاتے ہوئے کہا کہ: ''کیا آپ اپنے والد عبد المطلب کے مذہب کو چھوڑ کر اپنے مرنے کے بعد رسوائی کا سامان کریں گے''؟ اس کے باوجود پیغمبر علیہ السلام بار بار انہیں اسلام کی دعوت پیش کرتے رہے۔

بالآخر جناب ابو طالب نے مرنے کے بعد کی عار سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھنے سے صراحۃً انکار کر دیا اور یہ کہا کہ: ''میں اپنے والد عبد المطلب کے دین پر ہوں''۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کے انکار کا بڑا اثر ہوا، آخر ابو طالب کی وفات ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ ہوکر واپس

تشریف لے آئے، اس واقعہ کے سلسلہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دینے کے لئے قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ. [القصص: ٥٦]

آپ جس کو چاہیں ہدایت سے نواز نہیں سکتے؛ بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت عطا فرمائے۔

پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوطالب سے طبعی تعلق کی بنا پر ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تھے؛ تا آں کہ قرآنِ کریم کی آیت: ﴿مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اُولِیۡ قُرۡبٰی﴾ نازل ہوئی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مشرک کے لئے استغفار سے منع کر دیا گیا۔

اسی طرح صحیح روایات میں یہ مضمون بھی وارد ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب جناب ابوطالب کو ہوگا؛ لیکن وہ نجات نہیں پاسکیں گے؛ کیوں کہ وہ دولت ایمان سے دنیا میں مشرف نہیں ہوئے، یہ تفصیلات صحیح احادیث سے ثابت ہیں، جن کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس کے برخلاف تاریخ کی بعض کتابوں میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ جناب ابوطالب وفات سے قبل ہونٹ ہلا رہے تھے، اور یہ ہونٹ ہلانا کلمہ پڑھنے کی بنا پر تھا، اسی روایت کو رافضیوں نے جناب ابوطالب کے اسلام پر وفات پانے کے لئے دلیل بنایا ہے؛ لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے ساقط ہے، اور صحیح اور مستند احادیث کے مقابلہ میں اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں، اور اس پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

بریں بنا سوال میں جن اشعار کو تحریر کیا گیا ہے جن میں جناب ابوطالب کو کافر کہنے والوں پر تنقید کی گئی ہے، یہ اشعار یا تو صحیح روایات سے ناواقفیت پر مبنی ہیں، یا رافضیوں کے بے اصل عقیدے سے متأثر ہو کر لکھے گئے ہیں، شاعر کو ایسی بات سے رجوع کرنا لازم ہے، اور اس شاعر کی کتاب پر تقریظ لکھنے والوں نے اگر ان اشعار کو دیکھ کر اس کی تائید میں تقریظ لکھی ہے، تو انہیں بھی اس سے برأت اور توبہ کرنی چاہئے۔

عن سعيد ابن المسيب عن أبيه أن أبا طالب لما حضرته الوفاة دخل عليه

النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعنده أبوجهل، فقال: أي عم، قل لا إلٰه إلا اللّٰه كلمة أحاجّ لک بها عند اللّٰه، فقال أبوجهل وعبد اللّٰه بن أبي أمية: يا أباطالب! ترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزالا يكلّماه حتى قال آخر شيئ كلمهم به على ملة عبد المطلب، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لأستغفرن لک ما لم أنه عنه فنزلت: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُوْلِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمُ﴾ ونزلت: ﴿اِنَّکَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (صحيح البخاري ۱/۵٤۸ رقم: ۳۷٤٦)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أهون أهل النار عذاباً أبوطالب وهو منتعل بنعلين يغلىٰ منهما دماغه. (صحيح مسلم ۱/۱۱۵)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذكر عنده عمه أبوطالب فقال: لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من النار، يبلغ كعبيه يغلىٰ منه دماغه. (صحيح البخاري ۱/۵٤۸، صحيح مسلم ۱/۱۱۵)

سمعت العباس رضي اللّٰه عنه يقول: قلت: يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! إن أبا طالب كان يحوطک وينصرک ويغضب لک، فهل نفعه ذٰلک، قال: نعم! وجدته في غمرات من النار فأخرجته إلى ضحضاح. (صحيح مسلم ۱/۱۱۵)

قال أبوطالب لو لا أن تعيرني قريش يقولون ما حمله عليه إلا جزع الموت لأقررتُ بها عينک. (فتح الباري أشرفية ۷/۲٤۸)

عذاب الكفار متفاوت والنفع الذي حصل لأبي طالب من خصائصه ببركة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (فتح الباري أشرفية ۷/۲٤۸)

وقد استدل بعض من ذهب من الشيعة وغيرهم من الغلاة إلى أن أبا طالب مات مسلماً يقول العباس هٰذا الحديث "يا ابن أخي! لقد قال أخي الكلمة التي أمرته أن يقولها – يعني لا إلٰه إلا اللّٰه – والجواب عن هٰذا من وجوهٍ، أحدها أن في السند مبهماً لا يعرف حاله وهو قوله عن بعض أهلهٖ، وهٰذا إبهام

في الاسم والحال ومثله يتوقف فيه لو انفرد. (البداية والنهاية ۱۲۳/۳، سيرة ابن هشام بيروت ۳۷۷/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جنت کا بازار کیسا ہوگا؟

سوال (۱۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ضروری اہم بات یہ معلوم کرنی ہے کہ کیا جنتیوں کے لئے جنت میں جمعہ کے دن بازار لگا کرے گا، اور جنتی اس بازار سے خرید وفروخت کریں گے؟ مگر بھلا وہاں خرید وفروخت کرنے کی کیا ضرورت پیش آئے گی؟ جب کہ کتابوں کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جنتی جنت میں جس چیز کی بھی خواہش کریں گے وہ چیز فوراً ان کے سامنے آجائیں گی، وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر بازار کی کیا ضرورت؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنت کے بازار میں خرید وفروخت نہیں ہوگی؛ بلکہ وہاں حسین وجمیل صورتیں رکھی ہوئی ہوں گی۔ کوئی آدمی اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت پسند کرکے اپنی صورت اس جیسی بنانے کی خواہش کرے گا، تو اس کی منشاء کے مطابق اس کی صورت بدل دی جائے گی، نیز اس بازار میں اہلِ جنت کو دیدارِ خداوندی بھی نصیب ہوگا، اور اہلِ جنت آپس میں ملاقات بھی کریں گے۔

عن عليّ رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: إن في الجنة لسوقاً ما فيها شراء ولابيعٌ إلا الصور من الرجال والنساء فإذا اشتهى الرجل صورةٌ دخل فيها. (سنن الترمذي ۸۱/۲-۸۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۱۱ھ

کفریہ وشرکیہ کلمات اور اَعمال

شرک کی تعریف

سوال (۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شرک کس کو کہتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ کی ذات وصفات میں غیر اللہ کی ہمسری کا عقیدہ رکھنا شرک ہے، اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ جو عبادت اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، مثلاً رکوع اور سجدہ اسے غیر اللہ کے سامنے بجالانا، یا غیر اللہ کے نام پر چڑھاوا چڑھانا اور قربانیاں کرنا وغیرہ، اس طرح کی سب باتیں ممنوع اور حرام ہیں۔

حقیقة الشرک أن یعتقد إنسان في بعض المعظمین من الناس أن الآثار العجیبة الصادرة منه إنما صدرت لکونه متصفاً بصفة من صفات الکمال مما لم یعهد في جنس الإنسان؛ بل یختص بالواجب جل مجده لا یوجد في غیره إلا أن یخلع هو خلعة الألوهیة علی غیره أو یغني غیره في ذاته ویبقی بذاته أو نحو ذٰلک مما یظنه هٰذا المعتقد من الخرافات. (حجة اللّٰہ البالغة للإمام الشاه ولي اللّٰہ الدهلوي ۱/۱۴۴، عقائد أهل السنة والجماعة ۷۷)

والشرک یکون بمعنی اعتقاد أن للّٰہ تعالی شانه شریکا، أما في الألوهیة أو في الربوبیة. (روح المعاني ۵/۵۱)

الشـرک الأکبـر وهـو اتـخـاذ الشـریک للّٰه في الوهیته أو عبادته، وهو المراد بقوله تعالی: ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (الموسوعة الفقهیة ٥/٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ٣/٦/١٤٢٤ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''وندے ماترم'' کا مطلب اور اس کا حکم؟

سوال (٢): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''وندے ماترم'' کے معنی کیا ہیں؟ اور وندے ماترم کہنا کیسا ہے؟ کچھ مسلمان کہتے ہیں کہ وندے ماترم ہمارے وطن کا ترانہ ہے اس کو کہنا چاہئے، جو مسلمان وندے ماترم کہتا ہے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''وندے ماترم'' کا ترجمہ یہ ہے: ''اے مادرِ وطن میں تیری وندنا (پوجا) کرتا ہوں''۔ یہ گیت شرکیہ ہے اور شرک کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں، اور جو شخص شرکیہ عقیدہ رکھتا ہوا اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

﴿لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾. [لقمان: ١٣]

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ [المائدة: ٧٢]

﴿وَمَآ اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ [البینة: ٤]

عن جابر رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: (في حدیث طویل) قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا ینبغي لبشرٍ أن یسجد لبشرٍ. (رواه البیهقي في دلائل النبوة: ٦/١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ٦/٣/١٤٢٥ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شدتِ غم کی حالت میں اللہ کا شکوہ کرنا

سوال (۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غم زدہ عورت کا بچہ مرگیا اور کچھ دن بعد اس کا والد بھی مرگیا، غم میں یہ الفاظ جاری ہوگئے کہ ''اللہ تجھے ایسا نہیں کرنا تھا یہ تو نے کیا کیا''؟ یہ الفاظ صدمے اور غم میں نکلے۔ اب تجدیدِ نکاح ضروری ہے؟ جب کہ اس نے توبہ کرلی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غم کی شدت میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ کے جو الفاظ مذکورہ غم زدہ عورت سے نکلے ہیں وہ ہرگز مناسب نہ تھے، ان پر توبہ واستغفار لازم ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے ایمان اور نکاح پر کوئی اثر نہ پڑا؛ لہٰذا مذکورہ عورت کو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

وفي ألفاظ تكلم بها خطأ نحو إن اراد أن يقول: لا إله إلا اللّٰه فجرى على لسانه بلا قصد إن مع اللّٰه إلهاً آخر لا يكفر فيه قطعاً لكن يؤخر بالاستغفار والرجوع. (هداية المهديين ١٣، بحواله: آپ کے مسائل اور ان کا حل ٥٩/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۱۴۳۵/۶/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یہ کہنا کہ ہم نے ساری ٹینشن اور پریشانی اوپر والے پر چھوڑ دیں؟

سوال (۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جیسا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی ساری ٹینشن اور پریشانی اوپر والے پر چھوڑ دی ہیں۔ تو کیا ایسا کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''میں نے اپنی ساری ٹینشن اوپر والے پر چھوڑ دی ہے''۔ اس جملہ کا مقصد اگر یہ ہو کہ میں اپنی پریشانیوں کا شکوہ اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں کرنا چاہتا؛

بلکہ صبر کرنا چاہتا ہوں، تو یہ جملہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ﴾ [يوسف: ٨٦]

البث: استعمل في الغم الذي لايطبق صاحبه الصبر عليه كأنه ثقل عليه فلا يطيق حمله وحده فيفرقه على من يعينه فهو مصدر بمعنى المفعول، وفيه استعارة تصريحية، وجوز أن يكون بمعنى الفاعل أي الغم الذي بث الفكر وفرقة، وأيًّا ما كان، فالظاهر أن القوم قالوا ما قالوا بطريق التسلية والإشكاء. فقام في جوابهم أني لا أشكو ما بي إليكم أو إلى غيركم حتى تتصدوا لتسليتي وإنما أشكو غنمي وحزنيي إلى اللّٰه تعالى. ملتجاً إلى جنابه متضرعًا في دفعه لدى بابه، فإنه القادر على ذلک، وفي البحر عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: من كنوز البر اخفاء الصدقة وكتمان المصائب والأمراض ومن بث لم يصبر.

(روح المعاني زكريا جزء: ٦٢/١٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۶/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''میں اسلام کو نہیں مانتی'' کیا یہ کفریہ جملہ ہے؟

سوال (۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی معاملہ میں فاطمہ کو سمجھانے پر فاطمہ غصہ میں یا ضد میں کہتی ہے کہ: ''میں اسلام کو نہیں مانتی'' کیا یہ جملہ کفریہ ہے؟ اگر کفریہ ہے اور فاطمہ اس جملہ کی وجہ سے خارجِ اسلام ہوجاتی ہے، تو نکاح کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''میں اسلام کو نہیں مانتی'' اس جملہ میں یہ تاویل ممکن

ہے کہ تمہارے پیش کردہ اسلام کونہیں مانتی، گویا حقیقۃً اسلام کا انکار نہیں؛ بلکہ مدعی کے دعویٰ کا انکار ہے، اگر یہی مراد ہوتو مسئولہ صورت میں فاطمہ کافر نہ ہوگی، اور اگر واقعۃً فاطمہ نے بغیر کسی تاویل کے اسلام کو ماننے کا انکار کیا ہے، تو یقیناً وہ کافر ہوجائے گی، اور اس پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم ہوگا۔

لا يفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن. (در مختار ٣٦٧/٦)

ثم إن كان نية القائل الوجه الذي يوجب التكفير لا تنفعه فتوىٰ المفتي ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذٰلك وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته. (هندية ٢٨٣/٢، شرح الفقه الأكبر ١٩٢)

وفي شرح الفقه الأكبر: أو قال: ماذا الشرع هٰذا؟ كفر. (شرح الفقه الأكبر ١٧٤، عقائد أهل السنة والجماعة ٧٣-٧٤) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

غصہ کی حالت میں یہ کہنا کہ ''میں قرآن کو نہیں مانتی''

سوال (٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے شوہر مجھے قرآن کی آیت پڑھ کر اس کے معنی سمجھا رہے تھے، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں قرآن کو مانتی ہوں؟ مگر اس وقت میں بہت غصہ میں تھی؛ اس لئے میں نے قرآن کو ماننے سے انکار کردیا، یہ بات میرے شوہر نے تین دفعہ معلوم کی، تینوں دفعہ میں نے قرآن کو ماننے سے انکار کردیا، مگر جب میرا غصہ ٹھنڈا ہوا تو پھر میرے شوہر نے معلوم کیا کہ میں قرآن کو مانتی ہوں؟ تو اس وقت میں نے کہا مانتی ہوں، غصہ کی حالت میں میں نے زبانی طور پر قرآن کو ماننے سے انکار تو ضرور کیا تھا، مگر میرے دل کا حال تو خدا ہی جانتا ہے، اور میں دل سے قرآن کو مانتی ہوں، تو کیا اس صورت میں میرے نکاح پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟ کیا میں اسلام میں ہوں یا اسلام سے خارج؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہ کا اصول ہے کہ ایک مسلمان کے کلام کو جہاں تک ہوسکے اچھے محمل پر رکھ کر اسے کفر سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں شوہر کے قرآنِ کریم پڑھ کر سمجھانے کے جواب میں بیوی کا یہ کہنا کہ: ''میں قرآن نہیں مانتی'' اس کا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ میں تمہارے بیان کردہ معنی نہیں مانتی، گویا کہ اصل قرآن کا انکار مقصود نہیں ہے؛ بلکہ شوہر کے کلام کا انکار مقصود ہے۔ نیز اگر بلا کسی متعین نیت کے یہ کلام محض غصہ اور جھنجھلاہٹ کی بنا پر صادر ہوا ہے تو بھی تکفیر میں احتیاط کی جائے گی، تاہم ایسا کلام زبان سے ادا کرنے کی وجہ سے بیوی گنہگار ہوگی، اور احتیاطاً یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المراء في القرآن كفر. (سنن أبي داؤد ٦٣٢/٢ رقم: ٤٦٠٣)

وفي الظهيرية: وإن لم تكن له نية حمل المفتي كلامه على وجه لا يوجب التكفير ويومر بالتوبة والاستغفار واستجداد النكاح. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٨٦/٧، رقم: ١٠٤٨٧ زكريا)

عن الضحاك بن مزاحم قال: إذا ارتد الرجل بانت منه امرأته فإن أسلم فهو خاطب. (رواه سعيد بن منصور في سننه ٢٩٧/٢ رقم: ٢٨٣٤)

وفي الينابيع: قال أبوحنيفة: لا يكون الكفر كفراً حتى يعقد عليه القلب. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٨٦/٧، رقم: ١٠٤٨٧ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۵/۳/۱۴۲۰ھ

''میں نماز نہیں پڑھوں گی'' کہنے کا حکم

سوال (۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک روز کا واقعہ ہے زید کی منکوحہ چونکہ حالت حمل میں تھی، اور درد شکم میں مبتلا تھی، فجر کا وقت تھا اس وقت زید نے اس سے نماز پڑھنے سے متعلق سوال کیا کہ کب پڑھوگی؟ اس کے جواب میں منکوحہ کا جملہ تھا کہ ''نہیں پڑھوں گی''، اس کے نتیجہ میں زید نے اس سے قطع تعلق کرلیا، اس خیال سے کہ یہ جملہ کفریہ ہے جس سے نکاح باقی نہ رہا، پھر اسی روز شام کو زید نے اپنے والد اور دادا سے مشورہ کیا کہ نکاح اس جملہ مذکورہ کے بعد باقی نہ رہا؛ لہٰذا از سرِ نو کلمہ پڑھوا کر نکاح کیا جائے، چنانچہ بعد نماز مغرب زید کی منکوحہ کے نانا نے جو زید کے دادا ہیں بحیثیت ولی اس سے کلمہ پڑھوا کر اس کی اجازت سے دوبارہ نکاح کردیا، اور زید نے اس کو قبول کرلیا، اس وقت مجلس میں زید کے علاوہ اس کے والد اور والدہ تھیں۔ یہ واضح ہو کہ منکوحہ سے اس کے جملہ مذکورہ بالا کے بارے میں یہ تفتیش بھی نہ ہوئی کہ اس کی نیت کیا تھی؟ محض اس خیال سے کہ اس نے بلا سوچے سمجھے یہ جملہ بول دیا ہے نیز دوسرے نکاح میں کسی قسم کے مہر کا بھی تذکرہ نہ ہوا، صرف اجازت لیکر منکوحہ کے نانا نے زید سے یہ کہدیا کہ آپ اس کو اپنے نکاح میں قبول کرتے ہیں؟ زید نے جواباً کہا کہ قبول کیا۔

یہ واقعہ آج سے تقریباً چھ سال قبل کا ہے اس وقت سے زوجین برضاء ورغبت اپنی ازدواجی زندگی بسر کررہے ہیں، پھر اس بیچ ایک دوسرے بچہ کی بھی ولادت ہوئی، مندرجہ بالا پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل امور کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) کیا زید کی منکوحہ کے مندرجہ بالا جملہ ''نہیں پڑھوں گی'' کہنے سے اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

(۲) اگر باقی رہا تو زید نے جو اس کے ردعمل میں منکوحہ کے ولی کے ذریعہ کلمہ پڑھوا کر دوبارہ نکاح قبول کیا یہ عمل کیا ہوا؟

(۳) اگر نکاح باقی نہ رہا تو کیا دوران حمل یہ مؤثر ہوگا یا نہیں؟ حمل کی وجہ سے کوئی فرق تو نہیں؟

(۴) اور یہ نکاح ثانی جو منکوحہ کی اجازت سے ہوا اور زید نے قبول بھی کیا مگر مہر کا کوئی تذکرہ نہیں، تو کیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر ہوگیا تو مہر نکاح اول والا کافی ہے یا علیحدہ مہر ضروری ہے؟ اگر علیحدہ مہر ضروری ہے تو کون سا مہر لازم ہوگا؟

(۵) اور اس نکاح ثانی کی مجلس میں زید کے صرف والدین تھے اور منکوحہ کے ولی نانا تھے، تو کیا یہ گواہ ہونگے یا یہ نکاح بلا گواہ تسلیم کیا جائے گا؟

(۶) اگر زوجین نکاح ثانی کا مہر آپسی رضامندی سے ایک مقدار مقرر کرلیں تو کیا وہ متعین ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی تکلیف وغیرہ کی وجہ سے جھنجھلا کر یہ کہہ دینے سے کہ ''میں نماز نہیں پڑھوں گی'' مذکورہ عورت کو کافر نہیں کہا جائے گا، اور نہ اس کے نکاح کو توڑنے کا حکم ہوگا، اس لئے تجدید نکاح کی کوئی ضرورت نہ تھی، تاہم نئے نکاح سے سابقہ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وقول الرجل: لا أصلي يحتمل أربعة أوجه: أحدها لا أصلي؛ لأني صليت. والثاني: لا أصلي بأمرک، فقد أمرني بها من هو خير منک. والثالث: لا أصلي فسقاً مجانةً، فهٰذه الثلاثة ليست بكفر. والرابع: لاأصلي إذ ليس يجب عليّ الصلوٰة ولم أومَر بها، يكفر. ولو أطلق وقال: لا أصلي لا يكفر لاحتمال هٰذه الوجوه. (الفتاویٰ الهندية ۲۸٤/۲، البحرالرائق ۱۲۲/۵، الفتاویٰ التاتارخانية ۳۱۹/۷ رقم: ۱۰۵۸٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸/۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''ہم نہیں جانتے شریعت اور مفتی کو، ہم تو اپنے باپ کی وصیت کو جانتے ہیں'' کہنے والے کا حکم

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلمانوں کو شرعی مسئلہ کا احترام اور شرعی مسئلہ بتانے والوں کا احترام ضروری ہے یا نہیں؟ اس کو

وضاحت اور دلائل سے سمجھا دیں؟ اگر کوئی کہے کہ ہم نہیں جانتے، شریعت اور مفتی کو، ہم تو اپنے باپ کی وصیت کو جانتے ہیں، تو اس شخص کا یہ کہنا شرعاً کیسا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ہم باپ کی وصیت کے مقابلہ میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت اسلامیہ کو اہمیت دیتے ہے، اس کے مقابلہ میں کسی بات کو بھی جو فرمانِ رسول کے خلاف ہوگی اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہوگی، ہم اس کو نہیں مانیں گے، چاہے وہ کسی کی بھی ہو، آپ سے سوال یہ ہے کہ یہ دوسرا شخص شرعاً مجرم تو نہیں ہے، اور نافرمان تو نہیں کہلائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی مفتی کے فتویٰ اور احکام شریعت سے بلاوجہ انکار موجبِ فسق ہے اور بسا اوقات موجبِ کفر ہوجاتا ہے؛ لہٰذا جو شخص بھی احکام شریعت اور ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے، اسے فوراً توبہ کرکے حدیث اور شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اور وارثین کے حق میں وصیت کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد ہے کہ اللہ نے تمام وارثین کے حق کو پورا پورا ادا کردیا ہے؛ لہٰذا اب وارثین کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

عن أبي أمامة الباهلي رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن اللّٰه قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارثٍ. (سنن الترمذي ۳۲/۲)

رجل عرض عليه خصمه فتوىٰ الأئمة فردها وقال: ''این چہ شرع است'' كفر – إلى قوله – إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه فتوىٰ الأئمة، فقال صاحبه: ليس كما أفتوا، أو قال: لا نعمل بهٰذا، كان عليه التعزير، كما في الذخيرة. (هندية ۲۷۲/۲)

وإذا قال الرجل لغيره: حكم الشرع في هٰذه الحادثة كذا، فقال ذٰلك الغير: ''من برسم کار کنم، نہ بشرع'' يكفر عند بعض المشائخ. رجل عرض عليه

خصمه فتویٰ الأئمة، فردها وقال: ''چہ بارنامہ فتویٰ آوردہ'' قیل: یکفر؛ لأنه رد حکم الشرع، وکذا لو لم یقل شیئاً لکن ألقی الفتویٰ علی الأرض، وقال: ''ایں چہ شرع است'' کفر. إذا جاء أحد الخصمین إلی صاحبه بفتویٰ الأئمة، فقال صاحبه: لیس کما أفتوا، أو قال: لا نعمل بهٰذا، کان علیه التعزیر. (هندیة ۲/۲۷۲، الفتاویٰ التاتارخانیة ۵/۴۵۸ إدارة القرآن کراچی)

اور جو لوگ باپ کی وصیت کے مقابلہ میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وشریعت کے احکام کو ترجیح دیتے ہیں یہ لوگ شرعاً مجرم نہیں؛ بلکہ عند اللہ اجر وثواب کے مستحق ہیں۔

کما قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ [النساء: ۱۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''اگر میں تمہاری بیٹی کو گالی دیتی ہوں تو اللہ سے زنا کروں'' کہنے والی عورت کا حکم

سوال (۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندہ ایک جاہلہ ناخواندہ اَن پڑھ عورت ہے، کسی وجہ سے اپنی نند کو گالیاں دے رہی تھی، گالی اپنی سوا جا پوری زبان میں دے رہی تھی، گالی تقریباً اس طرح کی تھی ''فاحشہ تم پر خدا کا قہر پڑے، اور پڑتا ہی رہے، فاحشہ سانپ کے منہ میں بھی چوما چاٹی اور مینڈک کے منہ میں بھی چوما چاٹی'' پھر ہندہ کی ساس نے کہا کہ تم میری بیٹی کو گالی گلوچ کیوں کرتی ہو، وہ تمہارے باپ کا کھاتی ہے؟ تو اس پر ہندہ نے گالی کا انکار کردیا کہ میں تمہاری بیٹی کو گالی نہیں دیتی ہوں، اس بات کو مؤکد کرنے کے لئے ہندہ نے قسم کھا کر کہا کہ: ''اگر میں تمہاری لڑکی کو گالی دیتی ہوں تو اللہ سے زنا کروں'' ہندہ کا اس

طرح قسم کھانا کلماتِ کفر میں سے ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو از روئے شرع کیا کرنا ہوگا، نیز اس کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی طرف زنا جیسے قبیح فعل کی نسبت کرنا موجبِ کفر ہے، مذکورہ عورت پر سچے دل سے توبہ کرنا نیز تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا لازم ہے، اس کے بغیر اس کے شوہر کے لئے اس سے زوجیت کا تعلق رکھنا جائز نہیں ہے۔

یکفر إذا وصف اللّٰہ تعالی بمالا یلیق بہ. (عالمگیری الباب التاسع في أحکام المرتدین ۲/ ۲۵۸، البحر الرائق ۵/ ۱۲۰، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۸۵/۷ زکریا)

وإن کانت نیتہ الوجہ التی یوجب التکفیر، یؤمر بالتوبة والرجوع عن ذٰلک، وبتجدید النکاح بینہ وبین امرأتہ. (عالمگیری ۲/ ۲۸۳، المحیط البرهاني ۵/۵۵۰)

وما کان في کونہ کفراً اختلافاً فإن قائلہ یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذٰلک بطریق الاحتیاط. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۸٤/۷ رقم: ۱۰٤۹٦ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’کیا ہوتے ہیں مہر فاطمی‘‘ کہنے والے کا حکم؟

سوال (۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عمر سے کہا کہ مہر فاطمی بندھوا دو تو عمر کہتا ہے کہ: ’’کیا ہوتے ہیں مہر فاطمی‘‘؟ عمر کا یہ کہنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ لفظ مہر فاطمی کی تحقیر کے لئے استعمال کیا ہے، تو

سنت کی حقارت کی وجہ سے سخت گنہگار ہے اس پر توبہ لازم ہے اور اگر لاعلمی ظاہر کرنے کے لئے یہ لفظ کہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُوْنَ﴾ [التوبة: ٦٥]

الاستهزاء بأحكام الشرع كفر. (عالمگیری ۲۸۱/۲)

الاستهزاء على الشريعة كفر؛ لأن ذٰلك من أمارات التكذيب وعلى هٰذه الأصول أي كفر المستحل والمتسحلين والمستهزئ. (نبراس ۳۳۹)

لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن. (تنوير الأبصار على الدر المختار ٣٦٧/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

''اوپر اللہ نیچے آپ کا سہارا'' کہنا

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کسی ضرورت مند کا سوال کرتے وقت اپنے سامنے والے سے یہ کہنا جائز ہے، کہ ''اوپر اللہ ہے اور نیچے آپ کا سہارا ہے''؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''اوپر اللہ ہے اور نیچے آپ کا سہارا ہے'' اس جملہ سے کہنے والے کی کیا مراد ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو میری مدد کا سبب بنایا ہے، تو اس میں بظاہر کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر خدانخواستہ مراد یہ ہے کہ آپ ہی اصل میں دینے والے ہیں جیسے اللہ دینے والا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ کہنا قطعاً غلط ہوگا؛ اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ سوال کرتے وقت ایسے موہم الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔

قال في رد المحتار: ومجرد إيهام اللفظ مالا يجوز كاف في المنع.......

(شامی زکریا ۹/۴۸۴-۴۸۵)

قالوا: على هذا لو قال مطرنا بنوء كذا معتقدا أنه من الله وبرحمته وأن النوء ميقات له وعلامةٌ اعتبارا بالعادة فكأنه قال: مطرنا في وقت كذا، فهذا لايكفر. (شرح النووي على صحيح مسلم ۵۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۵/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کا شوہر کی بات کو جھٹلانا اور رد کرنا؟

سوال (۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے اپنی بیوی سے دورانِ گفتگو یہ کہا کہ تو میرے سامنے بنتی سنورتی نہیں، تو بیوی بولی کہ میکہ جاؤں گی تو سنوروں گی، شوہر نے کہا کہ شریعت عورتوں کو صرف شوہر کے لئے سنورنے کو کہتی ہے نہ کہ میکہ والوں کے لئے، اس پر بیوی نے کہا کہ اس کو ہم نہیں مانتے، تو شوہر بولا کہ یہ جملہ خطرناک ہے، کفریہ ہے، کلمہ پڑھ لو، تو اس کی بیوی بولی نہیں پڑھوں گی، بعد میں سمجھانے پر کلمہ پڑھا اور توبہ کرلی، تو سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں انکار مسئلہ اور کلمہ کا انکار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ کفر ہے؟ اگر کفر ہے تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بیوی کا شوہر کے جواب میں یہ کہنا کہ ''ہم اس کو نہیں مانتے'' بظاہر اس سے بیوی کا مقصد شریعت کی تحقیر وتوہین کا نہ تھا؛ بلکہ اپنے شوہر کی بات کو رد کرنا تھا، اگر واقعہ یہی ہے تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں نکاح تو نہیں ٹوٹا؛ لیکن عورت کو چاہئے کہ آئندہ ایسا جملہ استعمال نہ کرے۔

لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن. (درمختار)

سئل عمن قال أرض بالشرع فقال لا أقبل – فأجاب بأنه لا ينبغي للعالم أن يبادر بتكفير أهل الإسلام. (شامی کراچی ۲۳۰/۴، زکریا ۳۶۷/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲/۵/۴ھ

کلمہ طیبہ کی توہین کرنا اور گالی دینا؟

سوال (۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کارخانہ میں کچھ لوگوں میں بحث ومباحثہ ہوا، عمر نے زید سے کہا کہ تم نے فلاں شخص سے اتنے روپئے لئے، زید نے کہا میں نے نہیں لئے، عمرو نے زید سے کہا کہ تم کلمہ پڑھو اور کہو کہ میں نے روپئے نہیں لئے، زید نے کلمہ پڑھنے کے بجائے یہ الفاظ ادا کئے کہ: ''کلمہ کی دھی کی خرچ''، یعنی کلمہ کو گالی دی جب کہ کلمہ پر ہی ایمان کا دارومدار ہے، لوگوں نے اس سے کہا کہ تو نے کفریہ کلمات ادا کئے، زید کہنے لگا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے کیا کلمات کہے، لوگوں نے جب اس سے کہا کہ تو نے کفریہ کلمات کہے ہیں، تو اس نے توبہ استغفار کیا اور کہا کہ یہ کلمات میری زبان سے بلا ارادہ نکل گئے ہیں، میرے دل میں کوئی ایسی بات نہیں تھی، کہ میں ان کلمات کی توہین کروں، زید نے کہا کہ میں بھی جانتا ہوں کہ ایمان کا دارومدار کلمہ پر ہے، مگر زبان سے یہ کلمات بلا ارادہ نکل گئے میں اس پر نادم وشرمندہ ہوں، اور توبہ واستغفار کرتا ہوں، تو اس شخص کا نکاح دوبارہ ہوگا، یا توبہ استغفار کر لینا کافی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کلمہ طیبہ کی توہین انتہائی خطرناک فعل ہے، جس کی وجہ سے ایمان کے بارے میں سخت خطرہ لاحق ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں دل میں ایمانی کیفیت برقرار رہنے کی بنا پر گو کہ اس شخص کو صراحتاً کافر کہنے سے احتراز کیا جائے گا؛ لیکن اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ توبہ کے ساتھ اپنے ایمان ونکاح کی تجدید بھی کر لے، اور نکاح کی تجدید کی آسان شکل یہ ہے کہ دو عاقل بالغ مسلمان مردوں کے سامنے میاں بیوی ایک دوسرے سے ایجاب وقبول کر لیں، اس کے لئے باقاعدہ اعلان اور خطبہ وغیرہ لازم نہیں ہے۔

ولعمري هذا من أهم المهمات في هذا الزمان لأنک تسمع کثیراً من العوام یتکلمون بما یکفر وهم عنها غافلون، والاحتیاط أن یجدد الجاهل إیمانه کل یوم

ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين في كل شهرة. (شامی زکریا ۱/ ۱۲٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱۱/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی توہین کرنے والے کا حکم؟

سوال (۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے مخاصمت اور جھگڑے کی بناپر اپنی زبان سے مسلم آبادی کے درمیان چیخ چیخ کر بلند آواز سے کہا کہ میں اس علاقہ میں ہندو مسلم فساد کرادوں گا اور یہاں کی مسجدوں میں خنزیر کا گوشت پھکوادوں گا، اور اسی طرح کی مغلظات استعمال کرتا ہے، ایسا شخص شریعت مطہرہ کی روشنی میں مسلمان صاحب ایمان ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی توہین اور استخفاف سے قائل مذکور کے ایمان سے محروم ہونے کا خطرہ ہے؛ لہٰذا اس پر توبہ واستغفار لازم اور ضروری ہے۔

إذا أنكر آية من القرآن أو استخف بالقرآن أو بالمسجد أو بنحوه مما يعظم في الشرع كفر. (مجمع الأنهر ۱/ ٦٩٢-٦٩٣ بيروت)

سئل عن رجل قيل له: ''مرا یک درم دہ، بعمارتِ مسجد حاضر شوی بہ نما'' **فقال الرجل:** ''من نہ بمسجد آیم ونہ درہم دہ، مرا بامسجد چہ کار''؟ **وهو مصرّ على ذٰلك، فقال: لا يكفر ولكن يعزز.** (الفتاویٰ التاتارخانية ٥/ ٥٢٩ كراچی، المحيط البرهاني ٥/ ٥٨١ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۵/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کی شکل کا انکار کرنا، اور حیض کو پاک جاننا؟

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: زید کسی سے بیعت ہوا، حالاں کہ وہ بیعت ہونے سے قبل نماز وروزہ اور دیگر احکام کا بہت پابند تھا؛ لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ کہہ رہا ہے کہ جس طرح لوگ نماز ادا کرتے ہیں اور ان کی جو شکل ہے وہ بالکل درست نہیں؛ بلکہ نماز تو دل میں ہے اور میں ہر وقت نماز ادا کرتا ہوں، چاہے وہ کھانے کی حالت ہو یا پینے کی حالت ہو، الغرض نماز دل میں ہونے کی وجہ سے ہر آن ادا کرتا ہوں اور جس شکل میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں اور علماء کرام ادا کرتے ہیں، یہ محض علماء کا دھوکہ اور بہکانا ہے۔

نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ حیض پاک ہے اور حیض کی حالت میں نماز وروزہ کا ادا کرنا درست ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حیض کی حالت میں نماز روزہ ادا کرنا درست نہیں یہ ان کا بہکاوا ہے۔

اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان کے اندر موجود ہے، تو پھر انسان کو سجدہ کرنا گویا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا گویا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا ہے، تو میں اپنے پیر صاحب کو سجدہ کرتا ہوں جو کہ درست ہے، اور دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کا سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا؛ لیکن اس کے سجدہ کرنے کی بناء پر ان کو شیطان کہا گیا، اگر ہم انسان کو سجدہ نہ کریں تو ہم بھی شیطان کہلائیں گے؟

اور ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اگر آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کو سزا دنیا ہی میں مل جائے گی اور اگر نیکی کرتا ہے تو وہ خوش وخرم زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں کچھ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں جب سے اپنے پیر سے ہاتھ ملائے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں، اگر تم بھی دیکھنا چاہو تو تم بھی پیر صاحب سے بیعت ہو جاؤ، تو کیا زید کے اس طرح کے عقیدہ رکھنے پر اسے مسلمان کہا جائے گا یا نہیں؟ اگر ان کو مسلمان نہیں کہا جائے گا تو کس عقیدہ کی بناء پر تعیین فرما دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں زید کی طرف جن عقائد کا انتساب کیا گیا ہے کہ وہ نماز کا منکر ہے، حیض کو پاک جانتا ہے، غیر اللہ کے سجدہ کا قائل ہے وغیرہ وغیرہ، یہ سب باتیں موجبِ کفر ہیں، زید کو ان کفریہ عقائد سے توبہ کرنی لازم ہے، اگر وہ شادی شدہ ہو تو تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾ [النساء: ١٠٣]

هـي فـرض عيـن عـلـى كـل مكلف ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعيّ. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة ٣/٢ زكريا، ٣٥١/١ كراچی)

من انكر المتواتر فقد كفر. (عالمگیری ٢٦٥/٢)

الـصـلـوات الخمس فريضة على المسلمين العاقلين البالغين من الرجال والـنسـاء دون الـحائض والنفساء في المواقيت المعروفة. (الـفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٢ رقم: ١٤٨٨ زكريا)

قـال الـعـلامة الآلوسي: والمسجود له في الحقيقة هو اللّٰه تعالىٰ...... وفيه أن السجود الشرعي عبادة، وعبادة غيره سبحانه وتعالىٰ شرک محرّم في جميع الأديان والأزمان، ولا أراها حلت في عصر من الأعصار. (روح المعاني ٢٢٨/١)

﴿وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِيْضِ، قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوْا النِّسَاءَ فِيْ الْمَحِيْضِ﴾ [البقرة: جزء آيت: ٢٢٢]

عـن أبـي هـريـرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قـال: مـن أتـى حائضاً أو امرأة في دبرها...... كفر بما أنزل على محمد صلى اللّٰه عـليـه وسـلم. وفي رواية: برئ مما أنزل على محمد صلى اللّٰه عليه وسلم. (رواه أحمد ٤٠٨/٢، وسنن أبي داؤد رقم: ٣٩٠٤، الترغيب والترهيب مكمل: ٥٢٥)

وفـي شـرح الـوهـبـانية لـلشـرنبـلالـي: مـا يكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل والـنـكـاح، وأولاده أولاد زنـا، ومـا فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح". (درمختار مع الشامي، كتاب الجهاد / باب المرتد، مطلب جملة من لا يقتل إذا ارتد ٣٩٠/٦ زكريا، ٢٤٦/٤ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

علماءاوراہل مدارس کو"بھک منگے"اور"شیطان کی ذریت" کہنا؟

سوال (۱۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: علماءاوراہل مدارس کو"بھک منگے"اور"شیطان کی ذریت" کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء پراس طرح کے الزمات اور تہمت لگانے والے لوگ بجائے خود قابل مذمت ہیں، ان کو اپنے فعل سے باز آنے کی ضرورت ہے، علماء ایسے مکروہ الزامات سے قطعاً بری ہیں۔

والاستخفاف بالعلماء لکونهم علماء استخفاف بالعلم. (بزازية على هامش الهندية ٣٣٦/٦) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمان بیوی کو کہنا کہ"تو ابولہب کی بیوی سے کم نہیں"

سوال (۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنے بیٹے بکر کی بیوی سے معمولی جھگڑے یا باتوں میں معمولی فرق پانے کی وجہ سے یا اپنی بات کو اعلیٰ رکھنے کی وجہ سے کہتا ہے کہ"تو ابولہب کی بیوی سے کم نہیں ہے"۔

آپ بتلائیں کہ امتِ محمدیہ کو اس جیسی عورت سے تشبیہ دینا کہاں تک درست ہے؟ نیز ایسی عورت سے تشبیہ دینے والا شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟ یا اس پر توبہ لازم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مسلمان عورت کو کافرہ کے مشابہ قرار دینا قطعاً مناسب نہیں ہے، مسئولہ صورت میں خسر کو اپنی بہو کے ساتھ محبت کا معاملہ کرنا چاہئے، اور لعن طعن سے بچنا چاہئے، اور ساتھ میں بہو کو بھی چاہئے کہ وہ خسر کے ساتھ احترام کا معاملہ کرے؛ تاکہ

آئندہ ایسی نوبت نہ آئے۔

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: سباب المسلم فسوق. (صحیح البخاري ۲/۸۹۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۱/۶/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی مفتی کے فتویٰ کا انکار کرنا

سوال (۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص قرآن وحدیث کی روشنی میں منگائے گئے فتویٰ کو نہ مانے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص کسی حکم شرعی یا فتویٰ کا انکار کرے تو وہ سخت گنہگار ہے، اور اس پر کفر کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا توبہ واستغفار لازم ہے۔

سئل والدي عن قائل یقول: لا أقول بفتوی الأئمۃ ولا أعمل بفتواہم ما حالہ؟ قال: یلزمۃ التوبۃ والاستغفار، وسئل عن ہذا بعضہم، فقال: إذا کان ذا رأي واجتہاد وعنی أنہ یجتہد رأي نفسہ دون رأیہم فہو معذور. (الفتاوی التاتارخانیۃ ۷/۳۳٦ رقم: ۱۰٦۲۷ زکریا)

وإذا قال الرجل لغیرہ: حکم الشرع في ہٰذہ الحادثۃ کذا، فقال ذٰلک الغیر: "من برسم کار کنم، نہ بشرع" یکفر عند بعض المشائخ......الخ. إذا جاء أحد الخصمین إلی صاحبہ بفتویٰ الأئمۃ، فقال صاحبہ: لیس کما أفتوا، أو قال: لا نعمل بہٰذا، کان علیہ التعزیر. (ہندیۃ ۲/۲۷۲، الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۵/٤٥۸ إدارۃ القرآن کراچی)

ویخاف علیہ الکفر إذا شتم عالماً أو فقیہاً بغیر سبب. (عالمگیری ۲/۳۷۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲٦/۷/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے فتویٰ کا انکار کرنا

سوال (۱۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ہندوستان کے مؤقر اور ممتاز دینی مدارس کو اپنا بیان بھیج کر فتوی منگوایا ہے۔ان مدارس کے نام درج ذیل ہیں دار العلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد، مدرسہ مرقاۃ العلوم مؤ ناتھ بھنجن، دار العلوم موہن پورہ ناگپور، مدرسہ مدینۃ العلوم صدر ناگپور۔استفتاء میں جو تحریری بیان میں نے دیا ہے، اس میں گورنمنٹ کی ایک اسکیم کے تحت امپرومنٹ ٹرسٹ ناگپور کی جانب سے الاٹ کئے گئے پلاٹ نمبر ۴۰۷ پر ۵ مکان نمبر ۱۳۷۶ بنام میرے والد صاحب کو حاصل کرنے کی پوری حقیقت واضح طور پر لکھی ہوئی ہے۔اسی کی بنیاد پر ان مدارس نے فتوی صادر کیا ہے۔درج بالا تمام مدارس کے فتاوی میں اس مکان کو میری ملکیت تسلیم کیا گیا ہے۔

(۲) ہم تین بھائیوں اور ایک بہن کا کورٹ حلف نامہ Cort Affidavit بھی میرے پاس موجود ہے۔جس میں ان لوگوں نے مکان مذکور کو میرا ہی مکان قرار دیا ہے۔

(۳) گورنمنٹ اسکیم کے یہ مکانات 64-1963 میں تیار ہوئے اور میں اسی وقت اپنی فیملی کے ساتھ اس مکان میں رہتا ہوں، مکان کے جملہ تقاضے مثلاً: گراونڈ رینٹ ،کارپوریشن ٹیکس، بجلی وغیرہ کو پورا کرتا ہوں۔

(۴) ۱۸ جولائی ۲۰۱۰ کو میرے بھتیجے کے رنگ کھاتے کے اوپر دونوں فریقین کے باہمی اتفاق سے ایک پنچایت ہوئی، جس میں میرے والد مرحوم کے نام پر پلاٹ نمبر ۴۰۷ مکان نمبر ۱۳۷۶ کے حصے کے متعلق غور وخوض ہوا، اس پنچایت میں کامٹی پنچایت کے دو اشخاص کو مدعو کیا گیا تھا، جناب محمود الحسن صاحب نے اتفاق رائے سے اس پنچایت کے فرائض انجام دئے۔اس پنچایت میں استفتاء کا تحریری بیان میں نے پڑھ کر سنایا اور سرداروں کے سامنے مذکورہ سارے فتاویٰ پیش کئے، جس میں شرعی حکم اور فیصلہ ہے کہ مذکورہ مکان میری ملکیت ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امور یہ ہے کہ:

ان سارے فتاویٰ میں مذکورہ مکان کی ملکیت کا فیصلہ ہوجانے کے بعد بھی اس مکان میں میرے مرحوم بھائی کے بیوی بچوں کا حصہ مانگنے پر بضد ہونا فتاویٰ کا انکار ہوگا یا نہیں؟

بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے فتویٰ اور شرعی حکم کا انکار کرنے والے پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

شرعی فتاوی اور احکام کے برخلاف کسی مسلمان کو پریشان کرنے، نقصان پہنچانے اور بے عزت کرنے کی کوشش کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ بلاوجہ کسی فتویٰ کا انکار کریں، تو یقیناً ان کا یہ عمل غلط ہے؛ لیکن اگر فتاوی کا انکار اس بنیاد پر ہو کہ انہیں سوال میں لکھی گئی تفصیلات سے اختلاف ہو تو اس اختلاف کو انہیں واضح کرنا چاہئے؛ کیوں کہ مفتی تو سوال کے مطابق فتوی دیتا ہے، اگر سوال حقیقت کے مطابق نہ ہو تو مفتی پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید زکریا ۱/۹۱)

سئل والدي عن قائل يقول: لا أقول بفتوى الأئمة ولا أعمل بفتواهم ما حاله؟ قال: بلزمة التوبة والاستغفار، وسئل عن هذا بعضهم، فقال: إذا كان ذا رأي واجتهاد وعنى أنه يجتهد رأي نفسه دون رأيهم فهو معذور. (الفتاوى التاتارخانية ٣٣٦/٧ رقم: ١٠٦٢٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن کی آیت کا انکار کرنا اور اس کی سزا

سوال (۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عالم سند یافتہ .... نے قرآنِ مجید کی مقدس آیتوں کو غلط قرار دیا ہے، وہ آیتیں یہ ہیں: پندرہواں پارہ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۸/۳-۷۴-۷۵ تک کا منکر ہے۔ کہتے ہیں یہ غلط ہیں: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ﴾ سے لے کر ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴾ تک انکار کیا، ایسے شخص کے لئے کیا سزا مقرر کی جائے؟ مار دیا جائے یا کوئی اور سزا دی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم کی آیتوں کا منکر کافر ہے؛ لیکن اس کو سزا دینے کا اختیار اسلامی حکومت کو ہے، کسی فرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ خود اپنے طور پر یہ سزا کسی پر جاری کرے؛ لہٰذا آپ کے لئے مذکورہ شخص کو جان سے مارنا ہرگز جائز نہیں، آپ اس کو سمجھانے کی کوشش کریں، اور اس کے لئے دعاءِ خیر کریں، اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے۔ (کفایت المفتی ۱۶۳/۲، ۲۶۸/۹)

إذا أنكر الرجل آية من القرآن أو تسخر بآية من القرآن. وفي الخزانة أو عاب فقد كفر، كذا في التاتارخانية. (الفاوىٰ العالمگيرية ۲۶٦/۲)

ويكفر إذا أنكر آية من القرآن. (البحر الرائق ٢٠٥/٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۱۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآنِ کریم کا مذاق اُڑانا؟

سوال (۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر الف کے والدین کو راہِ راست پر لانے کے لئے قرآنی آیات کا حوالہ دیا جائے اور وہ قرآنِ پاک کی آیتوں کا یہ کہہ کر مذاق اڑائے کہ دیکھیں گے ہمارا کوئی کیا کرتا ہے، تو ایسے شخص کے لئے ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ کا مذاق اڑانا اور اس کے بیان کردہ احکامات کو ذلت سے ٹھکرانا موجبِ کفر ہے، ایسے شخص کو توبہ واستغفار اور تجدید ایمان ونکاح کرنا چاہئے۔

﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ [التوبة: ٦٥]

﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ [التوبة: جزء آيت: ٦٦]

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المِرَاء فـي القرآن كفر. (سـنـن أبـي داؤد، كتـاب السـنة / باب النهي عن الجدال في القرآن ۶۳۲/۲ رقم: ۴۶۰۳، مسند أحمد ۲۸۶/۲ رقم: ۷۸۳۵، ۱۲۹/۵ رقم: ۲۱۵۰۷)

الاستهزاء بحكم من أحكام الشرع كفر. (شرح الفقه الأكبر ۱۷۶)

إذا أنـكـر آية من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أو عاب فقد كفر. (الـفتـاوىٰ التـاتـارخـانية زكريا ۳۱۵/۷ رقم: ۱۰۵۷۶، هندية ۲۶۶/۲، بزازية على هامش الهندية ۳۲۸/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۳/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جو یہ کہے کہ قرآنِ مجید کچھ نہیں؟

سوال (۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جو مسلمان ہے اور ۵-۶/ آدمیوں کے درمیان کہہ رہے ہیں کہ ''بھائی قرآنِ مجید کچھ نہیں ہے، (معاذ اللہ) یہ تو پہلے والوں کے قصے اور کہانی ہیں''؛ لہٰذا ایسا شخص کس میں شامل ہوگا، مسلم یا غیر مسلم؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قرآنِ کریم کے بارے میں ایسی بے ادبی اور گستاخی کی باتیں کہنا سخت گناہ اور موجبِ کفر ہے، کہنے والے پر لازم ہے کہ وہ صدق دل سے توبہ واستغفار اور تجدید ایمان ونکاح کرے۔

إذا أنـكـر آية من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أو عاب فقد كفر. (الـفتـاوىٰ التاتارخانية زكريا ۳۱۵/۷ رقم: ۱۰۵۷۶، هندية ۲۶۶/۲، بزازية على هامش الهندية ۳۲۸/۲)

قال في المسايرة: وبالجملة:فقد ضُم إلى التصديق بالقلب، أو بالقلب واللسان في تحقيق الإيمان أمور الإخلال بها إخلال بالإيمان اتفاقاً، كترك السجود لصنم، وقتل نبي، والاستخفاف به، وبالمصحف. (درمختار مع الشامي، كتاب الجهاد / باب المرتد ٦/٣٥٦ زكريا)

عن الضحاک بن مزاحم قال: إذا ارتد الرجل بانت منه امرأته فإن أسلم فهو خاطب. (رواه سعيد بن منصور في سننه ٢/٢٩٧ رقم: ٢٨٣٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۲ ۱۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن میں تبدیلی کا نظریہ رکھنا اور اس کی آیت میں شک کرنا

سوال (۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک مسلمان ہے جو کہتا ہے کہ قرآن کو اللہ نے چودہ سو برس پہلے نازل فرمایا اور وہ زمانہ کچھ اور تھا اور یہ زمانہ کچھ اور ہے؛ لہٰذا اب قرآن میں تبدیلی ہونی چاہئے؟ ہم کیسے قرآن کو صحیح کہیں اور یہ کیا ضروری ہے کہ جو چیز اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ جبرئیل امین بتلائی ہو وہی ہے، یا کسی دوسرے خودساختہ کی اپنی طرف سے کہی ہوئی بات ہے اور یہ کس نے دیکھا کہ قرآن کو اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور ان کے سینہ میں کیوں نازل فرمایا؟ ان صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ کیسا قرآن ہے، اس میں سب کچھ ہے، اس سورت کو نماز میں پڑھتے ہیں، اور پھر اسی سورت سے کسی تکلیف آنے پر جھاڑ پھونک کرتے ہیں، نماز کے لئے الگ اور جھاڑ پھونک کے لئے مستقل الگ الگ سورت ہونی چاہئے۔ ازروئے شرع ایسے شخص کے ایمان اور نکاح کا کیا حکم ہے؟ نیز ایسے شخص کو کیا کرنا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم اللہ کی آخری اور سچی کتاب ہے، جس

میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، اور قرآن کی سچائی پر خود قرآنِ کریم میں ایسی واضح اور قطعی دلیلیں موجود ہیں کہ بڑے سے بڑا منکرِ اسلام بھی ان کو جھٹلانے کی ہمت نہیں کرسکتا؛ البتہ ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں، لہٰذا جو شخص قرآنِ کریم میں تبدیلی کا قائل ہو یا اس کی کسی آیت میں شک کرے یا اس کے بارے میں استہزاء اور مذاق کی بات کرے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، ایسے شخص کے لئے تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح دونوں لازم ہیں۔

﴿الٓمّٓ. ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ [البقرة: ١-٢]

قال تعالیٰ: ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ. فِیْ کِتٰبٍ مَکْنُوْنٍ﴾ وقال: ﴿تَنْزِیْلٌ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ. أَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُدْهِنُوْنَ. وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنَّکُمْ تُکَذِّبُوْنَ﴾ [الواقعة: ٧٧-٨٢]

وقال تعالیٰ: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩]

وقال تعالیٰ: ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ﴾ [الشعراء: ١٩٢-١٩٣]

وقال تعالی: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ. ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ. مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِیْنٍ﴾ [التکویر: ١٩-٢١]

قال العلامة الآلوسي تحت قوله تعالیٰ: ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهٖ﴾ [النساء: ٤٦]: المراد به هٰهنا إما ما في التوراة، وإما ما هو أعم منه. والأول هو الماثور عن السلف کابن عباس ومجاهد وغیرهما، وتحریف ذٰلک إما إزالتهن عن مواضعه التي وضعه اللّٰه تعالیٰ فیه. وإما صرفه عن المعنی الذي أنزل اللّٰه تعالیٰ فیه إلی ما لا صحة له بالتاویلات الفاسدة والمحتملات الزائغة کما تفعله المبتدعة في الآیات القرآنیة. (روح المعاني ٥/٤٦ بیروت)

عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: المِرَاء

فـي القرآن كفر. (سـنـن أبـي داؤد، كتـاب السـنة / باب النهي عن الجدال في القرآن ٦٣٢/٢ رقم: ٤٦٠٣، مسند أحمد ٢٨٦/٢ رقم: ٧٨٣٥، ١٢٩/٥ رقم: ٢١٥٠٧)

إذا أنـكـر آية من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أو عاب فقد كفر. (الـفتـاوىٰ التاتارخانية زكريا ٣١٥/٧ رقم: ١٠٥٧٦، هندية ٢٦٦/٢، بزازية على هامش الهندية ٣٢٨/٢)

وقـال ابـن نـجيـم: و(يـكفر) بإبداله حرفاً أو آية من القرآن". (البـحر الرائق ٢٠٩/٥، فتاوىٰ محمودیه ڈابھیل ٣٥٢/٢)

ومـا كـان فـي كـونـه كفراً اختلافاً فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذٰلک بطريق الاحتياط. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٨٤/٧ رقم: ١٠٤٩٦ زكريا)

عـن الـضحاک بن مزاحم قال: إذا ارتد الرجل بانت منه امرأته فإن أسلم فهو خاطب. (رواه سعيد بن منصور في سننه ٢٩٧/٢ رقم: ٢٨٣٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

توحید ورسالت اور قرآن سے متعلق بعض کفریہ عقائد

سوال (۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس کے عقائد ونظریات حسبِ ذیل ہیں، وہ ان نظریات کا حامل اور داعی ہے، یہ باتیں اس کی اپنی سی ڈی میں موجود ہیں، جس کو وہ لوگوں میں تقسیم کرتا ہے:

(۱) ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ اور محمد تو صرف اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں محمد سے پہلے رسولوں کے گذرنے کا ذکر کیا ہے، اور بعد میں کسی رسول کے آنے کا ذکر نہیں کیا ہے، تو یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ ان کے بعد کوئی رسول نہیں آئیں گے۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی بات سورۂ مائدہ کی آیت: ۷۵ میں کہی گئی ہے۔آیت: ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ اس آیت میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے والے رسولوں کا ذکر ہے، مگر بعد میں کوئی رسول آئیں گے اس بات کا ذکر نہیں، مگر ہم جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہمارے نبی آئے ہی تھے۔

(۳) سورۂ غافر کی آیت: ۳۵ میں بھی یہی فرماتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اس بات کو کہنا ترک کردیں کہ محمد علیہ السلام کے بعد کوئی رسول نہیں آئیں گے۔

(۴) سورۃ الحدید کی آیت: ۲۸/۵۷ کے تحت لکھتا ہے: اللہ تعالیٰ جو ہر چیز کو جانتے ہیں، جانتے تھے کہ ہمارے دشمنوں کے ذریعہ ایجاد کردہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب باتوں پر ایمان لاکر یہ امت اپنی راہ کھودے گی، اس لئے بطور رحمت اس نے ایک اور رسول کا انتظام کیا، جو ان ایجاد کردہ باتوں کی نفی کرے گا، اور امت کو پھر راہ راست بتائے گا۔

(۵) ختم نبوت کے عنوان کے تحت لکھتا ہے کہ: اس کی بے پناہ رحمت ہے کہ اس نے ہمیں ایک کتاب عطا کی جو کہ ایک صاف روشنی ہے اور پھر اس نے اس کتاب کو اپنی حفاظت میں لی اور اس نے سلسلہ نبوت کو ختم کیا، مگر سلسلہ رسالت کو ختم نہیں کیا۔

(۶) کیا قرآن کافی ہے؟ کے تحت لکھتا ہے کہ: جو لوگ قرآن پر زور دیتے ہیں انہیں نبی کے اقوال سے (جس سے آپ کا مطلب احادیث یا نبی سے منسوب اقوال ہیں) ان سے غفلت برتنے کا الزام نہ دو، قرآن کے بارے میں ہم یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نبی کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں، اور اس بات کی تصدیق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾

(۷) آگے لکھتے ہیں کہ: اس کے برعکس احادیث نبی سے منسوب اقوال ہیں اور ان لوگوں کی بولی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی نے یہ کہا۔

اس کے علاوہ تمام نمازیں اس کے نزدیک صرف دو رکعتیں ہیں، اور حج کے ارکان رمضان

سے لے کر ذی الحجہ تک کر سکتے ہیں، یعنی حج کے فرائض، طواف وغیرہ کے لئے ذی الحجہ کے پانچ دن ہی ضروری نہیں ڈھائی فیصد زکوۃ کو سود کہتے ہیں، جمعہ کے خطبہ کا منکر ہے، اس کے علاوہ شعائر اسلام، مسجد نبوی، مسجد الحرام کی عمارتوں اور وہاں یادگاروں کا مذاق اڑاتا ہے، اور سنن ونوافل وتر وغیرہ ادا کرنے والے مسلمانوں کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ سب منکر عمل کر رہے ہیں، ختنہ کا منکر ہے، صحابہ کی جماعت کو منافقین کی جماعت کہتا ہے، اس طرح کے آدمی کے بارے میں علماء کرام کا کیا فتوی ہے؟ معاشرہ میں اس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ خیالات اسلام کے مقررہ عقائد وتعلیمات کے قطعاً خلاف ہیں، جو شخص بھی ایسی باتوں کا قائل ہو وہ یقیناً گمراہ اور اسلام سے خارج ہے۔ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اور اس پر قرآن وسنت میں واضح اور روشن دلائل موجود ہیں، نیز احادیثِ شریفہ شریعتِ مقدسہ کے بنیادی ماٰخذ میں سے ہیں، ان کو غیر معتبر ماننا یا اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر ان کی تصدیق یا تکذیب کرنا نری جہالت اور سراسر گمراہی ہے، ایسے لوگوں کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى، وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ [النساء: ١١٥]

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ٧]

”وقد أخبر اللّٰه تبارک وتعالیٰ في كتابه ورسوله صلى الله عليه تعالیٰ عليه وسلم في السنة المتواترة أنه لا نبي بعده، ليعلموا أن كل من ادعى هٰذا المقام بعده، فهو كذاب وأفاک دجال ضال مضل“. (تفسیر ابن کثیر الأحزاب: ٤٠ ٦٥٢/٣ مكتبه دار الفيحاء)

قال القاضي عياض: من شتم أحداً من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم

أبـا بـكـر أو عمر أو عثمان أومعاوية ...... كانوا في ضلال قتل، وإن شتمهم بغير هٰذا من شاتمة الناس، نكل نكالاً شديداً. (تنبيه الولاة والحكام ۱/۳۷۵ لإبن عابدين الشامي)

قـال أبـوزرعة الرازي: إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فاعلم أنه زنديق. (الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني ۱/۲۲ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معوذتین کو خارج از قرآن ماننا؟

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص معوذتین (یعنی **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** اور **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ**) کو کسی صحابی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہے کہ یہ سورتیں قرآنِ کریم میں شامل نہیں ہیں اور ان کو نماز میں نہ پڑھنا چاہیے؛ بلکہ یہ آیات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سحر کو دفع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں، تو یہ دعاء ماثورہ کی طرح ہیں؛ لہٰذا یہ آیات قرآن میں شامل نہیں ہیں؛ بلکہ کسی صحابی نے ان کو بعد میں شامل کیا ہے، تو کیا ایسا شخص اسلامی نقطۂ نظر سے دائرۂ اسلام سے خارج ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ ''معوذتین'' قرآنِ کریم کا جزو ہیں، دورِ صحابہ میں بعض حضرات سے اس کے مخالف رائے ملتی ہے؛ مگر امت نے اس مخالف رائے کو سختی سے رد کر دیا ہے؛ اور اس کی کسی صحابی کی طرف نسبت کو باطل قرار دیا ہے، لہٰذا آج جو شخص ان سورتوں کے قرآنِ کریم میں شامل ہونے کے بارے میں شک وشبہ ظاہر کرے اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنهما أنه أنكر قرانيّتِهما، وقال البزار: لم يتابع

ابـن مسـعـود أحد من الصحابة – إلى قوله – وقالوا: إن إنكار ذٰلک اليوم كفر، ولعل ابن مسعود رجع عن ذٰلک. (روح المعاني ۲۷۹/۳، عالمگیری ۳٦۷/۲)

وقـال الإمـام الـنـووي فـي شـرح الـمهـذب: أجـمـع المسلمون على أن الـمـعـوذتين والفاتحة من القرآن، وإن من جحد منها شيئاً كفر، وما نقل عن ابن مسعود رضي الله عنه باطل ليس بصحيح. (الاتقان: ۸۱/۱، فيض الباري ۲٦۲/٤)

وقـال ابـن الـحـزم فـي الـمـحـلّـى: وكل ما روي عن ابن مسعود من أن الـمـعـوذتيـن وأم الـقـرآن لـم تـكن في مصحفه فكذب موضوع، لا يصح وإنما صـحـت عنه قراءة عـاصـم عـن زر بـن حبيـش عن ابن مسعود وفيها أم القرآن والمعوذتان. (المحلي لابن حزم ۱۳/۱ مصر ودمشق)

وقـال بـحـر العلوم: فنسبة إنكار كونها من القرآن إليه غلط فاحش، ومن أسـنـد الإنـكـار إلـى ابـن مسـعـود فـلا يـعبـأ بسـنـده عند معارضة هٰذه الأسانيد الصحيحة بالإجماع والملتقاة بالقبول عند العلماء الكرام بل والأمة كلها كافّة، فظهر أن نسبة الإنكار إلى ابن مسعود باطل. (بحر العلوم شرح مسلم الثبوت ۱۲/۲، فواتح الرحموت ۱۳/۲ بيروت)

وقـال الـعـلامة الـكـوثـري: ومـن زعـم أنـه لـم يـكن في مصحفه الفاتحة والـمـعوذتان أو أنه كان يحک المعوذتين فكاذب قصداً أو واهم من غير قصد، والـمعوذتان موجودتان في قراءة ابن مسعود المتواترة عنه بطريق أصحابه......، وأنـى يـنـاهـض خبـر لأحـاد الـرواية المتواترة ...... وقد أجاد ابن حزم الرد على تـقولات المتقولين في هٰذا الصدد في كثير من مؤلفاته. (مقالاتِ کوثري ١٦ کراچی، بحواله: فتاویٰ عثمانی ۲۰۷/۱-۲۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱/۱۸ھ

دینی مسائل اور نماز کا استہزاء

سوال (۲۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا شوہر مسائل دینیہ کے بارے میں غلط باتیں استعمال کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ مسئلہ وسلہ میں نہیں جانتا، مسئلہ تو لیٹرین (پاخانہ) میں پڑا ہے۔ مسئلہ، دین، ایمان سب ڈھونگ ہیں، میرے گھر کے سامنے مندر ہے میں نماز یا مسجد کو نہیں جانتا، ان الفاظ سے وہ کافر تو نہیں ہوگیا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ الفاظ کفریہ ہیں، شوہر پر توبہ واستغفار اور تجدیدِ ایمان ونکاح لازم ہے۔

﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُوْنَ﴾ [التوبة: ٦٥]

الاستهزاء بأحكام الشرع كفر. (الفتاویٰ الهندية ٢٨١/٢)

إذا أنكر آية من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أو عاب فقد كفر. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٣١٥/٧ رقم: ١٠٥٧٦، هندية ٢٦٦/٢، بزازية على هامش الهندية ٣٢٨/٢)

الاستهزاء على الشريعة كفر؛ لأن ذٰلك من أمارات التكذيب وعلى هٰذه الأصول أي كفر المستحل والمتسحلين والمستهزئ. (نبراس ٣٣٩)

وما كان في كونه كفراً اختلافاً فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذٰلك بطريق الاحتياط. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٨٤/٧ رقم: ١٠٤٩٦ زكريا)

عن الضحاک بن مزاحم قال: إذا ارتد الرجل بانت منه امرأته فإن أسلم فهو خاطب. (رواه سعيد بن منصور في سننه ٢٩٧/٢ رقم: ٢٨٣٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۱۱/۳ھ

کیا کافرہ لڑکی سے زنا موجبِ کفر ہے؟

سوال (۲۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک مسلمان لڑکا شریعت کے اعتبار سے ظاہری زندگی گذارتا ہے اور حافظ قرآن بھی ہے، حافظ قرآن لڑکے نے ایک غیر مسلم لڑکی سے زنا کیا اور غیر مسلم لڑکی بھی بھنگی کی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ لڑکا اس صورت میں ایمان سے خارج تو نہیں ہوا، اور اگر ایمان سے خارج ہو گیا ہے تو اب اس کی کیا صورت ہے کہ وہ پھر ایمان میں داخل ہو جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص نے زنا کر کے انتہائی گندہ اور بدترین جرم کیا ہے، جس پر سچے دل سے توبہ اور استغفار لازم اور ضروری ہے؛ تاہم یہ فعل موجب کفر نہیں؛ لہٰذا اس عمل بد کی وجہ سے اس شخص کو خارج از ایمان نہیں کہیں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۲۵)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا زنى العبدُ خرجَ منه الإيمانُ، فكان فوق رأسه كالظُّلةِ، فإذا خرج من ذٰلك العمل رجعَ إليه الإيمان. (سنن الترمذي رقم: ٢٦٢٥، سنن أبي داؤد رقم: ٤٦٩٠)

قال القاري: وفيه إيماء بأن المؤمن في حالة اشتغاله بالمعصية يصير كالفاقد للإيمان، لكن لا يزول حكمه واسمه؛ بل هو يعد في ظل رعايته وكنف بركته إذا نصب فوقه كالسحابة تظله، فإذا فرغ من معصيته عاد الإيمان إليه. قلت: وفيه إشارة إلى أنه في خطر من الكفر نعوذ باللّٰه؛ لأنه صدر عنه ما قد يكون سبباً لعدم رجوع الإيمان إليه. (مرقاة المفاتيح ١/٢١٩ بيروت)

وفي الحديث: "لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن". قال العلامة شبير أحمد العثماني الديوبندي رحمه اللّٰه: وهٰذا الحديث بظاهره كما تراه يدل على نفي الإيمان من الزاني وشارب الخمر وغيرهما، قال الحافظؒ في الفتح: ومن أقوى ما يحمل على صرفهٖ عن ظاهره إيجاب الحدّ في الزنا على أنحاء مختلفة في حق الحر المحصن والحر البكر وفي حق العبد فلو كان المراد بنفي الإيمان

ثبوت الكفر لاستَوَوا في العقوبة؛ لأن المكلفين فيما يتعلق بالإيمان والكفر سواء، فلما كان الواجب فيه من العقوبة مختلفاً دل على أن مرتكب ذٰلك ليس بكافرٍ حقيقةً. (فتح الملهم بشرح صحيح مسلم ۱/۲۳۲)

والكبيرة لا تخرج العبد المؤمن من الإيمان ولا تدخله الكفر. قال التفتازاني تحته:...... خصوصاً إذا اقترن به خوف العقاب ورجاء العفو والعزم على التوبة لاينافيه (أي الإيمان) (شرح العقائد النسفية ۱۰۶-۱۰۸)

ولا نكفِّرُ أي لا ننسب إلى الكفر مسلماً بذنب من الذنوب أي بارتكاب معصية كثيرة، وإن كانت كبيرة أي كما يكفر الخوارجُ مرتكبَ الكبيرة إذا لم يستحلَّها أي لكن إذا لم يكن يعتقد حلتها؛ لأن من استحلّ معية قد ثبت حرمتها بدليل قطعي فهو كافر، ولا نُزيلُ عنه اسمَ الإيمان أي ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتكاب كبيرة وصف الإيمان كما يقوله المعتزلة. (شرح الفقه الأكبر ۸٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۳/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گستاخِ رسول کی سزا اور سلمان رشدی کا ناول؟

سوال (۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علماء نے شریعت کے فیصلے اور فتوے کو صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تک ہی محدود کر رکھا ہے، ان حدود کو پار کیا تو ایک دوسرے کے مسلک کے خلاف فتویٰ جاری کرنے میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کیا، اس سے آگے بڑھے تو مختلف ناموں سے دینی ودعوتی کام کرنے والی تنظیموں کی دیوار سے ٹکرا گئے، زخمی ہوکر غصہ میں موٹی موٹی کتابیں ان کے خلاف لکھ ڈالیں، اس وقت دنیا کے سارے مذاہبِ باطلہ نے (خاص طور سے یہودی وعیسائی لابی سرفہرست ہے) اسلام کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے، نئے نئے انداز سے ہماری شریعت پر حملے

کئے جارہے ہیں، اسی لابی کا ایک ملعون سلمان رشدی بے خوف وخطر پاکیزہ مذہب پر کیچڑ اچھال کر برطانیہ کی حفاظت میں بیٹھا قہقہے لگارہا ہے، اس بدنام زمانہ نے نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں، ازواجِ مطہرات کو نہ جانے کیا کیا لکھا، ان کی پاکیزہ سیرت کو من گھڑت گندی کہانیوں کی کیچڑ میں لپیٹ کر عوام کو ذہنی عیاشی کا مواد مہیا کیا، اور اپنے ناپاک ہاتھوں سے ایک فحش ناول لکھی، جس کا نام شیطانی آیات Satane varses رکھا، ایسا شخص جو مذہبِ اسلام یا انبیاء کرام، ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرامؓ جو دین کے عناصر ہیں کے خلاف گندی اور بے ہودہ باتیں کہنے والا خارج از اسلام نہیں ہے، کیا اس کی گردن زدنی جائز نہیں؟ کیا اس کو قتل کرنا ازروئے شریعت مستحسن نہیں ہے؟ کیا ایسی حالت میں شریعت خاموش بیٹھنے کی اجازت دیتی ہے؟

گستاخِ رسول سلمان رشدی کے خلاف قتل کا فتویٰ ایران سے جاری ہوا، ساری دنیا کے مسلمانوں نے اسے سراہا، اور صحیح قدم سمجھا؛ لیکن ہمارے ہندوستانی علماء آخر کیا وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر کچھ بولنے سے گریز کررہے ہیں؟ ہمارے علماء کا موقف اور ان کا طریقہ ان حالات کے پیشِ نظر کیوں نہیں ہوتا؟

کیا سلمان رشدی بے گناہ ہے؟ اگر بے گناہ ہے، تو اس کی برأت کا اعلان کھل کر کرنا چاہئے، اگر قابل گردن زدنی ہے تو ڈنکے کی چوٹ پر اس کی گردن زدنی کا اعلان اور فتویٰ جاری کرنا چاہئے!

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں پوچھے گئے نفسِ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا شخص شرعاً مرتد ہے، اگر وہ اسلامی مملکت کی حدود میں پایا جائے تو اسے توبہ پر مجبور کیا جائے، اگر توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے، اس پر یہ سزا جاری کردی جائے۔ اس بارے میں دلائل درج ذیل ہیں:

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: أتى عمر بن الخطاب برجل سب رسول اللّٰه صلى الله وسلم فقتله، ثم قال: من سب رسول الله صلى الله عليه وسلم أو أحداً من الأنبياء فاقتلوه. (إعلاء السنن ۶۶۸/۱۲ رقم: ۴۳۲۷-۴۳۲۸)

عن عمر بن عبد العزيز قال: ...... فإنه لا يحل قتل امرئ مسلم يسب أحداً من الناس إلا رجلاً سب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (المحلى بالآثار، مسائل التعذير ۴۳۳/۱۲ رقم: ۲۱۲)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن أعمى كانت له أم ولد تشتم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وتقع فيه، فينهاها فلا تنتهي، ويزجرها فلا تنزجر، قال: فلما كانت ذات ليلة جعلت تقع في النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وتشتمه، فأخذ المغول، فوضعه في بطنها واتكأ عليها فقتلها...... الحديث بطوله: وفي آخره: فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ألا! اشهدوا أن دمها هدر. (سنن أبي داؤد ۵۹۹/۲ رقم: ۴۳۶۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۳۰۰/۷ زکریا)

ونقل في الفتاویٰ الشامية: أو أيما رجل مسلم سب رسول اللّٰه ﷺ أو كذبه أو عابه أو تقصه فقد كفر باللّٰه تعالیٰ وبانت منه امرأته فإن تاب وإلا قتل. (شامی، کتاب الجهاد / باب المرتد، مطلب مهم في حکم ساب الأنبياء ۳۷۲/۶ زکریا، ۲۳۴/۴ کراچی)

یہ تو اصل مسئلہ کا جواب ہے، اب آنجناب کے سوال نامہ میں جن جذبات کا اظہار کیا ہے، ان کے سلسلہ میں عرض ہے کہ:

الف:- علماء ومفتیان کے بارے میں یہ بدگمانی صحیح نہیں کہ انہوں نے اپنے فتاویٰ کو عبادات یا فروعی مسائل کے اختلافات تک محدود کر رکھا ہے، کسی بھی دارالافتاء کے ریکارڈ سے آپ اپنے الزام کا جواب حاصل کر سکتے ہیں، یاد رکھئے کہ مفتی سائل کے تابع نہیں ہوتا کہ اس کی منشاء کے مطابق جواب دے؛ بلکہ قرآن وحدیث کی رہنمائی مفتی کے لئے مشعلِ راہ ہوتی ہے، مفتیانِ کرام کے بارے میں ایسے بے بنیاد الزامات سے بچنے میں ہی عافیت ہے۔

ب:- سلمان رشدی کے ناول سے ہر مسلمان کو سخت تکلیف اور صدمہ پہنچا ہے، جس کا اظہار مسلسل کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی جاری ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا توڑ اور جواب کیسے ہو؟ آپ کی نظر میں اس مسئلہ کا واحد حل اس کے قتل کا اعلان کرنا ہے، اور ہماری نظر کہتی ہے کہ جو شخص ہماری

اسلامی حکومت کی حدود سے باہر ہو، اس پر قتل کے حکم کے نفاذ کا اعلان کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے، جسے قتل کرنا ہوتا ہے وہ پہلے سے اعلان نہیں کرتا، اگر ایران یا کسی اور حکومت کو سلمان رشدی کو قتل کرنے سے دلچسپی ہوتی، تو وہ اعلان کرنے سے پہلے اپنے کسی ایجنٹ کے ذریعہ یہ کام کرا سکتی تھی؛ لیکن ایران کو تو اس اعلان سے سیاسی فائدہ اٹھانا تھا، جو پہلے بھی اٹھایا گیا اور آج بھی اٹھایا جا رہا ہے۔

اگر ایران کی طرف سے یہ اعلان نہ ہوتا تو پورا یقین تھا کہ کوئی غیور مسلمان اب تک ملعون سلمان رشدی کو کیفر کردار تک پہنچا دیتا، مگر ایرانی فتویٰ نے ملعون کو سرکاری تحفظ فراہم کر دیا، اب اس ملعون کا قتل کوئی بچوں کا کھیل نہیں؛ بلکہ پورے یورپ سے جنگ مول لینے کے مرادف ہے۔ ہماری نظر میں ایرانی فتویٰ سلمان رشدی کے قتل کا نہیں؛ بلکہ اس کی بیش از بیش حفاظت کا ذریعہ بن گیا ہے، اب آپ ہی بتائیں کہ ایسے فتویٰ جاری کرنے سے کیا فائدہ؟ امید ہے کہ ٹھنڈے دل سے ان امور پر غور فرمائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۲۶ھ

غیر مسلم کی وعدہ خلافی کی مدافعت میں کہنا کہ ''حضور ﷺ نے بھی وعدہ خلافی کی ہے''

سوال (۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسلمان کے ایمان اور اسلام کے بارے میں جو اپنے کسی غیر مسلم دوست کی وعدہ خلافی کی مدافعت اور حمایت کرتے ہوئے یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک بار وعدہ خلافی کی تھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وعدہ خلافی کا الزام آپ کی توہین ہے جو موجبِ کفر ہے، ایسے شخص پر توبہ اور تجدید ایمان ونکاح لازم ہے۔

وفي غرر المعاني: سئل عمن قال لزوجته: خلاف مگو فقالت المرأة: پیغمبران خلاف گفتند قال کلمۂ کفر است توبہ کند ونکاح تازہ کند۔ كذا في التتارخانية. (عالمگیری ۲/۲۶۶)

وفـي اليـنـابيـع: لـو عـاب الـنبـي صلى اللّٰه عليه وسلم بشيء من العيوب **يكفر**. (الفتاویٰ التاتارخانية ۷/۳۰۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۲/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''مصطفیٰ بن کر خدا خود آیا ہے آمنہ کے آنگن میں''

سوال (۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین حسب ِذیل شعر کے بارے میں کہ: کہنے والے کہتے ہیں کہ: ''مصطفیٰ بن کر خدا خود آیا ہے آمنہ کے آنگن میں''۔ شرعی نقطۂ نظر سے مطلع فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ شعر کفریہ کلام ہے اس سے حلول کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ خدا حضور کی صورت میں دنیا میں آئے جو کہ صریح کفر ہے۔

وليس حالٌ ولا محلاً. (شرح الفقه الأكبر ٣٦)

ومـن زعـم أن الإلٰه سبحانه يحل في شيءٍ من أحاد الناس فهو كافر. (إعلاء بقواطع الاسلام، بحواله: مجموعة الفتاویٰ ٢/٣٤٨)

قـال ابـن بطال: واللّٰه منزه عن الحلول في المواضع: لأن الحلول عرض يفنى، وهو حادث، والحادث لا يليق اللّٰه. (فتح الباري ١٣/٤٧٥)

أن الـمـعـقـول مـن حـلـول الشـيء في غيره كون هٰذا الحال تبعاً لذٰلك الـمـحـل فـي أمـر مـن الأمـور، وواجب الوجود لذاته يمتنع أن يكون تبعاً لغيره، فوجب أن يمتنع عليه الحلول. (أصول الدين للرازي ٤٤)

الثـانـي: أن الـحـلـول فـي الـغيـر إن لـم يـكـن صفة كمال، وجب نفيه عن الواجب، وإلا لزم كون الواجب مستكملاً بالغير وهو باطل. (الفتاویٰ الحديثية ٤٣٨،

شرح المقاصد ۳۹/۳ بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۳/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حضرات خلفاء راشدینؓ کو برا کہنے والے کا حکم

سوال (۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے والے کا ایمان درست ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے والے کا ایمان درست ہے یا نہیں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے والے کا ایمان درست ہے یا نہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برا کہنے والے کا ایمان درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امت کی ان برگزیدہ شخصیات پر زبانِ طعن دراز کرنے والا شخص اول درجہ کا ضال، مضل، گمراہ اور فاسق ہے، اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة اللّٰه على شركم. (سنن الترمذي ۲/۲۲۵)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من سب أصحابي فعليه لنعة اللّٰه والملائكة والناس أجمعين. (رواه الطبراني ۱۲ رقم: ۱۲۷۰۹)

وفي رواية: لعن اللّٰه من سب أصحابي. (رواه الطبراني ۱۲ رقم: ۱۳۵۸۸

وأما من سب أحداً من الصحابة فهو فاسق ومبتدعٌ بالإجماع. (تنبيه الولاة والحكام ۱/۳٦۷ لابن عابدين الشامي)

قال القاضي عياض: من شتم أحداً من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أبا بكر أو عمر أو عثمان أومعاوية ...... كانوا في ضلال، قتل، وإن شتمهم بغير هٰذا من شاتمة الناس، نكل نكالاً شديداً. (تنبيه الولاة والحكام ۱/۳۷۵ لابن عابدين الشامي)

قـال أبـوزرعة الرازي: إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق. (الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني ۲۲/۱ بيروت)

وسـب أحـد مـن الصحابة وبغضه لايكون كفراً لكن يضلل. (شـامی کراچی ۲۳۷/٤، شامی زکریا ۳۷۷/٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۳/۴ھ

شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں گستاخی کا مظاہرہ کرنے والے کا حکم

سـوال (۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں کوئی شخص گستاخی یا شک کرے تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا شخص جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی اور بدگمانی کرتا ہے، فاسق، بدعقیدہ، گمراہ اور اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے، اور لعنتِ خداوندی اور عذابِ الٰہی کا مستحق ہے، یہی اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنا قرآنِ کریم کی مخالفت اور شریعت الٰہیہ کی بغاوت ہے۔

عـن ابـن عـمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي، فقولوا لعنة الله على شركم. (سنن الترمذي ۲۲۷/۲، مشکوۃ المصابیح ٥٥٤)

قـال رسـول الـلّـه صلى الله عليه وسلم: من سب أصحابي فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين. (رواه الطبراني ۱۲ رقم: ۱۲۷۰۹)

وفي رواية: لعن الله من سب أصحابي. (رواه الطبراني ۱۲ رقم: ۱۳۵۸۸)

ليس في الصحابة من يكذب وغير ثقة. (عمدة القاري ۱۰٥/۲)

وأمـا مـن سب أحداً من الصحابة فهو فاسق ومبتدعٌ بالإجماع. (تنبيه الولاة والحكام ۳٦۷/۱ لابن عابدين الشامي)

واعتقاد أهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجوباً بإثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما أثنى اللّٰه سبحانه وتعالىٰ. (مسامره ١٣٢ بحواله: فتاوىٰ رحيميه ١٨/٤)

الصحابة كلهم عدول مطلقاً لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يعتد به. (مرقاة المفاتيح ٥١٧/٥)

قال القاضي عياض: من شتم أحداً من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أبا بكر أو عمر أو عثمان أومعاوية ...... كانوا في ضلال قتل، وإن شتمهم بغير هٰذا من شاتمة الناس، نكل نكالاً شديداً. (تنبيه الولاة والحكام ٣٧٥/١ لابن عابدين الشامي)

قال أبوزرعة الرازي: إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول اللّٰه ﷺ فاعلم أنه زنديق. (الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني ٢٢/١ بيروت)

وسب أحد من الصحابة وبغضه لايكون كفراً لكن يُضلل. (شامی کراچی ٢٣٧/٤، شامی زکریا ٣٧٧/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۸/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دورِ نبوت کے واقعات کی فرضی تصاویر کے ذریعہ فلم بنانا؟

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جو ویڈیو چل رہی ہے جس میں دورنبوی کو انسانی شکل میں بتایا گیا ہے، یہ کیا ہے؟ آیا دشمنانِ اسلام کی کوئی سازش تو نہیں یہ مضر ہے یا مفید رہنمائی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورِنبوت کے واقعات کی فرض تصاویر کے ذریعہ فلم بنانا محض جھوٹ اور فراڈ ہے، اور دیکھنے والوں کو حقیقی اسلام سے قریب کرنے کے بجائے کھیل تماشے میں مشغول کرنے کی سازش ہے؛ اس لئے ایسی فلموں کو بنانا، دیکھنا، رکھنا، خرید وفروخت کرنا

سب ناجائز ہے، اس میں دین کا کوئی فائدہ نہیں؛ بلکہ سراپا نقصان ہی نقصان ہے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [لقمان: ٦]

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٣]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه. (شعب الإيمان للبيهقي ٤/٢٥٥، حديث: ٤٩٨٧)

وإذا قرأ القرآن على ضرب الدف أو القصب فقد كفر. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣١٦/٧ زكريا)

وفي تتمة الفتاویٰ: من استخف بالقرآن أو بالمسجد أو بنحوه مما يعظم في الشرع كُفِّرَ. (شرح الفقه الأكبر ١٦٧)

من أهان الشريعة...... كفر. (شرح الفقه الأكبر ١٧٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا سود کو جائز کہنے والا اسلام سے خارج ہوجاتا ہے؟

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا سود جیسی قبیح شئ کو جائز قرار دینے والا اسلام سے خارج ہوتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی حرمت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اعتقاداً کسی حرام چیز کو حلال یا حرام کو حلال کہے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا، اور اس کے لئے تجدید ایمان وتوبہ لازم ہوگی، اور اگر اعتقاداً تو نہیں؛ بلکہ حکم سے لاعلمی کی بنا پر کہتا ہے تو ایسے شخص کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کہہ سکتے؛ تاہم اس کے لئے توبہ لازم ہے۔

من اعتقد الحلال حراماً أو على العكس يكفر – أما لو قال الحرام هٰذا حلال

لترويج السلعة أو بحكم الجهل لا يكفر – وإن اعتقده وإنما يكفر إذا كانت الحرمة ثابتة بدليل مقطوع به. (فتاویٰ بزازية على هامش الهندية ٦/ ٣٢١)

وسألت إذا اعتقده حلالاً وهو حرام، قال: ينظر، إن كان حراماً لغيره كمال الغير لا يكفر إذا اعتقده حلالاً، وإن كان محرم العين بأن كانت حرمته ثابتة بدليل مقطوع به يكفر، وما تثبت حرمته بالأخبار الآحاد لا يكفر. (الفتاویٰ التاتارخانية ٧/ ٣٣٢ رقم: ١٠٦١٤ زكريا، حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح ٦، البحر الرائق ٥/ ٢٠٦، كتاب السير ٢/ ٢٧٢، خلاصة الفتاویٰ ٤/ ٣٨٣، شرح العقائد ١٢٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

داڑھی کا مذاق اڑانا

سوال (۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا داڑھی کا مذاق اڑانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سنت جاننے کے باوجود داڑھی کا مذاق اڑانا دراصل سنت کا مذاق اڑانا ہے، جو کفر تک پہنچا دینے والا عمل ہے، اس لئے مسئولہ صورت میں سچی توبہ اور نکاح کی تجدید کا حکم دیا جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۲/ ۵۳۷-۵۳۸)

من أهان الشريعة أو المسائل التي لا بدّ منها كفر. (شرح الفقه الأكبر ١٧٤)

ومن استخف بسنة أو حديث من أحاديثه صلى الله عليه وسلم كفر. (مجمع الأنهر بيورت ٢/ ٥٠٦، بزازية على الهندية ٦/ ٣٢٨)

فإنّ قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذٰلک بطريق الاحتياط. (الفتاویٰ التاتارخانية ٧/ ٢٨٤ رقم: ١٠٤٩٦ زكريا)

وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير لا تنفعه فتویٰ المفتي ويؤمر

بـالتـوبة والرجوع عن ذٰلک وتجديد النكاح بينه وبين امرأته. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢٨٢/٧ رقم: ١٠٤٨٧ زكريا)

رجـل قـال لاٰخـر: احـلق رأسک وقلّم أظفارک فإن هٰذه سنة، فقال: لا أفعـل وإن كـان سنة فهٰذا كفر؛ لأنه قال على سبيل الإنكار والرد وكذا في سائر السـنـن خصوصاً في سنة هي معروفة وثبوتها بالتواتر. (مجمع الأنهر بيروت ٥٠٧/٢، بزازية على الهندية ٣٢٨/٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۴/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

درج ذیل اشعار کا کیا حکم ہے؟

سـوال (۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ان اشعار کا پڑھنا اور سننا کیسا ہے؟

جس نے اپنی آنکھوں سے مصطفیٰ کو دیکھا ہے
اس نے یہ حقیقت ہے کبریا کو دیکھا ہے
زمیں تانبے کی ہوگی آسماں فولاد کا ہوگا
محمد تخت پر ہوں گے عدالت پر خدا ہوگا
میم سے تونے چھپایا راز کو اپنے تمام
اے احد احمد کی صورت میں نہاں تو ہی تو تھا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: مذکورہ اشعار میں اگرچہ تاویل کی گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن پھر بھی ایسے موہم شرک اشعار کا پڑھنا اور سننا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس سے عوام کا عقیدہ بگڑنے کا اندیشہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ ۴۲)

مستـفـاد: مـا قـال في رد المحتار: ومجرد إيهام اللفظ مالا يجوز كاف في

المنع......، وقال قبله نقلاً عن الفاسي وقد اختلف العلماءُ في جواز إطلاق الموهم عند من لا يتوهم به، أو كان سهل التأويل واضح المحمل أو تخصص بطرق الاستعمال في معنىً صحيحٍ الخ، أقول: ومقتضى كلام أئمتنا المنع من ذٰلک إلَّا فيما ورد عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (شامی زکریا ۹/۴۸٤-٤۸۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمان سے تمسخر کے طور پر ’’رام رام‘‘ کہنا

سوال (۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مسلمان ہے اس نے ایک مرتبہ اپنے ایک مسلمان بھائی کو بجائے سلام کے ’’رام رام‘‘ کہا، اور اس کا ’’رام رام‘‘ کہنا تمسخر اور مذاق کے طور پر تھا، تو اس کا سلام کے بجائے یہ جملہ کہنا شریعت کی روشنی میں کیا حکم رکھتا ہے؟ اور ایسے شخص پر شریعت کا کیا حکم لاگو ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسلمان کو سلام کی جگہ ’’رام رام‘‘ کہنا دراصل اسلام کا مذاق اڑانا ہے، اس کلمہ کو کہنے سے کفر کا اندیشہ ہے؛ اس لئے مذکورہ شخص کو سچی توبہ اور تجدید ایمان لازم ہے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: سباب المسلم فسوق. (صحيح البخاري ۸۹۳/۲، صحيح مسلم ۵۸/۱)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد ۲۵۱/۲، مشكوة المصابيح ۳۷۵)

الاستهزاء بأحكام الشرع كفر. (عالمگیری ۲۸۱/۲)

ويؤمر بالتوبة والرجوع من ذلک. (عالمگیری ۲۸۳/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۸/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنے آپ کوفرعون یا شداد کہنا؟

سوال (۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی مسلمان شخص اپنے آپ کو یوں کہے کہ ''میں فرعون ہوں یا میں شداد ہوں'' تو اس کے ان الفاظ کہنے کی وجہ سے کیا وہ کافر ہوجائے گا؟ نیز اس طرح کے الفاظ کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض اپنے کو فرعون یا شداد کہنے سے کفر کا حکم نہیں لگے گا؛ البتہ اگر یہ کہے کہ میرا عقیدہ ان کافروں جیسا ہے، تو اس پر کفر کا اطلاق ہوگا۔

وفي اليتيمة: سألت والدي رحمه اللّٰه عن رجل قال: أنا فرعون أو إبليس؟ قال: لايكفر اللّٰهم إلا إذا قال اعتقادي كاعتقاد فرعون أو إبليس، فحينئذ يكفر. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۵٦/۷ برقم: ۱۰٦۷۸ زكريا)

ومن رضی بكفر نفسه فقد كفر. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۸۳/۷ رقم: ۱۰٤۹۳ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''مہوا'' کے پیڑ کے پاس شرکیہ اعمال کرنا

سوال (۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قصبہ بلتھر اروڈ ضلع بلیا کے اطراف میں ایک موضع شاہ پور ہے جہاں ایک مہوا کا پیڑ ہے (جسے اب مہوا بابا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے) چند ماہ قبل سے غیر مسلم لوگ وہاں مختلف امراض اور پریشانیوں سے نجات پانے کے یقین سے (اپنے گمان کے مطابق) اگربتی الائچی دانہ اور کافور لے کر جاتے ہیں، اگربتی جلا کر الائچی دانہ اور کافور سامنے رکھ کر اس پیڑ کی طرف ہاتھ جوڑ کر متوجہ ہوکر بیٹھتے ہیں، اور جلی ہوئی اگربتی کی راکھ کا تلک (قشقہ) لگاتے ہیں، اور کچھ راکھ پانی میں گھول کر

مریض کو پلاتے ہیں، نیز اس پیڑ کے پاس ایک جلتی ہوئی آگ ہے، جس کے قریب ہوکر شیاطین کے چلنے یا چھوڑنے کی قسم دلاتے ہیں، اور کافور اور الائچی دانہ اس آگ کی نذر کرتے ہیں، اور اس مہوا کے پیڑ پر بطور نذر گھنٹی باندھتے ہیں، اور لال جھنڈی گاڑتے ہیں، اس درخت کے پاس مسلمان مرد خصوصاً عورتیں اب کافی تعداد میں جانے لگی ہیں، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کسی مسلمان مرد یا عورت کا اس درخت (مہوا بابا) کے پاس جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

کیا مسلمان کے لئے وہاں مہوا بابا کے پاس اگربتی جلانے اور اس کی راکھ کا تلک قشقہ لگانے اور وہاں جلتی ہوئی آگ میں کافور اور الائچی دانہ نذر کرنے کے بعد تجدید ایمان وتجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال میں جس مہوا کے پیڑ کا ذکر ہے جسے مشرکین نے مہوا بابا کا نام دے کر اس کے اردگرد شرکیہ اعمال جاری کر رکھے ہیں یہ شعار شرک ہے، وہاں جا کر کسی بھی مسلمان کے لیے شرکیہ عمل میں شریک ہونا قطعاً حرام ہے، اور اس پر اگربتی جلانا یا اس کی راکھ کا قشقہ لگانا اور جلی ہوئی آگ میں الائچی وغیرہ ڈالنا سب صراحۃً شرکیہ اعمال ہیں، ایسے عمل کرنے والے پر کفر کا شدید خطرہ ہے، اور اس پر سچی توبہ واستغفار لازم ہے، آئندہ اس کے قریب بھی نہ جائیں۔

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، الباس / باب لبس الشهرة ٢٥١/٢ رقم: ٤٠٣١، مشكوة المصابيح ٣٧٥)

قال الطيبي: هذا عام من الخلق، والخلق والشعار. (مرقاة المفاتيح ٢٥٥/٨)

كما لو سجد لصنم أو وضع مصحفاً في قاذورة، فإنه يكفر وإن كان مصدقاً. (شامي، كتاب الجهاد / باب المرتد ٣٥٦/٣ زكريا، ٢٢٢/٤ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مہوابابا کے نام کی انگوٹھی چھلہ پہننا

سوال (۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی مسلمان اعتقاد کے ساتھ ایسی انگوٹھی، چھلا یا تعویذ پہنے جس پر اس مہوا کی تصویر بنی ہوتو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہوابابا کے نام کی انگوٹھی یا چھلہ وغیرہ پہننا قطعاً جائز نہیں ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مورتی کی گل پوشی کرنا اور بھجن گانا

سوال (۴۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۵/جون ۲۰۰۵ء کے اخبار ’’رامپور کا اعلان‘‘ میں صفحہ ۴/ پر نمایاں طور پر ایک فوٹو شائع ہوا ہے جس کے نیچے یہ عبارت تحریر ہے: ’’سماجوادی کارکنان پنڈت دین دیال اپادھیائے کی مورتی پر بیٹھے کیرتن کرتے ہوئے‘‘ فوٹو میں رامپور سماجوادی پارٹی کے شہر صدر اور دیگر مسلمان کارکنان صاف طور پر مصروف بھجن ہیں، فوٹو کے ساتھ ایک خبر اور بھی شائع ہوئی ہے، جس میں لکھا ہے کہ ’’سماجوادی پارٹی کارکنان نے پنڈت دین دیال اپادھیائے سے اپنی عقیدت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے ان کی مورتی کے پاس بیٹھ کر کافی دیر کیرتن اور بھجن گائے‘‘۔ کیا کسی مسلمان کا کسی مورتی کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرنا مورتی کی گل پوشی کرنا، کیرتن اور بھجن گانا شرعاً جائز ہے؟ اس فعل کے ارتکاب کے بعد از روئے شرع کیا حکم ان پر نافذ ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام کی نظر میں مورتی کی تعظیم کیرتن اور بھجن وغیرہ سب قطعاً حرام اور مشرکانہ اعمال ہیں، کسی بھی مسلمان کے لئے کسی بھی مصلحت سے اس طرح کے کسی عمل میں شرکت کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ مسئولہ صورت میں جو مسلمان ایسی کفریہ مجلس میں شریک ہوئے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں، ان پر توبہ واستغفار لازم ہے؛ تاہم اس بناء پر ان کی تکفیر کرنے سے پہلے ان سے اس بات کی تحقیق کی جائے گی کہ انہوں نے مورتی کی تعظیم کے خیال سے اس میں شرکت کی ہے یا محض تماشہ بیں کی حیثیت سے؟ اگر تعظیم کا قصد ہو تو بلاشبہ تکفیر ہوگی اور اگر یہ قصد نہ ہو تو گنہگار تو یقیناً ہوں گے؛ لیکن تکفیر کا حکم لگانے میں احتیاط کی جائے گی۔ (مستفاد کفایت المفتی ۹/۳۳۸)

وفي الخلاصة: وغيرها إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم. (البحرالرائق ٥/١٢٥)

وكما لو سجد لصنم أو وضع مصحفا في قاذورة، فإنه يكفر إن كان مصدقا (شامي، كتاب الجهاد / باب المرتد ٣٥٦/٣ زكريا، ٢٢٢/٤ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۵/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناریل توڑ کر گیٹ کا افتتاح کرنا

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مسجد کا امام ہے اور علاقہ کے حالات کے پیش نظر سیاست اور سیاسی لوگوں سے بھی تعلق ہے، جمعہ کی نماز کے بعد علاقہ کے نگر سیوک نے ایک گیٹ کا افتتاح ناریل توڑ کر کیا جو یہاں کا عام رواج ہے، اس کے بعد نگر سیوک نے زید کو ناریل توڑنے کے لئے بلایا، زید وہیں موجود تھا اور زید کو اس کا پہلے سے علم نہیں تھا کہ اس کے ہاتھ سے ناریل تڑوایا جائے گا، زید نے ناریل توڑنے سے انکار کیا؛ لیکن نگر سیوک کے اصرار پر زید نے وقتی طور پر حالات کے پیش نظر دل کی کراہت کے

ساتھ ناریل توڑا اور زید کو اب تک اس ناریل کے احکام کے متعلق کوئی علم نہیں؛ لہٰذا اس صورت میں زید کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا زید کا یہ عمل حرام ہے؟ نیز ناریل توڑنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناریل توڑنا ہندوؤں کی ایک مذہبی مخصوص رسم ہے، کسی مسلمان کے لئے کسی بھی حالت میں اس کا ارتکاب قطعاً جائز نہیں ہے۔ سوال میں مذکورہ امام صاحب کو دینی حمیت وجرأت سے کام لیتے ہوئے ناریل توڑنے سے صاف منع کردینا چاہئے تھا، جن لوگوں نے ان پر ناریل توڑنے کے لئے دباؤ ڈالا ہے وہ بھی ان کے ساتھ گناہ میں شامل ہیں، امام صاحب سمیت ان لوگوں کو اس گناہ سے توبہ کرنی لازم ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، الباس / باب لبس الشهرة ۲/ ۲۵۱ رقم: ۴۰۳۱، مشکوة المصابیح ۳۷۵)

وفي الفتاویٰ الصغریٰ: الکفر شيءٌ عظیم فلا أجعل المؤمن کافراً حتی وجدت روایة أنه لا یکفر ثم قال: والذي تحرر أنه لا یفتی یکفر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان في کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة. (رسم المفتي ۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۴/۲/۲۸ھ

مسلمان کا ہندو کلچر کے مطابق ماتھے پر ٹیکا لگوانا

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسلمان ہندو کلچر کے مطابق اپنے ماتھے پر ٹیکہ لگوا سکتا ہے؟ کیا ایک مسلمان اپنے ماتھے پر ٹیکہ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوسکتا ہے، اور اسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ مسجد میں اس پر اعتراض کرنے والے مسلمانوں کا موقف صحیح ہے یا غلط؟ کیا کسی مسلمان کو ایسے ماحول میں جانا چاہئے جہاں مشرکانہ رسوم ادا کی جاتی ہیں، اور جہاں اس بات کا بھی امکان پایا جاتا ہے کہ اس کو بھی

مشرکانہ امور اور معاملات میں عملاً ملوث ہونا پڑے گا؟ کیا کوئی مسلمان کسی ہندو تقریب کا سرسوتی دیوی کی تصویر کے سامنے اپنے ہاتھ سے دیا جلا کر افتتاح کر سکتا ہے؟ کیا کوئی مسلمان مندروں اور بتوں کے خالص مشرکانہ ماحول میں کسی غیر مسلم کی پرارتھنا میں شریک ہوسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مسلمان کے لئے ماتھے پر ٹیکہ لگانا اور اس حالت میں مسجد میں داخل ہوکر نماز پڑھنا یا کسی دیوی کی تصویر پر دیا جلانا یا غیر مسلموں کی پرارتھنا میں شرکت کرنا وغیرہ قطعاً حرام اور مشرکانہ اعمال میں سے ہے، جو شخص ان باتوں کا ارتکاب کرے اس کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ (کفایت المفتی ۱۹۶/۹)

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، الباس / باب لبس الشهرة ۲۵۱/۲ رقم: ۴۰۳۱، مشكوة المصابيح ۳۷۵)

قال العلامة المناوي رحمه اللّٰہ تعالیٰ: ”من تشبه بقوم“، أي تزيا في ظاهره بزيّهم، وفي تعرفه بفعلهم، وفي تخلقه بخلقهم، وسار بسيرتهم وهديهم في ملبسهم وبعض أفعالهم. (فيض القدير شرح الجامع الصغير للعلامة المناوي ۵۷۴۳/۱۱ رقم الحديث: ۸۰۵۹۳)

يكفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح إلا لضرورة دفع الحر والبرد وبشد الزنار في وسطه إلا إذا فعل ذٰلک خديعة في الحرب طليعة للمسلمين...... (عالمگیری ۲۷۶/۲)

والنهي تناول للانحطاط في هواهم والانقطاع إليهم ومصاحبتهم ومجالستهم وزيارتهم ومداهنتهم والرضى بأعمالهم والتشبه لهم والتزى بزيهم ومدافعين إلى زهرتهم وذكرهم بما فيه تعظيم بهم. (تفسير كشاف ۹۵/۲، بحواله: فتاویٰ محموديه ڈابهيل ۵۵۵/۱۹، فتاویٰ احياء العلوم ۸۵/۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اسکول میں مشرکانہ تصورات وخیالات پر مبنی اشعار کا کہنا اور سیکھنا سکھانا؟

سوال (۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں صوبہ گجرات کی حکومت کی جانب سے اسکولوں کے نصاب میں ایک موضوع سنسکرت بحیثیت زبان اختیاری داخل نصاب کیا گیا ہے، یہ موضوع لازمی نہیں؛ بلکہ اختیاری ہوتا ہے، یعنی طلبہ کو اس موضوع سنسکرت اور دیگر موضوع جیسے کمپیوٹر یا عربی یا فارسی پسند کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اسکول کے ذمہ دار، اپنی وسعت، اساتذہ کی فراہمی یا طلبہ کی پسند اور مطالبہ کے مطابق ان میں سے کوئی ایک موضوع اپنے اسکول میں داخل نصاب کرتے ہیں۔

سنسکرت زبان کے لئے جو کتاب حکومت کی طرف سے بطورِ نصاب تجویز کی گئی ہے، اس میں سے کچھ اشعار پڑھائے جاتے ہیں، جن میں ہندو دیوی دیوتاؤں کی تعظیم کی گئی ہے، جو بظاہر اسلامی روح کے منافی ہے، جناب والا سے دریافت ہے کہ ایسے جملے فقط زبان سیکھنے اور سکھانے کی غرض سے بولنا، سکھانا، غرض اس کی تعلیم وتعلم کا کیا حکم ہے؟

یہ بھی عرض ہے کہ اس قسم کی باتیں سرکاری نصاب کے دیگر موضوعات مثلاً ہندی زبان کی کتاب، گجراتی زبان کی کتاب وغیرہ میں پہلے ہی موجود اور زیر تعلیم چلی آرہی ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ اشعار مشرکانہ تصورات اور خیالات پر مبنی ہیں، اوران میں ہندوؤں کی دیوی دیوتاؤں کو اپنا پرستار اور معبود ظاہر کیا گیا ہے، اس لئے ان اشعار کا اختیاری طور پر پڑھنا، سیکھنا سکھانا اور زبان پر لانا قطعاً ناجائز ہے۔

إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمداً لكنه لم يعتقد الكفر، قال بعض أصحابنا: لا يكفر، وقال بعضهم: يكفر وهو الصحيح عندي كذا في البحر: ومن أتى بلفظ الكفر وهو لم يعلم أنها كفر إلا أنه أتى بها عن اختيار يكفر عند

عـامة الـعـلماء، خلافاً للبعض، ولايعذر بالجهل. (هندية ۲/ ۲۷٦، مجمع الأنهر ۲/ ۵۰۲ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم کی چتا کو آگ لگانا؟

سوال (۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا کہنا ہے کہ ہم تین بھائی اور والد صاحب کو اسلام قبول کئے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے، زید کا ایک بھائی، زید کی ماں اور ایک بہن ایمان نہیں لائے، زید کے جس بھائی نے ایمان قبول نہیں کیا اس نے زید کے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ جب میں مرجاؤں تو میری چتا کو آگ تم لگاؤ گے، زید کا کہنا ہے کہ میں بھائی کی محبت میں اپنے آپ کو روک نہیں سکا، جب میرا بھائی مرا تو میرے بیٹے نے چتا میں آگ لگادی؛ لیکن بعد میں مجھے دلی طور پر تکلیف ہوئی، زید جاننا چاہتا ہے کہ کیا یہ گناہ کفر ہوا یا صرف گناہ ہوا، اس کی تلافی کیلئے مجھے یا میرے گھر والوں کو کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر صرف ظاہر داری میں چتا کو آگ لگائی اور دل میں اس فعل پر ناگواری تھی تو اس فعل کی وجہ سے کفر لازم نہیں آیا؛ لیکن بہرحال یہ گناہ کا کام ہے، اس پر دل سے توبہ واستغفار لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/ ۳۳۸)

﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوْٓءً اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا﴾ [النساء: ۱۱۰]

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، الباس / باب لبس الشهرة ۲/ ۲۵۱ رقم: ۴۰۳۱، مشكوة المصابيح ۳۷۵)

وإن كـانـت نيته الوجه الذي يوجب التكفير لا تنفعه فتوىٰ المفتي ويؤمر

بـالتـوبة والرجوع عن ذٰلک وتجديد النكاح بينه وبين امرأته. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۲۸۲/۷ رقم: ۱۰٤۸۷)

قـال العـلامة الآلـوسي: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنهـا واجبة عـلـى الـفـور، ولا يـجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة. (روح المعاني ۱٥۹/۲۸ بيروت، شرح النووي على صحيح مسلم ٥٦/۲)

مـن أقـدم على ظلم يجب عليه أن يتدارک ذٰلک بالتوبة والإنابة. (فتاوى احياء العلوم ۸٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۷/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچوں کا منڈن کرنا

سوال (۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے لوگ اپنے بچوں کے سر پر چوٹی رکھواتے ہیں، کسی مزار پر جاکر ان کا منڈن پانچ سال کے بعد کراتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بزرگوں کے نام پر بچوں کے سر پر چوٹی رکھنا پھر وقت مقررہ پر درگاہوں میں جاکر منڈانا حرام اور شرک ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، الباس / باب لبس الشهرة ۲٥۱/۲ رقم: ٤۰۳۱، مشكوة المصابيح ۳۷٥)

عـن ابـن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن القزع والقزع أن يحلق رأس الصبي، فيترک بعض شعره. (سنن أبي داؤد ٥۷۷/۲)

وعـن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم راٰى صبياً قد

حلق بعض رأسه وترک بعضه، فنهاهم عن ذٰلک، وقال: "احلقوا کله أو اترکوه کله. (سنن أبي داؤد، کتاب الترجل / باب ما جاء في الذؤابة رقم: ٤١٩٥، مشکوٰة المصابیح ٣٨٠)

قال المناويؒ: من تشبه بقوم: أي تزیا في ظاهره بزیهم، وسار بسیرتهم وهدیهم في ملبسهم وبعض أفعالهم. (فیض القدیر شرح جامع الصغیر ١٢٨/٦-١٢٩ تحت رقم: ٨٥٩٣ دار الفکر بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا طوائف کے لئے ایصالِ ثواب کا حکم ہے؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طوائف کے بطن سے پیدا ہوئے لڑکے ملازمت وتجارت وزراعت ونوکری اپنا ذریعہ معاش بنالئے ہیں، اور اپنی کمائی سے ایک قطعہ آراضی خرید لئے، اور اسی زمین کے ایک ٹکڑے کو عام مسلمانان کو عیدگاہ بنانے کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ بغرض ماں طوائف کے ایصالِ ثواب کی نیت سے کرنا چاہتے ہیں؟ مذہب اسلام میں طوائف کو کیا سمجھا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوائف کا پیشہ قطعاً حرام اور بدترین گناہ ہے؛ لیکن اس عمل بد کی بنیاد پر مسلم طوائف کو اسلام سے خارج نہیں کہا جائے گا؛ لہٰذا ایسی عورت کے لئے حلال پیسہ سے مسجد کی زمین خرید کر یا عمارت بنا کر ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنَا اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِیْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ٣٢]

فللإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة، صلاة کان أو صوماً أو حجاً صدقةً أو قراءة للقرآن أو الأذکار أو غیر ذٰلک من أنواع البر، ویصل ذٰلک إلی المیت وینفعه. (مراقي الفلاح ٦٢١)

مـع إجـمـا ع أهـل الـحـق عـلـى أن الزاني والسارق والقاتل وغيرهم من أصـحـاب الـكـبـائـر غيـر الشـرک لا يـکـفـرون بذٰلک بل هم مؤمنون ناقصوا **الإيمان.** (نووي على مسلم ٥٥/١، شرح الفقه الأكبر ٨٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حکومت کا قانون شریعت سے ٹکرائے تو کیا کرے؟

سوال (۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر حکومت وقت کا کوئی نظریہ یا کوئی قانون اسلامی نظریہ وقانون سے ٹکرائے یا مخالفت کرے تو اس کی مخالفت کرنا مسلمان پرواجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دستور ہند میں دئے گئے مذہبی آزادی کے حقوق کو سامنے رکھ کر حکومت کے شریعت مخالف قانون کی مخالفت مسلمانوں کی دینی ذمہ داری ہے، اس سلسلہ میں مؤثر ذرائع استعمال کرکے شریعت کے تحفظ کی کوشش کرنی چاہئے۔ (عزیز الفتاویٰ ۱/۶۹۷)

﴿مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ٧]

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا﴾ [البقرة: ١٧٠]

عـن أبـي سـعيـد الـخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من راٰى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإلن لم يستطع فبقلبه وذٰلک أضعف الإيمان. (صحيح مسلم رقم: ٤٩، سنن الترمذي رقم: ٢٢٢١)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کسی مسلمان کو کافر کہنا

سوال (۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی مسلمان کو کوئی شخص اپنے عندیہ میں کافر کہے تو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو مدلل تحریر فرمائیں، اور اگر نا جائز ہے تو بھی مدلل تحریر فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مسلمان صاحبِ ایمان کو کافر کہنا ہرگز جائز نہیں ہے، اگر مخاطب کافر نہیں ہے تو کفر کا وبال قائل پر لوٹ آئے گا؛ اس لئے مسلمان کے کلام کو جہاں تک ممکن ہو بہتر معنی پر محمول کرنا چاہئے، اور معمولی سا بہانہ بنا کر کسی کی تکفیر کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: أيما امرءٍ قال لأخيه: كافر فقد باء بها أحدهما إن كان كما قال، وإلا رجع عليه. (صحيح مسلم ۵۷/۱)

وذكر العلامة النووي في شرح الحديث: وجوه عدم تكفير القائل إلا في صورة بطلان دين الإسلام فليراجع إليه. (نووی علی المسلم ۵۷/۱)

وفي الهداية في فصل التعزير: وكذا إذا قذف مسلماً بغير الزنا فقال يا فاسق أو يا كافر (أي يعزر) (هداية مع الفتح ۳۴۷/۵، هندية ۲۷۸/۲)

لا يفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن. (در مختار ۲۶۷/۶ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱/۱۴ھ

حضرت تھانویؒ اور امام احمد رضا کو کافر کہنے والے کا حکم

سوال (۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور امام احمد رضا کو کافر کہے اس کے بارے میں آپ کا

کیا خیال ہے؟ زید صحیح کہتا ہے یا غلط؟ اگر زید غلطی پر ہے تب زید کو کیا کرنا چاہئے اور زید صحیح کہتا ہے تو کیوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ دونوں شخصیتیں مسلمان ہیں، اور کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ ہے، زید کو توبہ کرنی چاہئے اور تکفیر سے باز آنا چاہئے۔

عن أبي ذر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ومن دعا رجلاً بالکفر أو قال عدو اللّٰه ولیس کذٰلک إلا حار علیه. (صحیح مسلم ۵۷/۱)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: أیما امرءٍ قال لأخیه: کافر فقد باء بها أحدهما إن کان کما قال، وإلا رجع علیه. (صحیح مسلم ۵۷/۱)

والاستخفاف بالعلماء لکونهم علماء استخفاف بالعلم. (بزازیه علی هامش الهندیة ۳۳۶/۶)

من أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر. (شرح الفقه الأکبر ۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۶/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بدعت کی بنیاد پر احمد رضا خاں کو کافر کہنا؟

سوال (۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری بستی میں عرصہ دراز سے وقت مغرب کے علاوہ اذان کے بعد تثویب کا طریقہ جاری ہے، جو صلوٰۃ وسلام کی صورت میں ہوتا ہے، زید نے عمرو سے کہا کہ آپ لوگوں نے ایک اور اذان قائم کررکھی ہے، عمرو نے کہا کہ اس میں برائی کیا ہے، اور یہ کتابوں سے ثابت ہے، بہار شریعت میں اس کے بارے میں لکھا ہے، اعلیٰ حضرت نے بھی اس کو درست بتایا ہے، اس پر زید نے کہا کہ

اعلیٰ حضرت مسلمان ہی نہیں تھے، حالاں کہ شدید نظریاتی اختلاف کے باوجود علماء دیوبند نے آپ کو کافر نہیں کہا ہے، چناں چہ اشرف السوانح جو مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سوانح پر مستند کتاب مانی جاتی ہے، اس میں ہے: ''حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مذاق باوجود احتیاط فی المسلک کے اس قدر وسیع تھا اور حسن ظن لئے ہوئے ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کو بھی برا کہنے والوں کے جواب میں دیر تک حمایت فرمایا کرتے ہیں، اور شد ومد کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت کا سبب واقعی حب رسول ہی ہو اور وہ غلط فہمی سے ہم لوگوں کو نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخ سمجھتے ہوں''۔ (اشرف السوانح ۱/۱۲۰)

نیز ایک اور کتاب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ کو مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع ملتا تو میں پڑھ لیتا۔ (اسوۂ اکابر ۱۸)

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ موصوف کو کافر نہیں سمجھتے تھے، ورنہ ان کی حمایت نہ کرتے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت مسلمان نہیں تھے، کیسا ہے؟ اور اس پر شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء دیوبند احمد رضا خاں صاحب کو اہل بدعت کا مقتدیٰ سمجھتے ہیں؛ لیکن ان کی تکفیر نہیں کرتے؛ اس لئے کہ علماء محققین کا مسلک یہ ہے کہ جو اہل بدعت اپنی بدعت کی تاویل کرتے ہیں ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

وقد ذكر في المحيط: أن بعض الفقهاء لا يكفر أحداً من أهل البدع، وبعضهم يكفر من خالف منهم ببدعته دليلاً قطعياً ونسبه إلى أكثر أهل السنة، والنقل الأول أثبت. (شامی زکریا ٦/٤١٣)

بریں بنا زید کا احمد رضا خاں صاحب کو کافر کہنا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے آئندہ احتیاط رکھنی چاہئے؛ لیکن زید کا مروجہ صلاۃ وسلام کا التزام کہیں ثابت نہیں ہے، اور دور حاضر میں یہ اہل بدعت کا

شعار ہے؛ اس لئے قابلِ ترک ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷۰/۷۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

روپیہ کے لالچ یا کسی کی دل جوئی میں علماء دیو بند کو کافر کہہ کر توبہ کرنا

سوال (۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص روپیہ کے لالچ میں یا ان بدطینت لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی خاطر علماء دیو بند کو کافر کہہ دے پھر بعد میں توبہ واستغفار کر کے صحیح عقائد پر جم جائے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے ذاتی مفاد کی خاطر یا کسی کی دل جوئی کے لئے جان بوجھ کر کسی سچے مؤمن کو کافر کہنا سخت ترین گناہ ہے؛ البتہ بعد میں سچے دل سے توبہ کرلی جائے اور جن کو کافر کہا ہے ان سے معافی مانگ لی جائے تو انشاء اللہ گناہ معاف ہوجائے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۷۱)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أيما امرئ قال لأخيه كافراً فقد باء بها أحدهما إن كان كما قال ولا رجعت عليه. (صحيح مسلم مع فتح الملهم ۱/۲۳۵)

قوله: ولا رجعت عليه ...... اختلف في تأويل هٰذا الرجوع فقيل رجع عليه الكفر إن كان مستحلاً وهٰذا بعيدة من سياق الخبر، قيل محمول على الخوارج لأنهم يكفرون المؤمنين هٰكذا نقله عياض عن مالك وهو ضعيفاً. (فتح الملهم ۱/۲۳۵)

والاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم. (بزازيه على هامش الهندية ۶/۳۳۶)

من أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر. (شرح الفقه الأكبر ۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بریلوی شرپسندوں کے خوف سے علماء دیوبند کو کافر کہہ کر بعد میں توبہ کرنا؟

سوال (۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احقر ایک مفتی صاحب کے مشورہ سے پھول بانی کی جامع مسجد میں بسلسلہ تقرر امامت گیا تھا اور نیز امامت کے فرائض انجام دیتا رہا؛ لیکن وہاں کی عوام بریلوی عقائد سے تعلق رکھتی تھی اور احقر اہلِ سنت والجماعت سے تعلق رکھتا ہے، دریں اثناء انہیں کسی طرح یہ پتہ چل گیا کہ احقر کا تعلق علماء دیوبند سے ہے، تو ان لوگوں نے میرے امتحان کے لئے یا مجھے پھنسانے کے لئے ایک پروگرام کیا، جس میں اپنے عقائد کے بڑے بڑے علماء کرام کو مدعو کیا؛ لیکن خداوندِ قدوس کے فضل وکرم نے ان کے پروگرام کو بکھیر کر رکھ دیا، ہوا یوں کہ بارش کثرت سے ہوئی، تو ان لوگوں کا پروگرام نہیں ہوسکا؛ لیکن چوں کہ دماغ میں خباثت بھری ہوئی تھی؛ لہٰذا ان لوگوں نے ایک اور چال کھیلی وہ یہ کہ تمام بدمعاش نوجوانوں کو اکٹھا کر کے اس حال میں کہ وہ لوگ نشہ میں تھے، مجھے بھی اس جگہ بلوایا، جب احقر وہاں پہنچا تو ان لوگوں نے علماء دیوبند کے متعلق بہت ناشائستہ الفاظ والزامات عائد کئے، جسے سن کر میرے ہوش اڑ گئے؛ لیکن چوں کہ احقر اکیلا تھا، اس لئے بر بناء مصلحت کچھ نہیں کہہ پایا، ایک آدمی بھی ہم خیال نہیں تھا، بالآخر انہوں نے مجھے مجبور کیا اس بات کے کہنے پر کہ کہو دیوبند کے فلاں فلاں عالم یعنی نعوذ باللہ حضرت تھانویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، ان سب کو آج سے کافر کہوں گا اور مانوں گا، خیر جب یہ لوگ بہت مجبور کرنے لگے تو اللہ پاک بندہ کو معاف کرے، میں نے یہ کہہ دیا کہ: ''میں اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ جتنے بھی گستاخانِ رسول ہیں چاہے وہ حضرت تھانویؒ ہوں یا حضرت گنگوہیؒ ہوں یا حضرت نانوتویؒ ہوں، اور منکر رسول ہیں، آج کے

بعد سے سب کو کافر مانوں گا''۔ اتنی بات صرف ان ظالموں کے ظلم اور زیادتی کی بنا پر کی، اور جیسے ہی وہاں سے کسی طرح خلاصی پائی تو فوراً توبہ واستغفار کیا اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی؛ لیکن آج بھی اگر وہ مقام اور وہ بات یاد آجاتی ہے تو دل کانپ جاتا ہے۔

بہرکیف اس بات کا احقر نے اکابرین علماء دیوبند سے رجوع کیا، اور صحیح نتیجہ تلاش کرنے کے بعد دل کو سکون حاصل ہوا؛ لیکن بریلوی عقائد کے لوگوں نے اس بات کو غلط انداز سے چرچا کرنا شروع کر دیا ہے کہ ہم لوگوں نے دیوبندی عقائد کے امام سے علماء دیوبند کو کافر لکھوالیا ہے، اور اس بات کو بہت زور وشور سے پھیلا کر بہت دور تک پہنچا دیا ہے، اب اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ احقر فی الحال جس جگہ امامت کر رہا ہے، وہاں کے لوگ اب احقر کے پیچھے نماز پڑھنے سے اعتراض کر رہے ہیں؛ لیکن خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یہ بات صرف ان لوگوں کی زور زبردستی سے کہی تھی، ورنہ علماء دیوبند کی قدر میرے دل میں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے، بس یہ احقر پر بے جا الزام تراشی ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں؟ بہرحال تمام واقعہ میں نے سنا دیا اور اس تحریر کا صحیح حل فرمائیں؛ تاکہ احقر اپنے مقتدی حضرات کو تسلی دے سکے، اور اپنے اوپر عائد کئے گئے الزامات سے بری ہو جائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھول بانی کی جامع مسجد میں امامت کے وقت جب کہ آپ کو فتنہ اور شر کا اندیشہ پہلے ہی ہو گیا تھا، اور بریلوی شرپسندوں نے اپنے علماء کو بلوا کر باقاعدہ پروگرام بھی رکھ لیا تھا، تو اب آپ کو اسی وقت وہاں سے الگ ہو جانا چاہئے تھا، محض ملازمت اور دنیوی نفع کے لئے ایسی فتنہ کی جگہ جمے رہنا مصلحت کے بالکل خلاف تھا؛ تاہم جب ناگوار صورتِ حال آپ کے ساتھ پیش آئی اور آپ نے مجبوراً اکابر دیوبند کے سلسلہ میں موہم کلماتِ کفر زبان سے نکالے اور پھر بعد میں اس پر ندامت اور توبہ واستغفار کر لی، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس غلطی کو معاف فرما دے گا، اور آپ کی امامت بلا کراہت درست ہوگی، آپ کی سچی توبہ کے بعد موجودہ مقتدیوں کو آپ پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهِ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النحل: ١٠٦]

والاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم. (بزازيه على هامش الهندية ٦/٣٣٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کو ''پیر کی جوتی'' کہنا

سوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص بظاہر دیندار اور متبع شریعت وسنت ہے، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، دینی اجتماعات وغیرہ میں بھی شرکت کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ ''عورت پیر کی جوتی ہے'' اسلام کی نظر میں عورتوں کے مقام کی وضاحت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مطلقاً عورت کے لئے ایسے توہین آمیز الفاظ کہنا روا نہیں ہے، اسلام میں عورت کو ماں، بیوی، بہن، خالہ وغیرہ ہونے کی حیثیت سے بہت عزت دی گئی ہے، عورتوں کے حقوق کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے، جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا، وہ کامل دیندار کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے۔

قال تعالى: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: جزء آيت: ٢٢٧]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في خطبة حجة الوداع:...... اتقوا اللّٰه في النساء، فإنكم أخذتموهن بأمان اللّٰه واستحللتم فروجهن بكلمة اللّٰه، ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف. (صحيح مسلم ١/٣٩٧ رقم: ١٢١٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمان کی توہین کرنا اور گروپ بازی کرنا

سوال (۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی عالم دین کسی بوڑھے مسلمان کی توہین کرے اور ان کے والد جو کہ خود جید عالم ہوں اور بیعت وارشاد کا حامل بتاکر بیعت فرماتے ہوں، بیٹے کی تائید اور حسب استعداد گروپ سازیاں کرتے ہوں، تو دونوں کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور عام مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں اور جن کے خلاف یہ سب کچھ کیا جارہا ہو، ان پر کیا لازم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مسلمان کی توہین کرنا اور آپس میں گروپ بندیاں کرنا سخت گناہ ہے، اس سے توبہ لازم ہے، اور وہاں کے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ دانش مندی اور سوجھ بوجھ سے کام لیں، کسی بھی قسم کی گروپ بندی کے فتنہ کو مصالحت کے ذریعہ ختم کریں، تاہم جن کے ساتھ یہ ظلم ہورہا ہے وہ صبر سے کام لیں، اور کوئی ایسا کام نہ کریں کہ جس سے گروپ بندی بڑھنے کا موقع ملے۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران جزء الآية: ۱۰۳]

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: سباب المسلم فسوق. (صحيح البخاري ۸۹۳/۲)

وفي شرحه للنووي سب المسلم بغير حق حرام بإجماع الأمة وفاعله فاسق كما أخبره النبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (نووی علی مسلم ۵۸/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰؍۲؍۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدعات ورسومات

بدعت کی تعریف کیا ہے؟

سوال (۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بدعت کی کیا تعریف ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوکام شریعت اور سلفِ صالحین سے ثابت نہ ہو اور اسے دین اور کارِثواب سمجھ کر انجام دیا جائے تو وہ بدعت ہے۔

البدعة هي الأمر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون ولم يكن مما اقتضاه الدليل. (قواعد الفقه ٢٠٤)

إيراد قول لم يستن قائلها وفاعلها فيه بصاحب الشريعة وأماثلها.

(المفردات للإمام راغب ٣٦/١ ميمنية مصر، لسان العرب ٦/٢ بيروت)

وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول. (درمختار، الصلاة / باب الإمامة ٢٩٩/٢ زكريا)

كذٰلك كل محدث قولاً و فعلاً لم يتقدم فيه متقدم، فإن العرب تسميه بدعة. (تفسير ابن كثير ٢٢٢/١ دارالسلام رياض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۱۸ھ

بدعت کیا ہے؟

سوال (۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: بدعت کسے کہتے ہیں؟ بدعت کی کتنی قسمیں ہیں؟ نیز کل بدعة ضلالة کا مطلب کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بدعت کے بارے میں تفصیلات شروحات حدیث بالخصوص ملاعلی قاری کی شرح مشکوۃ میں ملاحظہ فرمائیں: اس سلسلہ میں ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر غیر دینی کام (جو قرون اولی سے ثابت نہ ہو) جسے دین سمجھ کرانجام دیا جائے وہ بدعت ہے، اور ایسی ہی ہر بدعت ضلالت ہے، اسی کو حدیث میں **کل بدعة ضلالة** فرمایا گیا، اس تعریف سے معلوم ہوگیا کہ موجودہ زمانہ کی نئی جائز ایجادات جن کو دین سمجھ کر استعمال نہیں کیا جاتا ہے وہ بدعت کے دائرے میں داخل نہیں ہیں۔

وكل بدعة ضلالة. قال في الأزهار: أي كل بدعة سيئة ضلالة لقوله عليه الصلاة والسلام من سن في الاسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها، قال النووي: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق. وفي الشرح: إحداث مالم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مرقاة المفاتيح بيروت ۱/ ۳۳۷)

كذٰلک كل محدث قولاً وفعلاً لم يتقدم فيه متقدم، فإن العرب تسميه بدعة. (تفسير ابن كثير ۱/ ۲۲۲ دارالسلام رياض) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۶/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی عمل پر بدعت کا اطلاق کب ہوتا ہے؟

سوال (۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک بات سے بہت پریشان ہوں، وہ یہ کہ دین میں کوئی بھی نئی بات پیدا کرنا بدعت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جو کام نہیں کئے ان کو کرنا بدعت، یا پھر اس میں کسی طرح سے کمی بیشی کرنا یہ سب بدعت ہے، جیسا کہ میرے سننے میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اور صحابہ کرام نے کبھی کوئی وظیفہ نہیں پڑھا، اگر ہم اپنے کسی کام کے لئے وظیفہ کریں تو وہ بدعت ہوگا؟ جیسے کہ عشاء کے بعد ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کی تسبیح پڑھنا، یا پھر کسی بھی قرآنی آیات کو وظیفہ کے طور پر پڑھنا بدعت تو نہیں ہوگا، اس کے علاوہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو صحابہ کرام سے ثابت نہیں جیسے کہ جمعہ کی نماز کے بعد سو بار ''**یا باقی**'' پڑھنا سو بار ''**یا غفار**'' پڑھنا کیسا ہے؟ بظاہر تو یہ سب بہت اچھی چیزیں ہیں، لیکن اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ایسا نہیں کیا اور صحابہ کرام نے بھی نہیں، تو پھر ایسا کرنا بدعت ہوگا یا نہیں؟

اسی طرح ''**یابدیع العجائب بالخیر یابدیع**'' جیسا کہ کتابوں میں ہے بارہ دن تک بارہ سو بار کسی کام کے لئے پڑھا جائے تو یہ سب کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی عمل پر بدعت کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جبکہ اسے دین کا حکم سمجھ کر انجام دیا جائے، اور دین کا کم از کم حکم مستحب ہے، اس استحباب کے ثبوت کے لئے دورِ نبوت یا دورِ صحابہ سے صحیح اور معتبر دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے برخلاف جو آیاتِ قرآنیہ یا اذکارِ طیبہ پر مشتمل اَوراد ووظائف جنہیں اصلاحِ نفس یا اصلاحِ حال متعین تعداد یا متعین وقت میں پڑھا جاتا ہے، اُن کو سنت یا مستحب وغیرہ سمجھ کر انجام نہیں دیا جاتا؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ طریقے مباح ہیں، اور ان میں اعداد کا لحاظ کرنا شرعاً کوئی لازم اور ضروری یا مستحب نہیں ہیں؛ لہٰذا اس حد تک ان وظائف کو اختیار کرنا بدعت نہیں کہلائے گا، البتہ اگر کسی وظیفہ کو اعداد کے ساتھ بلا دلیل شرعاً لازم سمجھ لیا جائے اور ثواب کو عدد کے ساتھ منحصر کر دیا جائے یا اس پر ایسا اصرار کیا جائے کہ نہ کرنے والے پر نکیر ہو، تو ایسی صورت میں یقیناً یہ بدعت میں شامل ہوگا، اور اس سے اجتناب لازم ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲۲۴/۵)

البدعة طريقة مخترعة فی الدين تضاهی الطريقة الشرعية يقصد بالسكوك عليها مايقصد بالطريقة الشرعية. (تكملة فتح الملهم ۲/ ۵۹۵)

قال الشمني: البدعة: ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من علم أو عمل أو حالٍ بنوع شبہۃ واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً. (شامي / باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام ۲۹۹/۲ زکریا، طحطاوي علی مراقي الفلاح / باب الإمامة ۲۴ مصر)

ومنها وضع الحدود والتزام الکیفیات والھیئات المعینة، والتزام العادات المعینة في أوقات معینة لم یوجد لھا ذلک التعیین في الشریعة.

(الاعتصام ۹۸/۲)

عن ابن مسعود رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لأن اللّٰہ یحب أن تؤتی رخصه کما یحب أن تؤتی عزائمه. (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة / باب الدعاء في التشھد، الفصل الأول ۲۶/۳ تحت رقم: ۹۴۶ بیروت، کذا أخرجه ابن حبان في صحیحه عن ابن عباس رقم: ۳۵۴، وابن أبي شیبة في مصنفه عن ابن عمر ۵۹/۹، والبیھقي في السنن الکبریٰ عن نافع ۱۴۰/۳)

من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة، أو منکر. (مرقاة المفاتیح، الصلاة / باب الدعاء عند التشھد ۲۶/۳ تحت رقم: ۹۴۶ بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سنت اور بدعت میں کیا فرق ہے؟

سوال (۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سنت اور بدعت میں کیا فرق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اعمال فعلاً قولاً ثابت

ہیں، ان کو سنت کہا جاتا ہے، اب اگر یہ اعمال عبادات کی قبیل سے ہوں تو انہیں سنن ہدیٰ کہا جائے گا، جن پر عمل ضروری ہے، اور انہیں بلا عذر چھوڑنا گناہ ہے۔ اور اگر ان اعمال کا تعلق طبعی عادات سے اور ظاہری لباس وغیرہ سے ہو تو اُنہیں سنن زوائد یا سنن عادیہ کہا جاتا ہے، جن پر عمل کرنا بہتر ہے؛ لیکن ترک میں بھی گناہ نہیں ہے۔

اس کے برخلاف بدعت کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جن کا نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابہ سے کوئی ثبوت نہ ہو اور جنہیں کارِ ثواب سمجھ کر انجام دیا جائے؛ لہٰذا اگر کوئی ایسا عمل ہو جس کا ثبوت قرونِ اولیٰ سے نہ ہو؛ لیکن آج اسے عبادت سمجھ کر نہیں؛ بلکہ ضرورت سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے، تو اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا، مثلاً ہوائی جہاز پر یا ریل گاڑی پر یا موٹر وغیرہ پر سفر کرنا یا بعض ایسے کھانے نوش کرنا جن کا تصور دورِ اول میں نہیں تھا، یہ بدعت میں شامل نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ کام دین سمجھ کر انجام نہیں دیئے جاتے۔

السنة هي الطريقة المسلوكة الجارية في الدين الماثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أو صحبه. (الموسوعة الفقهية ٢٥/٨)

والسنة نوعان: سنة الهدىٰ، وتركها يوجب إساءة وكراهية كالجماعة. وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذٰلك، كسير النبي عليه الصلاة والسلام في لباسه وقيامه وقعوده. (شامی ٢١٨/١ زكريا)

البدعة هي طريقة في الدين مخترعة تضاهي الشريعة يقصد بالسلوك عليها ما يقصد بالطريقة الشرعية. (الموسوعة الفقهية ٢٣/٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سنت پر عمل کرنے کے فوائد

سوال (۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سنت پر عمل کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنت پر عمل کرنا دنیا اور آخرت میں سعادت کا موجب ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضہ اور میدانِ محشر اور جنت میں آپ کی معیتِ مبارکہ کا سبب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ﴾ [النساء: ٦٩]

من أحب سنتي فقد أحبني.

عن عمرو بن عوف رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال لبلال بن الحارث يوماً: اعلم أنه من أحيا سنة من سنتي أميتت بعدي كان له من الأجر مثل من عمل بها من غير أن ينقص من أجورهم شيئاً. (سنن الترمذي، العلم / باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة ٩٦/٢ رقم: ٢٦٧٧، سنن ابن ماجة، كتاب السنة / باب من أحيا سنة قد أميتت رقم: ٢١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدعت کے رواج دینے سے کیا نقصان ہے؟

سوال (٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بدعت کے رواج دینے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بدعت کی سب سے بڑی نحوست یہ ہے کہ اس کے رواج کی وجہ سے قوم کسی نہ کسی سنت سے محروم کردی جاتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جب بھی کوئی قوم بدعت میں مبتلا ہوتی ہے تو اسے کسی نہ کسی سنت سے محروم کردیا جاتا ہے''۔

عن غُضَيفِ بن الحارث الثمالي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى

اللّٰـه عـليـه وسـلـم: ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة، فتمسک بسنة خير من إحداث بدعة. (مشكوة المصابيح ۳۱، مسند إمام أحمد بن حنبل ٤/ ١٠٥)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:''جس شخص نے کسی بدعتی شخص کا (اس کی بدعت کی بنا پر) اعزاز کیا تو اس نے اسلام کی بنیاد ڈھانے میں مدد کی''۔

عـن إبراهيم بن ميسرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم: مـن وقّر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام. (مشكوٰة المصابيح ۳۱، شعب الإيمان للبيهقي ٧/ ٧١ رقم: ٩٤٦٤)

نیز بدعت میدانِ محشر میں حوض کوثر پر حاضری سے محرومی کا بڑا سبب ہے، احادیث میں آتا ہے کہ بدعتیوں کو حوض کوثر پر جانے سے روک دیا جائے گا۔

عـن سهـل بن سعد رضي اللّٰه عنه يقول: سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول: أنا فـرطـكـم عـلـى الـحوض، من ورد شرب، ومن شرب لم يظمأ أبداً وليردن على أقوام أعرفهم ويعرفون، ثم يحال بيني وبينهم، فأقول: إنهم مني، فيقال: إنک لا تدري ما عملوا بعدک، فأقول: سحقاً سحقاً لم بدل بعدي. (صحيح مسلم ٢/ ٢٤٩)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ''بدعتی کی عبادات قبول نہیں ہوتیں''۔

عـن حذيفة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: لا يقبل اللّٰه لصاحب بـدعة صـوماً، ولا صلاة، ولا صدقة، ولا حجاً، ولا عمرةً، ولا جهاداً، ولا صرفاً، ولا عدلاً، يخرج من الإسلام كما تخرج الشعرة من العجين. (سنن ابن ماجة ٦)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ بدعتی شخص جب تک اپنی بدعت میں مبتلا رہتا ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کرتے۔

عـن أنـس بـن مـالـک رضـي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته. (المعجم الكبير

للطبراني، وإسناده حسن، مجمع الزوائد ١٨٩/١٠، الترغيب والترهيب للمنذري ٤٠ رقم: ٨٣ بيروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدعتی شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

سوال (۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بدعت کی صحیح تعریف کرتے ہوئے یہ بتائیں کہ: (۱) بدعتی کون ہے؟ (۲) بدعتی کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (۳) نیز بدعتی کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؟ (۴) اور استاذ اگر بدعتی ہو تو اس کی تعظیم وخدمت کرنی چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بدعت کی تعریف "قواعد الفقہ" میں ان الفاظ سے کی گئی ہے:

البدعة هي الأمر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعي. (قواعد الفقه ٢٠٤)

یعنی بدعت اس من گھڑت عقیدہ یا عمل کو کہا جاتا ہے جس پر نہ تو صحابہ اور تابعین کا عمل رہا ہو اور نہ کسی دلیل شرعی سے اس کی تائید ہوتی ہو۔

اور فتاویٰ محمودیہ میں بدعت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ ''جس چیز پر شریعت نے ثواب نہ بتایا ہو اس کو ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۰۹/۵ میرٹھ، ۲۳/۳ ڈابھیل)

(۲) اب اگر بدعت شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہے (مثلاً وہ غیر اللہ کے لیے ایسی صفات ثابت کرتا ہے جو اللہ کے لیے خاص ہیں)، تو ایسے بدعتی امام کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔

ويكره إمامة ...... مبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها، كقوله: إن اللّٰه تعالىٰ جسم كالأجسام، وإنكاره صحبة الصديق، لا يصح الاقتداء به أصلاً. (الدر

المختار، الصلاة / باب الإمامة ٢٩٩/٢ زكريا، ٥٥٩/١ كراچى، حلبي كبير، الصلاة / الأولىٰ بالإمامة ٥١٤ لاهور، البحر الرائق، الصلاة / باب الإمامة ٦١١/١ رشيدية، ٣٤٩/١ كوئٹه)

اوراگر معمولی بدعت کا مرتکب ہے جو گناہ صغیرہ کے درجہ میں ہے (مثلاً ایصالِ ثواب وغیرہ کاالتزام) تو نماز جائز مگر خلافِ اولیٰ ہے۔

اوراگر بدعت گناہ کبیرہ کے درجہ میں ہے (مثلاً آیات واحادیث میں بیجا تاویلات کرنااور اجماع امت کے خلاف رائے اپنانا) تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی؛ لہٰذا اگر مجمع میں اس سے بہتر کوئی اور شخص لائق امامت موجود ہوتو ایسے بدعتی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۵۸/۶ ڈابھیل، ۲۳۱/۱۰ میرٹھ)

وإنما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة، أما لو كان مؤديا إلى الكفر فلا يجوز أصلاً. (كبيرى ٤٨٠، البحر الرائق ٣٤٩/١، شامي كراچى ٥٦٠/١)

كره تقديمه كراهة تحريم. (حلبي كبير ٥١٣ لاهور)

(۳) اگر بدعتی کے ساتھ میل جول اوراچھا سلوک کرنے میں اصلاح کی توقع ہوتو میل جول رکھنا بہتر ہے، اوراگر اس سے خود بدعات میں مبتلا ہونے یا بدعات کی تائید کا اندیشہ ہوتو میل جول قطعاً نہ رکھا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۶/۳ ڈابھیل، ۲۳۳/۵ میرٹھ)

عن الحسن: لا تجالس صاحب هوىٰ، فيقذف في قلبک ما تتبعه عليه فتهلک، أو تخالفه فيمرض قلبک. وعن يحيىٰ بن أبي كثير قال: إذا لقيت صاحب بدعة فخذ في طريق آخر. (الاعتصام للشاطبي / باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها ٦٦ دار المعرفة بيروت)

وأما المداراة فتجوز في مواضع ثلاثة:...... الثاني: لمصحة الكافر في دينه، أي إذا رجا هدايته للإسلام بالمداراة......، وهٰذا هو حكم المداراة وأهل الهوىٰ ونحوهم. (أحكام القرآن الكريم للشيخ ظفر أحمد العثماني ١٠٢/١-١٦)

منع أصحابنا الدخولَ إلى مجالسة الكفار وأهل البدعة. (أحكام القرآن الكريم للقرطبي ١٤/٤ ١ جزء: ٧ دار الفكر بيروت)

(۴) اور استاذ اگر بدعتی ہو تو بدعتی ہونے کی حیثیت سے اس کی تعظیم درست نہیں؛ البتہ استاذ ہونے کی حیثیت سے وہ قابل تعظیم ہے، اس بناء پر اس کے اکرام میں حرج نہیں ہے۔

(مستفاد: استاذ وشاگرد کے حقوق، افادات: حضرت تھانویؒ ۳۱، احکام القرآن الکریم للشیخ ظفر احمد العثمانی ۱۰/۲-۱۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اہلِ بدعت کی گمراہیوں سے عوام کو آگاہ کرنا منع نہیں؟

سوال (۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی عالم یا غیر عالم دین کے بارے میں کوئی ایسی بات کہے جس کی دلیل شریعت اسلامی میں نہیں ملتی، جیسا کہ بعض ایسے اہل بدعت گذرے ہیں جنہوں نے دین میں بدعات کو شامل کر کے دین کی غلط تشریح کر کے عوام الناس کو گمراہ کیا، جب ایسے لوگوں کی غلط باتوں پر پکڑ کر کے ان کا غلط ہونا ثابت کیا جاتا ہے، تو ان کے حامی بعض لوگ یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کرتے ہیں، کہ یہ تو غیبت ہے ان کے سامنے ہی بات کرو جب کہ ان میں سے بعض تو مر چکے ہیں اور بعض زندہ ہیں؛ لیکن وہ سب موقع پر موجود نہیں ہوتے، تو کیا یہ تنقید برائے تنقید اور اصلاح کا عمل واقعی غیبت ہے، تو پھر دین میں بدعتوں کو داخل کرنے اور دین کی غلط تشریح کرنے والوں کی سازش سے لوگوں کو کیسے باخبر کیا جائے، اگر خبر دار نہ کریں تو حق وباطل کی تمیز کیسے ہوگی؟ بعض علماء نے تو مستقل کتابیں لکھ کر باطل پرست علماء کی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے، تو کیا انہوں نے بھی غیبت کا ارتکاب کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہلِ بدعت کی گمراہیوں سے عوام وخواص کو آگاہ کرنا

غیبت محرمہ میں داخل نہیں ہے۔

عـن بهـز بـن حـكيـم عن أبيه عن جده رضي الله عنه قال: قال رسول الله صـلى الله عليه وسلم: أترعون عن ذكر الفاجر، اذكروه بما فيه كي يعرفه الناس ويحذر الناس. (شعب الإيمان للبيهقي ١٠٩/٩ رقم: ٩٦٦٦-٩٦٦٧)

ليس لأهل البدع غيبة الخ. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ٣٣٩/٨)

وفـي تـنبيـه الـغافلين للفقيه أبى الليث: الغيبة على أربعة أوجه: وفي وجه هـي مبـاح، وهـو أن يـغتـاب مـعـلنا بفسقه، أو صاحب بدعة، وأن يغتاب الفاسق ليحذره الناس يثاب عليه؛ لأنه من النهي عن المنكر. (شامي ٥٨٦/٩ زكريا)

قال العلامة الغزالي رحمه الله تعالىٰ: اعلم أن المرخص في ذكر مساوي الغير هو غرض صحيح في الشرع لا يمكن التوصل إليه إلا به، فيدفع ذٰلک إثم الـغيبة، وهـي ستة أمـور:...... الـرابـع: تحذير المسلم من الشر، فإذا رأيت فقيهاً يتردد إلى مبتدع أو فاسق وخفت أن تتعدد إليه بدعته وفسقه، فلک أن تكشف لـه بدعته وفسقه مهما كان الباعث لک الخوف عليه من سراية البدعة والفسق لا غيره......، إذ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أترعوون عن ذكر الفاجر ...... الـخ، وكـانوا يقولون ثلاثة لا غيبة لهم...... المبتدع. (إحيـاء عـلوم الدين، كتاب آفات اللسان، الآفة الخامس عشرة الغيبة / بيان الأعذار المرخصة في الغيبة ١٨٢/٣-١٨٤ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۳/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرائض کے علاوہ سنن ونوافل یا رفع مصائب کے لئے اذان دینا کیسا ہے؟

سـوال (۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

فرائض کے علاوہ سنن ونوافل واجبات نمازوں کے لئے اذان پڑھنا کیسا ہے؟ یا رفع مصائب مثلاً سخت آندھی، زلزلہ، قحط، کثرتِ باراں وغیر کے موقعوں پر، اسی طرح قبر کے اوپر اذان پڑھنا کیسا ہے؟ شرع میں ان موقعوں پر نماز مشروع ہے یا اذان؟ اگر پنج وقتہ کے علاوہ شرع میں ان جگہوں پر پڑھنا ثابت نہیں ہے تو بعد الولادۃ بچہ کے داہنے کان میں اذان بائیں کان میں تکبیر کیوں پڑھتے ہیں؟ اگر اس پر قیاس کر کے مذکورہ بالا موقعوں پر اذان پڑھ دیں تو از روئے شرع کیا الزام عائد ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرائض کے علاوہ دیگر نمازوں میں اذان مشروع ہی نہیں ہے۔(۱) حتی کہ عیدین اور جنازہ میں بھی اس کا ثبوت نہیں۔(۲) دفع بلا، آندھی، طوفان، زلزلہ، وغیرہ کے موقع پر بھی اذان دینا کوئی شرعی چیز نہیں ہے۔(۳) اور اذان علی القبر تو بالکل کھلی ہوئی بدعت ہے۔(۴) بلکہ ہمارے علاقہ میں اہل بدعت کا شعار ہے۔(۵) اور بچہ کی پیدائش کے بعد اسکے داہنے کان میں اذان ثابت اور مستحب ہے۔(۶) لیکن اس پر قیاس کر کے قبر پر اذان کو ثابت کرنا محض جہالت ہے؛ اس لئے کہ پیدائش کے وقت بچہ کو شیطان کے اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے اذان دی جاتی ہے، جب کہ دفن کے وقت شیطان کی موجودگی ثابت ہی نہیں کہ اس کو ہٹانے کے لئے اذان دی جائے۔ علامہ شامیؒ نے بعض معتبر کتب کے حوالہ سے اذان علی القبر کو بدعت کہا ہے۔

(۱) **وهو سنة مؤكدة للفرائض الخمس في وقتها، ولو قضاء؛ لأنه سنة للصلاة.** (درمختار، الصلاة / باب الأذان ۲/ ۴۹ زکریا)

(۲) **لا يسن لغيرها كعيد.** (درمختار، الصلاة / باب الأذان ۲/ ۵۰ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۶۱۳ رقم: ۳۴۲۷ زکریا)

عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم غير مرة ولا مرتين بغير أذان ولا إقامة. (صحيح مسلم، العيدين / الصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة ۱/ ۲۹۰ رقم: ۸۸۷)

(۳) قال الشامي: رأيت في كتب الشافعية: أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما أذن المولود والمهموم والمصروع والغضبان. وقيل: عند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب. (شامي، الصلاة / باب الأذان، مطلب: في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة ۲/ ۵۰ زكريا)

(٤) لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة، وقال: ومن ظن أنه سنة قياساً على ندبهما للمولود الحاقاً لخاتمة الأمر بابتدائه فلم يصب. (شامی زکریا ۳/ ۱٤۱، امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۰۲)

(٥) عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١)

(٦) عن أبي رافع رضي اللّٰه عنه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أذن في أُذُنِ الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (سنن أبي داؤد، الأدب / باب في الصبي يولد فيؤذن في أذنه رقم: ٥١٠٥، سنن الترمذي، الأضاحي / باب الأذان في أذن المولود ۱/ ۲۷۸ رقم: ١٥١٤، مسند أحمد ٦/ ٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/ ۲/ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام کے ساتھ کلمہ طیبہ کا ورد کرنا؟

سوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام کے ساتھ مل کر مقتدی بھی ''لا الٰه إلا اللّٰه'' کا ورد زور زور سے پڑھتے ہیں، دائرہ کی شکل بن جاتی ہے، ان سب کاموں میں ان کی اقتداء کرنی چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ دونوں کام خلافِ اولیٰ ہیں، ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔

هـل يـكـره رفـع الـصـوت بـالذكر والدعاء؟ قيل: نعم. (درمختار) وقال الشامي: فالإسرار أفضل حيث خيف الريا أو تأذي المصلين أو النيام. (درمختار مع الشـامـي، الـحـظر والإباحة / فصل في ا لبيع ۵۷۰/۹ زكريا، ۳۹۸/٦ كراچی، الفتاوىٰ الهندية، الكراهة / الباب الرابع في الصلاة ۳۱٦/۵-۳۱۷ كوئٹه)

ونـقـل ابن بطال وآخرون أن أصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالذكر والتكبير. (شرح النووي على مسلم ۲۱۷/۱)

لا يـقـرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال. (هـندية، كتاب الكراهية / الباب الرابع في الصلاة ۳۱٦/۵، شامي ۵۷۰/۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۴/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فرائض کے بعد بآواز بلند درود شریف پڑھنا؟

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام کا فرض نماز کے بعد بآواز بلند ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ [الاحزاب:] پڑھنا، پھر سب مقتدیوں کا اس کے بعد درود شریف پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا ایسا پڑھنا سنت ہے یا بدعت؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فرض نمازوں کے بعد اس طرح بآواز بلند درود شریف پڑھنے کا التزام اسلاف سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا یہ بدعت ہے، اور قابل ترک ہے۔ اگر کسی کو پڑھنا ہو تو خاموشی کے ساتھ انفرادی طور پر پڑھ لے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲٦٦/۵ میرٹھ، احسن الفتاویٰ ۳۳۸/۱)

هـل يـكـره رفـع الـصـوت بـالذكر والدعاء؟ قيل: نعم. (درمختار) وقال الشامي: فالإسرار أفضل حيث خيف الريا أو تأذي المصلين أو النيام. (درمختار مع

الشامي، الحظر والإباحة / فصل في البيع ۹/۵۷۰ زكريا، ۳۹۸/٦ كراچى، الفتاوىٰ الهندية، الكراهة / الباب الرابع في الصلاة ۳۱٦/۵-۳۱۷ كوئٹه)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲٦۹۷)

وأخرج مسلم بسنده – عنها – مرفوعاً بلفظ: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ۱۷۱۸)

ولفظ أبي داؤد في رواية ابن عيسىٰ: من صنع أمراً على غير أمرنا فهو رد. (سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦۰٦)

قال القاري: فهٰذا الحديث أعم وهٰذا الحديث عماد في التسمك بالعروة الوثقى وأصل في الاعتصام بحبل اللّٰه الأعلىٰ و ردٌ للمحدثات والبدع والهوىٰ. (مرقاة المفاتيح، الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ۳۳٦/۱ تحت رقم: ۱٤۰ بيروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۰ھ

عیدین سے قبل ”الصلوٰۃ عید الضحیٰ وعید الفطر“ وغیرہ الفاظ کہنا کیسا ہے؟

سوال (۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض دیہاتوں میں عیدین کی نماز سے قبل یہ رسم جاری ہے کہ: **الصلاۃ عید الضحیٰ** اور **الصلاۃ عید الفطر** دو دو مرتبہ یہ الفاظ کہتے ہیں اور تیسری مرتبہ **الصلاۃ یرحمک اللّٰہ** کہتے ہیں ایسا کہنا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بقرعید یا عیدالفطر کی نماز سے قبل ''الصلوٰۃ عیدالاضحیٰ'' یا ''الصلوٰۃ عیدالفطر'' کی ندا کی کوئی اصل نہیں ہے، عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت۔

عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم غير مرة ولا مرتين بغير أذان ولا إقامة. (صحيح مسلم، العيدين / الصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة ١/٢٩٠ رقم: ٨٨٧)

لا يسن لغيرها كعيد. (درمختار، الصلاة / باب الأذان ٢/٥٠ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/٦١٣ رقم: ٣٤٢٧ زكريا)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۱۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی سنتوں کے بعد دعاءِ ثانیہ کا حکم؟

سوال (۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں اکثر مساجد میں جمعہ میں نماز جمعہ کی سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر دعاءِ ثانیہ ہوتی ہے، اس طرح کرنا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح اجتماعی طور پر سنتوں کے بعد دعا کرنا ثابت نہیں ہے، اس کا التزام بدعت ہے، اس کو ترک کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۰۳، احسن الفتاویٰ ۱/۳۴۴)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا

اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧)

وأخرج مسلم بسنده – عنها – مرفوعاً بلفظ: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨)

قال القاري: فهٰذا الحديث أعم وهٰذا الحديث عماد في التسمک بالعروة الوثقى وأصل في الاعتصام بحبل اللّٰه الأعلىٰ و ردٌ للمحدثات والبدع والهوىٰ. (مرقاة المفاتيح، الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ٣٣٦/١ تحت رقم: ١٤٠ بيروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۲/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دعا کے بعد فاتحہ پڑھنا؟

سوال (۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام فرض نماز کے بعد ایک بار دعا مانگ کر فاتحہ پڑھ کر پھر دعا مانگتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس فاتحہ اور دعا کا التزام بے اصل ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧)

وأخرج مسلم بسنده – عنها – مرفوعاً بلفظ: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨)

قال القاري: فهٰذا الحديث أعم وهٰذا الحديث عماد في التسمک بالعروة الوثقى وأصل في الاعتصام بحبل اللّٰه الأعلىٰ و ردٌ للمحدثات والبدع والهوىٰ. (مرقاة المفاتيح، الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ٣٣٦/١ تحت رقم: ١٤٠ بيروت)

وقراء ة الفاتحة بعد المكتوبة لأجل المهمات مخافتة أو جهراً مع الجمع مكروهة. (هندية ٣١٧/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۴/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دعا میں ''الفاتحہ'' کہنے کا التزام کرنا؟

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعد نماز فجر یعنی فجر کی دعا میں الفاتحہ کہنا اس کا حکم کیا ہے اس کا بھی رواج ہماری مسجد میں نہیں ہے، لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ الفاتحہ ہونا چاہئے اور کچھ اس کے مخالف ہیں، حالاں کہ ایک مقدس رات شبِ قدر میں ایصال ثواب ہوتا ہے اور الفاتحہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور ماہ رمضان المبارک میں افطار کے وقت الفاتحہ کا لفظ شروع سے استعمال ہو رہا ہے، لیکن ہر فجر کی نماز میں الفاتحہ کو ضروری قرار دے رہے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ ''الفاتحہ'' کا التزام کسی موقع پر شریعت میں ثابت نہیں ہے، لہٰذا اسے بھی رائج نہ کیا جائے اور جن موقعوں پر رائج ہے وہاں بھی بند کرنے کی کوشش کی جائے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧)

قال القاري: فهٰذا الحديث أعم وهٰذا الحديث عماد في التسمک بالعروة الوثقی وأصل في الاعتصام بحبل اللّٰه الأعلیٰ و ردٌ للمحدثات والبدع والهویٰ. (مرقاة المفاتيح، الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ٣٣٦/١ تحت رقم: ١٤٠ بيروت)

عـن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه، وذٰلک أضعف الإيمان. (صحيح مسلم / كتاب الإيمان رقم: ٤٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۹/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حضور علیہ السلام کا نام آنے پر انگوٹھا چومنا؟

سوال (۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے تو انگوٹھا چومنا کیسا ہے؟ نیز جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ انگوٹھا چومنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے، اس سلسلہ میں وہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس حدیث کی کیا حیثیت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے، آج کل لوگ اس کو دین کا کام سمجھ کر انجام دیتے ہیں؛ اس لئے اس کا ترک لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۳۵۸ میرٹھ)

نیز اس بارے میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق حضرت تھانویؒ نے فرمایا:

قلت: أورده صاحب المقاصد في الباب عدة أقسام من الروايات المرفوع من حديث أبي بكر عن الديلمي، ثم قال لا يصح. (مستفاد: بوادر النوادر ٢/ ٤٠٨)

وفي الشامي: ويستحب أن يقال عند سماع الأول من الشهادة صلى الله عليک يا رسول الله، وعند الثانية منها: قرة عيني، ثم يقول: اللّٰهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الإبهامين على العينين......

وقال الشامي بعد نقل هٰذه العبارة: ولم يصح في المرفوع في كل هٰذا شيء. (شامي، باب الأذان ٢/ ٦٨ زكريا)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧)

قال القاري: فهٰذا الحديث أعم وهٰذا الحديث عماد في التسمک بالعروة الوثقى وأصل في الاعتصام بحبل اللّٰه الأعلىٰ و ردٌ للمحدثات والبدع والهوىٰ. (مرقاة المفاتيح، الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ٣٣٦/١ تحت رقم: ١٤٠ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۶/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نام مبارک سن کر دُرود بھیجنا چاہئے انگوٹھے چومنا ثابت نہیں

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محبوب خدا ﷺ کا جب اسم گرامی آئے، تو زبان سے درود بھیجنا چاہئے یا انگوٹھے چومنا چاہئے؟ اور انگوٹھے چومنے کی وجہ کیا ہے؟ یہ کسی واقعہ یا تاریخی باب سے منسلک ہے یا محض رسم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرورِ عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود وسلام بھیجنے کا حکم قرآنِ کریم میں دیا گیا ہے، اس وقت انگوٹھے چومنے کا عمل کسی صحیح سند یا روایت سے منقول نہیں، لہٰذا انگوٹھے چومنے کو سنت یا مستحب سمجھنا غلط ہے۔

قال اللّٰه تعالى: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [الأحزاب: ٥٦]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من صلّٰى علي صلاة واحدةً صلى اللّٰه عليه عشراً. (صحيح مسلم، الصلاة / باب الصلاة على النبي بعد التشهد رقم: ٤٠٨)

وذكـر ذلك الـجـراحـي وأطـال: ثم قال ولم يصح في المرفوع في كل هذا شيء. (شامي زكريا ٢/ ٦٨)

عـن عـائشة رضـي الـلّـه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧)

وأخرج مسلم بسنده – عنها – مرفوعاً بلفظ: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذان میں "أشهد أن محمدا رسول اللّٰه" پر انگوٹھے چومنا؟

سوال (۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے أشهد أن محمداً رسول اللّٰه کے نام کو سن کر اپنی دونوں آنکھوں کو چوما اور خالد نے اس کو آنکھ چومنے سے منع کیا، تو زید نے کہا کہ ہم اس بات کو نہیں جانتے ہیں اور کہاں کہاں پر یہ بات لکھی ہوئی ہے؟ اگر یہ بات قرآن وحدیث میں لکھی ہے تو کون سے صفحہ پر، کون سی آیت اور حدیث میں ہے، اس کو لکھوا کر مجھے دکھاؤ، تب ہم مانیں گے ورنہ آپ کو یہ بات ماننی ہوگی، اور آپ کو بھی آنکھ چومنا ہوگا۔ زید دلیل پیش کرتا ہے کہ بنی آدم کو جب دنیا میں بھیجا گیا تو ان کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے بنی آدم! اپنے انگوٹھے میں دیکھو تو بنی آدم نے اپنے انگوٹھے کو دیکھا تو حضور ﷺ کا نام بنا ہوا تھا، تو اس کو بنی آدم نے چوما، اسی وجہ سے یہ چومتے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اذان میں أشهد أن محمداً رسول اللّٰه پر انگوٹھا چومنے کی رسم واجب الترک ہے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث

ثابت نہیں ہے۔اس بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ بے اصل معلوم ہوتا ہے، زید سے اس کا حوالہ معلوم کیا جائے۔

خود مولوی احمد رضا خاں بریلوی ''ابرالمقال'' میں لکھتے ہیں کہ:

''اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں، جو کچھ اس میں روایات کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں، پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے، یا اس کو مسنون ومؤکد جانے یا نفس ترک کو باعثِ زجر وملامت کہے، وہ بے شک غلطی پر ہے''۔(ابرّ المقال ۱۲/بحوالہ: محاضراتِ علمیہ بر موضوع رضا خانیت ۱۷۹)

وذكر ذلك الجراحي، ثم قال: أو لم يصح في المرفوع من كل هٰذا شيء. (شامي كراچى ۳۹۸/۱، شامي زكريا ۶۸/۲، بوادر النوادر ۴۰۸/۲، احسن الفتاوىٰ ۳۷۹/۱)

وأما تقبيل الإبهامين عند ذٰلك ووضعهما على العينين فهو عمل لاستشفائهما عن الرمد منقول عن بعض السلف: لا يزيد على هٰذا، فمن فعل هٰذا على وجه القربة والمثوبة فهو بدعة، ينبغي تركها. (شرح الفقه الأكبر ۱۸۵، فتاوىٰ محموديه ميرٹھ ۳۶۲/۵)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲۶۹۷، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ۱۷۱۸، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ۴۶۰۶)

قال القاري: فهٰذا الحديث أعم وهٰذا الحديث عماد في التمسك بالعروة الوثقى وأصل في الاعتصام بحبل اللّٰه الأعلىٰ و ردٌ للمحدثات والبدع والهوىٰ. (مرقاة المفاتيح، الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ۳۳۶/۱ تحت رقم: ۱۴۰ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱/۲۶ھ

خطبہ کی اذان میں انگوٹھے چومنا؟

سوال (۱۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ کی اذان میں انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کو سنت سمجھنا درست نہیں، چوں کہ آج کل اس کو ضروری سمجھتے ہے، اور نہ کرنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں، اس لئے اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔

ولم یصح في المرفوع من کل هٰذا شيءٌ. (شامی کراچی ۱/۳۹۸، شامي زکریا ۲/ ٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

انگوٹھے چومنے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت آدم علیہ السلام کے عمل سے استدلال کرنا؟

سوال (۲۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان میں انگوٹھے چومنا کہاں سے ثابت ہے، ایک امام صاحب نے دورانِ تقریر یہ فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی اور اس وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی وہیں تشریف فرما تھے، تو اذان کی آواز سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے انگوٹھے چومے اور فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی انگوٹھے چومے تھے، اور یہ سورۂ اعراف سے ثابت ہے؛ لہٰذا خدمت عالیہ میں گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ انگوٹھے چومنا کہاں

سے ثابت ہے؟ اور حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر سورۂ اعراف میں کس رکوع میں موجود ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے انگوٹھے چومے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں انگوٹھے چومنا شریعت میں ثابت نہیں اور جو روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلق ذکر کی گئی ہے، علماء نے اس کو ضعیف؛ بلکہ موضوع قرار دیا ہے، جس پر کسی طرح کا اعتماد نہیں کیا جاسکتا؛ لہٰذا اذان میں انگوٹھوں کا چومنا اور اس کو کارِ ثواب جاننا خلافِ سنت اور بدعت ہے، جس سے اجتناب لازم ہے، اور سوال میں جو حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، یہ بھی بے سند ہے، اس کی کوئی اصلیت قرآن وحدیث میں نہیں ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ سورۂ اعراف کے دوسرے رکوع میں فرمایا گیا ہے، جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے انگوٹھے چومنے سے متعلق کہیں سے کہیں تک تذکرہ نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۵/۳۵۹، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۰۳-۳۰۷، ۱/۵۸-۶۳، احسن الفتاویٰ ۱/۳۷۹)

علامہ شامیؒ نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ انگوٹھے چومنے سے متعلق کوئی روایت صحیح اور مرفوع نہیں ہے۔

وذکر ذلک الجراحی وأطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھٰذا شيءٍ. (شامی زکریا ۲/۶۸)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، الأقضیة / باب کراهیة قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ۱۷۱۸، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازعید کے بعد مصافحہ کرنا؟

سوال (۲۱): -کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:عید کے دن مصافحہ کرنے کی اجازت ہے یانہیں؟ عید کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ عید کے دن نماز کے بعد سلام ودعا کے بعد صرف مصافحہ کرسکتے ہیں یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک تو وہ مصافحہ ہے جو کسی مسلمان سے محض اس سے ملاقات کی بناء پر کیا جاتا ہے یہ مسنون ہے، اور کسی جگہ بھی اس کی ممانعت نہیں ہے؛ لیکن وہ مصافحہ جو خاص طور پر عید یا عید کا دن ہونے کی وجہ سے کیا جائے اسے علماء نے مکروہ اور بدعت لکھا ہے، اس رواج کو ترک کرنا لازم ہے؛ کیوں کہ یہ روافض کا شعار ہے اور اسلاف سے یہ طریقہ ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایۃ المفتی ۲۳/۹، فتاویٰ رحیمیہ ۳/۱۷-۲۷، فتاویٰ محمودیہ ۱۴۳/۳ ڈابھیل، ۳۵۰/۵ میرٹھ)

ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة لكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة؛ ولأنها من سنن الروافض. ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع. وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في أدبار الصلوات. (شامی، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٦/٣٨١ كراچی، ٩/٥٤٧ زكريا، السعاية شرح شرح الوقاية / باب صفة الصلاة قبيل فصل في القراءة ٢/٢٦٥ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۴/۲۴ھ

نمازعیدین کے بعد مصافحہ اور معانقہ روافض کا طریقہ ہے

سوال (۲۲): -کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: عید کی نماز کے بعد معانقہ کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز عیدین کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا شیعوں کا طریقہ ہے اور سلف سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا یہ رسم قابل ترک اور بدعت ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۴۸۱، کفایت المفتی ۳/۲۵۴، احیاء العلوم ۱/۱۸۱، فتاویٰ رحیمیہ ۳/۷)

وأما في غير حال الملاقاة مثل كونها عقيب صلاة الجمعة والعيدين كما هو العادة في زماننا، فالحديث ساكت عنه فيبقى بلا دليل. (مجالس الأبرار ۲۹۸)

ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة لكل حال؛ لأن الصحابة رضي اللّٰه عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة؛ ولأنها من سنن الروافض. ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع. وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في أدبار الصلوات. (شامی، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٦/٣٨١ كراچی، ٩/٥٤٧ زكريا، السعاية شرح شرح الوقاية / باب صفة الصلاة قبيل فصل في القراءة ٢/٢٦٥ لاهور) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۸/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

نماز فجر وعصر کے بعد مصافحہ کا التزام کرنا؟

سوال (۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز فجر وعصر کے بعد متعین طریقہ سے مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر وعصر کے بعد متعین طریقہ سے مصافحہ کا التزام

بےاصل ہے،اور یہ رسم قابل ترک ہے۔

وأما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا أصل له في الشرع……، ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط: أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض. (شامی کراچی ۳۸۱/۶، زکریا ۵۴۷/۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نمازوں کے بعد سنت سمجھ کر مصافحہ کرنا؟

سوال (۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا قول ہے کہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے، جیسا کہ درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء ۲۴۲/۵ میں ہے کہ شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صبح وعصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے، جو امام نووی کے زمانہ میں تھی ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے، یعنی جائز ہے۔شامی ۲۵۲/۵ میں ہے۔

اور بکر کا قول ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنے سے منع کیا جائے اور کرنے والا سنت کے خلاف عمل کررہا ہے، سختی کے ساتھ منع کیا جائے۔(شامی ۳۳۶/۵) کس کا قول سنت کے مطابق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازوں کے بعد خاص سنت سمجھ کر مصافحہ کرنا اور اس کا التزام کرنا بلاشبہ بدعت ہے، نفس مصافحہ ملاقات کے وقت مسنون ہے؛ لیکن نمازوں کے بعد اس کی خصوصیت قطعاً بےاصل ہے۔علامہ شامیؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تبیین المحارم کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے اسے بےاصل اور روافض کا شعار قرار دیا ہے۔اور علامہ ابن حجر ہیثمیؒ سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اس بدعت کے مرتکب کو اولاً سمجھایا جائے گا، اگر نہ مانے تو اسے سزا دی جائے گی۔

وفي الشامي: ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع وأنه ينبه فاعلها أولاً ويعزر ثانياً. (شامی زکریا ۹/۵٤۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز کے بعد مصافحہ سے متعلق مفتی بہ قول

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''طحطاوی علی مراقی الفلاح باب العیدین میں ۵۳۰'' پر ہے کہ: وكذا تطلب المصافحة، فهي سنة عقب الصلوة كلها وعند كل لقي، کیا یہ مفتی بہ مسئلہ ہے؟ اگر نہیں ہے تو عبارت کا مطلب بیان فرمادیجئے اور اس سلسلہ میں مفتی بہ مسئلہ ذکر فرمادیجئے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سلام اور مصافحہ کا تعلق ملاقات سے ہے، اس کو نماز کے ساتھ جوڑ دینا اور نمازوں کے بعد خواہ مخواہ اس کا التزام کرنا بے اصل اور بے دلیل ہے، فقہاء نے اس طریقہ کو بدعت قرار دیا ہے، لہٰذا طحطاوی علی المراقی کی مذکورہ رائے مفتی بہ نہیں ہے، فتوی اسی پر ہے کہ نمازوں کے بعد مصافحہ کا التزام نہ کیا جائے۔

إعلم أن المصافحة مستحبة عند كل لقاء، وأما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا أصل له في الشرع. (شامی زکریا ۹/۵٤۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۸/۵ھ

الجواب صحیح شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مروجہ صلوٰۃ وسلام

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا

سوال (۲۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل ہمارے یہاں اذان کے کچھ دیر بعد مثل اذان ایک اور اذان ہوتی ہے، جس کا نام انہوں نے صلوٰۃ رکھا ہے، بلند آواز سے پکارتے ہیں، جس کی وجہ سے اذان مسنون کی اہمیت مسلمانوں کے قلب سے محو ہوتی جارہی ہے۔ اس طرح کہ اب مسلمان اذان کی پرواہ نہیں کرتے؛ بلکہ صلوٰۃ کا انتظار کرتے رہتے ہیں، جب صلوٰۃ ہوتی ہے تو دور سے بھاگ کر مسجد میں آتے ہیں، اور الٹا سیدھا وضو کرکے نماز میں شریک ہوتے ہیں، کیا یہ صلوٰۃ قرون مشہود لہا بالخیر میں تھی یا نہیں؟ بالتفصیل مع حوالہ قرآنِ پاک یا احادیثِ نبوی تحریر فرمائیں، نیز یا فقہاء کرام یا اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاک زمانہ میں پڑھی ہے یا نہیں؟ اور اس کو جاری ہوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام کو اس طرح لازم سمجھنا کہ اس کے تارک پر لعنت وملامت کی جائے بلا شبہ بدعت ہے، اور اس کا ترک لازم ہے، اور یہ ترک اس وقت اور ضروری ہوجاتا ہے جب عوام کے ذہن سے اس عمل کی بناء پر اذان کی اہمیت کم ہوتی ہے، اعلان نماز کے لئے بہرحال اذان ہی اصل ہے۔ جو عمل اس کی اہمیت کو گھٹائے شرعاً وہ مطلوب نہیں ہوسکتا، فقہ حنفی کے مشہور عالم حضرت ملا علی قاریؒ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

فما يفعله المؤذنون؛ الآنّ عقيب الأذان من الاعلان بالصلوٰة والسلام مراراً أصله سنة والكيفية بدعة؛ لأن رفع الصوت في المسجد ولو بالذكر فيه

کراهة. (مرقاة المفاتيح مصرى ٤٢٣/١، بيروت ٣٢٨/٢ باب فضل الأذان)

فقہ کی جن عبارتوں میں اسے بدعتِ حسنہ قرار دیا ہے وہ جب ہی ہے جب کہ اسے ضروری قرار نہ دیا جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳۷۰/۱)

پھر اس عمل کا ثبوت قرون مشہود لہا بالخیر میں کہیں نہیں ملتا، بقول صاحب درمختار یہ ۷۸۱ھ ربیع الاخریٰ سے شروع کیا گیا ہے؛ اس لئے اسے حجتِ شرعیہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

وتمامه في البحر (قوله: سنة ٧٨١) كذا في النهر عن حسن المحاضرة للسيوطي، ثم نقل عن القول البديع للسخاوي أنه في سنة ٧٩١ وأن ابتداؤه كان في أيام السلطان الناصر الدين بأمره. (شامى كراچى ٣٩٠/١، زكريا ٥٧/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۱۸ھ

فجر کی نماز کے بعد اجتماعی صلوٰۃ وسلام پڑھنا

سوال (۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ صبح کی نماز کے بعد سب کھڑے ہو کر آواز بلند سب زور زور سے پڑھتے ہیں: ”**يا نبي سلام عليک، يا رسول سلام عليک، يا حبيب سلام عليک، يا نبي سلام عليک، صلوات اللّٰه عليک**“.

اور کچھ نظم کے اشعار بھی کہتے ہیں اور پھر وہی ”**يا نبي سلام عليک**“ پورا کہتے ہیں، کیا ایسا صلوٰۃ وسلام قرون مشہور لہا بالخیر میں ہے، یا اپنا من گھڑت ہے؟

اس کو بھی خیال فرمائیں کہ جو لوگ نماز جماعت سے پڑھتے ہیں، ان کو اس کی وجہ سے نماز پڑھنی دشوار ہو جاتی ہے، یہ طریقہ کب سے جاری ہوا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال میں ذکر کردہ طریقہ سلف صالحین سے ثابت

نہیں؛ بلکہ موجودہ زمانہ کے اہل بدعت کا شعار ہے اور فی نفسہ درود شریف کا پڑھنا موجبِ ثواب اور باعثِ برکت ہے؛ لیکن اسے ایک خاص کیفیت اور انداز کے ساتھ پڑھنے لازم سمجھنا ممنوع ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/۳۲۸)

پھر جب کہ اس عمل سے مسبوقین کی نمازوں میں خلل پڑے تو اور بھی برا ہے۔

هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل: نعم. (درمختار) **وقال الشامي: فالإسرار أفضل حيث خيف الريا أو تأذي المصلين أو النيام.** (درمختار مع الشامي، الحظر والإباحة / فصل في البيع ۹/۵۷۰ زكريا، ۶/۳۹۸ كراچی، الفتاویٰ الهندية، الكراهة / الباب الرابع في الصلاة ۵/۳۱۶-۳۱۷ كوئٹه)

لا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال. (هندية، كتاب الكراهية / الباب الرابع في الصلاة ۵/۳۱۶، شامي ۹/۵۷۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۹/۱۸ھ

بیان کے بعد کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنا

سوال (۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آخری دن بیان کے بعد کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیان کے بعد کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنا اہلِ بدعت کا شعار ہے، اور اس میں پیغمبر علیہ السلام کی تشریف آوری کا فاسد عقیدہ بھی کہیں کہیں شامل ہوتا ہے، اس لئے اس طریقہ کو ترک کرنا لازم ہے۔

ومنها أي لم يوجد ...... في الشريعة ...... التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صورة واحد. (الاعتصام ۱/۱۱۲، مجموعة

الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى ٤/٣٣١)

ونظير ذٰلک فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ووضع أمر له من القيام وهو أيضا بدعة لم يرد فيه شيء. (فتاوى حديثيه ١١٢)

من قال أرواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر. (البحر الرائق ٥/٢٠٩ بزازية ٦/٣٢٦)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵؍محرم ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ رضا خانی تو نماز فجر کے بعد کھڑے ہوکر سلام پڑھتے ہیں، ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' یہ ان کا سلام پڑھنا کیسا ہے؟ میں ان کے اس سلام میں کبھی شرکت نہیں کرتا، اسی وجہ سے یہ لوگ مجھے حقیر نظروں سے دیکھتے ہیں، میں یہ کہتا ہوں کہ سلام اس طریقہ سے مت پڑھا کرو، آپ کو اگر درود وسلام پڑھنا ہے تو بیٹھ کر اور آہستہ پڑھو، وہ لوگ نہیں مانتے، اب جب تک آپ کے یہاں سے کوئی جواب نہیں آئے گا، میں اس کے پیچھے نماز جماعت سے نہیں پڑھوں گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی نماز کے بعد یا کسی بھی وقت کھڑے ہوکر بآواز بلند جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، صحابہ تابعین سلفِ صالحین میں سے کسی سے بھی اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک بدعت ہے جس کو رضا خانیوں نے اپنی جانب سے گھڑ لیا ہے؛ لہٰذا ایسی خرافات میں شرکت نہ کی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کے لئے نہ تو کوئی وقت اور دن متعین ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مخصوص

طریقہ ہے؛ بلکہ اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے، درود شریف پڑھتے رہیں۔

عن الحسن بن علي رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: حيثما كنتم فصلوا عليّ فإن صلوتكم تبلغني. (رواه الطبراني في الكبير، والأوسط باسناد حسن، كذا في الترغيب والترهيب ٤٩٢/٢ رقم: ٢٥٨٨)

لا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال. (هندية، كتاب الكراهية / الباب الرابع في الصلاة ٣١٦/٥، شامي ٥٧٠/٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تشہد میں ”السلام علیک أیها النبي“ پڑھنے سے خارج نماز سلام پڑھنے پر استدلال کرنا

سوال (۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسئلہ یہ ہے کہ جب تشہد میں ”**السلام علیک أیها النبی**“ پڑھ سکتے ہیں اور پڑھتے ہیں تو نماز کے باہر **السلام علیک أیها النبی** کیوں نہیں کہہ سکتے؟ اسی کے ساتھ روضۂ اطہر پر سلام پیش کرنے کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تشہد میں **السلام علیک أیها النبی** کے کلمات خود نبی اکرم ﷺ سے صحیح احادیث میں ثابت ہیں اس لیے نماز میں یا خارج نماز انہیں پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے اور روضۂ اطہر علی صاحبہا الصلاۃ والسلام پر حاضر ہو کر یا رسول اللہ سے خطاب کرنا بھی شرعاً درست ہے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر اطہر میں اعلیٰ درجہ کی حیات کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور حاضرین کا پیش کردہ سلام خود سن کر اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں؛ لہٰذا اس میں کوئی قابل اشکال بات نہیں؛ البتہ اگر کوئی شخص دور رہ کر اس تصور کے ساتھ یا رسول اللہ کہے

کہ حضور اکرم علیہ السلام اس کو وہیں سے سن رہے ہیں یا دیکھ رہے ہیں یا اس مجلس میں تشریف فرما ہیں، تو اس طرح کا عقیدہ یقیناً گمراہی ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ فرشتے اس درود کو پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کریں گے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۶۲)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: علمنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا قعدنا الركعتين أن نقول: التحيات للّٰه والصلوة والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة اللّٰه وبركاته، السلام علينا و على عباد اللّٰه الصالحين، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. (سنن الترمذي ٦٥/١، و نحوه في الصحيح البخاري ١١٥/١)

أكثروا الصلاة على يوم الجمعة (في حديث طويل) إلا عرضت علي صلوته حتى يفرغ منها قال: قلت وبعد الموت قال: وبعد الموت إن اللّٰه حرم على الأرض أن تاكل أجساد الأنبياء فنبي اللّٰه حيٌّ يرزق. (سنن ابن ماجة ١١٨)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى علي عند قبري سمعته، و من صلى علي نائيًا أُبلغته. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٢١٨/٢ رقم: ١٥٨٣، مشكوٰة المصابيح ٨٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۳/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آواز میں آواز ملا کر اجتماعی درود شریف پڑھنا؟

سوال (۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مولوی بآوازِ بلند کھینچ کر درود شریف پڑھتا ہے، اس کے ساتھ حاضرین بھی اسی طرح درود پاک پڑھتے ہیں، کبھی کبھی اس میں بڑے اہتمام کے ساتھ موم بتی اگر بتی بھی جلا لیتے ہیں، اگر کوئی اس سے منع کرے تو اس کو غیر مقلد ہونے کے الزام سے نوازا جاتا ہے، کیا اس طرح درود شریف پڑھنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آواز میں آواز ملاکر اجتماعی درود شریف پڑھنا اور اس موقع پر اگربتی اور موم بتی جلانے کا اہتمام کرنا بے اصل اور بدعت ہے؛ لہٰذا درود شریف بلا کسی التزام کے انفرادی طور پر پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور رسوم وبدعات سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔

عن الحسن بن علي رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: حيثما كنتم فصلوا عليّ فإن صلوتكم تبلغني. (رواه الطبراني في الكبير، والأوسط باسناد حسن، كذا في الترغيب والترهيب ٢/٤٩٢ رقم: ٢٥٨٨)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم جهراً وقال لهم: ما أراكم إلا مبتدعين الخ، هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل: نعم! (شامي زكريا ٩/٥٧٠)

ويمنع الصوفية من رفع الصوت وتخريق الثياب. (شامي زكريا ٢/٢٣٢)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۲/۱۱/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حلقہ بناکر درود شریف پڑھنا؟

سوال (۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حلقہ بناکر بآواز بلند درود شریف کا پڑھنا کیسا ہے؟ میں نے دیکھا ہے کہ آج کل لوگ حلقہ بناکر زور زور سے درود شریف پڑھتے ہیں، وہ کیسا ہے؟ اگر درست ہے تو مجلس میں بآواز بلند درود شریف پڑھا جائے اور میری طبیعت آہستہ پڑھنے کو چاہ رہی ہو، تو کیا اس کی گنجائش ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر درود شریف آدمی تنہا پڑھ رہا ہو تو آہستہ آواز سے پڑھے، یا بلند آواز سے دونوں میں کوئی حرج نہیں، اور حلقہ بنا کر اور آواز ملا کر درود شریف پڑھنا سلف سے ثابت نہیں ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲۷۲/۵ میرٹھ)

هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل: نعم. (درمختار) وقال الشامي: فالإسرار أفضل حيث خيف الريا أو تأذي المصلين أو النيام. (درمختار مع الشامي، الحظر والإباحة / فصل في البيع ۵۷۰/۹ زكريا، ۳۹۸/٦ كراچی، الفتاویٰ الهندية، الكراهة / الباب الرابع في الصلاة ۳۱٦/۵-۳۱۷ كوئٹه)

لا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال. (هندية، كتاب الكراهية / الباب الرابع في الصلاة ۳۱٦/۵، شامي ۵۷۰/۹ زكريا)

وحمل ما في فتاوى قاضيخان على الجهر المفرط، وقال: إن هناك أحاديث اقتضت طلب الجهر، وأحاديث طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خلا مما ذكر؛ لأنه أكثر عملاً الخ. (شامي زكريا ۵۷۰/۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''درودِ اکبر'' پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پنج سورہ سولہ سورہ میں ایک درود پاک بنام ''درود اکبر'' دے رکھا ہے، اس کا پڑھنا اور مذکورہ الفاظ ''یارسول اللہ، یاغوث اعظم، یاعلی'' وغیرہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سب سے افضل درود وہ ہے جو نماز میں پڑھا جاتا

ہے، اور کوئی بھی ایسا درود شریف جس میں پیغمبر علیہ السلام کے لئے نامناسب صفات ثابت کی گئی ہوں یا پیغمبر علیہ السلام کو پکار کر ان سے مدد طلب کی گئی ہو پڑھنا درست نہیں، اب آپ دیکھ لیں اگر درود اکبری میں اس طرح کے مضامین ہیں، تو اس کو پڑھنا درست نہ ہوگا۔

عن عبد الرحمن بن أبي ليلى قال: لقيني كعب بن عجرة رضي الله عنه فقال: ألا أهدي لک هدية؟ إن النبي صلى الله عليه وسلم خرج علينا، فقلنا يارسول الله! قد علمنا كيف نسلم عليک، فكيف نصلي عليک؟ قال: قولوا: اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم إنک حميد مجيد الخ. (صحيح البخاري ٢/ ٩٤٠ رقم: ٦١١٢، فتح الباري ٦٣٥٧ أشرفيه ديوبند)

قال علي القاري: فأرادوا تعليم الصلوة أيضاً على لسانه بأن ثواب الوارد أفضل وأكمل. (مرقاة المفاتيح، الصلاة / باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وفضلها ٣/ ٦ تحت رقم: ٩١٩ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا درج ذیل درود شریف حدیث سے ثابت ہیں؟

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں محفل میلاد میں دو قسم کی درود شریف پڑھی جاتی ہیں: (۱) **صلى الله على محمد صلى الله عليه وسلم** (۲) **اللّٰهم صل على سيدنا مولانا محمد وعلىٰ اٰل سيدنا مولانا محمد** ۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دونوں شریف حدیث سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اگر ثابت نہیں ہیں تو پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن الفاظِ درود کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، اُن کے متعلق عرض ہے کہ: ''**صلى الله على محمد صلى الله عليه وسلم**'' بعینہٖ اِسی ترتیب

کے ساتھ یہ الفاظ اگر چہ کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرے؛ لیکن الگ الگ روایتوں میں اس سے ملتے جلتے ٹکڑے موجود ہیں، مثلاً: (سنن النسائي/ باب الدعاء في الوتر ۲۵۲/۱) میں ''صلی اللّٰه علی النبي محمد'' کے الفاظ آئے ہیں، اور ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے الفاظ تو کتبِ حدیث میں بکثرت موجود ہیں؛ لہٰذا ان الفاظ سے درود پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

اور دوسرے الفاظ جو سوال میں ذکر کئے گئے ہیں یعنی ''اللّٰهم صل علی سیدنا مولانا محمد الخ'' یہ الفاظ (سنن النسائي ۱۹۰/۱) میں موجود ہیں، ان میں صرف سیدنا مولانا کا اضافہ کیا گیا ہے، جس کو فقہاء نے مستحسن قرار دیا ہے۔ **وندب السیادة لأن زیادة الإخبار بالواقع عین سلوک الأدب فهو أفضل من ترکه.** (الدر المختار زکریا ۲۲۴/۲) اس لئے ان کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ دیگر بدعاتِ مروجہ سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۳/۳/۱۴۲۳ھ

''درودِ مقدس'' کے فضائل بالکل من گھڑت ہیں

سوال (۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کتاب جو کہ ''درود مقدس'' کے نام سے ہے، جس کے ناشر کمرشیل بک ڈپو چار مینار حیدرآباد ہیں، اس کتاب کے صفحہ ۷/ پر ایک درود لکھا ہے، اس درود کے بارے میں از ۲ تا ۶/ پر بے شمار فضائل لکھے ہیں، ان فضائل میں اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بے شمار فضائل لکھے ہیں، جن میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو کوئی اس درود کو پڑھے تو وہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام کا درجہ پاوے، آگے لکھا ہے کہ اگر اس میں کوئی شک کرے تو کافر ہو جائے۔ برائے کرم اس ''درود مقدس'' نامی کتاب میں لکھے تمام فضائل کے بارے میں بتائیں کہ کیا یہ فضائل حقیقۃً احادیث میں موجود ہیں؟ اور کیا اس درود پر شک کرنے والا یقیناً کافر ہو جائے گا، اور اس ''درود مقدس'' نامی کتاب کے بارے میں بھی جواب سے نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ کتابچہ میں ’’درود مقدس‘‘ کے متعلق لکھے گئے فضائل بالکل من گھڑت ہیں، نصوصِ شرعیہ میں ان کا کہیں وجود نہیں اور ان بے اصل فضائل میں شک کرنے والوں کو کافر کہنا تو نری جہالت ہے۔ احادیثِ طیبہ میں جو درود شریف کے الفاظ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول وماثور ہیں، وہ یقیناً بقیہ تمام درود کے صیغوں سے افضل ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ماثور درود کے الفاظ ہی پڑھا کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۸۲/۵ میرٹھ)

إن الأفضل والأولى والأكثر ثواباً والأجزل جزاءً وأرضاها عند اللّٰه ورسوله ﷺ هي الصيغة الماثورة، ويحصل ثواب الصلاة والتسليم بغيرها أيضاً بشرط أن يكون فيها طلب الصلاة والرحمة عليه صلى اللّٰه عليه وسلم من اللّٰه عزوجل. (أحكام القرآن ۳۲۱/۵، روح المعاني ۱۱۹/۱۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۸/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

غیر نبی پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا؟

سوال (۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صلوٰۃ وسلام علی غیر النبی روا ہے یا نہیں اور اس کی کیفیت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر انبیاء پر اصالۃً صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ انبیاء کے تابع کر کے دوسروں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے، جیسے صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ الخ۔

قال في المرقاة: وقال محمد الجويني: السلام كالصلاة يعني لايجوز على غير الأنبياء والملائكة إلا تبعاً. (مرقاة المفاتيح، الصلاة / باب الصلاة على النبي ﷺ وفضلها ۷/۳ تحت رقم: ۹۲۰ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴/۲/۱۳ھ

کھڑے ہوکر "یا نبی سلام علیک" پڑھنا؟

سوال (۳۷):- کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میلا دالنبی کے درمیان میں "یا نبی سلام علیک" پڑھنا کیا ضروری ہے؟ یا کھڑے ہوکر پڑھنا ضروری ہے یا مکروہ ہے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صلاۃ وسلام کے لئے قیام بوقت ذکر ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدعت ہے، اس مروجہ طریقہ کا ثبوت نہ تو صحابہؓ اور نہ تابعینؒ اور تبع تابعین اور نہ بزرگانِ سلف صالحینؒ سے پایا جاتا ہے۔

جرت عادۃ کثیر من المحبین إذا سمعوا ذکر وضعه صلی اللّٰه علیه وسلم أن یقوموا تعظیماً وهٰذا القیام بدعة لا أصل له. (سیرت ابن هشام بحواله فتاویٰ احیاء العلوم ۱۳۵)

نیز اس طریقہ سے جمع ہوکر صلاۃ وسلام پڑھنے والے کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بدعتی قرار دیا ہے۔

وقد صح عن ابن مسعود أنه سمع قوماً اجتمعوا في مسجد یهلّلون ویصلون علیه الصلاۃ والسلام جهراً فراح إلیهم، فقال: ما عهدنا ذٰلک علی عهده السلام وما أراکم إلا مبتدعین فماذا یذکر ذٰلک حتی أخرجهم عن المسجد. (بزازیه علی هامش الهندیة ۳۷۸/۶، شامی زکریا ۵۷۰/۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکبر کا تکبیر سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا؟

سوال (۳۸):- کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: مؤذن کا اذان پڑھ کر مسجد سے باہر چلا جانا اور ہوٹلوں پر بیٹھے رہنا اور نماز کے وقت تکبیر کہنے کے لئے واپس مسجد میں آنا، تکبیر کہنے سے پہلے صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ پڑھنا پھر تکبیر کہنا کہاں تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر سے قبل بھی اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا شریعت میں ثابت نہیں ہے اور یہ رسم قابل ترک ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦)

قال القاري: فهٰذا الحديث أعم وهٰذا الحديث عماد في التسمک بالعروة الوثقى وأصل في الاعتصام بحبل اللّٰه الأعلىٰ و ردٌ للمحدثات والبدع والهوىٰ.

(مرقاة المفاتيح، الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ٣٣٦/١ تحت رقم: ١٤٠ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۴/۱۷ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا؟

سوال (۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد دس یا بیس آدمیوں کا مل کر سلام پڑھنا امام صاحب کے ساتھ کیا یہ درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صلوٰۃ وسلام کا یہ طریقہ درست نہیں ہے مسجد میں شور

شرابہ آداب کے خلاف ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/۳۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۴/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سلام پڑھنے کی حقیقت

سوال (۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سلام کی حقیقت کیا ہے؟ جو بعد نماز فجر چند حضرات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں، حالاں کہ ہماری مسجد میں پہلے سے سلام نہیں ہے اور خود امام صاحب سلام پڑھنے سے گریز کرتے ہیں، اب جب کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سلام ہونا چاہئے اور کچھ لوگ سلام کو پسند نہیں کررہے ہیں، جس کی وجہ سے اختلاف ہونے کا امکان ہے میں ایک مسجد کا صدر ہوں اور علم سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا ہوں جو اختلافات دور ہوں اور سلام پڑھنا صحیح ہے یا غلط؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے بعد مروجہ طریقہ پر سلام پڑھنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس زمانہ میں اہل بدعت کا شعار ہے لہٰذا اسے کسی مسجد میں ہرگز رائج نہ کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ نے مسجد میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی قرار دیا ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۳)

وقد صح عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه أنه سمع قوماً اجتمعوا في مسجد يهللون ويصلون عليه عليه الصلاة والسلام جهراً فراح إليهم فقال ما عهدنا ذٰلک على عهده عليه السلام وما أراكم إلا مبتدعين. (البزازية على هامش العالمكيرية ٦/٣٧٨، شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٩/٥٧٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۹/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مخصوص ایام کی رسومات

محرم کے مہینے میں ہونے والی بدعات

سوال (۴۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محرم کے مہینہ میں امام حسین کی محفلیں منعقد کرنا، ان کے تذکرے کرنا، ان کے نام سے صدقہ کرنا، دسویں محرم کو کھچڑا پکا کر ان کے نام کی سبیل کرنا، اور اسے کارِ ثواب سمجھنا اور جو ایسا نہ کرے اس کو وہابی اور یزیدی سمجھنا وغیرہ یہ سب باتیں درست ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ریحانۃ الرسول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت اسلامی تاریخ کے المناک واقعات میں سے ایک ہے؛ لیکن اس واقعہ کو بنیاد بنا کر جس طرح کی ماتمی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں، اور دین کے نام پر کھیل تماشے اور تفریحات ہوتی ہیں، اور کھانے پینے کا ماحول بنایا جاتا ہے، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، قرآن وحدیث اور صحابہ اور سلفِ صالحین کے عمل سے اس کا دور دور تک کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ سب خرافات بے اصل اور بدعت ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۲۴ ڈابھیل، فتاوی رشیدیہ ۱۳۹، آپ کے مسائل اوران کا حل ۸۵-۸۶، کفایت المفتی ۱/۲۳۵)

فکل مسلم ینبغي له أن یحزنه قتله ﷺ؛ فإنه من سادات المسلمین وعلماء الصحابة وابن بنت رسول اللّٰه ﷺ التي هي أفضل بناته، وقد کان عابداً وشجاعاً سخیاً، ولکن لایحسن ما یفعله الشیعة من إظهار الجزع والحزن الذی لعل أکثره تصنع ورياء. وقد کان أبوه أفضل منه، فقتل، وهم لایتخذون مقتله مأتما کیوم مقتل الحسین، فإن أباه قتل یوم الجمعة وهو خارج إلی صلاة الفجر

في السابع عشر من رمضان سنة أربعين. وكذلک عثمان كان أفضل من على عند أهل السنة والجماعة، وقد قتل وهو محصور في داره في أيام التشريق من شهر ذي الحجة سنة ست وثلاثين، وقد ذبح من الوريد إلى الوريد، ولم يتخذ الناس يوم قتله مأتما. وكذلک عمر بن الخطاب وهو أفضل من عثمان وعلي، قتل وهو قائم يصلى في المحراب صلاة الفجر، ويقرأ القرآن، ولم يتخذ الناس يوم قتله مأتما. وكذلک الصديق كان أفضل منه، ولم يتخذ الناس يوم وفاته مأتما. ورسول الله ﷺ سيد ولد آدم في الدنيا والآخرة، وقد قبضه الله إليه كما مات الأنبياء قبله، ولم يتخذ أحد يوم موتهم مأتما يفعلون فيه مايفعله هولاء الجهلة من الرافضة يوم مصرع الحسين. (البداية والنهاية ۸/ ٦٠٠، دارالمعرفة، بيروت)

وقد عاكس الرافضة والشيعة يوم عاشوراء النواصب من أهل الشام، فكانوا إلى يوم عاشوراء يطبخون الحبوب، ويغتسلون ويلبسون أفخر ثيابهم ويتخذون ذلک اليوم عيداً يصنعون فيها أنواع الأطعمة، ويظهرون السرور والفرح يريدون بذلک عناد الروافض ومعاكستهم. (البداية والنهاية ۸/ ٥٩٩- ٦٠٠)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محرم کو غم کا مہینہ سمجھنا؟

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکثر لوگ ماہِ محرم کی پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک غم مناتے ہیں، خوشی کا کوئی کام نہیں کرتے، جیسے نیا کپڑا پہننا، شادی وغیرہ کرنا، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محرم کو غم کا مہینہ سمجھنا شیعوں کی رائج کردہ بدعات میں

سے ہے، اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور اس مہینہ میں خوشی کا کام انجام دینے کی کوئی ممانعت قرآن وسنت میں قطعاً موجود نہیں ہے، اور کسی مہینہ میں کسی کے حادثۂ شہادت کی وجہ سے وہ مہینہ منحوس نہیں کہلایا جاسکتا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوى ولا هامة ولا طيرة. (صحيح مسلم ۲۳۱/۲)

التطير التشاؤم، وأصله الشيء المكروه من قول أو فعل أو مرئي وكانوا يتطيرون وتشأموا لها فكانت تصدهم في كثير من الأوقات عن مصالحهم، فنفي الشرع ذٰلك، وأبطله، ونهى عنه وأخبر أنه ليس له تأثير بنفع ولا ضر. (شرح النووي على مسلم ۲۳۱/۲)

لا يجوز العمل بالطيرة وهي التفاؤل بالطير والتشاؤم بها. (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى / باب الفال والطيرة ۳۹۱/۸ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۲/۱۱/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عشرۂ محرم میں سوگ منانا؟

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما محرم کے مہینہ کی دسویں تاریخ میں شہید ہوئے تھے، اسی تاریخ میں سوگ اور ماتم سینہ اور پیٹھ پر مار کر سوگ کا اظہار کرنا شریعت کے اندر جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عشرۂ محرم میں سوگ منانا، تعزیہ وغیرہ نکالنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ روافض کا شعار ہے، جس کا ترک لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۹)

عن زينب بنت أبي سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لما أتى أم حبيبة

نعي أبي سفيان دعت في اليوم الثالث بصفرة، فمسحت به ذراعيها وعارضيها وقالت: كنت عن هٰذا غنيَّةً، سمعت النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن تحد فوق ثلاثٍ إلا على زوج، فإنها تحد عليه أربعة أشهر وعشرًا. (صحيح مسلم ٤٨٧/١)

عن ابن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹؍۴؍۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محرم کے مہینہ میں خواتین کا زینت ترک کرنا اور شادی بیاہ کو منحوس سمجھنا؟

سوال (۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سی خواتین محرم کے مہینہ میں زینت ترک کر دیتی ہیں، اور حضرت حسینؓ کا سوگ مناتی ہیں، چولہے پر توا بھی نہیں رکھتیں اور محرم کے مہینہ میں شادی وغیرہ نہیں کرنے دیتے، اس کی تفصیل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں عام رشتہ داروں کے لئے تین دن اور بیوی کے لئے ۴؍ مہینہ دس دن سے زائد سوگ منانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے؛ لہٰذا محرم کے مہینہ میں ہر سال سوگ منانا زینت ترک کرنا اور شادی بیاہ کو منحوس سمجھنا سراسر جہالت اور بے اصل ہے، اور روافض کی رائج کردہ خرافات میں سے ہے؛ اس لئے ان سب جاہلانہ رسومات کو ترک کرنا لازم ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱؍۳۸۹)

عـن زيـنـب بـنـت أبي سلمة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: لما أتى أم حبيبة نـعـي أبـي سفيان دعت في اليوم الثالث بصفرة، فمسحت به ذراعيها وعارضيها وقـالـت: كـنـت عن هٰذا غنيَّةً، سمعت النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن تحد فوق ثلاثٍ إلا على زوج، فإنها تحد عليه أربعة أشهر وعشرًا. (صحيح مسلم ٤٨٧/١)

ولـكـن لا يـحـسـن مـا يـفعله الشيعة من إظهار الجزع والحزن الذي لعل أكثره تصنع ورياءٌ. (البداية والنهاية ٦٠٠/٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۱/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حضراتِ حسنینؓ کے سوگ میں تعزیہ، سینہ کوبی، ماتم اور مرثیہ خوانی کرنا؟

سوال (۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے لوگ حضرات حسنینؓ کے یوم شہادت سے لے کر چالیس دن کے اندر اندر تعزیہ بنا کر مرثیہ ماتم اور سینہ اور پیٹھ پر مارنے کی حالت میں تعزیہ کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور بیچ بیچ میں کہتے ہیں: ''یا علی، یا حسن، یا حسین'' تعزیہ کے اوپر گلاب کا پانی چھڑکتے ہیں، اس تعزیہ کو بنانے کے بعد دوسری جگہ سے بیس یا دس آدمیوں کو کرایہ کے طور پر لاکر اور گاؤں کے لوگ بھی ان لوگوں کے ساتھ شراب پی کر مرثیہ ماتم کرتے ہیں اور کرواتے بھی ہیں، کرایہ کے لوگ اور گاؤں کے لوگ ایک ساتھ مل کر چاقو اور استرے سے اپنے اپنے سینہ اور پیٹھ پر مارتے ہیں، اور کاٹ کر خون بہت نکالتے ہیں، اور جو لوگ پنج وقتہ نمازی اور پرہیزگار ہیں وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ شامل ہوکر اپنی نماز کو برباد کرتے ہیں، ایسے ایسے کام کے ذریعہ سے حسنین رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کا سوگ اظہار کرنا اسلام اور شریعت کے اندر جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: - ایسا سوگ چالیس دن کے اندر اندر ہوتا ہے، چالیسواں دن آنے کے بعد ہی فوراً گیارہ مہینہ تک بند ہوجاتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ سبھی امور تمام ائمہ اور اہل حق کے نزدیک حرام ہیں، ان کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وأما اتخاذه ماتما لأجل قتل الحسين بن علي كما يفعله الروافض فهو من عمل الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعًا.

(مجالس الأبرار ۲۵۳ بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ ۴۸۵/۵ میرٹھ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۴/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذکرِ شہادت کرنا، شربت ودودھ وغیرہ کی سبیل لگانا؟

سوال (۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت گنگوہیؒ کے درج فتوی کا کیا مطلب ہے؟ کہ حضرت نے ذکر شہادت حسینؓ اور دودھ یا پانی پلانے کی سبیل کو حرام قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیے: ''ذکر شہادت کرنا، شربت دودھ وغیرہ کا سبیل لگانا درست نہیں حرام ہے''۔ (تذکرۃ الرشید ۱۳۹)

تو کیا شریعت میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا ذکر منع ہے؟ اور کیا عام لوگوں کے لیے دودھ یا پانی کی سبیل لگانے کی مخالفت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا دیگر شہداء کی شہادت کا ذکر کرنا یا بلا کسی التزام کے عام لوگوں کے لئے پانی یا دودھ وغیرہ کی سبیل لگانا وغیرہ فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن اِن باتوں کو عشرۂ محرم کے ساتھ خاص کرلینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسا کرنے میں

روافض سے تشبہ لازم آتا ہے۔

اور حضرت گنگوہیؒ نے محض شہادت کا تذکرہ اور دودھ وغیرہ کی سبیل لگانا منع نہیں لکھا؛ بلکہ محرم میں تشبہ روافض کی وجہ سے ایسا کرنا ممنوع لکھا ہے، پوری عبارت یہ ہے۔

جواب: ''محرم میں ذکر شہادت حسین علیہ السلام کرنا اگر چہ روایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا یا شربت پلانا یا چندہ سبیل یا شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے''۔فقط

اور جس سوال کا یہ جواب حضرتؒ نے دیا ہے، اس میں سائل نے محرم ہی کے بارے میں پوچھا ہے سوال یہ ہے ''محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت کا بیان کرنا مع اشعار بروایات صحیحہ یا بعض ضعیفہ بھی، ونیز سبیل لگانا یا چندہ دینا یا شربت دودھ بچوں کو پلانا درست ہے یا نہیں؟'' سوال وجواب کی عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرتؒ نے محرم میں ایسا کرنا ناجائز لکھا ہے، مطلق ذکر شہادت کرنا یا سبیل لگانا منع نہیں لکھا ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعزیہ پر بکرا چڑھانا اور اس کی کھال کا پیسہ مسجد میں دینا؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: میرے گاؤں کے اندر محرم کے مہینہ میں عاشورہ کے دن تعزیہ پر ایک بکرا (خصی) چڑھاوا چڑھاتے ہیں، جس کو ذبح کیا جاتا ہے، اور اس کے چمڑے کو بیچ کر مسجد میں لگاتے ہیں، یہ عمل کیسا ہے؟ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ مزید بچا ہوا روپیہ گاؤں والے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، اور ۲۰ فیصد کے حساب سے مہینہ میں جمع کرتے ہیں، اور وہ مسجد پر خرچ ہوتا ہے، تقریباً ۶/ لاکھ روپئے جمع ہیں، اب اس روپیہ کا کیا حکم ہے، وہ سود ہے یا نہیں، اگر سود ہے تو اس روپئے کو کیا کیا جائے، اور مسجد کے اندر جو روپیہ لگ چکا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعزیہ پر چڑھاوے کا وہ بکرا جسے ذبح کر دیا جائے وہ مردار ہے، اس کا کھانا امیر وغریب کسی کے لئے حلال نہیں ہے؛ البتہ مالک کی اجازت سے اس کی کھال کارِ خیر بشمول مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے؛ لیکن بچا ہوا پیسہ کسی بھی شخص کے لئے قطعاً حلال نہیں ہے؛ لہٰذا اس کی جو رقم مسجد پر خرچ کے علاوہ جمع شدہ ہے اسے فوراً غریبوں میں تقسیم کرنا لازم ہے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾

[المائدة، رقم الآية: ۳]

ذبح لقدوم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير اللّٰه.

(درمختار مع الشامي، كتاب الذبائح زكريا ۹/۴۴۹، كراچی ۶/۳۰۹)

ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه إلا أن يكون فقيراً أو له عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة فأخذه أيضاً مكروه ما لم يقصد به الناذر التقرب إلى اللّٰه تعالىٰ وصرفه إلى الفقراء ويقطع النظر عن نذر الشيخ. (البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف ۲/۲۹۸ كوئٹه)

وروى الدار قطني عن ابن عباس عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لما مر

بشاة میمونةؓ، فقال: هلاّ استمتعتم بجلدها؟ قالوا: یا رسول اللّٰه! إنها میتة، قال: إن دباغها ذکاتها في حق الجلد. (سنن دار قطنی ۱/ ۳۹، برقم: ۹۸، ومثله في البنایة شرح هدایة مطبوعه نعیمیه دیوبند ۱/ ۴۲۲، هندیة ۱/ ۲۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۷/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعزیہ بنا کر سمندر میں پھینکنا اور بچوں کو اس کے نیچے سے گذارنا؟

سوال (۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لوگ ماہِ محرم میں مینار نما تعزیہ بناتے ہیں، اور محرم کی دس تاریخ کو اسے سمندر میں پھینک دیتے ہیں، اور لوگوں کا ماننا ہے کہ تعزیہ کے نیچے سے چھوٹے بچوں کو گزارا جائے تو وہ بیمار نہیں ہوتے، اس کی شرعاً کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محرم میں تعزیہ سازی کھلی ہوئی بدعت وجہالت ہے، اور ان تعزیوں کو سمندر اور دریا میں پھینک دینا ہندوؤں کے مذہبی تیوہار ''درگا وسرجن'' کے مشابہ ہے، جو قطعاً جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ کہ تعزیہ کے نیچے سے گذارنے سے بچے بیمار نہیں ہوتے، محض ٹونا ٹوٹکا ہے، اسلام جیسا مقدس دین ایسی واہیات باتوں سے قطعاً بری ہے، ہر مسلمان کو ان خرافات سے بچنا اور دوسروں کو بچانا لازم ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ۴۰۳۱)

أي من تشبه نفسه بالکفار مثلاً في اللباس وغیره أو بالفساق أو بالفجار فهو منهم أي في الإثم، قال الطیبي: هٰذا عام في الخلق والخلق والشعار. (مرقاة المفاتیح ۸/ ۲۵۵ ملتان)

عـن أبـي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: **لا عدوى ولا هامة ولا طيرة.** (صحيح مسلم ٢٣١/٢)

لا يـجـوز العمل بالطيرة وهي التفاؤل بالطير والتشاؤم بها. (مـرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى / باب الفال والطيرة ٣٩١/٨ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۱۱/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تعزیہ داری میں شرکت اور چندہ

سوال (۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تعزیہ داری میں شرکت کرنا اور چندہ دینا اور ملیدہ بنا کر فاتحہ کرنا اور اس کو عوام میں تقسیم کرنا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال میں ذکر کردہ سبھی امور بدعت اور ناجائز ہیں، ان کی شریعت اسلامی میں کوئی اصل نہیں ہے۔

وأما اتخاذه ماتما لأجل قتل الحسين بن علي كما يفعله الروافض فهو من عـمل الذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعًا، إذ لـم يـأمـر الـلّـه ولا رسـوله باتخاذ أيام مصائب الأنبياء وموتهم ماتماً فكيف بمن دونهـم؟ يـجـب على ولاة الـديـن أن يـمـنـعـوهـم، والمستمعون لا يعذرون في الاستماع. (مجالس الأبرار ٢٥٣ بحواله: فتاویٰ محموديه ٤٨٥/٥ ميرٹھ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۱۹ھ

محرم کا کھچڑا

سوال (۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: محرم کو جو کھچڑا پکایا جاتا ہے وہ پکانا جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یزید نے حضرت امام حسینؓ کی عورتوں کو جب وہ بیوہ ہوگئی تھیں، مذمت کے طور پر پکوا کر کھلایا تھا، سات قسم کا اناج ملا کر یعنی ان کی توہین کی تھی، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محرم میں کھچڑے کی رسم اور التزام ناجائز ہے جو روایت آپ نے لکھی ہے وہ باوجود تلاش کے کسی کتاب میں نہیں ملی؛ البتہ ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ خوارج ونواصب حضرت سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی میں مختلف اناج ملا کر پکاتے تھے، اس لئے معلوم ہوا کہ کھچڑا پکانا اہل بیت سے دشمنی رکھنے والوں کی رسم ہے۔

وقد عاكس الرافضة والشيعة يوم عاشوراء النواصب من أهل الشام، فكانوا إلى يوم عاشوراء يطبخون الحبوب، ويغتسلون ويلبسون أفخر ثيابهم ويتخذون ذلک اليوم عيداً يصنعون فيها أنواع الأطعمة، ويظهرون السرور والفرح يريدون بذلک عناد الروافض ومعاكستهم. (البداية والنهاية ٨/ ٥٩٩-٦٠٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تائیدِ مضمون در ''ردِّ بدعاتِ محرم وصوم عاشوراء''

سوال (۵۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اسلام میں ہجری کا استعمال خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہوا، حضرت علی کے مشورہ سے سن کا شمار واقعہ ہجرت سے کیا گیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا، اس طرح محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہوا، اس مہینہ کی عزت وعظمت صرف حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی وجہ

سے ہی نہیں؛ بلکہ جب سے دنیا بنی ہے تب سے ہے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پہلی بار بارش اسی ماہ میں ہوئی اس ماہ کی دس تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو کنارا ملا، اوراسی ماہ کی دس تاریخ کو حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے لئے آتش نمرود گلزار بنادی گئی، زمانہ جاہلیت میں قریش دس تاریخ کا روزہ رکھتے تھے اور خانہ کعبہ کا غلاف چڑھاتے تھے اور اسلام کے آنے کے بعد رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے دس تاریخ کا روزہ وجوب کا درجہ رکھتا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو محرم الحرام کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے دیکھا تو آپ نے یہود سے معلوم کیا کہ تم اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ یہود نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات دی تھی اور فرعون کو اس کی قوم کے ساتھ دریائے نیل میں غرق کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکریہ کے طور پر روزہ رکھا تھا، بس ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہمارا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ ہے، چناں چہ آپ نے امت کو اس ہدایت کے ساتھ روزہ رکھنے کی تلقین کی کہ تم نویں دسویں یا دسویں گیارہویں کا روزہ رکھا کرو جس سے یہود کی مشابہت نہ ہو۔ (ترمذی شریف)

دنیا کی تمام ترقومیں اپنا نیا سال خوشی ومسرت کے جذبات اور نیک خواہشات کے ساتھ شروع کرتی ہیں، لیکن ہم سال کے اس پہلے ماہ کو ہی رنج والم اور نئے کاموں کو اس ماہ میں شروع کرنے کے لئے بدشگونی کا مہینہ قرار دیتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کو عظمت والا مہینہ قرار دیا ہے اور اپنے مخالفین سے بھی قتل وقتال کو منع ہی کرتا ہے، بشرطیکہ وہ پیش قدمی نہ کریں، اس لئے ہمیں اس ماہ کو عزت وعظمت کی نظر سے دیکھنا چاہئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کو حضرت امام حسین کی شہادت کی وجہ سے رنج وغم کا مہینہ مانتے ہیں، تو ماہ شوال اس سے بھی زیادہ غم کا مہینہ ہونا چاہئے کیوں کہ اس ماہ میں اسلام کی دوسری جنگ ''جنگ احد'' ہوئی، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے، جن کی لاش کی حالت دیکھ کر خود رحمت دوعالم بھی سسک پڑے اور حضرت حمزہؓ کو

سید الشہداء یعنی شہیدوں کے سردار کا خطاب دیا، تو پھر اس واقعہ کی یاد میں جو اسلام مکمل ہونے کے ۴۰؍سال بعد ہوا ہو، پورے ماہ کو رنج والم کے لئے مخصوص کر لینا اسلامی کام نہیں ہو سکتا۔

یوم عاشورہ کے سلسلہ میں پیرانِ پیر حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اس دن کو غم والم کا دن تصور کر لیا جائے تو پیر کا دن اس سے بھی زیادہ غم کرنے کا دن ہے، کیوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسی دن ہوئی اور اسی دن خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ (غنیۃ الطالبین)

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ: ''اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال مت کرو؛ بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے''۔ (پارہ ۲ رکوع ۸، آیت ۱۴۹)

اسی لئے کسی نے خوب کہا ہے:

وہ روئیں جو منکر ہیں حیاتِ شہداء کے
ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

لہٰذا محرم کی دسویں تاریخ جو عاشورہ کے نام سے جانی جاتی ہے، شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے غم والم کے طور پر نہیں منائی جا سکتی، عاشورہ کے دن سیاہ سبز کپڑے پہننا، گھر میں چولہا نہ جلانا، جھاڑو نہ لگانا، سنگار نہ کرنا، اس دن نئے کپڑے نہ پہننا، اس دن شادی وغیرہ نہ کرنا، یہ سب سوگ کی نشانیاں ہیں، اور سوگ کرنا اسلام میں حرام ہے، امام اہل سنت مولوی احمد رضا خاں بریلویؒ اپنی کتاب ''احکام شریعت'' میں ان سب کاموں سے روکتے ہیں اور محرم میں تعزیہ داری کی سخت مخالفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض اہل سنت کے دشمن اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر سنی تعزیہ نکالتے ہیں، یہ اہل سنت کو بدنام کرنے کی سازش ہے، سنی عوام کو ایسے دشمنوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے اہل سنت والجماعت کے نزدیک ماہ محرم الحرام بہت احترام والا مہینہ ہے، اس ماہ میں ہمیں شادی بیاہ کرنے اور اپنے نئے کاموں کو شروع کرنے سے پرہیز نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ اس ماہ میں شادی بیاہ اور اپنے نئے کاموں کو شروع کر کے اس ماہ کی

برکات حاصل کرنی چاہئے، ایسے ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کی جتنی فضیلت آئی ہے اس فضیلت کا دھیان رکھتے ہوئے ہمیں روزہ رکھنا چاہئے، اس دن کھانے بنابنا کر تقسیم کرنے سے جہاں ہم خود روزہ نہ رکھ کر اس فضیلت سے محروم رہتے ہیں وہیں دوسروں کو بھی ہم اس فضیلت سے محروم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں کہ رمضان کے بعد سب سے افضل ترین روزہ یہی ہے۔ (مشکوٰۃ) اس لئے ہمیں نویں دسویں یا دسویں گیارہویں کا روزہ رکھ کر انبیاء کرام کی سنت پر عمل کر کے اس عظیم ثواب کو حاصل کرنا چاہئے، ویسے بھی یوم عاشورہ کو دسترخوان وسیع کرنا کسی مستند حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، اس دن سے ایک روایت کہ قیامت عاشورہ کے دن آئے گی، عام لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے، جو محض بناوٹی بات ہے، ایسا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مضمونِ بالا صحیح ہے؛ لیکن عاشوراء کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنے کی حدیث کو غلط کہنا صحیح نہیں، یہ حدیث فضائل میں قابلِ استدلال ہے؛ البتہ یہ خیال رہے کہ اس عمل کو ثواب نہ سمجھا جائے۔ (دیکھئے: احسن الفتاویٰ ۱/۳۹۵، ۱/۵۱۳)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أوسع على عياله وأهله يوم عاشوراء أوسع الله عليه سائر سنته. (شعب الإيمان)

قال البيهقي بعد إخراج هٰذا الحديث عن عدة طرق: هٰذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة، فهي إذا ضم بعضها إلى بعض أخذت قوة. (شعب الإيمان للبيهقي ٣٦٦/٣ رقم: ٣٧٩٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲۱ھ

چہلم منانا

سوال (۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: چہلم کرنا کیسا ہے؟ اس کی ایجاد کب ہوئی؟ بہت سے بدعتی علماء قرآن سے ثابت کرتے ہیں، اس چہلم کے کھانے کے مستحق کون لوگ ہیں؟ مدرسہ کے بچے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چہلم منانا قطعاً بے اصل اور بدعت ہے، قرآن وحدیث اور فقہ کسی بھی دلیل سے اس کا ثبوت نہیں؛ بلکہ مخالفت موجود ہے؛ لہٰذا کسی بھی مسلمان کو ایسے کھانے میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/۵۲۴ میرٹھ)

ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (شامی زکریا ۳/ ۱۴۸، کفایت المفتی ۴/ ۱۲۲)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ۴۰۳۱)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، الأقضیة / باب کراهیة قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ۱۷۱۸، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ۴۶۰۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/۳/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲/ ربیع الاول کو وفاتِ نبوی کا سوگ یا عید میلاد النبی منانا؟

سوال (۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور پیدائش بارہ ربیع الاول میں ہوئی تھی اور اسی تاریخ کو متعین کر لینے کے بعد میلاد النبی کرنا قرآنِ پاک ختم کر کے بخش دینا، جلسہ محفل کرنا اور باجے بجا کر اسلامی گانا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہ ہو تو اس وقت میں کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۲؍ربیع الاول کو وفاتِ نبوی کا سوگ یا عید میلا د النبی منانے کا شرعاً ثبوت نہیں ہے، اور اس موقع پر جو بدعات ورسومات اور خلاف شرع کام کئے جاتے ہیں ان کا دین سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ بدعات سے بچتے ہوئے اس دن زیادہ سے زیادہ درود شریف کا اہتمام کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۹۶/۵ میرٹھ)

ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع أعتقادهم أن ذلک من أکبر العبادات، واظهار الشعائر ما یفعلونه في الشهر الربیع الأول من المولد، وقد احتوی ذلک علی بدع ومحرمات إلی قوله: لأن ذلک زیادة فی الدین، ولیس من عمل السلف الماضیین. (المدخل لابن امیر حاج المالکی ۱/ ۸۵، بحواله مطالعۂ بریلویت ۶/ ۳٤۰)

ولا یزال أهل الإسلام یختلفون بشهر مولده صلی الله علیه وسلم ...... ولقد أطنب ابن الحاج في المدخل في الإنکار علی ماأحدثه الناس من البدع، والأهواء والغناء بالآلات المحرمة عند عمل مولده الشریف. (ماثبت بالسنة للشیخ عبد الحق الدهلوی/ ۱۰۳، بحواله مطالعه بریلویت ٦/ ۳٤۷، امداد المفتیین/ ۱۷٤، کفایت المفتی ۱/ ۱٤٥-۱٥۲)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲٦۹۷، صحیح مسلم، الأقضیة / باب کراهیة قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ۱۷۱۸، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦۰٦) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۴/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بارہ وفات منانا کیسا ہے؟

سوال (۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: بارہ وفات منانا کیسا ہے؟ نیز بجلی قمقموں سے مسجدیں سجانا اور علماء کرام کو جمع کر کے وعظ کرانا سنت ہے یا نہیں؟ کیا کوئی حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ولادت یا وفات کی سالگرہ منانا منع ہے، ہمارے مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں منع آیا ہے، اسی وجہ سے سن وفات یا ولادت سے نہیں رکھا گیا؛ بلکہ ہجرت سے رکھا گیا کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۲؍ربیع الاول کو عید میلاد النبی وغیرہ منانا شرعاً ثابت نہیں ہے، اسی طرح اس رات میں مسجدوں کو سجانا اور محض وقت گزاری کے لئے جلسے کرانا بھی بے اصل ہے۔ (کذا نقل فی نفع المفتی والسائل ۱۳۸، فتاویٰ محمودیہ ۳۹۸/۵ میرٹھ، امداد المفتیین ۲۰۷/۲)

ہاں بنیت اخلاص اور ہدایت کے مقصد سے منکرات وخرافات سے بچتے ہوئے جلسۂ سیرت کا انعقاد درست ہے۔

سوال میں بخاری شریف کی جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء کے بارے میں حضراتِ صحابہ نے مشورہ کیا تو رائے یہی ہوئی کہ ہجرت کو بنیاد بنایا جائے نہ کہ ولادت یا وفات کو۔ اس واقعہ سے سالگرہ وغیرہ کی عدم اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

عن سهل بن سعد رضي اللّٰه عنه قال: ما عدّوا من مبعث النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ولا من وفاته ما عدوا إلا من مقدمة المدينة. (صحيح البخاري ١/ ٥٦٠)

ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع أعتقادهم أن ذلک من أكبر العبادات، واظهار الشعائر ما يفعلونه في الشهر الربيع الأول من المولد، وقد احتوى ذلک على بدع ومحرمات إلى قوله: لأن ذلک زيادة فى الدين، وليس من عمل السلف الماضيين. (المدخل لابن امير حاج المالكى ١/ ٨٥، بحواله مطالعهٔ بريلويت ٣٤٠/٦)

ولا يزال أهل الإسلام يختلفون بشهر مولده صلى الله عليه وسلم ...... ولقد أطنب ابن الحاج في المدخل في الإنكار على ماأحدثه الناس من البدع،

والأهواء والغناء بالآلات المحرمة عند عمل مولده الشريف. (ماثبت بالسنة للشيخ عبد الحق الدهلوی/ ۱۰۳، بحواله مطالعه بریلویت ٦/ ٣٤٧، امداد المفتیین/ ١٧٤، کفایت المفتی ١/ ١٤٥-١٥٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عید میلا د النبی کے دن کیا سنت ہے اور کیا بدعت؟

سوال (۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید میلا د النبی کا دن تو تمام مسلمانوں کے لئے خوشی کا دن ہے اس دن کیا کیا چیزیں سنت ہیں؟ اعمال، عبادت اور طعام کی لائن سے کیا کیا کریں؟ خصوصاً میٹھے چاول پکانا اور علم کو لے کر شہر یا بستی میں گھومنا جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے بستی اور شہر کے لوگ تنقید کرتے ہیں کہ آپ حضرات جلوس میں شرکت کیوں نہیں کرتے، جواب مرحمت فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر مسلمان کو سرورِ کائنات فخر موجودات سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی اور دلی محبت ہونی لازم ہے، اس کے بغیر آدمی مؤمن قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن اس محبت کے اظہار کے لئے من گھڑت اور خودساختہ طریقوں کو اختیار کرنا جائز نہیں؛ بلکہ صرف انہی طریقوں کو عمل میں لایا جائے گا، جن کا ثبوت خود آنحضرت ﷺ اور آپ کے مقدس صحابہ سے ہے، اس کے برخلاف بے اصل اور غیر ثابت شدہ اعمال کو محبت کی دلیل سمجھنا قطعاً معتبر نہیں، یہی بات ہمیں عید میلا د النبی کے دن کئے جانے والے اعمال میں ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس دن کے متعلق نہ تو پیغمبر علیہ السلام نے کسی طرح کی خوشی منانے کا حکم دیا ہے، اور نہ دورِ صحابہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے، حالانکہ وہ لوگ ہم سے زیادہ پیغمبر علیہ السلام سے محبت کرنے والے اور مر مٹنے والے تھے اور ان کے زمانہ میں بھی ہر سال ربیع الاول کی یہ تاریخ آتی تھی، مگر انہوں نے

اس تاریخ میں کبھی کھیل تماشا اور ہڑبونگ والا عمل نہیں کیا؛ بلکہ اس دن کی یہ ساری من گھڑت رسومات بعد میں کے لوگوں کی ایجادات ہیں، جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں، ان فضول باتوں میں وقت اور صلاحیت ضائع کرنے کے بجائے سچے مسلمان کو اپنی زندگی سنت کے مطابق گذارنے پر محنت کرنی چاہئے، عبادات کی پابندی ہو، درود شریف کی کثرت ہو، ظاہری صورت اور پوشاک پیغمبر علیہ السلام کے مشابہ ہو، اخلاق اور کردار اور رہن سہن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک ہو، یہی سچی محبت ہے، اوران امور کی پابندی کرنے والا ہی صحیح معنی میں محبِّ رسول ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ [آل عمران: ۳]

ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع أعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، واظهار الشعائر ما يفعلونه في الشهر الربيع الأول من المولد، وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات إلى قوله: لأن ذلك زيادة فى الدين، وليس من عمل السلف الماضيين. (المدخل لابن امير حاج المالكی ۱/ ۸۵، بحواله مطالعۂ بریلویت ٦/ ٣٤٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۸/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بارہ ربیع الاول کو جلسہ کا التزام کرنا؟

سوال (۵٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بارہویں تاریخ کو کیا منتظمین مسجد کوئی جلسہ سیرت منعقد کرنا چاہئے؟ کیا اسی دن شیرینی تقسیم کرنا چاہئے؟ اس سلسلے میں مفتی صاحب ہماری رہنمائی فرمائیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بارہویں تاریخ کو اگر کثیر تعداد میں لوگوں کے جمع

ہونے کا امکان ہو اور منکرات و رسومات سے بچتے ہوئے سیرت کے موضوع پر اصلاحی گفتگو کی جائے، تو شرعا اس کی گنجائش ہے؛ لیکن اس دن کو لازم نہ سمجھا جائے؛ لہٰذا ہر سال تاریخ آگے پیچھے کردینی چاہئے۔ جلسہ کے ختم پر شیرینی کو لازم سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه فهو مكروه. (تنقيح الفتاوى ٢/٣٦٧)

إن المندوبات تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبارة لكن لما خشى ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. (فتح الباري ٢/٣٣٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یکم ربیع الاول سے ۱۲/ ربیع الاول تک سیرت کے جلسے منعقد کرنا؟

سوال (۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں کئی سالوں سے ربیع الاول کے مہینے میں بارہ دن یعنی پہلی تاریخ سے بارہ تاریخ تک سیرت رسول ا کے عنوان پر بیانات ہوتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ بارہویں تاریخ کو بیان اور دعا کے بعد درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔ کیا بارہ دن بیان رکھنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیرت کے عنوان پر بیانات بہت مفید ہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ربیع الاول کے شروع کے بارہ دن ہی کی تخصیص نہ کی جائے؛ بلکہ ہر سال تاریخ آگے پیچھے کرتے رہنا چاہئے؛ تاکہ لوگ انہیں ایام کی تخصیص کو لازم نہ سمجھیں۔ (فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۳/۲۱۹-۲۱۸)

وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعينه في أوقات معينة لم يوجد ذلک التعيين في الشريعة. (الاعتصام ١/٣٩)

عـن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسـند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲؍ ربیع الاول کو حضور ﷺ کے لئے ایصالِ ثواب کرنا اور گیارھویں شریف منانا؟

سوال (۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲؍ ربیع الاول کو دنیا سے رحلت فرما گئے، تو کیا ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر سال بارہ وفات کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی کروائے، اور دعا مانگ کر ثواب بخشوائے، اور اسی طرح گیارھویں شریف کے لئے بھی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب بلا تعیین زمان ومکان باعث سعادت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر امتی پر اس قدر احسان ہے کہ اگر زندگی کے ہر لمحہ میں بھی آپ کے لئے ایصالِ ثواب جاری رکھا جائے تو بھی آپ کے احسانات کا حق ادا نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا ایصال ثواب یا درود شریف کے لئے ۱۲؍ ربیع الاول کی تاریخ کو سال بھر میں خاص کر لینا اور بقیہ دنوں میں اس کی طرف توجہ نہ دینا شرعاً بے اصل اور بڑی محرومی کی بات ہے، نیز یہ عمل غیر مسلموں کی سال گرہ اور برسی کے مشابہ ہے، جن کی مشابہت سے جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اسی طرح کسی بزرگ کے لئے گیارہویں شریف منانا اور سال میں صرف ایک دن کو ایصال ثواب کے لئے مخصوص کرنا بے اصل اور بدعت ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/۸۴، اشرف الجواب ۲/۳۱-۳۲، احسن الفتاویٰ ۱/۳۴۸، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۸۱-۲۸۲)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١)

قال القاری: أي من تشبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره فهو منهم أی فی الإثم. (بذل المجهود ٦/٣٥٦)

وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله بغيره، يدخل فيه النبي صلى الله عليه وسلم فإنه أحق بذلك حيث أنقذنا من الضلالة ففي ذلك نوع شكر وإسداء جميل له. (شامی زكريا ٣/١٥٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۴/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲ربیع الاول کو سرکار ﷺ کا جشن ولادت منانا؟

سوال (۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماہ ربیع الاول میں آمد سرکار کی خوشی منانا خاص کر کے بارہ ربیع الاول کو یوم عید کی طرح منانا، ایک دوسرے کو sms کے ذریعہ مبارک باد دینا، نئے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، اس دن کو کائنات کی سب سے بڑی عید کہنا، جشن عید میلاد النبی کہنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اس دن کو بارہ وفات کہنا درست ہے؟ محفل میلاد کرنا قیام وسلام وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں کسی کی جشن ولادت پر خوشی منانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اگر سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا دن عید کے

طور پر مقرر ہوتا تو دورِ نبوت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا ضرور ثبوت ہوتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور جاں نثار تھے، اس کے باوجود دورِ صحابہ یا اس کے بعد کبھی بھی اس دن کو عید اور تہوار کے طور پر نہیں منایا گیا۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی تاریخوں میں متعدد اقوال ہیں؛ لیکن وفات کی تاریخ اکثر مؤرخین کے نزدیک بارہ ربیع الاول ہے، اس لئے اسے بارہ وفات بھی کہا جاتا ہے، تو ذرا خود ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ اس امت کے لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے پردہ فرمانے سے بڑا المناک سانحہ کیا اور کوئی ہوسکتا ہے، پس اس الم ناک حادثہ کے دن کو عید اور خوشی کا دن قرار دینا اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینا، نئے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا کسی سچے محبّ رسول ﷺ کو کیسے گوارہ ہوسکتا ہے؟ بہر حال اس دن جشن میلاد النبی منانا اور اسے باعثِ اجر وثواب جاننا دین میں ایک زیادتی اور بدعت ہے۔

اسی طرح محفلِ میلاد متعدد منکرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔ ہر مسلمان کو ایسی باتوں سے احتراز کرکے سچے اور صحیح دین کی طرف لوٹ آنا چاہئے، اور اسی پر قائم رہنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۳/۱۶۵–۱۹۱ ڈابھیل، فتاوی عثمانی ۱/۱۰۵، کفایت المفتی ۱/۱۹۲)

ویحتفل المولد النبي ﷺ في الربیع الأول وهو أول من أحدث من الملوک هذا العمل. (القول المعتمد في عمل المولد، بحواله: راه سنت ۱٦۲)

إن عمل المولد بدعة لم یقل به ولم یفعل رسول الله ﷺ والخلفاء والأئمة. (الشرعية الإلٰهية بحواله: راه سنت ۱٦٤)

ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلک من أکبر العبادات وإظهار الشرائع یفعلونه في شهر ربیع الأول من المولد وقد احتوی علی بدع ومحرمات جمة الخ. (المدخل ۳/۲ بحواله: فتاویٰ محمودیه ڈابهیل ۳/۱٦٥)

ویظهر ذلک فعل کثیر عند ذکر مولدها ووضع أمه له من القیام وهو

أيضا بدعة لم يرد فيه شيء. (الفتاوى الحديثية ۱۱۲ بحواله: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۹۱/۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲۷/۲/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور ﷺ کے یوم پیدائش کو عید الفطر کی طرح منانا؟

سوال (۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید میلا د النبی ﷺ پر کاروبار بند رکھنا، نئے کپڑے پہنا، ایک دوسرے کو مبارک باد دینا، خوشیاں منانا، اس دن کو عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنا عید الفطر کی طرح اس دن کو منانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھنا ہر مومن کے لئے لازم اور ضروری ہے، لیکن محبت اسی وقت سچی کہلائی جاسکتی ہے جب کہ وہ شرعی اصولوں سے نہ ٹکراتی ہو، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادتِ مبارکہ کے دن آج کل جو رسومات عبادت اور ثواب سمجھ کر انجام دی جاتی ہیں، ان باتوں کا شریعت میں دور دور تک کہیں ثبوت نہیں، دورِ نبوت، دورِ صحابہ اور سلفِ صالحین کے زمانہ میں ان مذکورہ باتوں کا کوئی اہتمام نہ تھا، حالانکہ وہ حضرات ہم سے زیادہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کرنے والے اور آپ کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنے والے تھے، اس لئے ہر مسلمان پر بارہ ربیع الاول کے دن جاری بدعات سے پوری طرح اجتناب لازم ہے، اس کے بجائے ہر مسلمان کو اپنی زندگی کے ہر موڑ پر پیغمبر علیہ السلام کی سنتوں کو اپنانے کا اہتمام کرنا چاہئے، یہی عین ایمان اور سچی محبت کی علامت ہے۔

ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلک من أكبر العبادات واظهار الشعائر يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوى على بدع ومحرمات جمة ...... فتعظيم هذا الشهر الشريف إنما يكون بزيادة الزاكيات فيه

والصدقات إلى غير ذلك من القربات، فمن عجز عن ذلك فأقل أحواله أن يجتنب مايحرم عليه، ويكره له تعظيما لهٰذا الشهر الشريف، وإن كان ذلك مطلوباً في غيره إلا أنه في هذا الشهر أكثر احتراماً، فيترك الحدث في الدين، ويجتنب مواضع البدع وما لاينبغي. (المدخل لابن أمير الحاج المالكي ٢/ ٦ – ٥، بحواله: فتاوی محمودیه ٣/ ١٦٦ ڈابھیل)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۸/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اسلام میں پیدائش اور وفات کے دن خوشی یا غم منانا جائز نہیں

سوال (۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بارہ ربیع الاول کے دن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن یا وفات کے اعتبار سے منانا کیسا ہے؟ دین اسلام میں کسی کی پیدائش کے دن یا وفات کے دن کے اعتبار سے منانا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن یا وفات کے اعتبار سے خوشی یا غمی منانا اسلامی تعلیم نہیں ہے، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا، نہ صحابہ نے یہ دن منایا، نہ سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت ہے، اس لئے بارہ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یا وفات کے اعتبار سے جشن وخوشی یا غمی منانا ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی ۱/۱۳۹)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدِ میلا دُ النبی کے جلوس میں شرکت کرنا؟

سوال (۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جلوس عید میلا دالنبی جس کی قیادت علماء رضا خانی فرماتے ہیں، اس جلوس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں، شرکت سے مراد اول تا آخر جلوس میں شریک ہونا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس طرح کے جلوس کا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ اورا کابر واسلافؒ سے ثبوت نہیں ہے، نیز جلوس میں شریک لوگ نماز جیسی قطعی فرض عبادت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں، میوزک پرقوالیوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے، جابجا عورتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور روضۂ اقدس وغیرہ کی شبیہ بنا کر بے حرمتی کی جاتی ہے؛ اس لئے ایسے جلوس میں شریک ہونا صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۴۲/۵ میرٹھ)

وأما الرقص والتصفيق والصريخ وضرب الأوتار والصنج والبوق الذي يفعله بعض من يدعي التصوف؛ فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها زي الكفار. (طحطاوي

على المراقي / باب في صفة الأذكار ٢٥٨)

عـن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١)

وفـي الـحـديـث: أن مـن كثـر سـواد قـوم جـرىٰ عليـه حكمهم في ظاهر عقوبات الدنيا. (سنن أبي داؤد، تحقيق: الأرنؤوط، أول كتاب المهدي ٣٤٧/٦ المكتبة الشاملة)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۳/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۲؍رجب کو حضرت جعفر صادق کی ولادت کے نام سے کونڈے کرنا؟

سوال (۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۲۲؍رجب المرجب کو کونڈے کی نیاز وفاتحہ خوانی ہوتی ہے یہ کہاں سے ثابت ہے؟ اور کس نے سب سے پہلے ایجاد کیا، اور کس ہجری سے امام جعفر صادق کے نام سے نیاز دینا شروع کیا، اور حضرت جعفر صادق کونسے امام ہیں؟ رجب المرجب میں ۵۰؍کلومعدہ کی روٹی بنا کر سب روٹی میں سورۃ پڑھی جاتی ہے یہ کہاں سے ثابت ہے؟ اور اسی سورۂ ''تبارک الذی'' کو کیوں خاص کیا گیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کونڈے کی رسم قطعاً بے اصل خلافِ شرع اور بدعت ہے، ۲۲؍رجب نہ تو حضرت جعفر صادق کی تاریخ ولادت ہے اور نہ تاریخ وفات، آپ کی ولادت ۸؍رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی؛ بلکہ یہ تاریخ حضرت امیر معاویہ کی تاریخ وفات ہے، شیعوں نے اس دن خوشیاں منائی تھیں، اور جاہل سنیوں میں اسے رائج کرنے کے لئے اسے حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کردیا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۲۱/۱)

اورمعدہ کی روٹی پرسورۂ ''**تبارک الذی**'' پڑھناوغیرہ سب جاہلانہ باتیں ہیں،ان کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

حدثني عمر قال: حدثني علي قال: بايع أهل الشام معاويةَ – إلى أن قال – مات بدمشق سنة ٦٠ يوم الخميس لثماني بقين من رجب. (تاريخ بن جرير طبري، ذكر وفاة معاوية ١٨٠/٦–١٨١، الإكمال في أسماء الرجال / فصل في الصحابة، حرف الميم ٦١٧/٢ بحواله: فتاویٰ محموديه ٤٩٤/٥ ميرٹھ)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۸/۸ھ
الجواب صحیح:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کونڈوں کی رسم شیعوں کی ایجاد کردہ بدعت ہے

سوال (۶۴):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں مرادآباد کے کچھ محلوں میں کونڈوں کا رواج ہے اور کچھ زیادہ ہی ہوتا جارہا ہے، کیا کونڈوں کی نیاز دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کوئی ثبوت ہے تو مع حوالہ تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کونڈوں کی رسم شیعوں کی ایجاد کردہ بدعت ہے، ۲۲/رجب ۶۰ھ کو حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی تھی۔(تاریخ طبری ۲۶۱/۳)

چوں کہ شیعہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دلی بغض رکھتے ہیں؛ اس لئے ان کی وفات پر خوشی کے اظہار کے لئے یہ رسم ایجاد کی گئی، اور محض پردہ پوشی کے لئے ناواقف سنیوں کو

اپنے ساتھ لے کر یہ مشہور کر دیا کہ یہ حضرت جعفر صادق کے ایصال ثواب کے لئے ہے، حالاں کہ حضرت جعفر صادق کی وفات یا ولادت رجب میں نہیں ہوئی؛ بلکہ ولادت رمضان ۸۰ھ اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ثابت ہے؛ اس لئے یہ رسم ہرگز جائز نہیں ہے، ہر مسلمان کو اس سے بچنا اور دوسروں کو بچانا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۵؍۴۹۴ میرٹھ)

بـايع أهل الشام معاوية بالخلافة في سنة ٣٧هـ في ذى القعدة، ......ومات بدمشق سنة ١٦٠ يوم الخميس لثمان بقين من رجب. (تاريخ طبرى ٤/ ٢٣٩)

جـعفر بن محمد صادق مات سنة ١٤٨هـ. (الكاشف ١/ ١٣٠، مستفاد: احسن الفتاویٰ ٣٦٨/١)

عـن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسـلـم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷؍۴؍۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رجب کے کونڈے سے ضیافت کرنا؟

سوال (٦٥): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم لوگ ایک شخص کے مہمان بنے، اس نے کوئی چیز کھانے کی ہمیں لاکر دی، ہم نے دیکھا کہ یہ رجب کے کونڈے لاکر دیئے ہیں اور وہ شخص مسلمان بھی ہے، دیوبندی بھی ہے؛ لیکن اس کے کسی بریلوی عزیز کے یہاں سے کونڈے آئے تھے، اس نے ہمیں لاکر دیدیئے، اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہمیں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ رجب کے کونڈے ہیں ان کا کھانا کیسا ہے؟ اسی طرح اگر ہمیں معلوم نہ ہو تب بھی کھانا کیسا ہے؟ فقہ وحدیث کی روشنی میں باحوالہ مکمل ومدلل جواب سے نوازکر شکریہ کا موقع مرحمت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رجب کے کونڈے کرنا بدعت ہے، اگر کسی کے گھر کونڈے کا کھانا بھیجا جائے تو اسے قبول نہیں کرنا چاہئے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے قبول کرلیا گیا تو اسے خود نہ کھائے؛ بلکہ فقراء کو تقسیم کردے، بریں بنا اگر آپ فقراء میں داخل ہوں تو مسئولہ صورت میں آپ کے لئے مذکورہ کھانا جائز ہے، ورنہ نہیں، خواہ پہلے سے اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/۷۹)

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۳۰/رجب کی نیاز (فاتحہ) دلانا؟

سوال (٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ۳۰/رجب المرجب کی نیاز یعنی فاتحہ درست ہے جس طرح عوام ''پوری'' بنا کر یا کسی میٹھی چیز پر نیاز دلاتے ہیں، اگر درست ہے تو اس کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تاریخ ومہینہ کے التزام کے بغیر نفس ایصال ثواب تو جائز ہے، لیکن تاریخ ومہینہ کے التزام کے ساتھ اور ایک خاص طریقہ پر فاتحہ دلانا اور نیاز دینا شریعت میں ثابت نہیں؛ بلکہ بے اصل اور بدعت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صحابہ کرام اور اکابر واسلاف صالحینؒ کسی سے یہ فاتحہ ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/۴۹۴ میرٹھ)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو

صدقة أو قراء ة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذٰلک عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق / باب الحج عن الغير ۸۳/۳ کوئٹه، كذا في الرد المحتار / باب الحج عن الغير ۵۹۵/۲ کراچی، شامی / باب صلاة الجنازة، مطلب: في القراء ة للميت ۱۵۱/۳ زكريا، تبيين الحقائق، باب الحج عن الغير ۵۹/۲ ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۹ھ

رجب کے مہینہ میں تبارک کی روٹیاں پکانا؟

سوال (۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رجب کے مہینہ میں تبارک کی روٹیاں پکتی ہیں تو کیا یہ روٹیاں پکانی صحیح ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رجب کے مہینے میں تبارک کی روٹیاں پکانا جس کو عوام میں کونڈے کہا جاتا ہے، یہ بے اصل محض ایک رسم اور بدعت ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لئے ایسی رسم سے کلیۃً احتراز لازم ہے، یہ رسم شیعوں نے گھڑی ہے اور اس کے پیچھے بغض صحابہ کا جذبہ کارفرما ہے؛ کیوں کہ اسی تاریخ کو حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی تھی، جس پر ان کے دشمنوں نے خوشیاں منائیں اور خفیہ طور پر اپنے ملنے جلنے والوں کو شیرینی وغیرہ بھیجی، شیعہ لوگ بھی یہ عمل کرکے اپنے بغض کا اظہار کرتے ہیں اور بہت سے سنی حضرات سادہ لوحی میں ان کے فریب میں آجاتے ہیں، اس لئے ایسی جاہلانہ رسومات سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔

(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۸، احسن الفتاویٰ ۳۶۸/۱)

حدثني عمر قال: حدثنا علي قال: بايع أهل الشام معاوية رضي اللّٰه عنه بالخلافة في سنة ۳۷ في ذی القعدة...... وسلم له الأمر سنة ۴۱ لخمس بقين من شهر ربيع الأول، فبايع الناس جميعا معاوية رضي اللّٰه عنه، فقيل: عام الجماعة،

ومات بدمشق سنة ١٦٠ من الهجري يوم الخميس لثمان بقين من رجب. (تاريخ ابن جرير الطبري ٢٣٩/٤ بيروت)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رجب کے کونڈے پوری کی دعوت میں شرکت کرنا؟

سوال (٦٨): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی پڑوسی یا قریبی رشتہ دار ہماری کونڈوں کی پوریوں کی دعوت کرے یا ہمارے یہاں وہ پوریاں بھیجے، تو ہم ان کا کیا کریں؟ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں کھا سکتے تو کسی غریب یا مسکین کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز محض رزق سمجھ کر بغیر رسم وعقیدے کے ان کا کھانا اور بنانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کونڈے کی دعوت میں شرکت کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے، اور اگر کونڈے کی پوریاں کسی کے گھر بھیجی جائیں، تو انہیں بلا تردد واپس کردیں، اسے ہرگز قبول نہ کریں، کسی غریب مسکین کو بھی دینے کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس سے ایک بدعت کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور متعینہ تاریخ میں جہاں یہ شبہ ہو کہ کونڈا سمجھ لیا جائے گا، گھر میں پوریاں بنانے سے بھی احتراز کرنا چاہئے۔

﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ١]

فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي ويندرج فيه النهي عن

التعاون على الاعتداء والانتقام. عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما وأبي العالية رضي اللّٰه عنه أنها فسرا الإثم بترك ما أمرهم به وارتكاب ما نهاهم عنه، والعدوان بمجاوزة ما حده سبحانه وتعالىٰ لعباده في دينهم وفرضه عليهم في أنفسهم. (روح المعاني زكريا ٨٥/٤)

أخبرتني عائشة رضي اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (صحيح مسلم ٧٧/٢)

قال النوويؒ: فإنه صريح في رد كل البدع والمخترعات. (شرح النووي على مسلم ٧٧/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۵/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شبِ معراج منانا؟

سوال (٦٩): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں برسہا برس سے ماہِ رجب کی ۲۷/ ویں شب کو مساجد میں شبِ معراج مناتے ہیں، جس کو عام لوگ شب برأت وشب قدر کی طرح فضائل وبرکات والی رات سمجھتے ہیں اور یہ بھی جاگنے کی رات کے نام سے مشہور ہے؛ لیکن جامع مسجد نرمل میں پچھلے آٹھ نو سال سے بعض علماء نے یہ سلسلہ بند کردیا اور یہ بیان کیا کہ شبِ قدر وغیرہ کی طرح شبِ معراج منانے کی اہمیت نہیں ہے، اور قرآن وحدیث سے شبِ معراج کی کوئی اہمیت وفضیلت ثابت نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد صحابہ وتابعین کے دور میں کہیں بھی اور کبھی بھی شبِ معراج نہیں منائی گئی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ سب باتیں درست ہیں؟ جب کہ پچھلے آٹھ نو سال سے جامع مسجد نرمل میں یہ سلسلہ بند ہے، اب کچھ لوگ شدت کے ساتھ پھر اس کو رواج دینا چاہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بحوالہ کتب جواب صادر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً تو حتمی طور پر یہ بات طے نہیں ہے کہ معراج کس مہینہ اور کس شب میں پیش آئی؟ دوسرے اگر کوئی تاریخ ثابت بھی ہوجائے تو اس رات میں خصوصیت کے ساتھ عبادت کرنے اور اس کا غیر ضروری اہتمام کرنے کا ثبوت دورِ نبوت، دورِ صحابہ اور سلف صالحین سے نہیں ہے، اس لئے جو حضرات اس رات میں خصوصی پروگرام وغیرہ کرنے پر نکیر کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ اور جن مساجد میں اس رات میں پروگرام کرنے کا سلسلہ جاری ہے اسے ختم کرنا ضروری ہے، تاکہ اس بدعت پر روک لگ سکے۔

یکرہ الاجتماع علی إحیاء لیلۃ من هٰذه اللیالي المتقدم ذکرها في المساجد وغیرها؛ لأنه لم یفعله النبي ﷺ ولا أصحابه، فأنکره أکثر العلماء من أهل الحجاز، وقالوا: ذٰلک کله بدعة. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، فصل في تحیة المسجد ۳۲۶)

اعلم إنا لم نجد في الأحادیث لا اثباتاً ولا نفیاً مما اشتهر بینهم من تخصیص الخامس عشر من رجب بالتعظیم والصوم والصلاة. (ما ثبت بالسنة ۱۹۱–۱۹۲، بحواله: فتاویٰ محمودیه ۵۰۰/۵ میرٹھ)

ومن هنا یعلم کراهة الإجتماع علی صلوة الرغائب التي تفعل في رجب أو في أولی جمعة منه، وأنها بدعة. (شامی زکریا ۲/ ۴۶۹، حلبی کبیر ۴۳۲/، البدایة والنهایة۳/ ۱۰۹، مرقاة المفاتیح ۱۱/ ۱۳۸، روح المعاني ۹/ ۱۰، معارف القرآن بیت الحکمة دیوبند ۵/ ۴۴۳، سیرة المصطفی ۱/ ۲۸۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۷/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت میں عبادت کی شرعی حیثیت؟

سوال (۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: شب برأت میں عبادت کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مستحب ہے یا مکروہ؟ اگر مستحب ہے تو تو کیا حضرت تھانویؒ کے بیان کے مطابق مکروہات شامل ہونے کی وجہ سے اس رات کی عبادت مکروہ ہوجائے گی، جیسا کہ تحریر کیا ہے کہ فعل مباح؛ بلکہ مستحب عمل بھی غیر مشروع کے مل جانے سے غیر مشروع وممنوع ہوجاتے ہیں۔ (اصلاح الرسوم ۱۱۴)

اسی طرح سبھی جانتے ہیں کہ اس رات میں مسلمانوں نے خود تراشیدہ رسومات رائج کرلی ہیں، مثلاً آتش بازی، حلوہ کا ضروری اور ثواب سمجھنا، اور اسراف بے جا وغیرہ وغیرہ، جو درجہ بدرجہ حرام اور بدعت ہیں۔ تو کیا ''**شر الأمور محدثاتها، كل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار**'' کا مصداق ہیں، تو کیا حضرت گنگوہیؒ کے بیان کے مطابق اس شر سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے اس امر مستحب کو ترک نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ فرمایا ہے کہ دفاعِ شر کے لئے ترکِ مستحب واجب ہوجاتا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ باب التقلید والاجتہاد)

الغرض اس رات میں عبادت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس رات کی عبادت کو مکروہ نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ عبادت کے غلط طریقہ ہی کو غلط کہا جائے گا، اور لوگوں کو ترغیب دی جائے گی کہ نفلی عبادت تنہائی میں انجام دیں اور شرعی حدود سے تجاوز نہ کریں۔

اور حضرت تھانویؒ کے جس مقولہ سے آپ نے استدلال کرتے ہوئے اس رات کی مطلق عبادت کو مکروہ قرار دینے کی کوشش کی ہے، وہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ اس مقولہ کا محمل یہ ہے کہ وہ امور مثلاً اجتماعی طور پر نفلی عبادت کرنا اگر ان کے ساتھ مکروہات شامل ہوجائیں، تو اس عمل سے منع کیا جائے گا نہ کہ مطلق عبادت سے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر بالفرض کسی جگہ کے لوگ رمضان کی راتوں میں بدعات ومکروہات کا ارتکاب کرنے لگیں، تو اس کی بنا پر نفس عبادت سے نہیں روکا جائے گا؛ بلکہ بدعات ورسومات پر نکیر کی جائے گی۔

يكره الاجتماع على إحياء ليلة من هٰذه الليالي المتقدم ذكرها في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز، وقالوا: ذٰلک كله بدعة. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، فصل في تحية المسجد ٣٢٦)

اعلم إنا لم نجد في الأحاديث لا اثباتاً ولا نفياً مما اشتهر بينهم من تخصيص الخامس عشر من رجب بالتعظيم والصوم والصلاة. (ما ثبت بالسنة ١٩١-١٩٢، بحواله: فتاویٰ محموديه ٥/٥٠٠ ميرٹھ)

أشار بقوله "فرادیٰ" إلى ما ذكره بعد في متنه من قوله: ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد. وتمامه في شرحه، وصرح بكراهة ذلک في الحاوي القدسي، قال: وما روى من الصلوات في هذه الأوقات يصلي فرادى غير التراويح ...... ومن هنا يعلم كراهة الإجتماع على صلوة الرغائب التي تفعل في رجب أو في أولى جمعة منه، وأنها بدعة . (شامی زكريا ٢/ ٤٦٩، حلبى كبير/ ٤٣٢، البداية والنهاية٣/ ١٠٩، مرقاة المفاتيح ١١/ ١٣٨، روح المعاني ٩/ ١٠، معارف القرآن بيت الحكمة ديوبند ٥/ ٤٤٣، سيرة المصطفى ١/ ٢٨٨)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦)

قال النوويؒ: فإنه صريح في رد كل البدع والمخترعات. (شرح النووي على مسلم ٢/٧٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت کی عبادت؟

سوال (۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شبِ برأت میں رات کو عبادت کے لئے جاگنے کی حیثیت کیا ہے؟ ایک صاحبہ فرماتی ہیں کہ شبِ برأت میں جاگنا، عبادت کرنا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے؛ لہٰذا یہ جائز نہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض ضعیف روایات سے شب برأت میں عبادت کا ثبوت ملتا ہے؛ لیکن اسے لازم یا واجب سمجھنا درست نہیں، اور پوری رات جاگنا بھی ضروری نہیں، اور آج کل اس رات میں اجتماعی عبادات کا جو اہتمام ہونے لگا ہے کہ اس رات میں غسل کر کے نئے کپڑے پہنے جاتے ہیں، اور مخصوص طرح کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اوران کی ترغیب دی جاتی ہے، اس طرح کی باتوں کا سلفِ صالحین سے ثبوت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳/۲۵۳)

عن علي بن أبي طالب کرم اللّٰہ وجهه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إذا کان لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلتها وصوموا یومها ...... (سنن ابن ماجة ۹۹ رقم: ۱۳۸۸، شعب الإیمان ۳/۳۸۹ رقم: ۳۸۲۲)

قال العراقي في تخریج الإحیاء (۱/۱۸۲) إسناده ضعیف، وقال السندي: (۱/۲۱۷) في الزوائد: إسناده ضعیف لضعف ابن أبي سبرة. (بحواله: نوادر الحدیث ۲۱۶)

عن أبي هریرة رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: کم من صائم لیس له من صیامه إلا الظمأ، وکم من قائم لیس له من قیامه إلا السهر. (مشکوٰۃ شریف ۱۷۷)

والقول الثاني یکره الاجتماع لها في المساجد للصلاة وهٰذا قول الأوزاعي إمام أهل الشام وفقیههم وعالمهم. (طحطاوي علی المراقي أشرفیة ۴۰۲) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شبِ برأت میں صحابہؓ سے کوئی اجتماعی عمل ثابت نہیں

سوال (۷۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پندرھویں شبِ شعبان (یعنی شبِ برأت) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل کیا تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شبِ برأت میں صحابہ کرامؓ سے اجتماعی طور پر کوئی عمل ثابت نہیں ہے؛ البتہ اس رات کی فضیلت کے سلسلہ میں متعدد روایات منقول ہیں، جن میں سے اکثر ضعیف ہیں، اور بعض حسن کے درجہ کی ہیں، اس لئے انفرادی طور پر بلا کسی تخصیص کے اس رات کے عبادت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ''يطلع اللّٰه في ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه إلا لمشرك أو مشاحنٍ''. (**ومثله عن أبي بكر الصديق وأبي ثعلبة الخشني رضي اللّٰه عنهما وعائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها وغيرهم**) (أنظر: شعب الإيمان للبيهقي ٣٧٨/٤-٣٨٧، أنوار رسالت ١٧١-١٧٥)

عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن اللّٰه ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلي فأعافيه، ألا كذا ألا كذا حتى يطلع الفجر. (سنن ابن ماجة ٩٩، شعب الإيمان للبيهقي ٣٧٨/٣-٣٧٩ رقم: ٣٨٢٢)

الحديث ضعيف، ابن أبي سبرة أبي بكر بن عبد اللّٰه بن محمد ابن أبي سبرة، قال أحمد وابن معين: يضع الحديث، وقال ابن حبان: كان ممن يروي الموضوعات عن الثقات، لايجوز الاحتجاج به. (التقريب رقم: ٦٧٦٤، بحواله: فتاوى

محمودیه ڈابھیل ۲۵۷/۳)

ویکره الاجتماع علی إحیاء لیلة من هذه اللیالي المتقدم ذکرها في المساجد وغیرها، لأنه لم یفعله النبي صلی اللّٰه علیه وسلم ولا أصحابه، فأنکر أکثر العلماء من أهل الحجاز ...... قالوا: ذلک کله بدعة. (مراقی الفلاح مع الطحطاوي ۴۰۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت کی فضیلت سے متعلق احادیث کا حکم

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا شبِ برأت کی فضیلت میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، کیا وہ سب کی سب موضوع وضعیف ہیں؟ اگر موضوع وضعیف ہیں تو کیا محدثین کے یہاں پر ان کا فضائل میں بھی کوئی اعتبار ہے یا نہیں؟ نیز کیا اس شب میں دعا واستغفار ونوافل اگر کوئی بغیر اہتمام کے کرنا چاہئے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شبِ برأت کے متعلق اکثر روایات ضعیف اور بعض حسن درجہ کی ہیں؛ لیکن تعدد طرق کی وجہ سے بہت سے مشائخ نے ان کو فضائل میں کسی حد تک قبول کیا ہے۔ بریں بنا اس رات کی فی الجملہ فضیلت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور اس میں انفرادی عبادت کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ اجتماعی ہیئت یا کسی خاص عبادت کا اس رات میں التزام ثابت نہیں ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ (معارف القرآن ۵۸۷/۷، فتاوی شیخ الاسلام ص: ۷۴، احکام شب برأت للتھانوی مرتب مولانا محمد زید صاحب ۱۳، روایات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: شعب الایمان للبیہقی ۳۷۸/۴-۳۸۷، انوار رسالت ۱۷۱-۱۷۵)

ویکره الاجتماع علی إحیاء لیلة من هٰذه اللیالي في المساجد قال في

الحاوي القدسي ولا يصلي تطوع بجماعة غير التراويح وما روي من الصلوات في الأوقات الشريفة كليلة القدر وليلة النصف من شعبان وليلتي العيد وعرفة والجمعة وغيرها تصلى فرادى. (البحر الرائق ٢/٥٢ كوئٹه، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٣٢٦)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً. (سباحة الفكر مع مجموعة الرسائل الست ٧٢، فتح الباري ٢/٦٠٩ بيروت، مرقاة المفاتيح ٢/١٤، فتاویٰ محمودیه میرٹھ ١١/٣٠١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۴/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت کے متعینہ نوافل ووظائف

سوال (۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شبِ برأت میں متعینہ نوافل ووظائف جو الگ الگ طریقے سے تحریر کراکر تقسیم کئے جاتے ہیں تو کیا اس طریقے سے متعینہ محدود عبادت کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شبِ برأت میں کوئی خاص عبادت یا کوئی خاص وظیفہ لازم نہیں ہے؛ بلکہ بشاشتِ قلبی کے ساتھ جس عبادت میں بھی طبعیت لگے اس میں مشغول ہونا چاہئے، اور آج کل اس کے متعلق جو پمفلٹ وغیرہ تقسیم کئے جاتے ہیں، وہ اکثر غیر معتبر باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں؛ اس لئے تحقیق کے بغیر ان پر اعتماد نہ کیا جائے۔ (دینی مسائل اوران کا حل ۴/۲۶، فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۵۳ ڈابھیل، انوار رسالت ۱۷۶)

وفي الإمداد: ويحصل القيام بالصلاة نفلا فرادى من غير عدد مخصوص وبقراءة القرآن والأحاديث وسماعها وبالتسبيح والثناء والصلاة والسلام على النبي ﷺ. (شامی ٢/٤٦٩ زكريا)

ومعنى القيام أن يكون مشتغلا معظم اليل بطاعة، وقيل بساعة منه يقرأ أو يسمع القرآن أو الحديث أو يسبح أو يصلي عن النبي ﷺ. (طحطاوي على المراقي ۲۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت میں اجتماعی طور پر سورہ یاسین پڑھنے پر اصرار؟

سوال (۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شبِ برأت کے فضائل کے پیش نظر اس رات کی مغرب کی نماز کے بعد تمام مصلیان عوام وخواص ایک ساتھ بیٹھ کر تین مرتبہ یاسین شریف بلند آواز سے پڑھتے ہیں، جس میں پہلا یاسین طول عمر کے لئے پڑھا جاتا ہے، دوسرا یاسین وسعت رزق کے لئے پڑھا جاتا ہے، تیسرا یاسین مصائب اور بلیات سے حفاظت کے لئے پڑھا جاتا ہے، اس کے بعد اجتماعی دعا بھی کی جاتی ہے، شہر کی اکثر مساجد میں یہ معمول ہے؛ لیکن ایک مسجد کے امام صاحب نے جب ان کا تقرر ہوا، اسی وقت سے مذکورہ چیز کو بدعت قرار دیتے ہوئے منع کر دیا؛ لیکن اراکین مسجد نہیں مانے جو عادۃً پڑھا جاتا ہے، اس کے ترک سے فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا، یہ کہتے ہوئے دوسرے ایک حافظ کو رکھ کر پڑھوایا، اب چار سال بعد بعض حضرات کی ضد کی وجہ سے اراکین مسجد پھر امام کو مجبور کر رہے ہیں کہ آپ ضرور پڑھیں؛ لیکن امام صاحب نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کی کوئی گنجائش میرے پاس نہیں ہے۔ کیا اس طرح امام صاحب کو مجبور کرنے کا حق اراکین مسجد کو ہے یا نہیں؟ اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اس عمل کا جس مسجد میں تعامل ہے وہاں پڑھیں؛ اس لئے کہ چھوڑنے سے فساد ہوگا، اور جس مسجد میں تعامل نہیں ہے وہاں نہ پڑھیں؛ اس لئے کہ اس کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے، کیا یہ قول صحیح ہے؟ اور بعض اس قول کی صحت کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کے بنی اسرائیل کو شرک نہ روکنے سے استدلال کرتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شبِ برأت میں مخصوص انداز میں اجتماعی طور پر سورۂ یاسین شریف پڑھنے کا معمول التزام مالا یلزم کی وجہ سے منع ہے، اور اس پر اصرار کرنا بدعت ہے، امام صاحب مذکور کا اس پر نکیر کرنا صحیح ہے، اور ذمہ دارانِ مسجد کا ان کو اس اجتماعی عمل میں شرکت پر مجبور کرنا صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۵/۴۷۶-۴۷۷ میرٹھ)

کم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص مكروهاً. (سباحة الفكر ٧٢، السعاية / باب صفة الصلاة ٢٦٥/٢، بحواله: فتاویٰ محمودیه ٢٢٥/٥ میرٹھ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت میں صلوٰۃ التسبیح کو باجماعت ادا کرنا؟

سوال (۷۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شبِ برأت کی رات میں اکثر صلوۃ التسبیح باجماعت ادا کی جاتی ہے؛ لیکن یہ نفلی نماز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نفل تنہا پڑھے جاتے ہیں تو کیا جماعت سے پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟ مہربانی کر کے تسلی بخش جواب سے نوازیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صلوٰۃ التسبیح کا باجماعت پڑھنا کہیں سے ثابت نہیں ہے، اس لئے شبِ برأت ہو یا کوئی اور وقت صلوٰۃ التسبیح یا دیگر سنن ونوافل کو علی الاعلان باجماعت پڑھنا سخت مکروہ ہے؛ البتہ اس طرح کے نوافل کو ذوق وشوق اور یکسوئی کے ساتھ تنہا تنہا پڑھنا یقیناً موجبِ اجر وثواب ہوگا۔ (فتاوی حقانیہ ۳/۲۶۶، فتاوی محمودیہ ۷/۲۵۳، ۳/۲۷۵ ڈابھیل)

ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد، قال في

الـحـاوى الـقـدسـي: ولا يـصـلـى تـطـو ع بـجماعة، وما روي من الصلوات في الأوقـات الشـريـفة تـصلى فرادى، ومن هٰهنا يعلم كراهية الاجتماع على صلوة الرغائب التي يفعل في رجب أول ليلة جمعة منه وأنها بدعة. (طحطاوی ۲۸۸/۱)

إن كلا من صلاة الـرغـائـب ليـلة أول جمعة من رجب وصلاة البرأة ليلة نصف من شعبان وصلاة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة. (حلبی کبیر ٤٣٣)

والـجـمـاعة في النفل في غير التراويح مكروهة. (مراقي الفلاح ٣٨٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت کا حلوہ

سـوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لوگوں کا کہنا ہے کہ اس دن حلوہ اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ کھایا تھا، اس لئے حلوہ بنانا اور کھانا سنت ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرہویں شعبان کو حلوہ بنانے کی رسم کھلی ہوئی بدعت ہے، قرآن وسنت اور سلفِ صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، اور یہ دعویٰ کہ اس دن اور اس تاریخ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دندانِ مبارک شہید ہونے کی وجہ سے حلوہ نوش فرمایا تھا، تاریخی اعتبار سے قطعاً جھوٹ ہے؛ کیوں کہ دندانِ مبارک کی شہادت کا واقعہ غزوۂ احد میں پیش آیا تھا، جو شوال ۳ھ میں واقع ہوا، اس کا شعبان کے مہینہ سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز یہ بات کہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس موقع پر حلوہ نوش کیا ہے، یہ بھی بے دلیل اور بے ثبوت ہے، دراصل اپنی من گھڑت بات کو لوگوں میں رائج کرنے کے لئے یہ جھوٹا افسانہ گھڑا گیا ہے، تمام مسلمانوں کو ایسی بدعات ورسومات سے دور رہنے کی ضرورت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۸۵، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳/۲۶۸)

وكانت هٰذه الغزوة في شوال سنة ثلاث ما له الأزهري. (البداية والنهاية ٤/٩)

وكانت غزوة أحد في شوال سنة ثلاث يوم السبت. (عمدة القاري بيروت ١٧/١٣٨، فتح الباري بيروت ٧/٣٤٦)

كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنة أمر أو وجوبه فهو مكروه كتعيين السورة للصلاة وتعيين القراء ة مؤقت. (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ٢/٣٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شبِ برأت کے دن حلوہ پکانا اور اس پر فاتحہ دینا؟

سوال (۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شب برأت کے دنوں میں حلوہ کے ساتھ فاتحہ کرنا یا اسی دن ضروری سمجھ کر حلوہ پکا کر کھانا کیسا ہے، کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شبِ برأت کے دنوں میں اصرار والتزام کے ساتھ حلوہ پکانا اور اس پر فاتحہ دینا کتاب اللہ، سنت رسول، قیاس مجتہدین وغیرہ سے ثابت نہیں، پھر بھی ان کو دین وثواب سمجھ کر کرنا بدعت اور قابل رد ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/۴۷۰-۴۷۶ میرٹھ)

وكل هٰذه بدع ومنكرات لا أصل لها في الدين ولا مستند لها من الكتاب والسنة يجب على أهل العلم أن ينكروها، وأن يبطلوا هٰذه العادات ما استطاعوا.

(معارف السنن / باب التشديد في البول ١/٢٦٦)

کـم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم مكروهاً. (سباحة الفكر ٧٢، سعاية / باب صفة الصلاة قبيل فصل في القراءة ٢/٢٦٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت پر حلوہ کیوں بناتے ہیں؟

سوال (۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حلوہ کیوں کرتے ہیں شبِ برأت کے موقع پر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے یہاں بعض اہل بدعت کا کہنا ہے کہ ۱۵/ شعبان کو شبِ برأت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے، اور آپ ﷺ نے حلوہ نوش فرمایا تھا؛ اس لئے آپ کی اتباع میں اس دن حلوہ کھایا جاتا ہے، حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شوال کے مہینہ میں غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے، تو اس سے بڑی جہالت کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ دندانِ مبارک شوال کے مہینے میں شہید ہوئے اور اس کی یاد میں حلوہ شعبان کے مہینے میں شبِ برأت کے موقع پر کھایا جارہا ہے؟

اسی طرح کسی روایت سے یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دندانِ مبارک کی شہادت کے بعد حلوہ نوش فرمایا ہو، اس لئے شبِ برأت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے حلوہ کھانے پکانے کی رسم محض جہالت، بدعت اور قابلِ ترک ہے۔ (مستفاد: احیاء العلوم ۱۵۱، دینی مسائل اوران کا حل ۹۱/)

ومجموع ما ذكر في الأخبار أنه شج وجهه، وكسرت رباعيته، وجرحت وجنته وشفته السفلى من باطنها، ووهى منسكبة من ضربة بن قمئة وجحشت ركبته.

(فتح الباري، كتاب المغازي / باب ما أصاب النبي صلى الله عليه وسلم من الجراح يوم أحد ٧/ ٤٧٣ بيروت)

وكانت عنده الواقعة المشهورة في شوال سنة ثلاث باتفاق الجمهور.

(فتح الباري ٧/ ٣٤٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۶/ ۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت میں اجتماعی طور پر قبرستان جانا؟

سوال (۸۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شبِ برأت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر قبرستان ایصال ثواب کے لئے جانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر کوئی شخص کبھی کبھار انفرادی طور پر شب برأت میں قبرستان چلا جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن اسے ضروری سمجھنا یا تماشہ کے طور پر ٹولی در ٹولی بنا کر قبرستانوں میں بھیڑ کرنا اور روشنی وچراغاں کرنا، جیسا کہ آج کل اس کا رواج ہوگیا ہے، اس کا ثبوت دور صحابہ اور سلف صالحین سے نہیں ملتا اس سے احتراز لازم ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، فإذا هو بالبقيع فقال: أ كنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله، قلت يارسول الله! إني ظننت أنك أتيت بعض نسائك، فقال: إن الله تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. (مشكوة المصابيح ١١٤، سنن ابن ماجة ٩٩، دینی مسائل اور ان کا حل ١/ ٩٠)

(هٰذا الحديث ضعيف) أخرجه الترمذي: ٧٣٩، وابن ماجة: ١٣٨٩، وأحمد: ٢٣٨/٦، والبغوي في شرح السنة ١٢٦/٤، كلهم من طريق يزيد بن هارون، وقال الترمذي: لا نعرفه إلا من حديث الحجاج، وسمعت محمداً

يـضـعف هٰذا الحديث، وقال: يحيىٰ بن أبي كثير لم يسمع من عروة، والحجاج لم يسمع من يحيىٰ. (حاشية شعب الإيمان ۳۸۹/۳، تحقيق: محمد سعيد زغلول)

قـال ابـن الـمـنير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها. (فتح الباري، كتاب الأذان / باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال ۳۳۸/۲ بيروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا شبِ برأت میں حضور ﷺ تنہا قبرستان تشریف لے گئے تھے یا صحابہ کو بھی ترغیب دی تھی؟

سوال (۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شبِ برأت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود قبرستان تشریف لے گئے تھے یا صحابہ کرام کو بھی شبِ بیداری اور قبرستان جانے کی تلقین کی تھی؛ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبرستان تشریف نہیں لے گئے تھے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ فضیلت کی رات ہے یا عبادت کی؟ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں بتایا تھا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض ضعیف روایات سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس رات میں جنت البقیع تشریف لے جانا معلوم ہوتا ہے؛ لیکن آپ اکیلے تشریف لے گئے تھے، نہ تو اس کے بارے میں آپ نے صحابہ کو ترغیب دی اور نہ کسی کو قصداً ساتھ لے گئے؛ بلکہ اپنے اس عمل کو خفیہ طور پر انجام دیا، حتی کہ اپنی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی پہلے باخبر نہیں فرمایا۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: فقدت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ذات ليلة فخرجت أطلبه، فإذا هو بالبقيع رافع رأسه إلى السماء، فقال: يا عائشة

أكنت تخافين أن يحيف اللّٰه عليک ورسوله؟ قالت: قد قلت وما بي ذلک، ولكني ظننت إنک أتيت بعض نساء ک، فقال: إن اللّٰه تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا، فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. (سنن ابن ماجة ٩٩، شعب الإيمان للبيهقي بيروت ٣/ ٣٧٩-٣٨٠) **وقال الترمذي: لا نعرفه إلا من حديث الحجاج، وسمعت محمداً يضعف هٰذا الحديث.** (سنن الترمذي ١٥٦/١)

وأخرج مسلم عن عائشة رضي اللّٰه عنها حديثًا طويلاً في معناه من غير ذكر ليلة النصف من شعبان. (صحيح مسلم ١/ ٣١٣- ٣١٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴؍۷؍۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا شبِ برأت میں قبرستان جانا صرف حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھا؟

سوال (۸۲):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حضور ﷺ نے شبِ برأت میں صحابہ کو قبرستان جانے کی ترغیب فرمائی یا نہیں؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ برأت میں قبرستان جانے کی صحابہ کرام کو رغبت نہیں دلائی تو کیا یہ مان لیں کہ یہ عمل آپ کے لئے خاص تھا، جیسا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ یہی حال ذکر اذکار بھی ہے، کہ آپ نے اپنے لئے وہ اذکار منتخب فرمائے تھے، جن کا انتخاب اللہ نے آپ کے لئے کیا تھا، بقیہ چیزوں کی آپ نے امت کو رغبت دلائی۔ (نیل الواقدین ص:۱۳۳) نیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مطابق اس عمل کو سنت نہیں کہیں گے؛ کیوں کہ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ سنت تو اسے کہتے ہیں جس پر آپ نے ہمیشگی کی ہو، اور جو کام آپ نے اتفاقیہ کرلیا ہے اس کو سنت نہیں کہتے؛ بلکہ اس کام کے کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے، کہ اس کا جائز ہونا معلوم ہوجائے۔ (تسہیل الواعظ) اور یہاں پوری حیات طیبہ میں صرف ایک بار روایت منقول ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بعض ضعیف روایات سے خاص شب برأت میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنت البقیع میں تشریف لے جانا ثابت ہے؛ لیکن یہ روایات اس درجہ کی نہیں ہیں کہ ان سے خاص اس رات میں اِس عمل کو ''سنت'' کی حیثیت دی جائے؛ تاہم اگر روایات کو صحیح مان لیا جائے پھر بھی قبرستان جانے کے عمل کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص قرار دینا مشکل ہے؛ اس لئے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری روایت میں زیارت قبور کی ترغیب دی ہے، جس کے عموم میں شبِ برأت بھی داخل ہے؛ لیکن یاد رہے کہ زیارتِ قبور کا مقصد تذکیر آخرت ہے نہ کہ کسی رسم کی انجام دہی، اور آج کل لوگوں نے شب برأت میں قبرستان جانے کو ایک رسم بنا رکھا ہے؛ لہٰذا اس رسم پر نکیر کرنا لازم ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: زار النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله، فقال صلى الله عليه وسلم: استأذنت ربي في أن استغفر لها فلم يؤذن لي، واستأذنته في أن أزور قبرها، فأذن لي فزوروا القبور فإنها تذكركم الموت. (صحيح مسلم ۱/۳۱٤)

عن بريدة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد في زيارة قبر أمه فزوروها، فإنها تذكر الآخرة. (سنن الترمذي ۱/۲۰۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا شبِ برأت کے علاوہ قبرستان جانا جائز ہے؟

سوال (۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبان کی پندرہویں شب میں قبرستان جانا ثابت ہے

یانہیں؟ اگر کوئی اس شب میں بغیر اہتمام کے ہر سال جائے، تو کیا جا سکتا ہے یانہیں؟ ہماری مسجد کے امام صاحب کا علی الاعلان یہ کہنا ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی میں صرف قبرستان اس رات میں ایک مرتبہ گئے ہیں، لہٰذا تم کو بھی اپنی پوری زندگی پر صرف ایک ہی مرتبہ جانا چاہئے، اور بعد میں نہیں، تو میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی قبرستان گئے ہیں؟ کیا شبِ برأت کے علاوہ قبرستان جانا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شبِ برأت میں قبرستان جانا ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص بلا کسی التزام واہتمام کے اس رات میں قبرستان چلا جائے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں، اور اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ شبِ برأت کے علاوہ قبرستان نہ جایا جائے، اس لئے کہ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا متعدد مواقع پر قبرستان جانا ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر میدانِ احد میں شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، نیز آپ اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر اپنی والدہ مکرمہ کی قبر کی زیارت کے لئے بھی تشریف لے گئے تھے، جو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے بیچ ''ابواء'' نامی مقام پر واقع ہے۔

نیز آپ نے موت کی یاد کے لئے باقاعدہ قبرستان جانے کا حکم بھی دیا ہے، اس لئے تذکیر موت کے مقصد سے قبرستان جانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ کوئی اور ممانعت کی وجہ نہ پائی جائے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: فقدت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ذات ليلة فخرجت أطلبه، فإذا هو بالبقيع رافع رأسه إلى السماء، فقال: يا عائشة أكنت تخافين أن يحيف اللّٰه عليك ورسوله؟ قالت: قد قلت وما بي ذلك، ولكني ظننت إنك أتيت بعض نساءك، فقال: إن اللّٰه تعالى ينزل ليلة النصف

من شعبان إلى السماء الدنيا، فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. (سنن ابن ماجة ۹۹، شعب الإيمان للبيهقي بيروت۳/ ۳۷۹-۳۸۰) **وقال الترمذي: لا نعرفه إلا من حديث الحجاج، وسمعت محمداً يضعف هٰذا الحديث.** (سنن الترمذي ۱/۱۵٦)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: زار النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله، فقال صلى اللّٰه عليه وسلم: استأذنت ربي في أن استغفر لها فلم يؤذن لي، واستأذنته في أن أزور قبرها، فأذن لي فزوروا القبور فإنها تذكركم الموت. (صحيح مسلم ۱/ ۳۱٤)

يستحب أن يزور شهداء جبل أحد، لما روى ابن شبة أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأتي قبور الشهداء بأحد على رأس كل حول، فيقول: السلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار. (مناسك ملا على القاري ۵۲۵، تاريخ المدينة المنورة لابن شبة ۱/ ۱۳۲، طبع المدينة المنورة)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجة، الجنائز / باب ما جاء في زيارة القبور قم: ۱۵۷۱، مشكوة المصابيح ۱۵٤)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شعبان کے مہینہ میں ''صلوٰۃ فاطمۃ الزہراء'' پڑھنا؟

سوال (۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی گمنام مولوی کی لکھی ہوئی ایک کتاب ''نورانی راتیں'' اور ایک دوسری کتاب جو کہ وہ بھی کسی گمنام مولوی نے لکھ کر شائع کرائی ہے، جس کا نام ''درود مقدس'' ہے، ان دونوں کتابوں کے

بارے میں معلوم یہ کرنا ہے کہ ان میں پہلی کتاب نورانی راتیں جس کے ناشر شریف خاں نعیم خاں لوہیا بازار مسجد قاضیان مظفرنگر ہیں، اس کتاب کے صفحہ ۱۶؍ پر شعبان کے مہینہ میں ایک نماز بنام ''صلاۃ فاطمۃ الزہراءؓ'' پڑھنے کی فضیلت لکھی ہے، اس نماز کے بارے میں لکھا ہے کہ شعبان کے مہینہ میں آٹھ رکعت ایک سلام چار قعدہ کے ساتھ پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے، کیا شعبان کے مہینہ میں احادیث سے ایسی کوئی آٹھ رکعت والی نماز ثابت ہے، برائے کرم اس نماز اور اس نورانی راتیں والی کتاب کے بارے میں جواب سے نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''صلوٰۃ فاطمۃ الزہراءؓ'' کا احادیث میں کہیں ثبوت نہیں ہے، اس کے راوی خود کہتے ہیں کہ انہیں اس نماز کا علم خواب سے ہوا، اور خواب سے کوئی شرعی حکم (سنیت یا استحباب) ثابت نہیں کیا جاسکتا؛ لہٰذا خاص اس نماز کو شعبان یا شبِ برأت میں افضل سمجھنا جیسا کہ عوام نے عقیدہ بنا رکھا ہے، قطعاً بے اصل ہے۔

یکره الاقتداء في صلاة الرغائب وبراءة، وتحته في الشامي: هي ليلة النصف من شعبان. (شامي زكريا ٢/ ٥٠١)

لا أنه يقطع بأمر المنام ولا أن تبطل بمثله سنة ثبتت، ولا يثبت به سنة لم تثبت، وهٰذا بإجماع من العلماء. (إكمال المعلم بفوائد مسلم للقاضي عياض ١٥٣/١، شرح النووي على مسلم ١٨/١)

بخلاف الرؤيا التي يراها مؤمن فإن الاطلاع الحاصل بها ليس قطعياً ولا حجة في الشريعة بصورة من الصور. (تكملة فتح الملهم ٤/ ٤٥ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۸/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لیلۃ القدر میں مسجد کو سجانا؟

سوال (۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک کے مہینہ میں یعنی لیلۃ القدر میں مسجد کو سجانا یعنی جنریٹر لاکر ٹولی پتی پھول وغیرہ گیٹ بنا کر دھوم دھام کرنا عوام سے چندہ لے کر مثل غیر مسلم کے جیسا کہ مندروں اور گردواروں کو سجایا جاتا ہے، ایسا کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا مباح یا مکروہِ تحریمی کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیلۃ القدر یا کسی بھی خاص تاریخ میں مساجد کو سنوارنے اجتماع کرنے اور پھول پتیاں وغیرہ لگانے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، یہ چیزیں غیر مسلموں سے ماخوذ ہیں، اس طرح کی واہیات چیزوں سے ہر ممکن احتراز لازم ہے۔

یکره الاجتماع على إحياء ليلة من هٰذه الليالي في المساجد؛ لأنه لم يفعله النبي عليه الصلاة والسلام ولا أصحابه، فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز. منهم عطاء وابن أبي مليكة رحمهما اللّٰه تعالىٰ فقهاء أهل المدينة، وأصحاب مالك وغيرهم وقالوا: ذٰلک كله بدعة. (طحطاوي على المراقي ٣٢٦ مصر، البحر الرائق ٥٢/٢)

ومن ههنا يعلم كراهية الاجتماع على صلاة الرغائب التي تفعل في رجب أول ليلة جمعة منه، وأنها بدعة، وما يحتاله أهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل. (البحر الرائق / باب الوتر والنوافل ٥٢/٢، طحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي ٢١٩ كراچی)

وقال الحلبي: إن كلاً من صلاة الرغائب ليلة أول جمعة من رجب، وصلاة البراء ة ليلة النصف من شعبان، وصلاة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة. (حلبي كبير، تتمات من النوافل ٤٣٣ لاهور، فتاویٰ رحيميه ١٥٢/٦،

أحسن الفتاوىٰ ۱/ ۳۷۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۱۶ھ

رمضان کی ۲۷؍ تاریخ کو قبر کی زیارت کرنا؟

سوال (۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان کے مہینہ کی ۲۷؍ ویں تاریخ میں اور دوسرے وقت میں قبر کی زیارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو زیارت اور دعا کرنے کا افضل طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قبر پر جانے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہ کرے؛ بلکہ جب بھی موقع ہو حاضری دے، اور بہتر یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اور چاروں قل پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کرے؛ تاہم اس کے لئے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں، جیسا موقع اور سہولت ہو کر لیا جائے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من مرّ على المقابر وقرأ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجرها للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات. (كنز العمال ۱٥/ ٦٥٥ رقم: ٤٢٥٩٦ طبع مؤسسة الرسالة، فتح القدير / باب الحج عن الغير ۳/ ۱٤۲-۱٤۳ بيروت)

صرح علمائنا في باب الحج عن الغير أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها. كذا في الهداية. (شامی ۲/ ۲٤۳ کراچی، ۳/ ۱٥۱ زکریا)

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوماً أو حجاً صدقةً أو قرآءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذٰلك من أنواع البر، ويصل ذٰلك إلى الميت وينفعه. (مراقي الفلاح ٦۲۱-٦۲۲، البحر الرائق

۱۰۵/۳، فتح القدير ۱٤۲/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۴/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان میں عشاء کی اذان کے بعد "الصلوٰۃ سنة التراويح رحمکم اللّٰہ" کی منادی کرنا؟

سوال (۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سنت تراویح میں عشاء کی اذان پڑھ کر فوراً مائک میں تین مرتبہ "**الصلاة سنة التراويح رحمکم اللّٰہ**" کہا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ پڑھنا سنت ہے یا خلافِ سنت؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: اس طرح کا اعلان شرعاً ثابت نہیں اور اسے سنت سمجھنا بے اصل اور بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳۴۷/۱)

روي أن علياً رأىٰ مؤذنا يثوب في العشاء، فقال أخرجوا هٰذا المبتدع من المسجد. (عناية على فتح القدير ۲٤٥/۱)

عن مجاهد قال: كنت مع ابن عمر فثوب رجل في الظهر أو العصر، فقال: اخرج بنا؛ فإنها بدعة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٢٤/۱ رقم: ۱۹۹۰ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۳/۱۴۲۱ھ

۲۷/رمضان کو چندہ کر کے کھانا اور چاول پکانا؟

سوال (۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بنگال کے اکثر علاقے ۲۷/رمضان کو چندہ اکٹھا کر کے گائے وغیرہ ذبح کرتے ہیں، اور چاول

وغیرہ بھی چندہ کر کے پکاتے ہیں، اور ۲۷/ویں ہی تاریخ کو لازم وضروری اور باعثِ ثواب سمجھتے ہیں، اور اکثر کھانا آپس میں خود ہی کھا لیتے ہیں اور قلیل مقدار میں کھانا فقراء پر تقسیم کرتے ہیں، تو رمضان کے متبرک مہینہ میں اس طرح کی تقریبات کرنا کیسا ہے اگر کسی کتب فقہ وحدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے تو اس کو بحوالہ تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس رسم ورواج کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ اس کا ترک لازم ہے۔

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طاق راتوں میں تداعی کے ساتھ اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا؟

سوال (۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں پر رمضان المبارک میں طاق راتوں کے اندر بہت ہی اہتمام کے ساتھ تہجد میں اجتماعی دعا کا اہتمام ہوتا ہے، اور لوگ دور دراز سے اجتماعی دعا میں شرکت کے لئے آتے ہیں، اسی طرح لیلۃ الجائزہ میں بھی بہت اہتمام اور زور وشور سے اجتماعی دعا ہوتی ہے، بہت سارے لوگ ہمیں فون کر کے معلوم کرتے ہیں کہ آج دعا ہے یا نہیں؟ کیا شریعت میں اس طرح اہتمام سے اجتماعی دعاؤں کا ثبوت ہے؟ کیا ہمارا یہ عمل بدعت میں تو شامل نہیں ہو رہا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ راتوں میں باقاعدہ تداعی اوراعلان کے ساتھ اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے؛ البتہ اگر تداعی کے بغیر لوگ عبادت یا وعظ ونصیحت سننے کی غرض سے جمع ہوجائیں، اوراخیر میں دعا کرلیں تو اس میں شرعاً حرج معلوم نہیں ہوتا ہے۔

ویحصل القیام بالصلاة نفلا فرادی من غیر عدد مخصوص وبقرأة القرآن والأحادیث وسماعها وبالتسبیح والثناء والصلاة والسلام علی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم …… ویکره الاجتماع علی إحیاء لیلة من هذه اللیالي. (شامی زکریا ۲/ ٤٦٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۸/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہر مہینہ کی ۱۱/ تاریخ کو شیخ عبدالقادر جیلانی کی نیاز پڑھنا؟

سوال (۹۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہر ماہ کی قمری ۱۱/ تاریخ کو شیخ عبدالقادر جیلانی کی نیاز کرنا صلوٰۃِ غوثیہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعینہ تاریخ کو نذر و نیاز کرنا اور صلوٰۃ وسلام غوثیہ پڑھنا کھلی بدعت ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں۔

إعلم أن النذر یقع للأموات ومن أکثر العوام وما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الأنام. (شامی زکریا ۳/ ٤٢٧)

ولا تصلی علی غیر الأنبیاء ولا غیر الملائکة إلا بطریق التبع؛ لأن في الصلوة من التعظیم ما لیس في غیرها ولا یلیق ذلک بمن یتصور منه خطایاً

والـذنـوب إلا تبعاً – إلى قوله– من صلى على غيرهم إثم، وكره وهو الصحيح.

(شامی زکریا ١٠/ ٤٨٣)

عـن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلـم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حمل کے ساتویں مہینے میں ''گود بھرائی'' کی رسم؟

سوال (۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعد سلام عرض خدمت یہ ہے کہ میری شادی کو دو سال ہو چکے ہیں، اب میرے یہاں خوشخبری ہے، میری شادی دوسری برادری میں ہوئی ہے اور میری سسرال والے بریلوی خیالات کے لوگ ہیں، ان کے یہاں ساتویں مہینے میں گود بھرائی کی رسم ہوتی ہے، میرے میکے میں یہ سب رسمیں نہیں ہوتی ہیں، ان لوگوں کا ماننا ہے کہ اگر وہ یہ رسم نہیں کریں گے تو کچھ بھی ہوسکتا ہے، مثلاً میری نند کے دانے، پھوڑے کچھ بھی نکل سکتے ہیں، میرے میکے کے مالی حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ ان رسموں پر فضول خرچی کریں، اس بات کو لے کر ہم میاں بیوی میں کچھ تناؤ بھی ہے، آپ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتائیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے، کیا یہ رسم کرنا ضروری ہے؟ میں اپنے شوہر کو ناراض رکھوں یا یہ رسم کروں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حمل کے ساتویں ماہ گود بھرائی کی رسم کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کے نہ کرنے سے گھر میں کسی کو بیماری وغیرہ ہوگی، یہ محض ٹونہ ٹوٹکا اور ہندوانی رسم ہے،

کسی بھی مسلمان کے لئے ایسی رسم کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں ہے، چاہے کوئی راضی رہے یا ناراض۔

(مستفاد کفایت المفتی ۹/۶۳)

عن النواس بن سمعان رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق. (مشكوة المصابيح ٣٢١)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد. (صحيح مسلم ٢/ ٧٧) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۶/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

میلاد مروجہ کا حکم

میلاد کا سلسلہ کب شروع ہوا؟

سوال (۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میلاد کا سلسلہ کب اور کہاں سے ایجاد ہوا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محفلِ میلاد کا سلسلہ چھ صدی گذرنے کے بعد سلطان اربل کے زمانہ سے شروع ہوا ہے، جیسا کہ تاریخ ابن خلکان میں ہے، اور اسی وقت سے علماء حق اس کی تردید کرتے آرہے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۸۷ ڈابھیل)

المولود الذي شاع في هٰذا العصر وأحدثه صوفي في عهد سلطان أربل ٦٠٠هـ ولم يكن له أصل من الشريعة الغراء. (العرف الشذي ديوبند ١/٢٣١) **فقط واللہ** تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میلاد پڑھنے کا شرعی حکم؟

سوال (۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شریعت میں میلاد کا مطلب کیا ہے؟ اور میلاد کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا ہمارے بزرگانِ دین نے میلاد پڑھی ہے، اگر پڑھی ہے تو اس کا کیا طریقہ رہا ہے، اور میلاد ہی کے ضمن میں کھڑے ہوکر چیخ وچلا کر یہ کہنا کہ حضور ﷺ آتے ہیں کھڑے ہو جاؤ، تو یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور کھڑے ہوکر

سلام پڑھنا کیسا ہے؟ اور میلا د پڑھنے والوں کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میلاد کا پڑھنا کوئی شرعی چیز نہیں ہے، سلف صالحین اور صحابہ تابعین نے نہ میلا د منائی اور نہ میلا د منانے کی ہدایت کی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/۱۳۸)

نیز میلا د ہی کے ضمن میں چیخ کر یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ ئے ہیں، بالکل بے اصل اور جھوٹ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا کوئی وجود نہ تھا، نہ ان حضرات سے اس بارے میں کوئی روایت جواز کی منقول ہے نہ اصول حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ہے؛ لہٰذا اس طرح کی خرافات وبدعات سے احتراز لازم ہے۔ (کفایت المفتی ۱/۱۵۰)

لا أعلـم لهٰذه المولد أصلاً في كتاب ولا سنة ولا ينقل عمله عن أحد من العلـماء الأئمة الذين هم القدوة في الدين المتمسكون بآثار المتقدمين؛ بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الأكلون. (الجنة لأهل السنة دهلى ۲۰۱، بحواله: فتاوىٰ محموديه ميرٹھ ۳۹۵/۵)

والاحتـفال بذكر الولادة الشريفة إن كان خالياً من البدعات المروجة فهو جائز بل مندوب كسائر أذكاره عليه السلام. (إمداد الفتاوىٰ زكريا ۳۲۷/٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۲/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

براہین قاطعہ کی عبارت سے میلا د پڑھنے والوں کے کفر پر استدلال کرنا؟

سوال (۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مروجہ مجلس میلا د کے متعلق علامہ خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور قطب عالم مولانا رشید احمد

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ براہین قاطعہ میں فرماتے ہیں کہ:

''پس یہ ہر روز اعادۂ ولادت کا مثل ہنود کے سانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں معاذ اللہ۔ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور خود حرکت قبیحہ قابل لوم حرام وفسق ہے؛ بلکہ یہ لوگ (میلاد کرنے والے) اس قوم ہندوؤں سے بڑھ کر ہوئے، وہ تو تاریخ معین پر کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی قید ہی نہیں جب چاہیں یہ خرافات فرضی مناتے ہیں''۔ (براہین قاطعہ ۱۴۸)

مذکورہ خط کشیدہ عبارت: ''ہندؤں سے بڑھ کر ہوئے'' سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہندو کافر ہیں اس سے بڑھ کر میلاد کرنے والے کافر ہیں؛ کیوں کہ ہندو لوگ اپنی کفریہ مجلس کنہیا جنم اشٹمی اور اس میں ادا ہونے والے افعال واقوال کفریہ کو باعث مستحسن سمجھتے ہیں اس لئے کافر ہیں اور تاریخ معین پر کرتے ہیں اور مجلس میلاد بھی مجلس جنم اشٹمی کے مثل ہے اور میلادی لوگ بھی اس کو مستحسن سمجھتے ہیں اس لئے یہ بھی کافر ہوا؛ لیکن میلادی لوگ ہندوؤں سے بڑھ کر کافر اس وجہ سے ہوئے کہ ہندو لوگ تاریخ معین پر کرتے ہیں اور میلادی لوگوں کے یہاں کوئی قید ہی نہیں جب چاہتے ہیں یہ خرافات فرضی بناتے ہیں اس لئے اس وجہ سے میلادی لوگ ہندوؤں سے بڑھ کر کافر ہوئے۔ جناب مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ جلد از جلد اسی پرچہ پر جواب عنایت فرما کر ارسال فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

نوٹ:- جواب میں یہ وضاحت ضرور فرمائیں کہ میلادی کافر ہوں گے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً ''براہین قاطعہ'' فتویٰ کی کتاب نہیں کہ اس سے میلاد پڑھنے والوں کے کفر پر استدلال کیا جائے، دوسرے یہ کہ اس کتاب میں میلاد پڑھنے والوں کو جو ہندؤوں سے بڑھ کر قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقت کفر میں ہندؤوں سے بڑھے ہوئے ہیں؛ بلکہ منشا یہ ہے کہ عملِ کفر میں وہ ہندؤوں سے بڑھ کر ہیں اور ہر عملِ کفر موجبِ کفر نہیں ہوتا؛ بلکہ دراصل عقیدۂ کفریہ ہی موجبِ کفر ہوتا ہے، اسی وجہ سے ''براہین قاطعہ'' کی عبارت

میں کہیں کفر کا لفظ نہیں ہے، حرام اور فسق کا لفظ ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں۔

اور اصل بات یہ ہے کہ جب تک مسلمان کے قول وفعل کو عدم کفر پر محمول کیا جاسکتا ہو اس وقت تک اس کی تکفیر نہ کرنا واجب اور ضروری ہے، اس لئے اس بارے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مروجہ طریقہ پر میلاد پڑھنا شریعت میں ہرگز ثابت نہیں؛ بلکہ بدعت ہے، اور اس سے روکنا ضروری ہے؛ لیکن بایں ہمہ محض اس بناء پر میلاد پڑھنے والوں کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

قال العلامة الشامي نقلاً عن الخلاصة وغيرها: إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالحلم. وزاد في البزازية: إلا إذا صرح بإرادة موجب الكفر فلا ينفعه التاويل. وفي التاتارخانية: لايكفر بالمحتمل. (شامی کراچی ٤/٢٢٤، زکریا ٦/٣٥٨)

لا أعلم لهٰذه المولد أصلاً في كتاب ولا سنة ولا ينقل عمله عن أحد من العلماء الأئمة الذين هم القدوة في الدين المتمسكون بآثار المتقدمين؛ بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الأكلون. (الجنة لأهل السنة دهلی ۲۰۱، بحواله: فتاویٰ محمودیه میرٹھ ٥/٣٩٥)

المولود الذي شاع في هٰذا العصر وأحدثه صوفي في عهد سلطان أربل ٦٠٠هـ ولم يكن له أصل من الشريعة الغراء. (العرف الشذي ديوبند ١/٢٣١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۵/۳/۱۴۱۱ھ

میلاد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

سوال (۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میلاد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میلاد میں قیام کرنا بے اصل ہے، قرآن وسنت یا کسی بھی شرعی دلیل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ کھلی ہوئی بدعت ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۲۰)

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کبھی اپنے لئے صحابہؓ کے کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرمایا؛ بلکہ آپ کھڑے ہونے والوں کو منع فرماتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ آپ مجلس میں تشریف لائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تعظیم میں کھڑے ہوگئے، تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے قیام مت کرو، جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کے لئے قیام کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد آپ جب بھی تشریف لاتے تو صحابہ کرامؓ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؛ بلکہ آپ نے ایسے شخص کے بارے میں سخت وعید ارشاد فرمائی ہے، جو اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند کرے، نیز کسی روایت سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ومحامد کا تذکرہ کرتے ہوئے صحابہ کرام کا کھڑا ہونا منقول نہیں، جب کہ صحابہ کرامؓ آپ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔

بریں بنا مجلس میلاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا عقیدہ رکھتے ہوئے کھڑا ہونا نری جہالت اور گمراہی ہے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور کسی بھی شرعی دلیل سے اس کا ثبوت نہیں؛ بلکہ قرآن کی بہت سی آیات سے آپ کے حاضر وموجود ہونے کی تردید ہوتی ہے؛ لہٰذا اس خودساختہ بدعت سے ہر ایک کو بچنا لازم اور ضروری ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ﴾ [آل عمران: ٤٤]

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوْآ أَمْرَهُمْ﴾ [يوسف: ١٠٢]

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا﴾ [القصص: ٤٤]

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ إِذْ نَادَيْنَا﴾ [القصص: ٤٦]

عن أبي أمامة رضي الله عنه خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم متكا على عصا، فقمنا له فقال: لا تقوموا كما يقوم الأعاجم، يعظم بعضهم بعضاً. (سنن

أبي داؤد، الأدب / باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك ٧١٠/٢)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: لم یکن شخص أحب إلیهم من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، وکانوا إذا رأوه لم یقوموا لما یعلمون من کراهة لذٰلک. (سنن الترمذي، أبواب الاستیذان والأدب / باب ما جاء في کراهیة قیام الرجل للرجل ١٠٤/٢)

عن معاویة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من سره أن یتمثل له الرجال قیاماً فلیتبوأ مقعده من النار. (سنن الترمذي، أبواب الاستیذان والأدب / باب ما جاء في کراهیة قیام الرجل للرجل ١٠٤/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۷/۱۴۱۷ھ

میلادِ مروجہ کے ناجائز ہونے کا فتویٰ

سوال (۹۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے درج ذیل ان فتوں کے بارے میں جو فتاوی رشیدیہ میں درج ہے حضرت فرماتے ہیں کہ: ’’محفل میلاد ناجائز ہے‘‘ (فتاوی رشیدیہ ۱۳۱)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فتاوی رشیدیہ میں مطلق محفل میلاد کو ناجائز نہیں لکھا گیا ہے، اکثر جگہوں پر عبارت یہ ہے ’’میلاد مروجہ ناجائز ہے‘‘ جس صفحہ کا حوالہ دیا گیا ہے وہاں بھی عبارت یہ ہے ’’ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے‘‘ لہٰذا حضرت گنگوہیؒ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ مطلق محفل میلاد ناجائز ہے صحیح نہیں ہے، فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر تو مندوب ہے، چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۰ پر ہے ’’مجلس مروجہ مولود جس کو سائل نے لکھا ہے بدعت ومکروہ گرچہ نفس ذکر ولادت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگئ‘‘ اور مجلس میلاد مروجہ کو خود مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی ایک استفتاء کا جواب

دیتے ہوئے ناجائز لکھا ہے جو فتاوی رشیدیہ میں اسی صفحہ پر جس کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے، بعینہٖ نقل کیا گیا ہے۔

والاحتفال بذكر ولادته الشريفة إن كان خالياً من البدعات المروجة فهو جائز بل مندوب كسائر أذكاره صلى الله عليه وسلم والقيام ضد ذكر ولادته الشريفة حاشا لله أن يكون كفراً. (امداد الفتاویٰ ٣٢٧/٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو امام ترکِ میلاد کے قائل ہیں وہ صحیح مذہب پر ہیں

سوال (۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم بنگال کے ضلع بردوان کے باشندے ہیں، ہماری بستی میں مسلمانوں کے تقریباً چھ سو گھرانے ہیں، ہم سب حنفی المسلک ہیں، بستی میں صرف ایک ہی مسجد ہے، اب ہمارا سوال یہ ہے کہ اس وقت ہماری مسجد میں جو امام صاحب ہیں وہ قیامِ میلادی نہیں کرتے، جب کہ سابق امام قیام میلادی کرتے تھے؛ لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ ان مذکورہ دونوں اماموں میں سے کس کا عمل از روئے شرع درست ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قیام میلاد کرنے والوں کا عموماً یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں، اور یہ بات قطعاً بے اصل ہے۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام ۱۶۵، کفایت المفتی ۱/۱۴۳)

اس لئے جو امام ترک قیام میلاد کے قائل ہیں شریعت کی رو سے وہی صحیح راستہ پر ہیں۔

ومن جملة ماأحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات وأظهر الشرائع مايفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد وقد احتوى على بدع

ومحرمات. (مدخل ۱/ ۱۵۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۲۶ھ

مروجہ میلاد اہلِ بدعت کا شعار ہے

سوال (۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جلسے جگہ جگہ ہوتے ہیں کیا اس کا ثبوت صحابہ کے زمانہ میں ملتا ہے یا بعد کی ایجاد ہے، اگر بعد کی ایجاد ہے تو اس کا موجد اول کون ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میلاد النبی کے نام پر ہونے والے ایسے جلسے اور مجلسیں جن میں اخیر میں سلام پڑھتے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس مجلس میں حاضری کا عقیدہ رکھا جاتا ہے ایسی مجلسیں بدعت؛ بلکہ اہل بدعت کا شعار ہیں، دور صحابہ میں اس طرح کی خرافات کا ثبوت نہیں ملتا، البتہ اگر کوئی مجلس سیرت کے نام پر منعقد ہو اور اس میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے حالات طیبہ بیان کئے جائیں تو عین ثواب ہے۔

ومن جملة ماأحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلک من أکبر العبادات وأظهر الشرائع مايفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد وقد احتوى على بدع ومحرمات. (مدخل ۱/ ۱۵۳)

أثبت فيه طريقة محفل الميلاد الرائج اليوم في البلاد، ولم يكن يليق بالمحدث أن يؤلف في مثل هذه البدعة وإنما أحدثها صوفي في عهد الملك "إربل" سنة ستمائة، ولم يكن له أصل في الدين. (معارف السنن ۴/ ۴۳۷، کفایت المفتی ۳۵۸، فتاویٰ محمودیہ ۲۱۲/۳ ڈابھیل، فتاوی رحیمیہ ۲/ ۲۸۰-۲۸۳، امداد الفتاوی ۳۳۷/۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۷/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خوشی اور غم کے وقت مجلس میلاد قائم کرنا

سوال (۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لوگ مرنے یا خوشی اور مکان کی مکمل تعمیر کے وقت میلاد کرتے ہیں اور کھڑے ہوکر سلام وغیرہ بھی پڑھتے ہیں، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ میلاد اور قیام وغیرہ بدعت ہے شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦)

لا أعلم لهٰذه المولد أصلاً في كتاب ولا سنة ولا ينقل عمله عن أحد من العلماء الأئمة الذين هم القدوة في الدين المتمسكون بآثار المتقدمين؛ بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الأكلون. (الجنة لأهل السنة دهلی ۲۰۱، بحواله: فتاویٰ محمودیه میرٹھ ۳۹۵/۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۱/۶/۳ھ

مروجہ میلاد کے سد باب کے لئے ایک اہم مضمون

سوال (۱۰۰): - ''اسلامی شریعت میں کسی بڑے سے بڑے انسان کا یوم پیدائش یا یوم وفات ایسی کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ اس دن کو عبادت کے طور پر منانے یا یاد کرنے کا حکم دے، اسلامی شریعت میں اگر اہمیت ہے تو وہ عمل کی ہے، جب ہم پورے سال کے ان کاموں پر نظر ڈالتے ہیں جو بطور عبادت ہوتے ہیں، تو ان میں ایک بھی ایسا کام نظر نہیں آتا جو کسی تاریخ پیدائش یا

تاریخ وفات کی یاددلاتا ہو۔ رمضان المبارک میں ''لیلۃ القدر'' کی تلاش میں عبادت کرنے کا حکم ہے جواس بات کو یاددلاتا ہے کہ لیلۃ القدر میں قرآنِ کریم نازل ہوا، دنیا کے تمام مسلمانوں کو عید قرباں منانے کا حکم دیا جاتا ہے، تو اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کی اللہ کی راہ میں دی ہوئی عظیم قربانی کو یاد کرکے ان کے عمل کی نقل کی جاسکے۔ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کو یاددلاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے غرق ہونے پر اس دن شکریہ کے طور پر روزہ رکھا تھا۔

اسلام کا پانچواں فرض حج ہے، جس کے تمام ارکان کسی نہ کسی بات کو یاددلاتے ہیں، صفا ومروہ ان دونوں پہاڑوں کی سعی (دوڑنا) حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پانی کی تلاش کے عمل کو یاد دلاتا ہیں۔ عرفات کے میدان میں حاجیوں کا قیام اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ یہاں حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تھی، مزدلفہ میں حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام نے قیام کیا تھا، اسی وجہ سے حاجیوں کا اس جگہ ٹھہرنا بھی حج کے ارکان میں شامل ہے۔ خانۂ کعبہ میں مقام ابراہیم کواسی وجہ سے اہمیت حاصل ہے کہ حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس پر کھڑے ہوکر دیوارِ کعبہ اٹھائی تھی۔

یہ سب کام جن تاریخوں میں ہوئے ہیں، وہ نہ تو کسی کی تاریخ پیدائش ہیں اور نہ ہی تاریخ وفات، ان کاموں کو سالگرہ یا برسی سمجھنا کوئی بے علم اور نادان ہی کرسکتا ہے؛ کیوں کہ اردو ادب کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ سال گرہ جنم دن کی تقریب کو کہتے ہیں، اور برسی مردے کے سال پورا ہونے کی فاتحہ خوانی کو کہتے ہیں، اس لئے یہ کہنا کہ یہ کام ہر سال مخصوص تاریخوں میں ہوتے ہیں، اس وجہ سے سال گرہ یا برسی کرنا شرعاً جائز ہے، بالکل غلط اور بے ہودہ خیال ہے؛ کیوں کہ یہ سارے کام نہ کسی بادشاہ کے حکم سے ہوتے ہیں، اور نہ کسی صوفی یا ولی کے کہنے سے ہوتے ہیں، اللہ رب العزت کو تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات کی تقریبات کرانی منظور ہوتیں تو ان حضرات کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات بھی دوسری چیزوں کی طرح متعین کردی جاتیں اور حکم دیا جاتا کہ آپ اس

دن یہ کام کریں، جب کہ ایسا نہیں ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں سال گرہ یا برسی منانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ. (الحج: ۳۲)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقویٰ سے ہے۔

شعائر اللہ وہ محبوب ترین چیزیں ہیں جن کو خدائے ذوالجلال کے محبوب بندوں سے نسبت ہے، اور ہر وہ دن ہے جس میں خدائے ذوالجلال کے خاص انعام کا نزول ہوا، اور ہر وہ چیز ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔ اس آیت قرآنی کی تفسیر اتنی ہی غلط ہے جتنا ان کا حج کے ارکان کو سال گرہ اور برسی کہنا۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں اس کا لفظی ترجمہ وتفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اور جو کوئی ادب رکھے، اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے''۔ آگے تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شعائر شعیرہ کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں، جو چیزیں کسی خاص مذہب یا جماعت کی علاماتِ خاصہ سمجھی جاتی ہوں، وہ اس مذہب یا جماعت کے شعائر کہلاتے ہیں۔ (معارف القرآن) یعنی جن کاموں یا چیزوں کے کرنے سے یہ تعظیم کرے اللہ تعالیٰ کے نام لگی چیزوں کی یعنی شعائر اللہ کی تو وہ دل کے تقویٰ کی علامت ہے اور ان کی تعظیم وہی کرتا ہے جس کے دل میں تقویٰ اور خوفِ خدا ہو اور احکام کی وقعت کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کا علم بھی حاصل کرے اور یہ بھی کہ ان پر عمل کا اہتمام کرے۔ (معارف القرآن)

آپ اندازہ کیجئے کہ قرآنی آیتوں کی تفسیر بھی اپنی مرضی کے مطابق بنا کر شرع کے خلاف کاموں کو شرع کے مطابق بنایا جا رہا ہے۔ ہر زبان کا ایک قاعدہ (گرامر) ہوتی ہے، تفسیر اسی قواعد (گرامر) کے مطابق ہوتی ہے، ہمیں یہ کہیں نہیں ملا کہ شعائر اللہ ہر وہ چیز ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آ جائے، ایسا ہوتا تو دنیا کی ہر چیز شعائر اللہ ہو سکتی ہے، جب کہ عربی لغت میں شعائر خاص نشانی کو کہتے ہیں۔ تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات یعنی سال گرہ اور برسی کے دن شعائر اللہ نہیں ہو سکتے؛

کیوں کہ پیدا ہونا اور مرنا دنیا میں ہر خاص و عام کے ساتھ ہے، دنیا میں بہت سے مذاہب کے اہم تیوہار تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات پر ہیں، اس لئے سالگرہ یا برسی کا دن چاہے وہ کسی کا بھی ہو، شعائر اللہ نہیں ہوسکتا۔

رسولِ رحمت، روحِ کائنات، خلاصۂ کون ومکان، ہادیٔ برحق، خاتم الانبیاء، شہنشاہِ دو جہاں، سید الثقلین، احمد مجتبیٰ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ماہِ ربیع الاول عام الفیل بروز پیر ہوا، اس بات پر سب کا اتفاق ہے، جہاں تک تاریخ کا سوال ہے اس میں اختلاف ہے۔ آپ اکثر پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے، مگر یہ کہیں نہیں ملتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲/ربیع الاول کا روزہ رکھا ہو یا اس تاریخ میں کوئی خاص اہتمام کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یومِ ولادت کی تاریخ اسلامی شریعت میں اگر اہم ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت سے معلوم کر کے صحیح تاریخ متعین فرما دیتے کہ یہ میری پیدائش کی تاریخ ہے، اور اس میں یہ اہتمام کیا جاتا؛ لیکن ایسا ثابت نہیں؛ لہٰذا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سالگرہ منانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

جو لوگ سال گرہ منانے کے حامی ہیں، وہ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین زمانوں تک عید میلاد النبی یا میلاد وغیرہ کی تقریبات نہیں ہوئیں، بعد میں شاہِ اربل نے یہ تقریبات شروع کیں، مؤرخ اسلام سبط ابن جوزیؒ، علامہ فاکہانیؒ اور علامہ ابن خلقانؒ نے کہا ہے کہ یہ بادشاہ راگ ورنگ میں ڈوبا رہتا تھا، فحش رقص ناچ کود، دیکھ کر راگنیاں سن کر بہت خوش ہوتا تھا، جس مولوی نے شاہ اربل کی ان تقریبات کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، ان مولوی صاحب کا نام عمر ابن دحیۃ ابو الخطاب تھا، اس کی وفات ۶۳۳ھ میں ہوئی، ان مولوی صاحب کی حقیقت کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ علمائے سلف صالحین کی شانِ عالی مرتبت میں بے پناہ گستاخی کیا کرتا تھا، غلیظ اللسان (گالیاں بکنا) اور منہ پھٹ تھا، متکبر ہونے کے ساتھ حد سے زائد بے وقوف وابلہ بھی تھا، دینی امور میں لاپرواہی اور کاہل محض تھا۔ (لسان المیزان ۲۹۶/۴)

عید میلاد النبی منانے کا حکم اس طرح کے لوگوں نے دیا ہے اور عید الفطر و عید الاضحیٰ منانے کا حکم رحمت عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے، تو وہاں کے لوگوں کو نوروز اور مہرجان نامی دو تیوہاروں کو مناتے ہوئے دیکھا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کہا، ان دو دنوں کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر دو دن تم کو عطا کئے ہیں، یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن، اس کے بعد عاشقانِ رسول نے یہ دو عیدیں منانی شروع کر دیں، سچا عاشق وہی ہے جو اپنے محبوب کے کہنے پر عمل کرے، کوئی بے ادب اور گستاخ ہی کہہ سکتا ہے کہ ہم تو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو اصل عید نہیں مانتے؛ بلکہ ایک اوباش بادشاہ کی ایجاد کردہ عید میلاد النبی کو اصل عید مانیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے دور حیات اور اس کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ہو جو مدینہ کے مسلمانوں کے لئے بے انتہا خوشی کی بات تھی، یا اسلام کی پہلی جنگ ''جنگ بدر'' میں فتح ہو یا فتح مکہ کی خوشی کا موقع ہو یا اور کوئی خوشی کا عظیم ترین موقع ہو، اس کے اظہار کرنے کے لئے کبھی شہر میں یا گھروں میں چراغاں کرنے یا گلی محلوں میں جلوس نکالنے وغیرہ کی مثال نہیں ملتی، یہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی ان کاموں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ چناں چہ اس طرح کے کام کسی طرح بھی دین کے نہیں ہو سکتے؛ لہٰذا ان کاموں کو کر کے نہ تو ہم کوئی ثواب حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی کامیابی پا سکتے ہیں؛ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے کسی ایک کی بھی اقتدا کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت صحابہ کے نقش قدم پر چلنے میں ہے، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت تہتر مذہبی فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقہ کے سبھی

جہنم میں ڈالے جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا کہ وہ جنتی فرقہ کونسا ہوگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جولوگ میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلیں گے۔(مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ راہِ نجات انہیں کاموں کے کرنے میں ہے جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کیا ہو، جو کام صحابہ کرام نے نہیں کئے اور دیکھنے میں بھی شریعت کے خلاف لگتے ہوں، تو ان کاموں کے کرنے سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول عربی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کی عزت کرو، تم میں سب سے اچھے یہی لوگ ہیں، پھر وہ اچھے ہوں گے جو ان کے بعد ہوں گے، اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔(نسائی شریف)

آپ خود ہی سوچئے کہ اس حدیث شریف کی روشنی میں یہ کام کہاں تک درست ہیں؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ضرور بالضرور اگلے لوگوں کے قدم بقدم چلو گے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اسی طرح کرو گے، ہم نے کہا اگلے لوگوں سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کون؟(بخاری شریف)

یہ حدیث آج کے ماحول پر پوری اتر رہی ہے، آج مسلمانوں میں ایک دوڑ سی لگی ہوئی ہے، دوسری قوموں کی نقل کرنے کی، چناں چہ جولوگ اس نقل سے دور ہیں انہیں جاہل سمجھا جاتا ہے، جب کہ وہی لوگ صحیح ہیں۔ ۱۲؍ربیع الاول کے سلسلہ میں بھی یہی ہورہا ہے، اس میں وہ سارے کام دین کے نام پر کئے جاتے ہیں جو دیگر مذاہب میں ہوتے ہیں، اس لئے ۱۲؍ربیع الاول کو گھروں، محلوں میں چراغاں کرنے آتش بازی چھوڑنے، جلوس وجھانکیاں نکالنے ومسجد نبوی کے طغروں پر پھول چڑھانے واگربتیاں جلانے وغیرہ سے بچنا چاہئے، یہ سب کام غیر مذاہب کی نقل ہیں، جو اسلام کی شان کے خلاف ہیں، عیدالفطر کی طرح اپنے کاروبار بند رکھنا نئے کپڑے پہننا، کھانا بنا بنا کر تقسیم کرنا یعنی اس کو تیسری عید عید میلاد النبی سمجھ کر منانا اسلامی شریعت کے خلاف ہے؛

لہٰذا ہمیں ان سب کاموں سے بچنا چاہئے ؛ بلکہ ان سب کاموں کے کرنے میں مدد بھی نہیں کرنی چاہئے ؛ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی بدعتی کی تعظیم وتکریم کی، بلاشبہ اس نے مذہب اسلام کو گرانے میں مدد کی۔ (مشکوٰۃ شریف)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان کاموں سے بچنے اور ان کاموں کے کرنے میں مدد دینے سے بچائے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اسی میں ہماری دین ودنیا کی کامیابی ہے“۔

سوال یہ ہے کہ درج بالا مضمون صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید میلاد النبی کی تقریبات شرعاً بے اصل ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۴۰۶/۵)

حکمت عملی کے ساتھ مسلمانوں کو بدعات سے بچانے کی مثبت کوشش کرنی چاہئے، درج بالا مضمون اس بارے میں انشاء اللہ مفید ہوگا۔

جرت عادة كثير من المحبين إذا سمعوا ذكر وضعه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يقوموا تعظيماً له صلى اللّٰه عليه وسلم وهٰذا القيام بدعة لا أصل لها.

(الجنة لأهل السنة ۲۰۳، بحواله: محاضراتِ علميه برموضوع رضاخانيت ۱۶۱، فتاویٰ عزيزی ۹۳/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۰/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جو اہلِ بدعت قیام میلاد پر زور دیتے ہیں، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

سوال (۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اہل بدعت حضرات کسی خاص تقریب یا کسی خاص موقع پر اپنے گھروں میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد کرتے ہیں، اور اس کے آخر میں قیام کرتے ہیں اور دانش ور طبقہ اس قیام کو ضروری سمجھتا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں، جب کہ عوام کو اس بات کا علم نہیں ہے؛ بلکہ وہ حضرات صرف ایک دینی کام اور تعظیم رسول نیز اپنے آباءواجداد کے ایسا کرنے کی وجہ سے کرتے ہیں، حضرات علماء دیوبند اور فضلاء دارالعلوم عوام وخواص کو اس بدعت سے منع کر کے اسے ترک کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، تو ان بدعتی حضرات کی طرف سے ذلت ورسوائی اور گالم گلوچ وغیرہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان حضرات کا مجلس میلاد میں قیام کرنا اور نہ کرنے والے اور منع کرنے والوں کو برا بھلا کہنا اور گالم گلوچ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ان حضرات کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کریں، جو مجلس میلاد میں قیام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر کے قائل نہیں ہیں؛ کیوں کہ اگر قیام کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں تو لوگوں میں تفریق اور انتشار کا اندیشہ ہے، اور اس میں شرکت کرتے ہیں تو بھی غلط ہے اور عقیدۂ علماء دیوبند کے خلاف ہے؛ لہٰذا قیام میلاد کے جواز یا عدم جواز کی مکمل ومدلل وضاحت فرمائیں؟ اور علماء دیوبند کو برا بھلا کہنے والوں کے ساتھ ہمارا کیا کردار ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مجالس میلاد مروجہ کا قیام شریعت میں ثابت نہیں، دور نبوت، صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں اس کا کوئی وجود نہ تھا، نہ ان حضرات سے اس کے بارے میں جواز کی کوئی روایت منقول ہے، نیز یہ قیام اس عقیدے سے کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں، محض جہالت اور بدعقیدگی ہے؛ لہٰذا کسی صحیح العقیدہ شخص کو ایسی مجلس میں شرکت بھی نہیں کرنی چاہئے، اور اگر بالفرض شرکت ہو جائے تو اس عملِ بدعت میں ساتھ نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ اپنے موقف پر قائم رہے اور ملامت کا خوف نہ کرے اور ساتھ میں حکمت عملی اور نرمی کے ساتھ صحیح مسلک بیان کرتا رہے، اور رفتہ رفتہ ایسی فضا بنائی

جائے کہ اس طرح کی بدعت کا خاتمہ ہوجائے۔ (کفایت المفتی ۱/۱۴۹، احسن الفتاویٰ ۱/۳۴۷، امداد الفتاویٰ ۶/۳۳۷، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۸۳، عزیز الفتاویٰ کراچی ۹۸)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: لم یکن شخص أحب إلیهم من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، وکانوا إذا رأوه لم یقوموا لما یعلمون من کراهیة لذٰلک. (سنن الترمذي ۲/ ۱۰٤)

من قال أن أرواح المشائخ حاضرة یکفر. (بزازیه مع الهندیة ٦/ ۳۲٦، ومثله فی الشامیة زکریا ٤/ ۹۹، طحطاوی علی المراقی ۳۷۸، البحر الرائق ۲/ ۲۹۸)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲٦۹۷، صحیح مسلم، الأقضیة / باب کراهیة قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ۱۷۱۸، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦۰٦)

لا أعلم لهٰذه المولد أصلاً في کتاب ولا سنة ولا ینقل عمله عن أحد من العلماء الأئمة الذین هم القدوة في الدین المتمسکون بآثار المتقدمین؛ بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنی بها الأکلون. (الجنة لأهل السنة دهلی ۲۰۱، بحواله: فتاویٰ محمودیه میرٹھ ۵/ ۳۹۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مجلس میلاد میں حضور ﷺ کے تشریف لانے کا عقیدہ رکھ کر میلاد پڑھنا؟

سوال (۱۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکثر بریلوی حضرات میلاد پڑھتے ہیں اور کھڑے ہوکر سلام پڑھتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے ہیں، اور اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں اور جو کھڑے ہوکر سلام کو منع کرے اس کو گستاخ رسول بددین سمجھتے ہیں، کیا بریلویوں کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں، قطعاً من گھڑت اور محض جھوٹ ہے اس بدعقیدگی کی بنیاد پر کھڑے ہوکر سلام پڑھنا کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ کار ثواب نہیں؛ بلکہ بدعت ہونے کی وجہ موجبِ گناہ ہے، اور اس دور میں فرقۂ مبتدعہ نے اسے اپنا مذہبی شعار بنالیا ہے؛ اس لئے کسی بھی صحیح العقیدہ مسلمان کو ایسے عمل میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہئے، اور ان بدعات سے بچتے ہوئے درود شریف کی کثرت اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب اور مبارک تذکرہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(مستفاد: تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر، المعروف: ''آنکھوں کی ٹھنڈک''، کفایت المفتی ۱/۹۰، فتاوی خلیلیہ ۲۶۴، فتاوی رشیدیہ ۱۶۶، عزیز الفتاوی ۶۵، احیاء العلوم ۱۶۵، ۱۴۶، فتاوی محمودیہ ۲۱۲/۳ ڈابھیل، کیا صلوٰۃ وسلام اور محفل میلاد بدعت ہے؟ ۶۳-۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور ﷺ کا نام آنے پر حاضرین کا ایک آواز میں گا کر درود پڑھنا؟

سوال (۱۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں کوئی محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی بھی دینی مجلس کے شروع میں یا درمیان میں جب کوئی شعر یا نعت شریف پڑھی جاتی ہے، تو ہر مصرع کے بعد مقرر صاحب اور سامعین سب ایک ساتھ مل کر لحن کے ساتھ گا گا کر درود شریف پڑھتے ہیں، ایک مخصوص درود شریف جو اسی موقع پر پڑھی جاتی ہے، مثال کے طور پر:

سیرت اگر خوب نباشد صورت خوب نیست ❖ گل اگر خوشبو نبا شد قابل گلزار نیست

اس کے بعد سب مل کر "اللّٰهم صلی علی سیدنا و مولانا محمد وعلی آل سیدنا مولانا محمد". پھر دوسرا مصرع شروع کرتے ہیں اور اسی طرح درود پڑھتے رہتے ہیں، اور پھر آخر میں بریلوی حضرات کی طرح قیام میلاد بھی پڑھتے ہیں، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

(۱) آیا ان جیسے مواقع پر اس طرح سے درود شریف پڑھنا شرعی اعتبار سے کوئی قباحت ہے یانہیں؟ اگر ہے تو کس درجہ کی قباحت ہے مفصل تشریح فرمائیں۔

(۲) اسی طرح آخر میں محفل میں قیام میلاد پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

(۳) ایسی مجلس میں اگر کوئی دیوبندی عالم اتفاق سے حاضر ہو جائے یا دوسرا مقرر کی حیثیت سے شریک ہو اور اسے بھی لوگ قیام کرنے پر مجبور کریں، تو قیام میلاد پڑھ سکتا ہے یانہیں؟ اگر نہیں پڑھ سکتا ہے تو اس وقت بچنے کی کیا صورت اختیا کرنا چاہئے، براہ کرم ان سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھ کر مشکور وممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) درود شریف کو آواز میں لاکر زور زور سے پڑھنا سلف صالحین سے ثابت نہیں؛ بلکہ یہ موجودہ دور میں اہل بدعت کا شعار بن چکا ہے، اس لئے اس کا ترک لازم ہے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي الله عنه لما أخبر بالجماعة الذين كانوا يجلسون بعد المغرب وفيهم رجل يقول: كبروا الله كذا وكذا– إلى قوله– فحضر هم، فلما سمع مايقولون قام، فقال: أنا عبد الله بن مسعود فواللّٰه الذي لا إله غيره لقد جئتم ببدعة ظلما أو لقد فقتم على أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم. (مجالس الابرار ۱۸/ ۱۲۵، فتاوی رحیمیه ۲/ ۲۸۲، کفایت المفتی ۱/ ۱۴۳، عزیز الفتاوی ۱۱۵)

(۲) محفل کے آخر میں کھڑے ہوکر میلاد پڑھنا اس عقیدے کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس وقت پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام وہاں تشریف لاتے ہیں، یہ عقیدہ سراسر بے اصل اور لغو ہے، نیز اگر یہ عقیدہ نہ بھی ہو تب بھی میلاد قیام درست نہیں کیوں کہ یہ اہل بدعت نے اپنا شعار بنالیا ہے، صاحب سیرت شامی فرماتے ہیں:

جرت عادة كثيرة من المحبين إذا سمعوا بذكر وضعه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يقوموا تعظيماً له صلى اللّٰه عليه وسلم، وهذا القيام بدعة لا أصل له. (بحواله تاليفات رشيديه ١١٩، كفايت المفتى ١/ ١٥٢، أحسن الفتاوى ١/ ٣٤٧)

(۳) دیوبندی علماء کو اولاً ایسی مجالس میں جانا نہیں چاہئے، اور اگر اتفاق سے کسی جگہ مبتلا ہو جائیں تو قیام نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ اس طریقہ پر سخت نکیر کرنا چاہئے، تاکہ بدعت کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔ (تذکرۃ الرشید ۱/۱۳۵، مطبع امیر المطابع) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مروجہ میلاد، قبروں پر حاضری اور مزامیر وغیرہ کا شرعی حکم؟

سوال (۱۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ندائے شاہی کے توسط سے آپ کے تبحر علمی، دینی اخلاص، ملی دردمندی وبہی خواہی سے آگاہی ہوئی، آپ کا جذبہ خالص اور بے لوث ہے، اس خصوصیت کے لوگ کم رہ گئے ہیں، میں اپنے چند اشکالات اندیشے اور الجھنوں کا ذکر آپ سے کر رہا ہوں کہ ممکن ہے مجھے میرے اندیشوں کا جواب مل جائے۔ بچپن کا ماحول، میلاد، قیام، گیارہویں، محرم کا رہا، جب شعور پختہ ہوا کالج کی شروع ہوئی، اپنے خالو محترم کی عنایت سے عقیدے کی اصلاح ہوئی، پھر پہلی بار جب کلام پاک کا ترجمہ پڑھا تو چند متنازع باتیں خود روشن ہوگئیں، ترجمہ پڑھنے کی رغبت خالو ابا اور حضرت والد محترم کی تحریک سے ہوئی، پھر مطالعہ کا شوق ہوا، شریعت اور جہالت اور فیصلہ کن مناظرہ اور حضرت

تھانویؒ کی ایک دو کتابیں پڑھنے سے ذہن اور بھی صاف ہوا، پھر چند کتابیں رافضی عقائد واعمال سے متعلق پڑھنے کو ملیں، انہیں سمجھا، جماعت اسلامی کے لوگوں سے رابطہ ہوا، چند کتابیں ان کی پڑھیں پھر مولانا علی میاں ندویؒ کی خلافت وملوکیت پڑھی، اور حضرت شیخ الحدیثؒ کا کتابچہ مولانا مودودی پر پڑھا، تبلیغی نصاب سے وابستگی ہوئی، اکابرین سے ملاقات اور مصافحہ کرنا میسر آیا، ملک کی بڑی تنظیموں سے ان کی سرگرمیوں سے ان کے سربراہان کی عظمت، اہمیت وفضیلت سے آگاہی ہوئی۔ اہل حدیث علیحدہ امام کی پیروی کرتے ہیں، ان کا طریقہ کار مختلف ہے، شیعہ حضرات بھی خلفاء کے دور اوران سے اختلاف کے بعد سے الگ راہ اپنا چکے تھے؛ لیکن دیوبندی، بریلوی، تبلیغی اور جماعت اسلامی، یہ سارے امام اعظمؒ کی پیروی اور تقلید کرنے والے ہیں، ان سارے لوگوں کے علم کا ماخذ قرآنِ کریم اور احادیث ہیں، پھر اختلاف کیوں؟ میلاد، قیام، قبروں کی حاضری، مزامیر کوئی صحیح مانتا ہے کوئی غلط؟ براہ کرم اس اختلاف کو واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ طریقہ پر میلاد کرنا اوراس میں قیام کا اہتمام کرنا بے اصل اور بدعت ہے، حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ اربعہ اور سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور پھر یہ عقیدہ کہ میلاد کی مجلس میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لاتے ہیں محض جہالت ہے، اس لئے ان بدعات سے بچتے ہوئے سیرتِ طیبہ علی صاحبا الصلاۃ والسلام کے تذکرہ کی مجلس منعقد کرنی چاہئے، اور بدعت والی مجلسوں سے پوری طرح احتراز کرنا اور ان پر نکیر کرنا ضروری ہے، کسی بھی عمل بدعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اظہار ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اور رہ گئی قبروں کی حاضری تو وہ فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن آج کل قبرستانوں اور درگاہوں میں جو شرک وبدعت کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں، وہ ہرگز جائز نہیں، ان میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔

اورمزامیر یعنی گانا باجا چاہے اشعار کسی بھی طرح کے ہوں، اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں انہی آلاتِ لہو ولعب کو توڑنے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ تو غور فرمایئے کہ جن آلات کو توڑنے کے لئے آپ کی بعثت ہوئی ہے، ان سے تعلق رکھنے والا شخص اوران کو اچھا سمجھنے والا انسان محبّ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم متكئاً علـى عصا فقمنا له، فقال: لا تقوموا كما يقوم الأعاجم يعظم بعضها بعضاً. (سنن أبي داؤد ۲/۳۹)

ونظير ذٰلک فعل كثير عند ذكر مولده صلى اللّٰه عليه وسلم، ووضع أمه لـه مـن الـقيـام، وهو أيضاً بدعة لم يرد فيه شيءٌ. (الفتاوىٰ الحديثيه ۱۱۲، بحواله: فتاوى محموديه ڈابھيل ۳/۱٦٦)

عـن بـريـدة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها. (صحيح مسلم ۱/۳۱٤)

عـن أبـي أمامة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن اللّٰه عـزوجـل بـعثني رحمة وهدىً للعالمين، وأمرني إن أمـحـق المزامير والكيّارات والمعازف والأوثان. (مسند أحمد ٥/۲٥۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۶/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر میلاد پڑھنا اور غیر مسلم ناپاک بچوں کا مسجد میں آنا؟

سوال (۱۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: مسجد کے اندر محفل میلاد منعقد کرنا ایسی حالت میں جب کہ مسجد کے باہر تمام جگہ پڑی ہو، اور آسانی کے ساتھ پروگرام کیا جاسکتا ہو جائز ہے یا نہیں؟

مذکورہ پروگرام سننے کے لئے ہمارے علاقہ میں غیر مسلم ناپاک بچے بچیاں بھی شرکت کرتے ہیں، کیا غیر مسلم ناپاک کے بچوں کا مسجد میں آنا جائز ہے؟ نیز اس کے لئے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ میلاد بدعت ہے، اور اس کا منعقد کرنا خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد جائز نہیں ہے، اور اس میں مشرک ناپاک بچے بچیاں وغیرہ کی شرکت سے اور قباحت پیدا ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/۳۴۷، امداد الفتاویٰ ۵/۲۴۹)

اور اس کے لئے مسجد کا لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

إذا وقف كتباً وعين موضعها فإن وقفها على أهل ذٰلك الموضع لم يجز نقلها منه لالهم ولا لغيرهم. (شامي زكريا ٦/٥٥٩)

عـن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن نتخذ المساجد في ديارنا وأمرنا أن ننظفها. (مسند أحمد ٥/١٧)

وفـي رواية: قـال عليه الصلاة والسلام: جنبوا مساجدكم صبيانكم. (رواه ابن ماجة بسنده عن واثلة بن أسقع مرفوعاً رقم: ٧٥٠) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۳/۲۵ھ

وعظ کی مجلس میں میلاد کے نام پر لوگوں کو مدعو کرنا؟

سـوال (۱۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عوام کو لفظ میلاد کہہ کر مدعو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس مجلس میں نہ تو قیام اور نہ ہی سلام ہوتا

ہے، صرف عوام کو وعظ ونصیحت کی جاتی ہے، اور مجلس کے اختتام پر عوام میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، اس صورت میں ایسی مجلس کا انعقاد کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہٖ ایسی مجالس میں شرکت ممنوع نہیں؛ لیکن اگر عالم اور مقتداء ہے کہ اس کی وجہ سے مروجہ رسومات کو شہ مل سکتی ہے، تو اسے شرکت سے احتراز کرنا چاہئے اور اگر شرکت کرے تو اسے سیرت کے جلسہ کا نام دے۔ (کفایت المفتی ۱/۱۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اہل بستی کی خوشنودی کے لئے عالم دین کا میلاد میں شرکت کرنا؟

سوال (۱۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک عالم دین ہے ایک گاؤں کا رہنے والا ہے اور گاؤں ہی کے ایک مدرسہ میں امور دین وتعلیم انجام دیتا رہا، مگر بیان اور میلاد کے موقع پر قیام نہ کرنے کی وجہ سے زید کو مدرسہ سے الگ کر دیا گیا، ان کے چلے جانے سے مدرسہ نہ چلنے کی وجہ سے دوبارہ گاؤں والے اور ذمہ دار حضرات کا کہنا ہے کہ جب سے آپ الگ ہوئے ہیں، مدرسہ بالکل بند ہوگیا، اب اگر زید گاؤں میں تعلیمی خدمات انجام دیتا ہے تو قیام میلاد کرنا ہوگا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ تعلیم دین اور اشاعت دین کے لئے اگر بسا اوقات قیام کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ اور گناہ تو نہیں ہوگا اور شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بستی والوں کی خوشنودی کے لئے بدعات میں شرکت کرنا اور اللہ ورسول کی ناراضی مول لینا دانش مندی نہیں ہے، بدعت بہر حال بدعت ہے، اس سے ہدایت کی امید رکھنا فضول ہے، آپ کو اگر بستی میں رہنا ہے تو اپنا دامن ہر بدعت سے بچا کر رکھئے، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس عزیمت ہی کو ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔

قـال تـعـالىٰ: ﴿اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ [القصص: ٥٦]

عـن ابـن عبـاس رضـي الـلّٰـه عـنهـما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلم: من أسخط اللّٰه في رضى الناس سخط اللّٰه عليه، وأسخط عليه من أرضاه فـي سـخـطـهٖ، ومـن أرضـى الـلّٰه في سخط الناس رضي اللّٰه عنه، وأرضىٰ عنه من أسـخـطه في رضاه حتى يزينه ويزين قوله وعمله في عينهٖ. (رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد ٣٨٦/١٠، بحواله: الأحاديث المنتخبة ٣٣١ رقم: ١٢٤٣)

عن العرباض بن سارية ﷺ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ ذات يوم في خطبته......: إيـاكـم ومـحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مجلسِ میلاد میں حضور کے تشریف لانے کا عقیدہ؟

سـوال (۱۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے گاؤں میں میلاد پڑھی جاتی ہے اور میلاد کے اخیر میں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا بیان پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور اخیر میں سب مل کر کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھتے ہیں: یـا نبی سـلام علیک، یا رسول سلام علیک، صلاۃ اللّٰہ علیک اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محفل میں تشریف لاتے ہیں تو یہ عقیدہ رکھنا اور ولادت کے بیان کو ضروری سمجھنا اور خاص انہیں کلمات کے ساتھ سلام پڑھنا بیٹھے بیٹھے یا کھڑے ہوکر کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وباللّٰه التوفيق: ان امور کا عقیدہ رکھنا اور التزام کرنا یقیناً بدعت ہے

اور ایسی مجلسوں کا انعقاد نا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۰)

جرت عادة كثيرة من المحبين إذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله عليه وسلم أن يقوموا تعظيماً له صلى الله عليه وسلم، وهذا القيام بدعة لا أصل له. (بحواله تاليفات رشيديه ١١٩، كفايت المفتى ١/ ١٥٢، أحسن الفتاوى ١/ ٣٤٧)

لا أعلم لهٰذه المولد أصلاً في كتاب ولا سنة ولا ينقل عمله عن أحد من العلماء الأئمة الذين هم القدوة في الدين المتمسكون بآثار المتقدمين؛ بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الأكلون. (الجنة لأهل السنة دهلى ٢٠١، بحواله: فتاوىٰ محموديه ميرٹھ ٥/ ٣٩٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت اور ایصالِ ثواب کے متعلق

بدعات ورسومات

متوفیہ عورت کو لال دوپٹہ پہنانا

سوال (۱۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر کسی عورت کا انتقال ہوا اگر اس کا شوہر زندہ ہے تو اس میت عورت کو لال دوپٹہ پہنایا جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں میت عورت کو لال دوپٹہ پہنانے کی رسم قطعاً غلط ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے اور بہر حال میت کے لئے سفید ہی کپڑا پسندیدہ ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۵۶/۲)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲۶۹۷)

فالأفضل أن یکون التکفین بالثیاب البیض. (بدائع الصنائع ۳۹/۲، کبیری ۵۸۱، البحر الرائق ۷۶/۲، شامي زکریا ۱۰۰/۳، شامي بیروت ۹۳/۳، هندیة ۱۶۱/۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۲۴/۲/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کی چارپائی اٹھ جانے کے بعد عورتوں کا اجتماعی دعا کرنا؟

سوال (۱۱۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ چلے جانے اور اس کی نماز ہوجانے کے بعد عورتوں کا گھر میں اجتماعی دعا کرنا درست ہے یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جنازہ گھر سے چلے جانے اور نماز جنازہ ہوجانے کے بعد میت کے گھر میں عورتوں کی اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے اس کا اہتمام نہیں کرنا چاہئے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۳/۲۲۸)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧)

قال النوويؒ: فإنه صريح في رد كل البدع والمخترعات. (شرح النووي على مسلم ٢/٧٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر کا جنازہ قبرستان لے جانے کے بعد بیوی کو نہلانے کی رسم؟

سوال (۱۱۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض علاقوں میں جب شوہر کا انتقال ہوتا ہے اور اس کا جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے، تو فوراً بعد اس کی بیوی کو نہلایا جاتا ہے، کیا شوہر کا جنازہ جانے کے بعد عورت کو غسل کرنا چاہئے؟ یہ شریعت کا حکم ہے یا صرف ڈھونگ ہے، یا صرف من مانی رسم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا جنازہ قبرستان لے جانے کے بعد معتدہ بیوہ کو نہلانے کی رسم محض جہالت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحیح مسلم، الأقضیة / باب کراهیة قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦)

وقال النووي: فإنه صریح في رد کل البدع والمخترعات. (شرح النووي علی مسلم ٧٧/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر کے انتقال کے وقت بیوی کا زیور اتارنا اور چوڑی توڑنا

سوال (۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شوہر کے انتقال کے بعد اسی دن بیوی کو زیور مثلاً چوڑی وغیرہ اتار دینا چاہئے یا بعد میں بھی اُتار سکتی ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسی دن اتارنا ضروری ہے، اور اسی وجہ سے عورتیں اس کے ہاتھوں سے چوڑی وغیرہ توڑ دیتی ہیں؛ کیوں کہ بیوی کو اس وقت شوہر کے غم کی وجہ سے ہوش نہیں ہوتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا انتقال ہوتے ہی اُسی وقت بیوی کو تمام زیور بدن سے اُتار دینے چاہئے، اِس میں بلا عذر تاخیر نہ کی جائے، اور چوڑی وغیرہ کو توڑنا درست نہیں؛ کیوں کہ یہ بلا وجہ مال کی اِضاعت ہے؛ بلکہ انہیں سہولت کے ساتھ اُتار دینا چاہئے، جب عدت ختم

ہوجائے تو اسے پہن لے۔

قال تعالیٰ: ﴿**كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ**﴾ [الاعراف: ۳۱]

عـن الـمـغيـرة بن شعبة رضي اللّٰه عنه...... إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن اللّٰه كره لكم قيل وقال وإضاعة المال وكثرة السوال. (صحيح البخاري رقم: ۱٤۷۷، صحيح مسلم ۵۹۳، مسند أحمد ۱۸۱۷۹، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٤۳۷۰)

عـن ابـن عبـاس رضـي الـلّٰـه عـنهما قال: نهيت المتوفىٰ عنها زوجها عن الطيب والزينة. (المعجم الكبير للطبراني ۱۵۱/۱۱ رقم: ۱۱٤۵۱)

الـمتـوفـى عـنهـا زوجهـا يلزمها الحداد في عدتها إذا كان بالغة مسلمة، وتـفسيـر الـحـداد: الإجتـناب عن الطيب والدهن والكحل ...... ولبس المطيب المعصر ...... ولبس القصب و الخز والحرير ولبس الحلى والتزيين والإمتشاط.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۲۵۰/۵ رقم: ۷۷۷۷ هندية ۵۳۳/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرنے کے بعد مردے کو تولنے کی رسم

سوال (۱۱۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے بوڑھے کہتے چلے آرہے ہیں کہ اگر میت ہوجائے تو اس کو فوراً کسی چیز سے ناپ لو، ورنہ وہ میت بڑی ہوجاتی ہے اور لوگوں نے کہا کہ یہ تو ہمارے تجربہ کی بات ہے کہ اگر میت کو نہ ناپا تو وہ بڑی معلوم پڑتی ہے؟ کیا یہ بات درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبالله التوفيق: یہ خیال محض جہالت اور وہم ہے، روح نکلنے کے بعد میت کے بدن میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی ہے، اور ناپنے یا نہ ناپنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

عـن عـائشة رضـي الـلّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ

علیـه وآلـه وسـلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصـلـح / بـاب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحیح مسلم، الأقضیة / باب کراهیة قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦)

قـال النوويؒ: **فإنه صریح في رد کل البدع والمخترعات.** (شرح النووي علی مسلم ٧٧/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۶ھ

مردہ کے غسل میں استعمال شدہ پانی گڈھے میں جمع کرنا؟

سـوال (۱۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردہ کے غسل میں استعمال شدہ پانی کسی گڈھے میں جمع کریں یا نالیوں میں بہنے دیں، بہت سی جگہوں پر گڈھا کھود دیتے ہیں اور اس پانی کو نالیوں میں بہنے نہیں دیتے ہیں تو کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وباللّٰہ التوفیق: اصح قول کے مطابق میت کے غسل میں استعمال شدہ پانی ماء مستعمل کے حکم میں ہے؛ لہٰذا دیگر ماء مستعمل کی طرح اس پانی کے نالی میں بہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کے لئے باقاعدہ گڈھا کھودنا اور نالی میں نہ بہنے دینا بے جا تکلف ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

مستـفـاد: أو بـمـاء استـعـمـل لأجل قربة أي ثواب ولو مع رفع حدث أو غسـل میـت. قـال الشـامي: قوله أو غسل میت معطوف علی رفع حدث وکون غسـالته مستعملة هو الأصح. (شـامـی کراچی ١٩٨/١، درمختار مع الشامي زکریا ٣٤٨/١-٣٤٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۵/۱۷ھ

مغسل میت پر چالیس دن تک چراغ جلانا؟

سوال (۱۱۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض جگہوں پر دستور ہے کہ جس جگہ میت کو غسل دیا جاتا ہے تو اس جگہ کو لیپا پوتا جاتا ہے اور خاص طور پر وہاں چالیس روز تک چراغ جلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ رسم شرعاً بے اصل ہے اور کھلی ہوئی بدعت ہے۔

(مستفاد: بہشتی زیور اختری ۶/۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جنازہ کے ساتھ میٹھے چاول پکا کر لے جانا؟

سوال (۱۱۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے یہاں جب کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے تو میت کے گھر والے کچھ میٹھے چاول پکا کر بطور توشہ کے جنازہ کے ساتھ قبرستان تک لے جاتے ہیں اور وہاں جاکر تقسیم کردیتے ہیں، اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اس پر ملامت کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ شرعاً اس کی کیا حقیقت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ طریقہ شریعت میں ثابت نہیں ہے، بدعت ہے۔

(بہشتی زیور اختری ۶/۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہولان قبر کی نماز کا اعلان

سوال (۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بہت سی جگہ یہ مشہور ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس شخص کے گھر والے اور رشتہ دار یہ اعلان کرتے ہیں کہ دو دو نفل ہولان قبر کی پڑھ لو، تو کیا اس اعلان اور نماز کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہولانِ قبر کی یہ نماز بلاشبہ بدعت ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضراتِ صحابہؓ اور سلف صالحین سے اس عنوان کی کسی نماز کا ثبوت نہیں ملتا۔

ویکرہ الخ وکل ما لم یعهد من السنة والمعهود منها لیس إلا زیارتها والدعاء عندها قائماً. (شامی کراچی ۲/۲۴۵، زکریا ۳/۱۵۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲۱/۶/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میت کی تدفین کے بعد مسجد میں جمع ہوکر مغفرت کے لئے اجتماعی دعا کرنا؟

سوال (۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کے دفن کے بعد لوگ مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں اور امام صاحب اجتماعی طور پر میت کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، یہ دعا ہمارے یہاں نماز جنازہ سے پہلے ہوتی تھی، اس کے بعد دفن سے پہلے ہوتی تھی، ختم کرکے یہ صورت اختیار کی گئی، شرعی نقطہ نظر سے یہ دعا کرنا کیسا ہے، اور دفن کے بعد دعا کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ تو خود ہی دعا ہے، پھر اس کے بعد مزید دعا کے لئے مسجد میں جمع ہوکر اجتماعی دعا کرانا دورِ نبوت اور سلفِ صالحین سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ میت کے قریبی اعزہ کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ دفن کے بعد قریب کھڑے ہوکر سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری دعائیہ آیتیں پڑھیں، نیز یہ بھی حکم ہے کہ میت کے لئے قبر کے سوال جواب میں ثبات قدمی کی دعا کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۱۲۱)

ولا یدعو للمیت بعد صلاۃ الجنازۃ؛ لأنہ یشبہ الزیادۃ في صلاۃ الجنازۃ.

(مرقاۃ المفاتیح / باب المشي بالجنازۃ والصلاۃ علیہا ٤/٤١)

قال الحصکفي: وجلوس ساعۃ بعد دفنہ لدعاء وقراء ۃ بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمۃ، وفي الشامیۃ: قولہ: وجلوس الخ لما في سنن أبي داؤد: کان النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ، فقال: استغفروا لأخیکم واسئلوا لہ بالتثبیت، فإنہ الآن یسئل. (سنن أبي داؤد ٢/٤٥٩)

وکان ابن عمر رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ یستحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورۃ البقرۃ وخاتمتہا. (شامي / باب صلاۃ الجنازۃ ٣/ ١٤٣ زکریا)

عن عبد اللّٰہ ابن عمر رضي اللّٰہ عنہما قال: سمعت النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: إذا مات أحدکم فلا تحسبوہ واسرعوا بہ إلی قبرہ ولیقرأ عند رأسہ فاتحۃ الکتاب وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ في قبرہ. (شعب الإیمان للبیہقي ٧/١٦، رقم: ٩٢٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فاتحہ لگانا اور اگربتی جلانا کیوں منع ہے؟

سوال (۱۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فاتحہ پڑھنا تو اچھی چیز ہے تو پھر فاتحہ لگانا منع کیوں ہے؟ اسی طرح اگربتی جلاکر لگانا منع کیوں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہت سی صحیح باتیں غلط وقت میں انجام دینے سے ناجائز قرار پاتی ہیں، مثلاً نماز پڑھنا بہت اچھا ہے؛ لیکن یہی نماز اگر مکروہ وقت میں پڑھی جائے تو ناجائز ہے۔ اسی طرح قرآن پڑھنا بہت اچھی بات ہے؛ لیکن حالتِ جنابت میں یہی قرآن پڑھنا گناہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ پڑھنا بے شک اچھی چیز ہے؛ لیکن جب اسے کسی بدعت کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا، تو اس سے منع کیا جائے گا۔ اور آج کل جو فاتحہ رائج ہے یہ محض من گھڑت ہے، جس کا ثبوت دورِ نبوت یا دورِ صحابہ وسلفِ صالحین سے ہرگز نہیں ہے، اسی طرح خاص اس وقت ثواب سمجھ کر اگربتی جلانا بھی بدعت اور بے اصل ہے، اِن باتوں سے سب مسلمانوں کو احتراز کرنا چاہئے۔

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١)

قال في المرقاة، قال النووي: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق، وفي الشرع: إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال الشافعي: ما أحدث مما يخالف الكتاب أو السنة أو الأثر أو الإجماع فهو ضلالة. (مرقاة المصابيح ٢١٦/١ ملتان، مستفاد: فتاویٰ رشيديه باب البدعات ١٥٤، فتاویٰ محموديه ٦٦/٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۳/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فاتحہ دلانا کیسا ہے؟

سوال (۱۲۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فاتحہ دلانا کیسا ہے، اگر دے تو کیسے دے؟ اس کا طریقہ بھی تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ فاتحہ بدعت ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، ایصالِ ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو ثواب پہنچانے کی نیت کرلی جائے یا زبان سے کہہ دیا جائے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچادے، تو پہنچ جاتا ہے۔ دوسری چیزوں کے التزام کی ضرورت نہیں۔

صرح علمائنا في باب الحج عن الغير أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها. كذا في الهداية. (شامی ۲/۲۴۳ کراچی، ۳/۱۵۱ زکریا)

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوماً أو حجاً صدقةً أو قرآءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذٰلک من أنواع البر، ويصل ذٰلک إلى الميت وينفعه. (مراقي الفلاح ۶۲۱-۶۲۲، البحر الرائق ۳/۱۰۵، فتح القدير ۳/۱۴۲، امداد الفتاویٰ ۱/۱۹۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مروجہ فاتحہ خوانی کو برکت کی دعا پر قیاس کرکے جائز سمجھنا؟

سوال (۱۲۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فاتحہ کا موجودہ طریقہ یعنی کھانا شیرینی سامنے رکھ کر قرآنِ کریم کی چند سورتیں یا آیتیں اس کھانے یا شیرینی کے اوپر پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچانا یہ طریقہ قرآنِ کریم واحادیث خلفاء

راشدین ودیگر صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین، امام اعظمؒ امام مالکؒ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ کے علاوہ محدثین: امام بخاریؒ، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہؒ، اولیاء کاملین: حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ رحمہم اللہ وغیرہ سب سے ثابت ہے، جیسا کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھجور اور کھانے کے اوپر برکت کے لئے دعا کرنا ثابت ہے، اس سے انکار نہیں، اگر ثابت ہے تو اس کا ثواب کس کو پہنچائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فاتحہ کا مروجہ طریقہ جو اہل بدعت میں رائج ہے، قطعاً بدعت اور بے اصل ہے، اکابر اور سلف صالحین سے اس کا ثبوت نہیں اور برکت کی دعا پر اسے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۱۵۷، فتاویٰ محمودیہ ۱؍۲۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹؍۱؍۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تدفین کے بعد مرحوم کے گھر پر فاتحہ پڑھنا اور شیرینی تقسیم کرنا؟

سوال (۱۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرحوم کو دفن کرنے کے بعد اس کے گھر پر آکر فاتحہ پڑھنا اور شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو دفن کرنے کے بعد اس کے گھر آکر فاتحہ پڑھنا اور شیرینی تقسیم کرنا محض ایک رسم بے اصل ہے، جس کا ترک کرنا لازم ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳؍۱۰۰)

ویکره الاجتماع عند صاحب المیت ویکره له الجلوس في بیته حتی

يـأتـي إليه من يعزى؛ بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن فليتفرقوا ويشتغل الناس بأمورهم وصاحب الميت بأمره. (شامی ۱٤۹/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۱۱/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شیرینی پر فاتحہ پڑھنا

سوال (۱۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں قرآن مکمل ہونے کے بعد شیرینی تقسیم ہوئی، مگر شیرینی پر فاتحہ پڑھنا غلطی سے رہ گیا، براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ شیرینی پر فاتحہ پڑھنا ضروری تھا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیرینی پر فاتحہ پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں؛ بلکہ اس زمانہ میں فاتحہ پڑھنا چوں کہ اہل بدعت کا شعار بن گیا ہے اس لئے فاتحہ کا اس موقع پر ترک کرنا ہی ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۹۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۰/۱۳ھ

کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ پھیلا کر درود شریف پڑھنا

سوال (۱۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ پھیلا کر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر درود شریف پڑھنا حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، اس پر اصرار بدعت اور ناجائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/۲۱۲)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، الأقضیة / باب کراهیة قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ۱۷۱۸، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ۴۶۰۶)

قال النوويؒ: فإنه صریح في رد کل البدع والمخترعات. (شرح النووي علی مسلم ۲/۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

انتقال کے بعد مروجہ دعوت طعام کا شرعی حکم

سوال (۱۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض جگہوں پر یہ دستور ہے کہ میت کے ایصالِ ثواب کے لئے من جملہ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انتقال کے دوسرے تیسرے چوتھے یا پانچویں دن حسبِ موقع فقراء اور مدرسہ کے طلبہ کی دعوت کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ضروری بھی اس طرح کہ کسی بھی طرح طلبہ اور فقراء حاصل کرنے پڑے، ان کو تلاش کر کے دعوتِ طعام کی جاتی ہے، اسی طرح سوا مہینے (چالیس دن) بعد ایک دعوت کی جاتی ہے، ان دعوتوں کے بارے میں میت کے ورثہ کا خیال یہ ہے کہ یہ میت کا ایک حق ہے، جس کی ادائیگی بے حد ضروری ہے، نیز دعوت نہ کرنے پر متعلقین اور رشتہ دار بھی ورثہ کو بخیل اور میت کی بے اہمیتی اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے کا طعنہ دیتے ہیں۔ اسی طرح انتقال کے بعد میت کی دعوت کے متعلق پوچھ تاچھ مشورہ شروع ہوجاتا ہے کہ دعوت کب ہورہی ہے، کب کی جائے؟ اسی کے ساتھ ساتھ جب تک یہ دعوت نہ ہوجائے میت کے اہل خانہ سے تعزیت اور ان کے یہاں آمد ورفت کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، اور میت کے اہل خانہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ابھی میت کے اداء حقوق سے فارغ نہیں ہوئے ہیں، اور اس وقت تک کاروبار کا سلسلہ بھی موقوف رکھتے ہیں اور دعوت ہوتے

ہی سارے لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہوجاتے ہیں، گویا کہ میت سے اب فراغت ہوئی ہے اور دعوت کے دن میت کے گھر والوں کے پاس قریبی رشتہ دار اور متعلقین اسی طرح آتے ہیں جس طرح میت کے کفن دفن میں شرکت کرتے ہیں، بعض لوگ کھانے میں شریک ہوتے ہیں، اور بعض نہیں بھی ہوتے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ بالا میت کی دعوت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس دعوتِ مروجہ کے ناجائز ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ہندوانی رسم ہے جو تشبہ بالہنود کی وجہ سے ناجائز ہے۔

دوسرے یہ کہ دعوت خوشی کے موقع پر مشروع ہے، غمی کے موقع پر دعوت مشروع نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور دعوت نہ کرنے والوں کو طعن وتشنیع کی جاتی ہے، جو التزام مالایلتزم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

چوتھے یہ کہ اس میں ایصالِ ثواب مقصود نہیں ہوتا؛ بلکہ ریا ونمود مقصود ہوتی ہے، جو ناجائز ہے۔

پانچویں یہ کہ بسا اوقات یتیموں کا مال بھی دعوت میں صرف کیا جاتا ہے، جو بنص قرآنی ناجائز ہے؛ لہٰذا یہ دعوت مروجہ ناجائز اور بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۵۵، فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۹۶، کفایت المفتی ۴/۱۱۷-۱۱۸)

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (فتح القدیر ۲/۱٤۲، شامی ۲/۲٤۰ کراچی، شامی ۳/۱٤۸ زکریا)

وهٰذه الأفعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها؛ لأنهم لا یریدون وجه اللّٰه تعالیٰ – إلی قوله – ولا سیما إذا کان في الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذٰلک غالباً من المنکرات الکثیرة. (شامی کراچی ۲/۲٤۱، شامی زکریا ۳/۱٤۸)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه

وآلہ وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱؍۳؍۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

انتقال پر دعوتِ طعام نہ کرنے والوں پر طعن کرنا؟

سوال (۱۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دعوت نہ کرنے والوں کو طعن وتشنیع کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ اس طرح کی دعوت نہیں کرتے اور اس سے اجتناب کرتے ہیں اور طعن وتشنیع کرنے والوں سے کوئی خوف نہیں کرتے، ایسے لوگ شریعت پر عمل کرنے والے ہیں، ایسے لوگوں پر طعن وتشنیع کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ شریعت پر عمل کرنے والا اس شخص کے مانند ہوگا جو اپنے ہاتھ میں آگ کا شعلہ لئے ہوئے ہو۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: یأتي علی الناس زمان الصابر فیهم علی دینه کالقابض علی الحجر. (سنن الترمذي ٢/٥٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱؍۳؍۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مرنے کے بعد ''کونڈ'' کا کھانا کھلانا

سوال (۱۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں کسی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو مردے کے قریبی رشتے دار کڑھائی میں کھانا

بناتے ہیں، جنازہ میں شریک سب لوگوں کو مردے کے گھر بلاتے ہیں، اور کھانا کھلاتے ہیں، اس کو ''کوند'' کا کھانا کہتے ہیں، اس کا صحیح طریقہ سنت کے مطابق کیا ہے؟ اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس سے باخبر کرتے ہوئے بتاؤ کے اس کوند کے کھانے کا ثواب واجر کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جس ''کوند کے کھانے'' کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ بے اصل اور خلافِ شریعت ہے، دورِ نبوت، دورِ صحابہ اور سلفِ صالحین سے اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا؛ البتہ صرف اس قدر ثبوت ملتا ہے کہ وفات والے دن میت کے گھر والوں کے لئے کھانا پکا کر بھیج دیا جائے جسے صرف گھر والے یا دور دراز سے آئے ہوئے مہمان کھائیں محلّہ والوں یا جنازہ میں شریک سب لوگوں کو اہتمام سے کھانا کھلانا محض رسم ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔

عن عبد اللّٰه بن جعفر رضي اللّٰه عنه قال: لما جاء نعي جعفر قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إصنعوا لأهل جعفر طعاماً، فإنه قد جاء ما يشغلهم. (سنن الترمذي ١/١٩٥، سنن ابن ماجة ١١٥)

ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهية طعام لهم، يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: إصنعو لآل جعفر طعاماً فقد جاء هم ما يشغلهم. (شامی ٣/١٤٨ زكريا)

وأما إصلاح أهل الميت طعاما وجمع الناس عليه فلم ينقل فيه شيء وهو بدعة غير مستحب. (المدخل لابن أمير الحاج ٣/ ٢٨٨، بحواله: فتاوى محمودیه ٣/٩٩ ڈابھیل)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعزیت کے لئے میت کے گھر مٹھائی لے کر جانا

سوال (۱۲۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلمانوں میں میت کے دفن کے بعد دور دراز سے تشریف لائے ہوئے رشتہ دار واحباب مٹھائی وغیرہ لے کر میت کے گھر جاتے ہیں اور وہی مٹھائی میت کے رشتہ دار اور گھر والے کھاتے ہیں، کیا ان کا یہ فعل درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعزیت کے وقت مٹھائی لے کر جانے کو ضروری سمجھنا محض رسم اور بے اصل ہے، اس کا ترک لازم ہے۔

والرد علی هولاء من البدع الواجبة؛ لأن حفظ الشريعة من هذه البدع فرض كفاية. (مرقاة المفاتيح ۲۱۶/۱ ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعزیت کے بعد عورتوں کا اپنے گھر آکر وضو کرنا؟

سوال (۱۲۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردہ کو دفنانے کے بعد جب مرد لوٹتے ہیں تو وہ وضو کرتے ہیں، تو کیا ایسا عورتوں کو بھی اپنے گھر آنے کے بعد وضو کرنا چاہئے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردے کو دفنانے کے بعد لوٹ کر مردوں کا وضو کرنا یا تعزیت کے بعد عورتوں کا اپنے گھر آکر وضو کرنا یہ سب باتیں بے اصل ہیں۔ شریعت میں اس مقصد سے وضو کرنے کا حکم ثابت نہیں ہے۔

كل مباح يصير بالتزام من غير لزوم التخصيص من غير مخصص

مكروه. (مرقات المفاتيح ۳۱/۳)

الـوضـوء أنواع ثلاثة: فرض: وهو وضوء الحدث عند القيام إلى الصلاة، وواجـب: وهـو الـوضـوء للطواف. ومندوب: فمنها: الوضوء للنوم والمحافظة على الوضوء ...... والوضوء: بعد الغيبة. (هنديه ۹/۱)

لأن الـجهـلة يـعتـقـدونهـا سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه.

(شامی کراچی ۱۲۰/۲)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۵/۲/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرنے کے بعد چنوں پر کلمہ پڑھوا کر کھلانا؟

سوال (۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے گھر والے چھوٹے چھوٹے مکاتب میں چنے خرید کر بھیج دیتے ہیں، بچے ان چنوں پر کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھتے ہیں، پھر پڑھنے کے بعد وہ چنے انہیں بچوں پر تقسیم کردئے جاتے ہیں اور بچے ان کو کھا جاتے ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ چنے کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنے کا معاوضہ ہے تو ان کا تقسیم کرنا اور پڑھنے والوں کا انہیں کھانا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ نفسِ طاعت پر اجرت کی شکل ہے جو ممنوع ہے، اور اگر اسے کلمہ پڑھنے کا معاوضہ نہ مانا جائے تو بھی؛ کیوں کہ یہ معاشرہ میں بے اصل رسم بن چکی ہے اور کلمہ پڑھنے کے لئے چنوں ہی کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس لئے یہ طریقہ بے اصل اور قابلِ ترک ہے، اس پر نکیر کرنی چاہئے، اور بہر صورت مکاتب کے بچوں کو یہ چنے نہیں کھلانا چاہئے۔ (کفایت المفتی ۴۹/۴)

فالحاصل: أن ماشاع فی زماننا من قرأة الأجزاء بالأجرة لایجوز. (شامی زکریا ۹/ ۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چنے اور الائچی دانوں پر کلمہ طیبہ پڑھنا اور ان کو کھانا؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صبح کو فاتحہ میں جو مرنے والے کے لئے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے اس وقت کچھ لوگ پنج آیات پڑھتے ہیں، ان کا پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس وقت کچھ لوگ بغیر پڑھے لکھے چنوں پر کلمہ پڑھتے ہیں اور پھر ان چنوں میں الائچی دانے ملاکر سب کو تقسیم کردیا جاتا ہے چنوں کا پڑھنا اور پھر اس طریقہ سے بانٹ کر کھالینا کیسا ہے؟ پڑھنے یا پھر بانٹ کر کھاجانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفسِ قرأت قرآنِ کریم کے ذریعہ ایصالِ ثواب مستحسن ہے؛ لیکن اس کے لئے وقت کی تعیین اور الائچی دانوں اور فاتحہ کا التزام وغیرہ رسومات بلاشبہ بدعت ہیں، ان کا ترک لازم ہے، پڑھے ہوئے چنے اگر نذر ومنت کے ہیں تو مالداروں کو ان میں سے کھانا جائز نہیں ہے اور بہرصورت ان چیزوں کا کھانا بہتر نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۳۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۳/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''چوپہر'' کا کھانا اور مخصوص ایام کی رسومات؟

سوال (۱۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض علاقوں میں انتقال کے بعد تین دن تک مردے کے گھر نہ کچھ پکایا جاتا ہے اور نا ہی کوئی حکم الٰہی (تعزیت) کرنے کے لئے آتا ہے؛ بلکہ اعزاء واقربا ''چوپہر'' کی تیاری کرتے ہیں،

چوپہر یعنی مردے کے انتقال کے چوتھے دن بستی والے آتے ہیں، اور آس پاس گاؤں والے بھی آتے ہیں اور حکم الٰہی یعنی تعزیت کرتے ہیں، اور ان کے لئے میٹھا اور نمکین کھانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے، جس کو یہ کھا کر گھر کو چلتے جاتے ہیں، بتاؤ کے چوپہر کا صحیح دن اسلام نے کون سا متعین کیا ہے؟ بعض لوگ پانچویں دن چوپہر منا لیتے ہیں اور چوپہر سے پہلے یعنی پہلے دن دوسرے دن اور تیسرے دن کیا تعزیت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ ہمارے یہاں پر چوپہر سے پہلے کی تعزیت کو اور چوپہر سے پہلے مردے کے گھر کچھ کھانے اور پینے کو بہت بڑا گناہ؛ بلکہ حرام تک سمجھتے ہیں، سنت کے مطابق جواب سے نوازیں، تاکہ قوم اور سماج کے بجائے سنت کے مطابق عمل کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرنے کے بعد تیجہ چوپہر، چوتھی، پانچویں وغیرہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، اور ہندوانہ رسومات ہیں اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں، کسی مسلمان کے لئے ایسی لغو اور بے اصل باتوں کو اختیار کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد از فتاوی محمودیہ مطبوعہ ڈابھیل ۹/۲۷۵)

اور رضاخانی عالم مولوی امجد علی ''بہارِ شریعت'' میں لکھتے ہیں کہ: ''میت کے گھر والے تیجا وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز اور بدعتِ قبیح ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غمی کے وقت''۔ (بہار شریعت ۴/۱۵۹، بحوالہ: محاضراتِ علمیہ بر موضوع رضاخانیت ۱۷۳)

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١)

ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول والثالث بعد الأسبوع. (شامی زکریا ۳/ ۱٤۸، بزازیه علی هامش الهندیة ٤/ ۸۱)

ویکره اتخاذ الضیافة ثلاثة أیام وأکله؛ لأنها مشروعة للسرور لا في الشرور. (بزازیة علی هامش الهندیة ٤/ ۸۱، شامی زکریا ۳/ ۱٤۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک من گھڑت روایت سے تیجہ، چالیسواں کے جواز پر استدلال؟

سوال (۱۳۴۳): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا یہ سب جائز ہیں؟ ہمارے مفتی صاحب نے فتوی دیا ہے کہ یہ سب جائز ہیں اور سنت ہیں، ان کا یہ فتوی آپ کے پیش نظر ہے اس کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں یقیناً ضلالت اور کھلی ہوئی بدعت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے دور دور تک کہیں ان کا ثبوت نہیں ملتا، اگر ان دنوں میں مذکورہ عمل شریعت کی نظر میں پسندیدہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وغیرہ کے دنیا سے پردہ فرمانے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اس عمل کو انجام دیتے؛ کیوں کہ وہ سنتوں پر عامل ہونے کے ہم سے زیادہ شوقین تھے؛ لیکن پورے ذخیرہ احادیث میں اس سلسلہ کا کوئی واقعہ منقول نہیں ہے۔

اور آپ کے ارسال کردہ ہم رشتہ فتوی میں حضرت ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے وہ قطعاً من گھڑت اور جھوٹ ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۳/ ۶۴، فتاوی رشیدیہ/۱۵۱)

حتی کہ جس کتاب ''فتاوی آذرجندی'' کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا بھی کچھ اتہ پتہ نہیں ہے، اور تلاش بسیار کے باوجود ملا علی قاریؒ کی کسی کتاب میں یہ عبارت دستیاب نہ ہوسکی؛ بلکہ حضرت ملا علی قاریؒ نے ''مرقاۃ شرح مشکوۃ اور شرح نقایہ'' میں صراحۃً تیجہ وغیرہ بدعات کی نکیر فرمائی ہے۔

عبارت ملاحظہ ہو:

قرر أصحاب مذهبنا من أنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (مرقاة المفاتيح ٤٨٢/٥ ملتان)

واصطناع أهل البيت له لأجل اجتماع الناس عليه بدعة مكروهة، بل صح عن جرير قال: كنا نعده من النياحة وهو ظاهر في التحريم. (مرقاة المفاتيح ٩٦/٤ أشرفی)

ويكره اتخاذ الضيافة من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا فی ضده، وهي بدعة مستقبحة. (شرح نقايه ١٤٠)

اگر مذکورہ مفتی صاحب نے یہ عبارت ملاعلی قاری کی کسی کتاب سے دیکھی ہے تو اس کی نقل، مطبع اور صفحہ کے حوالہ کے ساتھ پیش کریں، تاکہ مزید تحقیق کی جاسکے۔

اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بکری ذبح کر کے بھیجنے سے فاتحہ کا ثبوت نہیں ہوتا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بطور ایصال ثواب نہ تھا؛ بلکہ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک کے طور پر تھا۔

قال الحافظ ابن حجر: فيه من استمرار حبه لها حتى كان يتعاهد صواحبتها. (فتح الباري ١٣٦/٧)

نیز اس کا کوئی دن بھی متعین نہ تھا کہ اس واقعہ کو تیجہ وغیرہ کے جواز کی دلیل بنایا جائے؛ لہٰذا اسے تیجہ وغیرہ کی دلیل کے طور پر پیش کرنا سراسر جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔

اسی طرح مذکورہ فتوی میں مفتی صاحب کا بلاتحدید وتعیین ایصال ثواب کے جواز پر روایتیں پیش کر کے تیجہ وغیرہ کو ثابت کرنا بے محل ہے؛ کیوں کہ نفس ایصال ثواب کا کوئی منکر نہیں ہے، وہ کبھی بھی اور کسی بھی طرح کیا جاسکتا ہے، اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے، اختلاف تو ایصالِ ثواب کے اُن من گھڑت طریقوں کے بارے میں ہے جنہیں آج اہل بدعت نے اپنی پہچان بنالیا ہے۔

الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة. (هداية ١/٢٩٦، كذا في البحر الرائق ٣/١٠٥)

وما ذاک (أي کون الفعل بدعة) إلا لکونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع. (شامی زکریا ٣/١٤١)

البدعة ما أحدث على خلاف حق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما. (شامی زکریا ٢/٢٩٩)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (بزازية ٤/ ٨١، شامی زکریا ٣/١٤٨)

ويكره اتخاذ الضيافة في أيام المصيبة؛ لأنها أيام تأسف فلا يليق لها ما كان للسرور. (خانية ٣/٤٠٥، وكذا في شرح المنية ٦٠٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۲/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دسواں اور چالیسواں منانا بدعت ہے

سوال (۱۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں اور پاس پڑوس میں بھی عام طور سے باپ دادا کے زمانہ سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ مرنے والے کی موت کے دن سے دس دن بعد، دسواں اور چالیس دن بعد چالیسواں مناتے ہیں، بہت ہی دھوم دھام سے کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور بعد میں قرآن خوانی رکھی جاتی ہے اور دعا پڑھ کر مرنے والے کو بخشا جاتا ہے۔ جن حضرات نے اذان وتکبیر کی حمایت کی انھوں نے دسواں چالیسواں منانے پر بھی زور دیا اور کہا کہ ہم اللہ اور قرآن کی ذکر وتلاوت ہی تو کرتے ہیں،

کسی کو گالی تو نہیں دیتے؟ آپ کو میں بتادوں کہ ہمارے یہاں کفار میں بھی مرنے والے کی یاد میں ایسے پروگرام ہوتے ہیں، آپ ہی بتایئے اسلام میں غیروں کے طریقوں پر چلنا کہاں تک صحیح ہے؟ اوراسی طرح دسویں اور چالیسویں کا کھانا پکانا اور دوسروں کے یہاں کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دسویں چالیسویں کی رسم منانا یقیناً بدعت ہے جس کی شریعت میں ہرگز اجازت نہیں ہے اگر میت کو ایصال ثواب کرنا ہی ہو تو وقت ودن کی تعیین کے بغیر کرنا چاہئے۔

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (شامی زکریا ۳/ ۱۴۸، کفایت المفتی ۴/ ۱۲۲)

ومنها أن دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم عنهم نفع لهم في علو الحالات – إلى أن قال – قال القونوي: والأصل في ذٰلک عند أهل السنة والجماعة أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو غيرها. (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري/ باب دعاء الأحياء للأموات ۱۵۸ رحيميه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۲۶ھ

تیجہ، دسواں، چالیسواں نہ کرنے والے پر طعن وتشنیع کرنا؟

سوال (۱۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کے مرنے کے بعد تیجہ، دسواں اور چالیسواں کرنا کیسا ہے؟ جب کہ ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جائز ہے، اور کچھ کہتے ہیں بدعت ہے؛ لہٰذا اب جو شخص تیجہ، چالیسواں وغیرہ نہ کرے، تو جو لوگ کرتے ہیں وہ نہ کرنے والوں پر بہت ملامت کرتے ہیں، شرعاً ان

لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ بطور رسم کرنا بدعت ہے، شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ کرنے والے لوگ حق پر ہیں اور کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اس بدعت سے باز آجائیں اور نہ کرنے والوں پر طعنہ کشی سے پرہیز کریں، مذکورہ اعمال چوں کہ بدعت ہیں؛ لہٰذا ان کے مرتکب کو بدعتی کہا جائے گا۔

ویکره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (شامی، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت ٣/ ١٤٨ زكريا، ٢٤١/٢ كراچی)

لا فيه مصلحة في الدين؛ بل فيه طعن ومذمة وملامة على السلف. (الجنة لأهل السنة ١٧١ بحواله: فتاویٰ محموديه ٥٢٩/٥ ميرٹھ)

عن جرير بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: كنا نرى الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام من النياحة. (سنن ابن ماجة / باب ما جاء في النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت ١١٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۲/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیجہ اور دسواں کی رسموں میں آٹا چاول وغیرہ دینا؟

سوال (۱۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے گاؤں میں تیجہ اور دسواں ہوتا ہے اس میں روپیہ یا آٹا چاول دال وغیرہ لوگ لیتے ہیں، کچھ علماء کرام روپئے دال چاول آٹا وغیرہ تیجہ یا دسواں میں لینا جائز بتاتے ہیں، کچھ علماء کرام ناجائز بتاتے ہیں، صحیح جواب سے نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیجہ، دسواں وغیرہ کی رسومات بدعت اور قابلِ ترک ہیں، ان خاص دنوں میں لین دین کا رواج شرعاً صحیح نہیں ہے۔

ویکره اتخاذ الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة، ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (شامي زکریا ۱٤۸/۳)

عن جریر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: کنا نری الاجتماع إلی أهل المیت وصنعة الطعام من النیاحة. (سنن ابن ماجة / باب ما جاء في النهي عن الاجتماع إلی أهل المیت ۱۱٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۱۱/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہولی، دیوالی کی پوری وغیرہ کھانے سے متعلق حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ

سوال (۱۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندو تہوار مثلاً ہولی، دیوالی وغیرہ کے موقع پر جو ہندو بھائی مٹھائی، پوری وغیرہ مسلمان بھائیوں کو تحفہ میں پیش کرتے ہیں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت گنگوہیؒ ''فتاوی رشدیہ ۵۷۵'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ہندو تہوار ہولی، دیوالی کی پوڑی وغیرہ کھانا درست ہے'' (حوالہ ص: ۵۷۵) تو جب ہندو کا دیا ہوا کھانا درست ہے تو تیجہ وغیرہ کا کھانا کیوں درست نہیں؟ اس لیے حضرت گنگوہیؒ نے کیوں منع فرمایا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے جو سوال کیا گیا تھا کہ

غیر مسلمین اپنے تہواروں میں خوشی سے جو تحفہ بھیجتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ آپؒ نے اس کو درست قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تحفہ کسی بت پر چڑھاوے وغیرہ کا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ محض اظہار خوشی کے طور پر ہوتا ہے؛ البتہ اگر کوئی غیر مسلم پرشاد وغیرہ دے جو غیر اللہ پر چڑھایا گیا ہو تو اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، اس کے برخلاف مسلمان ثواب سمجھ کر جو بدعت انجام دیتے ہیں جن کا سلفِ صالحین سے کوئی ثبوت نہیں ہے ان کو لینے اور استعمال کرنے میں چوں کہ ایک غلط بات کی تائید ہوتی ہے؛ اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا دونوں باتوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۳۴ ڈابھیل، احسن الفتاوی ۸/۱۶۲، کفایت المفتی ۱/۲۲۶، دینی مسائل اوران کاحل ۸۴)

ولا بأس بضيافة الذمي وإن لم يكن بينهما إلا معرفة كذا في الملتقط.
(هنديه ٥ / ٣٤٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے تین دن بعد تک التزاماً دعا کا اہتمام کرنا؟

سوال (۱۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی کے مرجانے کے بعد تین دن دعا کرنا پانچ دن، گیارہ دن، پندرہ دن اور چالیس دن کے کھانا کھلانے کا بندوبست کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کے مرجانے کے بعد التزاماً تین دن تک دعا کرنا اور پانچویں گیارہویں اور چالیسویں دن میت کے یہاں کھانا پکا کر لوگوں کو کھلانا مکروہ اور بدعت ہے، جو واجب الترک ہے۔ (کفایت المفتی ۴/۱۱۹، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۱۴)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثاني والثالث وبعد الأسبوع.

(شامی زکریا ۱٤۸/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیجہ، چالیسواں اور برسی کے کھانے کا حکم

سوال (۱۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایصال ثواب کا ماحضر کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں، حالاں کہ ان کا ثبوت کتب دینی واقوال بزرگان دین سے ملتا ہے، جیسا کہ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جائز کہا ہے اور کار خیر سمجھ کر خود بھی کیا ہے۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ) تیجہ چالیسواں برسی کا کھانا غریبوں فقیروں کے کھلانے کے بعد باقی ماندہ کھانا گھر والوں ومہمانوں کو کھلانا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر گھر والوں ومہمانوں کی نیت سے اضافہ کر کے پکایا جائے اللہ کی بارگاہ میں تو ہر کام کا تعلق دل سے ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر کسی التزام اور دن وغیرہ کی تعیین کے ایصال ثواب مباح ہے، اسی کے پیش نظر رسالہ ہفت مسائل میں اس کا جواز لکھا گیا ہے؛ لیکن یہ ایصالِ ثواب اس زمانہ میں تیجہ چالیسواں اور برسی وغیرہ کی شکل میں جس طرح لازم کرلیا گیا ہے یہ قطعاً شریعت میں ثابت نہیں ہے اور بلاشبہ بدعت ہے، فقہاء نے اسے بدعت قبیحہ قرار دیا ہے۔

لا فيه مصلحة في الدين؛ بل فيه طعن ومذمة وملامة على السلف. (الجنة لأهل السنة ۱۷۱ بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ ۵۲۹/۵ میرٹھ)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة. (شامی زکریا ۱٤۸/۳، شامی کراچی ۲٤۰/۲، فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الهندية ۳۷۹/۳، عالمگیری ۳٤٤/۵، البحر الرائق ۱۹۲/۲)

حتی کہ بدعتی عالم مولوی امجد علی صاحب نے ''بہارِ شریعت'' میں لکھا ہے کہ: میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز اور بدعت قبیح ہے۔ (بہارِ شریعت ۱۶۳/۴)

اور جو کھانا ایصالِ ثواب کی نیت سے پکایا گیا اس میں مال داروں کو کھانا جائز نہیں ہے، حدیث میں وارد ہے: **لاتحل الصدقة لغني**. (مشكوٰة شريف ١٦١/١)

البتہ جو کھانا مہمان نوازی کے لئے پکایا گیا ہے اس میں سے سب کھا سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۱۵۲)

اور رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کے بارے میں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی اپنی تصنیف نہیں؛ بلکہ کسی دوسرے کا لکھا ہوا رسالہ ہے، جسے آپ کو سنایا گیا ہے، پھر آپ کی طرف منسوب کردیا گیا، دوسرے یہ کہ اس میں نفس اباحت کا ذکر ہے اسے سنت یا ضروری جاننا جیسا کہ آج کل کے بدعتیوں کا شیوہ ہے اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چالیسویں میں جوڑے اور روپیہ دینا؟

سوال (۱۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اور چالیسویں میں غیر لوگ جوڑے لاتے ہیں اور روپیہ دیتے ہیں، اس کی شرعاً کوئی اصل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۳/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والدین کے لئے سالانہ فاتحہ

سوال (۱۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنے مرحوم والدین کی ہر سال فاتحہ کراتا ہے، ایصال ثواب کے لئے مدارس کے طلبہ کو بلا کر قرآن خوانی کراتا ہے، پھر فاتحہ ہوتی ہے، فاتحہ کا کھانا طلبہ مدارس اور اپنے اعزہ واقارب کو کھلاتا ہے، شریعت مطہرہ سے اس طرح مرحومین کے لئے ایصال ثواب کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ بعض اہل علم حضرات کھانے اور شرکت سے گریز کرتے ہیں، کیا ایسی مجلس میں شرکت اور کھانا درست ہے یا نہیں؟ نیز زید کے مرحوم والدین کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور یہ کھانا کھانا یا کھلانا جائز، ناجائز، یا حرام ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مرحومین کو ایصالِ ثواب کی ضرورت ہے تو اس کی اطلاع مدرسہ میں کردی جائے اور طلبہ جو قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہیں اس کا ایصالِ ثواب کردیا جائے؛ لیکن مروجہ طور پر قرآن خوانی کہ قرآن پڑھنے کے بعد کھانا پینا وغیرہ اس کا ثبوت شریعت مطہرہ میں نہیں ہے؛ لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے، اور چوں کہ قرآن خوانی کے بعد اس طرح کی دعوت عرف میں قرآن کا عوض سمجھی جاتی ہے، حالاں کہ محض تلاوت پر عوض اور اجرت لینا جائز نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ خود پڑھنے والے مستحق ثواب نہیں، تو اس کے پڑھے ہوئے قرآن کا ثواب مرحوم والدین کو کیسے پہنچ سکتا ہے؟

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا للّٰه طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غيره ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق ۳/۵۹ کراچی)

بل الضرر صار في الاستيجار عليه، حيث صار القرآن مكسبا وحرفة يتجر بها، وصار القارئ منهم، لايقرأ شيئا لوجه اللّٰه تعالى خالصا، بل لايقرأ إلا للأجرة ...... فمن أين يحصل له الثواب الذي طلب المستأجر أن يهديه لميته.

(شرح عقود رسم المفتی ۳۸)

لا فيـه مـصلحة في الدين؛ بل فيه طعن ومذمة وملامة على السلف. (الجنة لأهل السنة ۱۷۱ بحواله: فتاویٰ محمودیه ۵۲۹/۵ میرٹھ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۳/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کے لئے تیجہ و چالیسواں اور برسی وغیرہ کو لازم سمجھنا؟

سوال (۱۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی کے یہاں کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے، تو اس کے گھر والے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں برسی کرتے ہیں، جو لوگ اس میں شرکت نہیں کرتے ان کو برا سمجھا جاتا ہے، یہ کام جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ مرنے والے کے لئے کون سی سورت یا کون سا کلمہ پڑھا جائے اور کون سا ایسا کام کرا جائے جس سے مرنے والے کو زیادہ سے زیادہ ثواب پہنچے، جس شخص نے مرنے والے کو ثواب پہنچایا ہے اس ثواب پہنچانے میں اس ثواب پہنچانے والے کا بھی حصہ ہوگا یا نہیں؟ ثواب پہنچانے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایصالِ ثواب کے لئے تیجہ دسواں وغیرہ کی رسومات بدعت ہیں، ان میں کسی مسلمان کے لئے شرکت جائز نہیں، اور ایصالِ ثواب ہر نفلی عبادت کے ذریعہ ہوسکتا ہے، خواہ صدقہ خیرات کے ذریعہ ہو یا تسبیح واذکار کے ذریعہ، اور جو شخص ایصالِ ثواب کرے گا، امید ہے کہ اسے خود بھی ثواب ملے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو قرأءة قرآن أو ذكرا لـلّٰـه طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غيره ذلک عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق مکتبه سعید ۵۹/۳)

والأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء، وهو مذهب أهل السنة والجماعة. (شامی زکریا ۱۵۱/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۷/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زیارتِ سوئم کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والد کا انتقال ہوگیا، ان کی تکفین وتدفین کردی گئی، یہاں انتقال کے بعد دفن کے وقت قبرستان میں اعلان کیا جاتا ہے کہ زیارت (سوئم) کی فاتحہ دوسرے دن یا تیسرے دن ہوگی، ہمارے یہاں زیارت میں چنے یا چویوں پر سب لوگ کلمہ پڑھتے ہیں، اور ایصال ثواب کرتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے؟ اور زیارت (سوئم) کی کیا اہمیت ہے، اور مرنے والوں کو ایصال ثواب پہنچانے کا کیا طریقہ ہے؟ ہمارے یہاں انتقال کے بعد رشتہ داروں کی طرف سے بھاتی روٹی کی جاتی ہے، جس میں تمام رشتہ داروں کی دعوت ہوتی ہے، اس کے بعد دسواں، بیسواں، چالیسواں میں تمام رشتہ داروں کے کھانے کا اہتمام ہوتا ہے، کیا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟ طریقہ کار کیا ہے، شریعت کی روشنی میں تحریر فرمائیں، اگر یہ رسم غلط ہے تو اس کے توڑنے میں ثواب ملے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب کی یہ ساری رسومات، دعوتیں اور اجتماعات شرعاً بے اصل اور بدعت ہیں، ان کا ختم کرنا ضروری ہے، اور ان کو مٹانے پر محنت کرنے والا یقیناً مستحق اجر وثواب ہے، ایصال ثواب اگر مقصود ہو تو ریا کاری اور اہتمام کے بغیر خلوص کے ساتھ قرآنِ کریم کی تلاوت یا دیگر نفلی عبادت انجام دے کر میت کو ثواب پہنچایا جائے۔

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا

في الشرور وهي بدعة مستقبحة. (شامی زکریا ۱۴۸/۳، شامی کراچی ۲۴۰/۲، فتاویٰ بزازیہ علی هامش الهندية ۳۷۹/۳، عالمگیری ۳۴٤/۵، البحر الرائق ۱۹۲/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۲۷ھ

الجواب شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفات کے بعد آنے والے جمعہ میں چنے پر کلمہ خوانی کرنا؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیز ہمارے علاقے میں کسی شخص کے انتقال کے بعد جو جمعہ آئے اس جمعہ میں چنے کے ذریعہ کلمہ خوانی ہوتی ہے، جس کے بعد کبھی میٹھائی دی جاتی ہے، اس کے لئے تین دن سات دن کوئی متعین نہیں، جمعہ کے دن محض لوگوں کی کثرت کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اس طرح کلمہ خوانی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کلمہ خوانی کی صحیح صورت کیا ہے؟ اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا کسی حدود قیود کے میت کے لئے ایصالِ ثواب شریعت میں منع نہیں؛ لیکن آج کل ایصالِ ثواب کے لئے خودساختہ طور پر رسمیں گڑھ لی گئیں، مثلاً دنوں کی تعیین اور اس کے اجتماعی مجلسوں کا اہتمام وغیرہ، تو ان رسومات کی وجہ سے ایسی مجلسوں سے منع کیا جاتا ہے، مزید یہ کہ چنوں اور کھیلوں پر کلمہ خوانی اور بعد میں مٹھائی کی تقسیم کی وجہ سے اس عمل میں دنیا کی لالچ بھی شامل ہوجاتی ہے، بہت سے لوگ اسی مقصد سے کلمہ خوانی میں شریک ہوتے ہیں کہ بعد میں پڑھے ہوئے چنے ہاتھ آئیں گے؛ بلکہ کہیں کہیں تو ان چنوں کو تبرکاً تقسیم کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں جب کہ خود پڑھنے والوں کا ثواب خطرہ میں پڑجاتا ہے، تو میت کو ثواب کہاں سے پہنچ سکتا ہے؟ بریں بنا کھانے کی چیزوں پر کلمہ خوانی سے احتراز کرنا چاہئے، اگر شمار ہی کی ضرورت ہے تو گٹھلیوں وغیرہ پر شمار کرلیا جائے اور ہر ممکن طور پر بدعات اور رسومات سے احتراز کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/۱۳۲)

والحاصل أن اتخاذ الطعام لقراء ة القرآن لأجل الأكل يكره، وقال أيضا: أن ما شاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراء ة واعطاء الثواب للآمر والقراء ة لأجل المال، فإذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستاجر...... ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون. (شامي زكريا ٣/ ١٤٩-١٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کس عمل سے کریں؟

سوال (۱۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کو زیادہ ثواب کس چیز کو پڑھ کر پہنچایا جائے، جس سے خدا ان کی مغفرت کردے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم پڑھ کر ثواب پہنچایا جائے یا اس کی طرف سے روپیہ کسی صدقہ جاریہ میں لگادیا جائے۔

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إن أمي افتلتت نفسها وأظنها لو تكلمت تصدقت فهل لها أجر في أن أتصدق عنها؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦/ ٤٥٤ رقم: ١٢٦٢٩ بيروت)

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوماً أو حجاً صدقةً أو قرآءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذٰلک من أنواع البر، ويصل ذٰلک إلى الميت وينفعه. (مراقی الفلاح ٦٢١-٦٢٢، البحر الرائق

۱۰۵/۳، فتح القدیر ۱٤۲/۳، شامی ۳٤۳/۲ کراچی، ۱٥۱/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱٤۱۶/۳/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا روضۂ اطہر پر بھی عرس اور چراغاں وغیرہ ہوتا ہے؟

سوال (۱٤۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: الحمد للہ بڑی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ اللہ پاک نے حضرت کو حج بیت اللہ کی زیارت سے نوازا، دعا کرنا کہ اللہ پاک ہمیں بھی اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائے، حج سے فراغت پر آپ مدینہ منورہ پہنچے ہوں گے، جیسا کہ ہمارے یہاں رواج ہے کہ بزرگوں کے مزارات پر عرس لگانا، چادر چڑھانا، چراغ جلانا، قوالیاں کرانا، تو آپ جناب جب قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچے ہوگے تو یہ کچھ وہاں دیکھنے میں آیا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مزارات پر چراغاں اور عرس وغیرہ یہ سب چیزیں بدعت اور قابل ترک ہیں، حرم نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کا روضۂ اقدس اس طرح کی بدعات وخرافات سے پوری طرح بحمدہ تعالیٰ محفوظ ہے؛ کیوں کہ پیغمبر علیہ السلام نے مدینہ میں بدعت پھیلانے والے پر سخت لعنت فرمائی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

من أحدث فیها حدثاً أو اٰویٰ محدثاً فعلیه لعنة اللّٰه والملائکة والناس أجمعین، لا یقبل اللّٰه منه یوم القیامة صرفاً ولا عدلاً. (صحیح مسلم ٤٤١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱٤۱۷/۶/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عرس کے موقع پر لنگر کے نام کا کھانا کھانا؟

سوال (۱٤۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مزارات کے عرس کے موقع پر جو لنگر کے نام سے کھانا کرتے ہیں اس کا کھانا کیسا ہے؟ آیا اس

کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز، حرام یا مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔ علماء دیوبند کی کتابوں جیسے بہشتی زیور مصنفہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ میں مزارات کے چڑھاوا کا کھانا حرام لکھا ہے، تو کیا اس لنگر کو بھی مزارات کا چڑھاوا کہیں گے؟ جب کہ عوام کا کہنا یہ ہے کہ اللہ کے نام پر ہے؛ لیکن یہ سب عرس کے موقع پر متعین تاریخ میں ہی کیا جاتا ہے، تو ایسے لوگ جو لنگر کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کو بدعتی اور فاسق کہنا چاہئے، اور وہ لوگ جو اس میں شرکت کرتے ہیں، بالخصوص وہ لوگ جو ناجائز بتا کر شرکت کرتے ہیں، جیسے علماء اور طلبہ وغیرہ تو ان کو کیا کہنا چاہئے؟ کیا ان کو علماء دیوبند سے علیحدہ سمجھنا چاہئے، اور ان کی اتباع کرنی چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لنگر کے نام پر عرس میں جو کھانا کیا جاتا ہے وہ دراصل مزار پر چڑھاوا ہے؛ اس لئے کہ اس سے اصل مقصود صاحب مزار کا تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے، اگر یہ محض اللہ کے نام پر ہوتا تو اس میں کسی جگہ یا وقت یا زمانے کی تخصیص نہ کی جاتی، حالاں کہ اس میں ہر قسم کی تخصیص ہوتی ہے، کوئی عقیدت مند اپنے گھر لنگر نہیں کرتا اور نہ عام دنوں میں لنگر کیا جاتا ہے؛ بلکہ اس کے لئے صاحب مزار کے عرس کا التزام رائج ہے؛ لہٰذا یہ عمل ناجائز اور بدعت ہے، اور لنگر کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، جو لوگ اسے ناجائز بتا کر اس میں شرکت کرتے ہیں ان کا فعل مزید قابل مذمت ہے، اور علماء دیوبند کی تعلیمات وہدایات کے خلاف ہے۔ (امداد المفتیین ۱۶۸)

وهٰذا الحول يسمونه أهل الهند عرساً وما عرفت به أصلاً؛ فإن العرس إنما يكون في الزواج، ومع ذٰلك فهٰذه الأحوال والأعراس لا تكاد تخلو عن ارتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات؛ فإن أهل الهند لهم اليد الطولىٰ – قاتلهم اللّٰه – فإنهم يطوفون بقبر الولي الذي يعتقدون ويظنون أنه هو المتصرف في الكون. (تبليغ الحق مطبع خيريه ميرٹھ ۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۷/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن خوانی کا سنت طریقہ کیا ہے؟

سوال (۱۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن خوانی کا پہلے کیا حکم تھا اور اب اس دور میں قرآن خوانی کا کیا حکم ہے؟ پہلے زمانے میں کس طریقے سے کرتے تھے، اب ہم لوگ کس طریقے سے کریں؟ نیز قرآن خوانی وایصالِ ثواب درست ہے یا نہیں؟ مفصل جواب دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا کسی التزام کے قرآن کریم پڑھ کر کسی کو ثواب پہنچانا فی نفسہٖ درست ہے؛ لیکن اگر قرآن خوانی میں صراحۃً یا عرفاً اجرت یا نذرانہ کا لین دین ہو، جیسا کہ آج کل مروجہ قرآن خوانی کی تقریبات میں ہوتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ روپئے، پیسے یا کھانے پینے کے بدلہ جو قرآن پڑھا جاتا ہے تو خود پڑھنے والے ہی کو ثواب نہیں ملتا تو میت کو کہاں سے ثواب ملے گا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی کراچی ۱/۳۶۱-۳۶۲)

وأما قراءة القرآن وإهداءها له تطوعا بلا أجرة، فهذا يصل إليه كما يصل ثواب الصوم والحج. (رسائل ابن عابدين ١٧٥/١)

ويقرأ من القرآن ما تيسر له ثم يقول: اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأنا إلىٰ فلان أو إليهم. (شامی کراچی ٢٤٣/٢، شامی زکریا ١٥١/٣)

فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة بالأجرة لا يجوز. (شامي زكريا ٧٧/٩)

بل الضرر صار في الاستئجار عليه حيث صار القرآن مكسبا وحرفة يتجربها، وصار القاري منهم لا يقرأ شيئا لوجه اللّٰه تعالى بل لا يقرأ إلا للأجرة، وهو الرياء المحض الذي هو أراده العمل لغير اللّٰه تعالى، فمن أين يحصل له الثواب الذي طلب المستأجر أن يهديه لميته. (شرح عقود رسم المفتی ٣٨)

وفي هٰذا الباب حديث أخرجه الإمام البيهقي في السنن الكبرىٰ. (٤٥٤/٦

رقم: ١٢٦٢٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن خوانی میں دو بچوں کا ایک ایک صفحہ پڑھ کر پارہ ختم کرنا؟

سوال (۱۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گھروں میں قرآن خوانی کے لئے لڑکیوں کو جمع کیا جاتا ہے اور قرآن خوانی کی جاتی ہے لیکن اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایک پارہ کو دو لڑکیاں مل کر پڑھتی ہیں ایک صفحہ ایک لڑکی پڑھتی ہے دوسرا صفحہ دوسری لڑکی پڑھتی ہے۔ تو کیا ایسا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر تو یہی ہے کہ بالترتیب ایک ہی شخص تلاوت کرے؛ اس لئے کہ عموماً الگ الگ صفحہ پڑھنے سے تلاوت کے ترتیب باقی نہیں رہ پاتی؛ لہٰذا یہ طریقہ مستحسن نہ ہوگا؛ تاہم الگ الگ صفحہ پڑھنے سے بھی قرآنِ کریم کی تکمیل ہوجائے گی۔ (فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۲۰۳/۹)

والأصل في أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة. (البحر الرائق ٥٩/٣، الفتاوى التاتارخانية ٦٤٨/٣)

عن علي رضي الله عنه مرفوعًا من مر على المقابر وقرأ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة ثم وهب أجره للأموات. (شرح الصدور ٣٠٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲۶/۲/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عزیز واقارب کے لئے ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال (۱۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: عزیز واقارب کی وفات کے بعد ایصال ثواب کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، کیا دوسرے دن یا بلاکسی دن کی قید کے سوا لاکھ مرتبہ کلمہ توحید پڑھ سکتے ہیں؟ اسی طرح کیا قرآن خوانی کے لئے احباب کو جمع کر سکتے ہیں؟ جب کہ فرداً فرداً ہر شخص الگ الگ مکمل قرآن لے کر بلا کسی تخصیص وتعیین کے اپنی مرضی سے پڑھے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب کا کوئی خاص طریقہ شریعت میں متعین نہیں ہے، نہ اس میں کسی دن کی قید ہے نہ کسی خاص ذکر کی پابندی ہے، اور نہ قرآنِ کریم کو ختم کرنا ضروری ہے؛ بلکہ بلا تعیین جو نفلی عبادت بدنی ومالی بسہولت ہو سکے اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۳/۸۷)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قرأءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة. (البحر الرائق ۳/۵۹، شامی کراچی ۲/۵۹۵، فتح القدير ۳/۱۴۲، مراقی الفلاح ۶۲۱)

وأما قراءة القرآن وإهداءها له تطوعا بلا أجرة، فهذا يصل إليه كما يصل ثواب الصوم والحج. (رسائل ابن عابدين ۱/۱۷۵)

ويقرأ من القرآن ما تيسر له ثم يقول: اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأنا إلىٰ فلان أو إليهم. (شامی کراچی ۲/۲۴۳، شامی زکریا ۳/۱۵۱)

وفي هٰذا الباب حديث أخرجه الإمام البيهقي في السنن الكبرىٰ. (۶/۴۵۴ رقم: ۱۲۶۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۵/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فاتحہ خوانی کا کیا طریقہ ہے؟

سوال (۱۵۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فاتحہ کا طریقہ کیا ہے؟ کسی بھی کھانے کی چیز پر فاتحہ لگانا درست ہے یا نہیں؟ اگر کسی کو اس کا علم نہ ہو یعنی اس پر فاتحہ لگائی گئی ہے تو اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بغیر کسی چیز کا التزام کئے قرآن کریم پڑھ کر، نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر، اسی طرح غرباء ومساکین کو کھانا کھلا کر، کپڑا وغیرہ دے کر ثواب پہنچانا شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہے؛ لیکن فاتحہ کے مروجہ طریقہ کا کوئی ثبوت نہیں یہ محض بدعت ہے۔

وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، وثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع. (شامی زکریا ۳/ ۱۵۲، البحر الرائق ۵۹/۳، شامی کراچی ۵۹۵/۲، فتح القدير ۱۴۲/۳، مراقی الفلاح ۶۲۱)

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ۱۲٦/٦، سنن أبي داؤد ٦۳۵/۲، سنن الترمذي ۹٦/۲، سنن ابن ماجة ٦/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۷/۲/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کس دن کرنا چاہئے؟

سوال (۱۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایصالِ ثواب کس دن کرنا چاہئے، اور اس کے لئے ایام کا تعین کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب کے لئے کسی دن وقت وغیرہ کی تعیین سلف سے ثابت نہیں؛ بلکہ بدعت اور ناپسندیدہ ہے، کسی بھی وقت بلا کسی تعیین والتزام کے میت کے لئے ہر نیک عمل کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔

فللإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة سواء کان المجهول له حیاً أو میتاً من غیر أن ینتقص من أجره شيء وأخرج الطبراني والبیهقي في الشعب، عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا تصدق أحدکم بصدقة تطوعاً فلیجعلها عن أبویه فیکون لهما أجرهما ولا ینقص من أجره شيء. (طحطاوی علی المراقي کراچی ۳۴۱)

من صام أو صلی أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة. (شامی زکریا ۱۵۲/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۴/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

سوال (۱۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ کریم کی تلاوت یا ذکر وتسبیحات پڑھ کر اسی طرح غرباء ومساکین پر رقم صدقہ کرنے کے بعد اپنے کسی مرحوم متعلقین مثلاً: والدہ، دادا وغیرہ کو ایصالِ ثواب کردینے کے بعد ان اعمال کے کرنے والوں کو تلاوت، ذکر وتسبیح اور صدقہ وغیرہ کرنے کا کچھ ثواب ہوگا یا نہیں، مثلاً قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والے کو ہر حرف پر دس دس نیکی کی جو بات حدیث شریف میں مذکور ہے وہ نیکیاں اس تلاوت کرنے والے کو ملیں گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم کی تلاوت یا ذکر وتسبیحات پڑھ کر اور اسی

طرح غرباء ومساکین پر رقم صدقہ کرنے کے بعد اپنے اعزاء واقرباء کو ایصال ثواب کردینے کے بعد ان اعمال کے کرنے والوں کو تلاوت، ذکر وتسبیحات اور صدقہ وغیرہ کرنے کا ثواب ملے گا، اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی؛ بلکہ ان کو اعمال کے بقدر ثواب برابر ملے گا۔

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من مرّ على المقابر وقرأ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات. (كنز العمال ١٥/٦٥٥ رقم: ٤٢٥٩٦ مؤسسة الرسالة، الدرالمختار زكريا ٣/١٥٤)

والأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء، وهو مذهب أهل السنة والجماعة. (شامی زكريا ٣/١٥١، البحر الرائق / باب الحج عن الغير ٣/٥٩ كوئٹه، الفتاویٰ التاتارخانية ٢/٢٦٨ رقم: ٤٣٣٤ زكريا، تبيين الحقائق / باب الحج عن الغير ١/٥٣ ملتان، طحطاوی علی المراقی كراچی ٣٤١)

وأخرج الطبراني والبيهقي في الشعب، عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرهما ولا ينقص من أجره شيء. (شرح الصدور بشرح أحوال الموتى والقبور للسيوطي ٣٩٩ دار التراث) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۶/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب میں ساری اُمت کو شریک کرنا؟

سوال (۱۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں مرنے والوں کی روحوں کو اس طرح ایصالِ ثواب کرتا ہوں کہ الحمد شریف اور قل شریف اور کلام پاک کی کچھ سورتیں پڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ یا اللہ اس کا ثواب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

روح پاک کوعطا فرما دیجئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل خاندان، تمام صحابہ کرام، تمام پیغمبروں تمام ولی اور درویشوں، تمام صالحات، تمام صالحین کو اس کا ثواب عطا فرما دیجئے، پھر اس کا ثواب میرے والدین اور تمام رشتہ داروں کی روحوں کو جو انتقال کر چکے ہیں، بخش دیجئے، اس حالت میں سب مرحومین کو جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب پورا پورا سب کو ملے گا یا ان سب مرحومین میں تقسیم ہو کر تھوڑا تھوڑا سب کو ملے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے امید ہے کہ وہ تمام مرحومین کو برابر ثواب دے گا۔

والأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء، وهو مذهب أهل السنة والجماعة. (شامی زکریا ۱۵۱/۳، البحر الرائق / باب الحج عن الغیر ۵۹/۳ کوئٹه، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۶۸/۲ رقم: ۴۳۳۴ زکریا، تبیین الحقائق / باب الحج عن الغیر ۵۳/۱ ملتان، طحطاوی علی المراقی کراچی ۳۴۱)

سئل عن ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب فيهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذٰلک كاملاً؟ فأجاب بأنه افتى جمع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل. (شامی زکریا ۱۵۳/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مرحومین کو ایصالِ ثواب کرنے سے سب کو برابر ثواب پہنچے گا یا کم زیادہ؟

سوال (۱۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کلام پاک کی بہت سی سورتیں پڑھ کر اگر بہت سے مردوں کو ثواب پہنچایا جائے یا نقد روپیہ کا

بہت سے مردوں کوثواب پہنچایا جائے یا کھانے وغیرہ کا بہت سے مردوں کوثواب پہنچایا جائے، تو اس حالت میں سب مردوں کو ان چیزوں کا پورا پورا ثواب پہنچے گا یا ان چیزوں کی تقسیم کر کے بقدر حصہ سب کو آئے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء کی ایک بڑی جماعت کا رجحان یہ ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ مذکورہ صورت میں ہر ہر میت کو پورا پورا ثواب ملے گا۔

قلت: سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذٰلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمع بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل. (شامی زکریا ۳/۱۵۳، امداد المفتیین ۴۳۷، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵/۴۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۳/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرآن پڑھوا کر مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب کرنا؟

سوال (۱۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے والد کا انتقال ہو گیا زید نے خود قرآن کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، مگر کسی مدرسہ سے جا کر چند پارے لاکر اپنے گھر اپنے والد کے نام ایصال ثواب کروا دیا یا چند لڑکوں کو اپنے گھر پر لاکر قرآن پڑھوا کر ایصال ثواب کروا دیا، تو کیا یہ دونوں شکلیں درست ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوئی بھی شخص اگر خلوص کے ساتھ قرآن پڑھ کر میت کے لئے ایصال ثواب کرے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن مروجہ قرآن خوانی بہت سی خلاف شرع باتوں کو شامل ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے اور رسومات سے بچتے ہوئے

مرحومین کو ایصالِ ثواب کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۱)

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة سواء كان المجهول له حياً أو ميتاً من غير أن ينتقص من أجره شيئ وأخرج الطبراني والبيهقي في الشعب، عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرهما ولا ينقص من أجره شيئ. (طحطاوی علی المراقی کراچی ٣٤١، شرح الصدور بشرح أحوال الموتى والقبور للسيوطي ٣٩٩ دار التراث)

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة. (شامی زکریا ١٥٢/٣، مراقي الفلاح ٦٢١-٦٢٢، البحر الرائق ١٠٥/٣، فتح القدير ١٤٢/٣ کوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۵/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرحومین کو اجتماعی قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا؟

سوال (۱۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردوں کو ایصالِ ثواب کرنا کیسا ہے؟ اگر لوگ اکٹھا بیٹھ کر قرآنِ پاک، کلمہ وغیرہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مردوں کے لئے قرآنِ کریم یا کلمہ وغیرہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن اس عمل پر کوئی لین دین نہیں ہونا چاہئے، اور قرآن خوانی کے بعد کھانے پینے کو ضروری اور لازم بھی نہیں سمجھنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳/۸۶)

عن معقل بن يسار رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إقرأوها على موتاكم يعني يٰس. (مسند أحمد بن حنبل ٢٧/٥ رقم: ٢٠٥٦٧)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذٰلک عند أصحابنا. (البحر الرائق کوئٹه ۵۹/۳)

وهٰكذا إذا تبرع له الغير بسعيه نفعه الله بذٰلک كما ينفعه بدعائه له، والصدقة عنه وهو ينتفع بكل ما يصل إليه عن كل مسلم، سواء كان من أقاربه أو غيرهم كما ينتفع بصلاة المصلين عليه ودعائهم له. (تكملة فتح الملهم أشرفية ١٦٠/٢)

والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (شامي زكريا ١٤٨/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حصولِ برکت یا ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا؟

سوال (۱۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض جگہوں پر رواج ہے کہ کوئی نیا کام شروع کیا جائے یا کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو قرآن خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور دیکھنے میں آتا ہے کہ دین دار کہے جانے والے لوگ بھی نہ صرف اس میں شریک ہوتے؛ بلکہ اس کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں، اور کئی ائمہ بھی مساجد میں اعلان کرتے ہیں، جب کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ نے اپنی کتاب میں اس کو بدعت سے تعبیر کیا ہے تو اگر یہ عمل بدعت ہے تو اس کا اعلان کرنے والے علماء وائمہ کے پیچھے نماز ادا کرنا درست ہے، جبکہ وہ جانتے ہیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے بدعت فرمایا ہے، اور جو اہل علم اس کی وکالت کرتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: برکت کے لئے قرآن خوانی میں کوئی حرج نہیں ہے

اورایصال ثواب کے لئے بھی قرآنی خوانی کی گنجائش ہے؛ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت پرکوئی معاوضہ نہ لیا جائے اور کوئی خاص دن اس کے لئے متعین نہ کیا جائے، اگر اس طرح کی تعیین کی جائے گی اور اسے ضروری سمجھا جائے گا تو وہ بدعت کے دائرہ میں داخل ہوگا اور حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ نے مطلق قرآن خوانی کو بدعت نہیں کہا ہے بلکہ مروجہ فاتحہ کو بدعت قرار دیا ہے۔

الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أو صوما، أو صدقة، أو غيرها عند أهل السنة والجماعة. (الهداية كتاب الحج ٢٩٦/١)

قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري. وقال العيني في شرح الهداية: و يمنع القاري للدنيا والآخذ والمعطي أثمان. (شامی زکریا ۷۷/۹، أحسن الفتاویٰ ٦٦٢/١، فتاویٰ عبد الحی ٥٠٨)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۳/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کے لئے سورۂ یٰس پڑھنا اور ختم خواجگان کرنا؟

سوال (۱۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کے لئے ایصالِ ثواب اور مریض کی شفاء یابی کے لئے ہمارے یہاں مسجد میں سورۂ یٰس کا ختم اور ختم خواجگان وغیرہ کرایا جاتا ہے، اوراس کے بعد پڑھنے والوں کو کھانا کھلاتے ہیں، اور پیسہ روپیوں کا لین دین بھی ہوتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب کے لئے قرآنِ کریم پڑھنے پڑھانے پر پیسوں کا لین دین یا کھانے وغیرہ کا اہتمام جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اجرت پر قرآن پڑھنے سے جب پڑھنے والے ہی کو ثواب نہیں ملتا تو مردے کو کہاں سے پہنچے گا؟ البتہ مریض کی شفاء یابی کے

لئے کوئی عمل کر کے مریض پر دم کیا جائے خواہ وہ ختم خواجگان ہو یا اور کوئی قرآنی عمل ہو، تو اس میں نذرانہ وغیرہ کے لین دین کی اجازت ہے؛ کیوں کہ یہ رقیہ کے قبیل سے ہے، اور اگر دم نہیں کیا گیا؛ بلکہ صرف قرأت ہوئی ہے تو اس پر اجرت کے جواز کی صراحت کہیں نہیں ملی، اس لئے ایسی صورت میں روپیہ کا لین دین نہ ہونا چاہئے؛ البتہ مہمان نوازی کے طور پر اجرت کا قصد کئے بغیر کچھ کھلا پلا دیں، تو اس کی گنجائش ہوگی۔

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوٰة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قراءة للقرآن أو الأذكار أو غير ذٰلك من أنواع البر ويصل ذٰلك إلى الميت وينفعه. (مراقي الفلاح ٦٢١، شامي زكريا ١٥١/٣)

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري ويمنع للدنيا والآخذ والمعطي اٰثمان، فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز، فإذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هٰذا الزمان؛ بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون. (شامي زكريا ٧٧/٩)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث......: إن أحق ما أخذتم عليه أجراً كتاب الله. (صحيح البخاري ٨٥٤/٢)

عن خارجة بن الصلت التميمي عن عمه رضي الله عنه في حديث......: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فلعمري لمن أكل برقيته باطل، لقد أكلت برقية حق. (سنن أبي داؤد ٥٤٤/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھنا، اگربتی جلانا اور شیرینی تقسیم کرنا؟

سوال (۱۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب کسی شخص کا ہمارے دیار میں انتقال ہوجاتا ہے تو دفن کردینے کے بعد رات میں بنام میلاد ایک مجلس قائم کرتے ہیں، جس میں گاؤں کے چھوٹے بڑے مال دار اور غریب سب کو دعوت دیتے ہیں، لوگ جب جمع ہوجاتے ہیں تو مولوی صاحب لوگوں کو کوئی نئی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں، یا وعظ ونصیحت کرنے کے بعد مجلس میں شریک تمام لوگ جو کچھ جانتے ہیں، قرآنی آیات تلاوت کرتے ہیں، اس کے بعد دعاء کی جاتی ہے، علاوہ ازیں مجلس کے بیچ میں اگربتیاں جلادی جاتی ہیں، اور مٹھائی خواہ وہ شیرینی کی شکل میں ہو یا لڈو وغیرہ کی شکل میں ہو، رکھ دیتے ہیں۔ مجلس کے اختتام پر یہ مٹھائیاں تقسیم کردی جاتی ہیں۔ شریعت کی روشنی میں اس کی کہاں تک اصل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے لئے ایصال ثواب یعنی کسی بھی نیکی کا ثواب پہنچانا درست ہے، غرباء ومساکین کو کھانا کھلاکر میت کو ثواب پہنچانے کی نیت کرنا یا تسبیح واذکار قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کی نیت کرنے سے میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے؛ لیکن تعیین وقت کے ساتھ لوگوں کا مجتمع ہوکر قرآن خوانی کرنا، اگربتیاں جلانا اور مٹھائی وشیرینی سامنے رکھ کر بعد میں تقسیم کرنا وغیرہ سب التزامات شریعت میں بے اصل ہیں، اور اکابر واسلاف سے ثابت نہیں ہیں؛ لہٰذا ایسی بے بنیاد رسموں کا ترک کرنا لازمی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۹۴/۳)

ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول...... واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم. (شامی زکریا ۱۴۸/۳، طحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الجنائز / فصل في حملها ودفنها ۵۱۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۵/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردہ کے لئے استغفار کرکے ثواب پہنچانا؟

سوال (۱۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردے کے استغفار پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مردہ کے لئے استغفار نہیں پڑھ سکتے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: استغفار دراصل اپنے لئے مغفرت کی دعا ہے، اگر کوئی شخص وہ اجر وثواب میت کو منتقل کرنے کی دعا کرے، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب میت کو پہنچادیں گے۔ اس معنی کر میت کے لئے استغفار کا ورد کرنے میں حرج نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص اس نیت سے استغفار کا کلمہ پڑھے کہ وہ میت کی طرف سے مغفرت طلب کر رہا ہے، تو یقیناً خلافِ واقعہ ہے۔

صرح علمائنا في باب الحج بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صومًا أو صدقة أو غيرها. (شامی کراچی ۲/۲۴۳، مراقی الفلاح ۵۲۱-۵۲۲)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله أيتبع الرجل يوم القيمة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: إني هذه فيقال باستغفار ولدک لک. (شرح الصدور رقم الحديث: ۲۰، بحواله: محموديه ڈابھيل ۹/۲۰۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۵/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روپئے دے کر ایصالِ ثواب کرانا؟

سوال (۱۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے لوگ اپنے عزیز واقارب کی موت کے بعد مسجد کے امام یا مؤذن کو باقاعدہ روپئے دیکر ایصال ثواب کراتے ہیں، یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجرت پر قرآن پڑھنے سے جب قرآن پڑھنے والے کو خود ثواب نہیں ملتا ہے، تو مردے کو کیسے ثواب پہنچ سکتا ہے؛ لہٰذا یہ لین دین قطعاً ناجائز ہے، لینے والے اور دینے والے دونوں گنہگار رہوں گے۔

ویمنع القاري للدنیا والآخذ والمعطي آثمان. (شامی زکریا ۹/۷۷، مجموعة رسائل ابن عابدین / رسالة شفاء العلیل ۱/۱۵۹، کفایت المفتی ۲/۱۵، امداد الاحکام ۲/۲۶۸) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زندگی میں اپنے لئے ایصالِ ثواب کرانا؟

سوال (۱۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک زندہ شخص ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جس طرح مردے کو قرآن پڑھ کر بخشوایا جاتا ہے، اسی طرح زید بھی زندگی ہی میں اپنے لئے قرآن خوانی کر کے اپنے لئے مغفرت کرواسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے لئے ایصالِ ثواب کی کیا ضرورت ہے، جب خود پڑھے گا تو ثواب خود ہی کو ملے گا اور پڑھنے کے بعد خوب شوق سے اپنے لئے دعاء مغفرت کرے، انشاء اللہ قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

والدعاء عقبها أرجی للقبول. (مستفاد: شامی کراچی ۲/۲۴۳، زکریا ۳/۱۵۲) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۹/۱۴۱۳ھ

حضور ﷺ کے والدین کو ایصالِ ثواب کرنا؟

سوال (۱۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے لئے اور والد ماجد کے لئے ایصال ثواب کریں تو کوئی حرج تو نہیں؟ کیا ایصال ثواب کر سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لئے ایصالِ ثواب سلفِ صالحین سے ثابت نہیں ہے، اوران کے کفر وایمان میں علماء کا اختلاف ہے۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه أن رجلا قال: يا رسول اللّٰه! أين أبي قال: في النار، قال: فلما قفا دعاه، فقال: إن أبي وأباک في النار. (صحيح مسلم ۱۱٤/۱) **والبحث في الشامي.** (شامی زکریا ۳٤۸/٤، ۳٦۹/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱۰/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زندہ کو ایصالِ ثواب کرنا

سوال (۱۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک شخص کا نام ہے جن کی عمر اکہتر سال تھی، ان کا تھوڑا دماغ بڑھاپہ کی وجہ سے بہک گیا تھا، پچھلے دنوں میں انہوں نے سخت سے سخت کام کئے وہی ان کو یاد آئے تھے، اورنئی بات اور نیا کام زبان سے نہیں کہتے تھے، یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنے گھر کو اپنا گھر نہیں کہتے تھے؛ بلکہ دوسری جگہ اس کو کہتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارا گاؤں اٹرا میں ہے، جب کہ وہ اٹرا میں ہی موجود ہیں، ایک دن وہ یہ کہہ کر گھر سے نکلے کہ ہم اپنے گھر اٹرا کو جارہے ہیں، اوروہ گاؤں کی پچھّم سائڈ نکل گئے اوراب تک وہ اپنے گھر لوٹ کر نہیں آئے۔ تو کیا ہم ان (مفقود الخبر) کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں؟ نیز کیا زندہ آدمی کو ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب جس طرح مُردوں کو کیا جاتا ہے، اسی طرح زندوں کو بھی کرنا درست ہے؛ لہٰذا مذکورہ مفقود شخص کے لئے ایصالِ ثواب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

من صام أو صلی أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز، ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة. (شامی زکریا ۱۵۲/۳، البحر الرائق / باب الحج عن الغیر ۵۹/۳، تبیین الحقائق / باب الحج عن الغیر ۵۹/۲ ملتان، طحطاوي ٥١٤) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متعینہ مہینہ میں قرآن خوانی کرنا

سوال (١٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی ماہ میں متعین کر کے مثلاً ماہ شعبان میں جیسا کہ طریقہ معروف ہے قرآن خوانی کرنا اور قرآن خوانی کروانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقاتِ نافلہ یا تلاوت وتسبیح وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچانا حدیث سے ثابت ہے لیکن ایصالِ ثواب کے لئے کوئی دن یا مہینہ متعین کرنا اس میں قیود کو نیز اہل میت کی طرف سے دعوت کرنا یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں۔

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة، وفي البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الثاني والثالث – إلی قوله – واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراءة للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص. (شامی زکریا ۱۴۸/۳، شامی کراچی ۲۴۰/۲، فتاویٰ

بزازيه على هامش الهندية ٣/٣٧٩، عالمگيرى ٥/٣٤٤، البحر الرائق ٢/١٩٢)

عـن جـريـر بـن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نرى الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام من النياحة. (سنن ابن ماجة / باب ما جاء في النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت ١١٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تداعی کے ساتھ مروجہ قرآن خوانی اور شیرینی تقسیم کرنا؟

سوال (۱۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تداعی کے ساتھ مروجہ قرآن خوانی تیجہ، دسواں، چالیسواں یا نئے مکان کی تعمیر یا دوکان کے افتتاح یا صرف خیر وبرکت کے واسطے گھر دوکان ٹرک وغیرہ میں جو کرائی جاتی ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مسئولہ تمام مواقع پر یکساں حکم ہے یا کوئی فرق بھی ہے، چوں کہ یہ چیز اتنی عام ہوگئی ہے کہ اہل مدارس کا بچنا بہت مشکل ہوگیا ہے، کتنا بھی سمجھائیں، لوگ ماننے کے لئے تیار نہیں اور بعض مرتبہ اس کے مضر اثرات خیر کے مواقع پر چندہ پر اتنے پڑتے ہیں کہ ناراضگی کے ساتھ چندہ سے بھی انکار ہوجاتا ہے، کونسی شکل اختیار کی جائے کہ قوم بھی ناراض نہ ہو اور بچہ بھی جاسکے، نیز مذکورہ تمام تقریبات کے موقع پر طلبہ اور مدرسین کی شرکت کیسی ہے، دعوت قبول کرلی جائے یا انکار کردیا جائے، ایسا کھانا کھانا کیسا ہے؟ تمام جزئیات کا بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآنِ کریم کا پڑھنا اپنی ذات کے اعتبار سے گوکہ نہایت باعث خیر وبرکت ہے؛ لیکن اس زمانہ میں مروجہ اجتماعی قرآن خوانی میں (خواہ کسی موقع کی ہو) ایسے مفاسد شامل ہوگئے ہیں جن سے بچنا دشوار ہوتا ہے، مثلاً شیرینی وغیرہ کا اہتمام مدرسہ کے بچوں کا تعلیمی حرج اور ان میں مٹھائی وغیرہ کی حرص، افتتاح وغیرہ کے لئے قرآن خوانی کو لازمی

سمجھنا اور جلد بازی میں قرآنِ کریم چھوڑ چھوڑ کر پڑھنا، یہ باتیں عموماً رسم قرآن خوانی میں پائی جاتی ہیں؛ اس لئے اہل مدارس کو ان مجالس میں شرکت سے احتراز کرنا چاہئے؛ تاکہ ان کے عمل سے کسی غلط بات کی تائید نہ ہو، اگر کوئی شخص ایصالِ ثواب یا دعا کے لئے آئے تو اس کے لئے مدرسہ میں ہی دعا کرادینی چاہئے، اور اس معاملہ میں چندہ کی فکر نہ کریں، مدارس کا تو اصل سرمایہ توکل علی اللہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۵۷، کفایت المفتی ۲۱۶/۱، فتاویٰ محمودیہ ۸۱/۱۰، فتاویٰ رحیمیہ ۳۴۱/۲)

إن ختم القرآن بالجماعة جهراً ويسمیٰ بالفارسية سيپاره خواندن مكروه. (نفع المفتي والسائل ١٣٤)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۵/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کے لئے سوالاکھ کلمہ پڑھنا؟

سوال (۱۶۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ایصالِ ثواب کے لئے سوالاکھ مرتبہ کلمہ توحید پڑھنے کی کچھ اصل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوالاکھ مرتبہ کلمہ پڑھنے کی تحدید کسی روایت میں نہیں مل سکی، یہ مشائخ کے معمولات میں سے ہے، اسے نہ تو ضروری سمجھا جائے اور نہ ہی اسے یقینی طور پر نجات کی ضمانت قرار دیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۴۴/۹ ڈابھیل)

والأصل أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صومًا أو

صدقة أو قراء ة قرآن أو ذكرا أو غير ذٰلک عند أصحابنا بالکتاب والسنة.

(البحر الرائق ۱۰۵/۳، هداية ۱۹۶/۱)

من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة، أو منكر. (مرقاة المفاتيح، الصلاة / باب الدعاء عند التشهد ۲۶/۳ تحت رقم: ۹٤۶ بيروت، امداد الفتاوى ۲۲٤/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۵/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کو نفلی روزہ اور حج کا ثواب پہنچانا؟

سوال (۱۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا میت کے لئے نفلی روزہ، حج اور نفل نماز پڑھ کر ثواب پہنچا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نفلی روزہ حج اور نماز کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جاسکتا ہے۔

عن بريدة بن حصيب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن امرأة أتت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقالت: ...... فإنها ماتت وعليها صوم فيجزئ أن أصوم عنها، قال: نعم، قالت: ولم تحج فيجزئ أن أحج عنها، قال: نعم. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الحج / باب الحج عن الغير ۵٤۸/٤ رقم: ۸۶۷۰ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرنے والے کی طرف سے چالیس دن کھانا کھلانا؟

سوال (۱۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کسی بھی مرنے والے کی جانب سے چالیس دن تک روزانہ بلاناغہ کسی غریب کو کھانا دینا درست ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے میت کے لئے بطور ایصالِ ثواب کھانا کھلائے تو حرج نہیں، لیکن چالیس دن کی قید بے اصل ہے۔

وإن اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً، وأطال ذلک في المعراج. (شامی زکریا ۳/ ۱٤۸، طحطاوي علی مراقي الفلاح، الجنائز / فصل حملها ودفنها ۵۱۰ مصر) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۲/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مُردوں کے نام پر مسجد میں کھانا بھیجنا؟

سوال (۱۷۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد میں امام اور مؤذن رہتے ہیں، اوران دونوں کا کھانا مسجد کے محلّہ سے ہر روز آتا ہے، لیکن خاص جمعرات کی شام میں بعض عورتیں اپنے مردوں کے نام سے مسجد میں کھانا بھیجتی ہیں، مثلاً دادا کے نام سے یا اپنی نانی نانا کے نام سے وغیرہ، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ کھانا امام اور مؤذن کے لئے جائز ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کھانا صدقہ نافلہ کے طور پر ہوتا ہے، اس لئے مستحق امام اور موذن کو فی نفسہٖ اس کا کھانا جائز ہے؛ البتہ عوام کو یہ سمجھانا چاہئے کہ اس صدقہ کو جمعرات یا کسی اور دن کے ساتھ خاص کرنا شریعت سے ثابت نہیں ہے، اس لئے اس التزام سے بچنا چاہئے۔

وإن اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً، وأطال ذلک في المعراج. (شامی زکریا ۳/ ۱٤۸، طحطاوي علی مراقي الفلاح، الجنائز / فصل حملها ودفنها ۵۱۰ مصر، کفایت المفتی

۱۱۶/٤، فتاوی شیخ الاسلام ۱۵۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب میں کھانے پینے کا اہتمام

سوال (۱۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلمانوں میں بھی انتقال کے بعد بطور ایصالِ ثواب قرآن خوانی (جسے فاتحہ کا نام دیا جاتا ہے) کی تقریب کا انعقاد کیا جاتا ہے اور حسبِ حیثیت کھانا وغیرہ یا پھر شیرینی، پلاؤ، ناشتہ کا انتظام کیا جاتا ہے، اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا کیسا فعل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب کے لئے باقاعدہ تقریب کا اہتمام اور کھانے پینے کا انتظام کھلی ہوئی بدعت اور ناجائز ہے، ایصالِ ثواب بلا کسی تکلف کے کرنا چاہئے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱۹۱/۸، کفایت المفتی ۱۱۲/۴)

ویمنع القارئ للدنیا، والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قرأة الأجزاء بالأجرة لایجوز. (شامی زکریا ۷۷/۹، کراچی ۵۶/٦-۵۷، منحة الخالق علی هامش البحر الرائق / کتاب الوقف ۲۲۸/٥ کوئٹه)

البتہ نئے مکان کی تعمیر کرانے میں بطور برکت قرآن خوانی کرانے میں کوئی حرج نہیں، اور اس موقع پر جمع ہونے والے احباب کو کھانا یا ناشتہ کرانا جائز ہے، اس لئے کہ یہ قرآن خوانی کا عوض نہیں بلکہ نئے مکان کی تعمیر پر خوشی کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷۹/۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۲/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھانے پر فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا؟

سوال (۱۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: فاتحہ کے ذریعہ یعنی ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفسِ ایصالِ ثواب بلاالتزام وغیرہ جائز ہے؛ لیکن مروجہ فاتحہ جس میں خاص کر کھانے پر ایک خاص التزام کے ساتھ فاتحہ پڑھا جاتا ہے، یہ کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں؛ بلکہ بدعت اور قابلِ ترک ہے۔

قراءة الفاتحة والإخلاص والكافرون على الطعام بدعة. (فتاویٰ سمرقندی بحواله: فتاویٰ رحیمیه ۲۲۹/۱، مجموعة الفتاویٰ ۸۱/۱، احیاء العلوم ۱۴۸)

قال المناوي رحمه اللّٰه تعالیٰ تحت حديث: "من أحدث في أمرنا هٰذا": أي أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه...... (ما ليس منه) أي رأياً ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أي مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير ۵۵۹۴/۱۱ رياض)

قال العلامة اللكنوي رحمه اللّٰه تعالیٰ في الفاتحة المروجة: "این طور مخصوص نہ در زمانِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود، ونہ در زمانِ خلفاء، بلکہ وجودِ آں در قرونِ ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نہ شدہ، وحالاً در حرمین شریفین - زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً وکرامۃً - عاداتِ خواص نیست...... واین را ضروری دانستن مذموم است الخ"۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ۱۹۵/۱ لاہور، بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶۱/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھانے پر دعا اور مرنے والے کے لئے نیاز کرنا؟

سوال (۱۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقے کے کچھ لوگوں نے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد ہر روز کھانا

کھانے سے پہلے فوت ہونے والوں کی روح کو ایصال ثواب کے لئے قرآن پاک کی چند سورتیں پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ یا اور کوئی طریقہ ہو تو ضرور بتلائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب بلا کسی تعیین کے کبھی بھی درست ہے؛ لیکن اس کے لئے کوئی خاص وقت یا ہیئت یا کیفیت مقرر کرنا التزام مالا یلزم کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، اور بالخصوص اپنے گھر کے کھانے پر نیاز کرنا جیسا کہ اہل بدعت کا طریقہ ہے، یہ تو محض ڈھونگ ہے؛ کیوں کہ صدقہ سے ثواب اس وقت ملتا ہے جب کہ غریب اور مستحق لوگ اسے استعمال کریں، اور یہاں نیاز کر کے خود ہی گھر والے سب کھا جاتے ہیں، اور پھر اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ اس کا ثواب ہمارے بزرگوں کو پہنچ گیا، تو یہ بات قطعاً بے اصل ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ [التوبة: ٦٠]

الأصل للإنسان أن يجعل ثواب عمله بغيره من صلاة أو صوم أو قرأة قرآن. (البحرالرائق ۱۰۵/۳، شامی زکریا ۱۵۱/۳)

وما ذاک أي كون الفعل بدعة إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع. (شامی زکریا ۱۴۱/۳)

البدعة: منها وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعينة والتزام العادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلک التعيين في الشريعة.

(الاعتصام للشاطبي ۳۹/۱ دارالفکر، ۲۵-۲۶ بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردہ کے ایصالِ ثواب کیلئے پکا ہوا کھانا کس کے لئے جائز ہے؟

سوال (۱۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: دادا یا دادی یا باپ یا ماں یا اور کوئی وراث مرگیا، اس لئے میں نے ایصالِ ثواب کے لئے علماء حضرات کو لے کر دعا کی مجلس کی، اور کھانے کا بھی انتظام کیا، مگر کوئی دن مقرر نہیں ہے، ایسے ہی کبھی کبھی کرتا ہوں، مثلاً دادا مرگیا آج سے ۱۰؍سال پہلے، یا باپ مرگیا ۵؍سال پہلے، یا ماں مرگئی ۲۰؍سال پہلے، تو یہ کھانا علماء حضرات کے لئے اور مال دار آدمی کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کھانا سب لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے، مثلاً علماء حضرات اور غنی غریب سب کے لئے ہے، ہمارے مدرسہ میں ایک مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح کا کھانا علماء اور مال دار حضرات کے لئے جائز نہیں، فرماتے ہیں کہ یہ فتاویٰ محمودیہ کے اندر ہے، مہربانی فرما کر اس فتویٰ کو تفصیل اور حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں؟ مدرسہ میں علماء کے اندر دو جماعتیں ہوگئی، ایک جماعت نے کھانے پر فتویٰ دیا اور دوسری جماعت نے نہ کھانے پر فتویٰ دیا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب کے لئے دعوت کے اہتمام کا یہ طریقہ شرعاً ثابت نہیں ہے، اور مردہ کو ثواب پہنچانے کی نیت سے جو کھانا تیار کیا جائے وہ صرف فقراء کا حق ہے، مال دار اس میں شرکت نہ کریں۔

قال العلامة بن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ بعد بحث طويل في تنقيح المسئلة: قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري، وقال العيني رحمه اللّٰه تعالىٰ في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان، فإذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولو لا الأجرة لما قرأ أحد لأحد في هٰذا الزمان. (شامي كراچی ٥٦/٦، شامي زكريا ٧٧/٩، منحة الخالق ٢٢٨/٥ كوئٹه، كذا في البزازية ٣٩/٥)

وإن اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً، وأطال ذلک في المعراج. (شامي

زكـريا ٣/ ١٤٨، طحطاوي على مراقي الفلاح، الجنائز / فصل حملها ودفنها ٥١٠ مصر، كفايت المفتى ٤/ ١١٦، فتاوى شيخ الاسلام ١٥١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۵/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مروجہ قرآن خوانی کا حکم

سوال (۱۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گھروں اور دوکانوں میں کوئی شخص چند آدمیوں کو بلا کر قرآن خوانی کرائے اور اس کے بعد کھانے پینے کا اہتمام کرے، تو ایسی جگہ قرآنِ کریم پڑھنے جانا اور اس کے بعد کھانا پینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گھروں اور دوکانوں میں مروجہ قرآن خوانی جس میں کھانے پینے کا التزام ہوتا ہو مکروہ اور بدعت ہے، اس میں ثواب اور برکت کی امید نہیں ہے؛ اس لئے کہ خود پڑھنے والوں میں کھانے پینے کی غرض شامل ہوتی ہے، اور قرآنِ کریم بھی صحیح طریقہ سے نہیں پڑھا جاتا ہے؛ البتہ اگر صرف ایصالِ ثواب اور خیر وبرکت کے لئے بغیر کھانے پینے کے التزام یا بغیر کسی دنیاوی طمع کے پڑھا جائے تو جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۹۴-۱۸۱، ایضاح المسائل ۱۴۰)

الحاصل أن اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لأجل الأكل يكره. (شامی كراچی ٢/ ٢٤٠، شامی زكريا ٣/ ١٤٨)

الأصل للإنسان أن يجعل ثواب عمله بغيره من صلاة أو صوم أو قرأة قرآن. (البحرالرائق ٣/ ١٠٥، شامی زكريا ٣/ ١٥١)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا

اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲۶۹۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اُجرت اور معاوضہ پر قرآن خوانی کرنا؟

سوال (۱۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کروانا اور پڑھنے والوں کو کچھ کھلانا یا روپئے پیسے وغیرہ دینا شرعاً کیسا ہے؟ نیز ایصال ثواب کیلئے اجتماعی اور انفرادی قرآن خوانی کے جائز ہونے یا نہ ہونے میں فرق ہوتو تحریر کریں؟ اور ایصال ثواب کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا یا کروانا فی نفسہ جائز اور درست ہے، البتہ اگر اس مبارک عمل کے ساتھ رسوم اور اجرت ومعاوضہ کی شکل شامل ہوجائے جیسا کہ کھانا کھلانا، روپیہ پیسہ دینا وغیرہ تو یہ شرعا درست نہیں ہے، خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی، اس سے میت کو کوئی ثواب نہیں پہنچے گا۔

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري. (شامی زکریا ۹/ ۷۷، فتاوی رحیمیه ۱/ ۳۸۹، احسن الفتاوی ۱/ ۳۶۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۵/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کے لئے مدرسہ میں قرآن خوانی کرانا؟

سوال (۱۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انتقال کے بعد صبح میت کیلئے قرآن پڑھنا اور پڑھوانا اور اجتماعی اعتبار سے ایصال ثواب کرانا کیسا ہے؟ غریبوں کیلئے علماء کرام ناجائز قرار دیتے ہیں اور مالداروں کیلئے بچوں کو بھی بھیج

دیتے ہیں اور خود بھی چلے جاتے ہیں، یہ عمل کیسا ہے؟ کیا گھروں پر بچوں کو نہ بلاکر مدرسہ کے اندر بھی قرآن خوانی کرا سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے لئے ایصال ثواب کی اگر ضرورت ہو تو اس کی اطلاع مدرسہ میں کردی جائے اور مدرسہ کے بچے جو قرآن پاک پڑھتے ہیں اس کا ثواب مذکورہ میت کو پہونچا دیا جائے، خواہ میت غریب ہو یا مالدار، لیکن میت کے گھر جا کر قرآن پاک پڑھنا اور اس کے عوض ناشتہ یا کھانا یا اور کسی طرح اجرت لینا قطعاً جائز نہیں ہے، اس طرح بالعوض قرآن پڑھنے سے خود پڑھنے ہی والے کو ثواب نہیں ملتا ہے تو میت کو ایصال ثواب کیسے ہوسکتا ہے؛ اس لئے مروجہ قرآن خوانی سے بہر حال اجتناب لازم ہے۔

إن القرآن بالأجرة لایستحق الثواب لا للمیت ولا للقاري. (شامی زکریا ۹/ ۷۷، فتاوی رحیمیه ۱/ ۳۸۹، احسن الفتاوی ۱/ ۳۶۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۵/۱۱/۲۹ھ

مروجہ فاتحہ خوانی کا حکم اور بارات کو مدرسہ میں ٹھہرانا؟

سوال (۱۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں برسوں سے قرآن خوانی، اور بارات کا مدرسہ میں ٹھہرنا چلا آرہا ہے، قرآن خوانی کے سلسلہ میں لوگ مزاحم ہیں، اور فاتحہ دسواں وغیرہ میں تو اڑ جاتے ہیں، اسی طرح بارات ہے کہ اس میں محرم وغیر محرم بلا حجاب مدرسہ میں مقیم ہوجاتے ہیں، اور نوجوان سنیما بینی گانے سننے میں مشغول ہوتے ہیں (بذریعہ موبائل) اور صلاۃ مکتوبہ کا تو خیال ہی نہیں گذرتا، اس صورت حال میں بارات کا مدرسہ میں قیام کیسا ہے؟ کہیں یہ "**تعاون علی الاثم والعدوان**" میں تو داخل نہیں؟ براہ کرم قرآن خوانی اور قیام بارات کے حکم شرعی سے واقف فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ قرآن خوانی، فاتحہ، دسواں، تیجہ وغیرہ سب بدعات ہیں، ان باتوں کا مدرسہ میں انجام دینا یا مدرسہ کے طلبہ کو ایسی تقریبات میں بھیجنا بدعات کی تائید کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اسی طرح بارات وغیرہ کا مدرسہ میں ٹھہرانا جب کہ اس میں وہ منکرات شامل ہوں، جو سوال میں ذکر کئے گئے ہیں، یہ بھی ہرگز درست نہیں ہے؛ اہل مدرسہ کو کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اور ہمت سے کام لیتے ہوئے ایسی تمام قابل اعتراض اور ناجائز تقریبات سے مدرسہ کو پاک رکھنا لازم ہے، ورنہ وہ عنداللہ مسئول اور گنہگار رہوں گے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى، وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ٢]

عن الحسن قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (مصنف ابن أبي شيبة ١٨/ ٢٤٧، برقم: ٣٤٤٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر والدین مروجہ قرآن خوانی کا حکم دیں تو کیا کریں؟

سوال (۱۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مروجہ قرآن خوانی (جیسا کہ بدعتی کرتے ہیں) میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ والدین اگر حکم دیں تو کیا تعمیل ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محض قرآن خوانی ہو رہی ہے اور اس میں کوئی بدعت وناجائز امر شامل نہ ہو، تو اس میں شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر قرآن خوانی کے ساتھ منکرات ہوں تو ایسی مجلس میں شرکت سے احتراز کرنا چاہئے، اگر والدین کے اصرار پر وہاں

جانا ناگزیر ہو، تو صرف قرآن کریم پڑھ کر آجائے کسی بدعت وغیرہ میں شریک نہ ہو۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۲، فتاویٰ عثمانی ۱/۱۱۴، فتاویٰ رحیمیہ ۸/۱۹۰)

عن الحسن قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (مصنف ابن أبي شيبة ١٨/ ٢٤٧، برقم: ٣٤٤٠٦)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن خوانی پر پیسے لینا اور کھانا کھانا؟

سوال (۱۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن خوانی پر پیسے لینا اور اس وقت کا کھانا کھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قرآن خوانی پر پیسہ لینا اور رسماً کھانا کھانا جائز نہیں۔

قال تاج الشريعة في شرح الهداية أن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارى، فالحاصل: أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولو لاالأجرة ماقرأ أحد لأحد في هذا الزمان، بل جعلوا القرآن مكسباً ووسيلة إلى جمع الدنيا: إنا لله وإنا إليه راجعون. (شامی زکریا ۹/ ۷۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۳/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن خوانی کے بعد ناشتہ کرانا؟

سوال (۱۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں قرآن خوانی کے بعد ناشتہ وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے اور اگر ناشتہ کا انتظام نہ ہوتو لوگ قرآن پڑھنے کے لئے کم آتے ہیں، تو کیا اس طرح انتظام صحیح ہے یا نہیں؟ یا اس رواج کو سامنے رکھے بغیر یونہی قرآن خوانی کے بعد ناشتہ یا دعوت کھلائے تو کیا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہ کا قاعدہ ہے "**المعروف کالمشروط**" اس اعتبار سے اس زمانہ میں قرآن خوانی کے بعد کسی بھی طرح کا کھانا کھلانے یا نذرانہ کا اہتمام ممنوع ہوگا، اس لئے اس سے بچنا چاہئے اور بلا کسی اہتمام کے قرآن خوانی کرانی چاہئے۔

المعروف کالمشروط. (الأشباہ والنظائر ۱۵۲/۱)

وقال تاج الشریعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري. ويمنع القاري للدنيا والاٰخذ والمعطي اٰثمان.

(شامی کراچی ۵٦/٦، زکریا ۷۷/۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۱ھ

میت کے گھر جاکر دعا کرنے کو لازم سمجھنا؟

سوال (۱۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لوگ میت کے گھر جاکر دونوں ہاتھوں کو اٹھاکر بلند آواز سے دعا مانگتے ہیں، کیا یہ بدعت ہے یا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے گھر جاکر بلند آواز سے دعا کو لازم سمجھنا

بدعت ہے،اس طرح کے التزام سے بچنا چاہئے۔

یکرہ الاجتماع عند صاحب البیت، ویکرہ له الجلوس في بیته حتی یأتي إلیه من یعزی؛ بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بأمورهم وصاحب البیت بأمره. (شامی زکریا ۳/۱٤۹)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲٦۹۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نذر اور نیاز

نیاز دلانا صحیح ہے یا نہیں؟

سوال (۱۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیاز دلانا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ نذر ونیاز اوران میں التزام بدعت ہے، ان میں شرکت سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۶۴)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲۶۹۷)

وقال الإمام النووي رحمه اللّٰه تعالیٰ: فإنه صریح في رد کل البدع والمخترعات. (شرح النووي علی مسلم ۷۷/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نیاز والا کھانا کیسا ہے؟

سوال (۱۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس شیرینی یا کھانے پر نیاز کی گئی ہو، اس کا کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیاز وفاتحہ وغیرہ کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں ہے؛ بلکہ یہ محض بے اصل اور بدعت ہے اور ان رسموں سے بچنا لازم ہے، نیاز دلانے کا مطلب کیا ہے؟ اگر اس کا مطلب کسی مردے کو ایصال ثواب کرنا ہے، تو ایسی صورت میں یہ کھانا صرف غریبوں کو کھلانا چاہئے، یہ عجیب بات ہے کہ خود ہی کھانا کھائیں اور خود ہی ثواب پہنچائیں، علاوہ ازیں اس طرح کے عمل کا کسی صحیح حدیث سے کہیں ثبوت نہیں ملتا، اور اس بارے میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں، وہ محض بے اصل اور من گھڑت ہیں۔

قال اللّٰه تعالى: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْن﴾ [التوبة: ٦٠]

الأصل للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة كان أو صدقة.

(البحرالرائق ٣/ ٥٩)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گیارھویں کی نیاز کرنا کیسا ہے؟

سوال (۱۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گیارہویں کی نیاز کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گیارہویں شریف کی رسم کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، یہ کھلی ہوئی بدعت ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۹، کفایت المفتی ۱/۲۱۲)

عـن عـائشة رضـي الـلّٰـه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧)

وقـال الإمـام الـنـووي رحـمـه الـلّٰـه تـعالىٰ: فإنه صريح في رد كل البدع والمخترعات. (شرح النووي على مسلم ٧٧/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گیارھویں کی نیاز کا کھانا

ســوال (۱۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گیارہویں کی نیاز کا کھانا کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: اگر یہ کھانا ایصالِ ثواب کی نیت سے پکایا گیا ہے تو یہ صدقہ کے حکم میں ہے، اور اس کا مصرف صرف فقراء ہیں، اغنیاء کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔

اور اگر بطور نیاز وتقرب السید الغوث الاعظم کھانا پکایا گیا ہو یعنی اس عقیدے سے پکایا گیا کہ اس سے میت کی عظمت ہوگی، تو اس کا کھانا کسی کے لئے بھی جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲۱۱/۱، فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۸)

عـن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوى. (سنن الترمذي ١٤١/١)

الـنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون للمخلوق، ومنها أن الـمـنـذور لـه ميـت، والميت لا يملک، ومنها إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون اللّٰه تعالىٰ، والاعتقاد ذٰلک كفر. (البحر الرائق، قبيل باب الاعتكاف ٢٩٨/٢)

وإن اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً، وأطال ذلک في المعراج. (شامی زکریا ۳/ ۱۴۸، طحطاوي علی مراقي الفلاح، الجنائز / فصل حملها ودفنها ۵۱۰ مصر) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کیا گیارھویں کی نیاز کا کھانا ما أهل لغیر الله میں داخل ہے؟

سوال (۱۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گیارہویں کی نیاز کا کھانا "**ما اهل به لغیر الله**" میں داخل ہے یا نہیں؟ اور کیا اس نیاز کا کھانا میتہ مردار خنزیر کے حکم میں ہے یا نہیں؟ پاک ہے یا ناپاک؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مٹھائی کھانا وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر کے طور پر جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں، حضراتِ فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے **ما أهل لغیر الله به** کے حکم میں قرار دے کر حرام کہا ہے۔

(مستفاد: معارف القرآن ۱/ ۳۶۸)

وأما النذر الذي ینذره أکثر العوام علی ما هو مشاهد – إلی قوله – فهٰذا النذر باطل وحرام. (الدر المختار مع الشامی زکریا ۳/ ۴۲۸، البحر الرائق ۲/ ۲۹۸)

اعلم أن النذر الذي یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم فهو بالإجماع باطل وحرام. (طحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصوم / قبیل باب الاعتکاف ۱/ ۴۷۱ دار المعرفة بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کھانے کی چیز کو سامنے رکھ کر نیاز کرنا اور فاتحہ دینا؟

سوال (۱۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی کھانے کی چیز کو سامنے رکھ کر نیاز دینا کیسا ہے، یا نیاز دینا ہی شرعی اعتبار سے غلط ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کھانے کی چیز کو سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے، یہ سب بدعات ومنکرات ہیں جن کا ترک لازم ہے، شریعت میں مردوں کو ثواب پہنچانے کی صرف اتنی اصل ہے کہ آدمی اپنے ہر عمل خیر کا ثواب بلا کسی تعیین وتخصیص کے اپنے مردوں کو پہنچا سکتا ہے، خواہ قرآن کی تلاوت ہو یا غریب مسکین کو کھانا کپڑا دے کر۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۵۴، بہشتی زیور ۶/ ۴۸، امداد الفتاویٰ ۵/ ۲۶۱)

من صام أو صلی أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز ویصلی ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة، کذا فی البدائع. (شامی زکریا ۳/ ۱۵۲، طحطاوی علی المراقی ۳٤۱)

عن العرباض بن ساریة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ذات یوم في خطبته......: إیاکم ومحدثات الأمور، فإن کل محدثة بدعة، وکل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ٦/ ١٢٦، سنن أبي داؤد ٢/ ٦٣٥، سنن الترمذي ٢/ ٩٦، سنن ابن ماجة ١/ ٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/ ۴/ ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیر کے نام جانور چھوڑنا اور اس کے گوشت کا حکم

سوال (۱۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: بڑے پیر صاحب کے نام کا بکرا یا مرغ چھوڑ نا کیسا ہے؟ اور اگر ایسے جانور کے گوشت سے کوئی شخص دعوت کرے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑ نا حرام ہے، اور ان کے نام پر یا ان کی تعظیم کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے، اس کا گوشت کھانا بھی حرام ہے۔ (کفایت المفتی کراچی ۱۳۱/۸، معارف القرآن ۳۶۷/۱، امداد الفتاویٰ ۱۰۰/۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ [المائدة: ٣]

عن الجارود بن أبي سبرة قال: كان رجل من بني رباح وكان شاعراً، نافر أبا الفرزدق بماء بظهر الكوفة على أن يعقر هٰذا مائة من إبلهٖ، وهٰذا مائة من إبلهٖ، إذا وردت الماء، فلما وردت الماء قام إليها بسيفيهما، فجعلا يكشفان عراقيبها، قال: فخرج الناس على الحمرات والبغال يريدون اللحم، قال: وعلي بالكوفة، قال: فخرج علي على بغلة رسول اللّٰه ﷺ وهو ينادي: ''يا أيها الناس! لا تأكلوا من لحومها؛ فإنها أهل بها لغير اللّٰه''. (تفسير ابن كثير مكمل ٣٩١ دار السلام رياض)

ذبح لقدوم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير اللّٰه.

(درمختار مع الشامي زكريا ٤٤٩/٩، كراچى ٣٠٩/٦)

النذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا يكون للمخلوق. (شامی کراچی ٤٣٩/٢، شامی زکريا ٤٢٧/٣)

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا حرام است، واگر بقصد تقرب بنام اینہا ذبح کردہ شد ذبیحہ آں جانور ہم حرام ومرداری شود۔ (فتاویٰ عزیزی ۵۰/۱ رحیمیہ دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی وفات کے دن چندہ کر کے بکرا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا؟

سوال (۱۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی وفات کے دن خصوصاً چند لوگ چندہ کر کے ایک بکرا خریدتے ہیں، اور اس کو بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہیں، پھر اس کو پکا کر سب لوگ کھاتے ہیں اور لوگوں کو بھی کھلاتے ہیں، اور نیت حضرت کے لئے ایصال ثواب کی ہوتی ہے اور یہ سب گیارہ ربیع الثانی کو ہوتا، آیا یہ سب کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال قابل تحقیق یہ ہے کہ اگر صرف ایصال ثواب مقصود ہے تو اس کے لئے بکرے کی جان ہی لینے پر کیوں اصرار ہے؟ اور بازار سے اتنی مقدار گوشت خرید لینا، یا اور کوئی چیز لے کر صدقہ کر دینا کیوں کافی نہیں سمجھا جاتا؟ بکرے ہی کے لئے کیوں چندہ کیا جاتا ہے؟ اگر یہ ایک اتفاقی امر ہے تو اس میں تبدیلی لازم ہے اور اگر بکرے کی جان ہی لینے پر اصرار ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بکرے کے ذبح کئے جانے کو یہ لوگ غیر اللہ یعنی حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کی تعظیم کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔ اور شریعت کا اصول یہ ہے کہ جب بھی کسی جانور کو اللہ کے علاوہ کسی ذات یا شخصیت کے لئے ذبح کیا جائے گا، تو اگرچہ اس پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو پھر بھی وہ جانور مردار قرار پائے گا؛ لہٰذا صحیح صورتحال کے مطابق حکم معلوم کر کے آپ خود فیصلہ کر لیں۔

نیز کسی کے لئے ایصال ثواب کو کسی خاص تاریخ یا وقت یا خاص طریقہ کے ساتھ مخصوص کرنا بجائے خود بدعت ہے، اس کی شرعاً اجازت نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/۲۱۰-۲۱۸، معارف القرآن ۱/ ۳۶۵، فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۳ ڈابھیل، امداد المفتیین ۱/۱۷، فتاوی رشیدیہ/۱۳۸، عزیز الفتاوی/۱۲۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ [المائدة: ٣]

عن الجارود بن أبي سبرة قال: كان رجل من بني رباح وكان شاعراً، نافر أبـا الفرزدق بماء بظهر الكوفة على أن يعقر هٰذا مائة من إبلهٖ، وهٰذا مائة من إبلهٖ، إذا وردت المـاء، فلما وردت الماء قام إليها بسيفيهما، فجعلا يكشفان عراقيبها، قـال: فخرج الناس على الحمرات والبغال يريدون اللحم، قال: وعلي بالكوفة، قـال: فخرج علي على بغلة رسول اللّٰہ ﷺ وهو ينادي: "يا أيها الناس! لا تأكلوا من لحومها؛ فإنها أهل بها لغير اللّٰہ". (تفسير ابن كثير مكمل ٣٩١ دار السلام رياض)

ذبح لقـدوم الأمير ونحوه كواحد من العظماء ويحرم؛ لأنه أهل به بغير اللّٰـه ولو ذكر اللّٰـه اسم اللّٰہ تعالى. (الدرالمختار) وفي الشامي: لو ضافه أمير فـذبح عنـد قدومه، فإن قصد التعظيم لاتحل وإن أضافه بها، وإن قصد الإكرام تحل، وإن أطعمه غيرها. (شامی زکریا ٩/ ٤٤٩)

عـلى أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح ٢/ ٣٥٣)

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا حرام است، واگر بقصد تقرب بنام اینہا ذبح کردہ شد ذبیحہ آں جانور ہم حرام ومردار می شود۔ (فتاویٰ عزیزی ۱/ ۵۰ رحیمیہ دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۴/ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بارش طلبی کے لئے چندہ کر کے نیاز کرنا؟

سوال (۱۹۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں کچھ بستیوں میں ایسا رواج ہے کہ برسات کے موسم میں جب بارش نہیں ہوتی تو کچھ لوگ مشورہ کر کے پوری بستی سے چندہ کرتے ہیں، کسی پر زبردستی نہیں جو جتنا دے، کوئی

گیہوں دیتا ہے کوئی چاول کوئی نمک مرچ مصالحہ وغیرہ دیتا ہے، کوئی نقد پیسہ دیتا ہے اور یہ سب کچھ اکٹھا کر کے حلیم یا چاول وغیرہ بناتے ہیں، اور پوری بستی کے لوگ امیر غریب بچے بڑے سب کھاتے ہیں، اور اس کو نیاز بولتے ہیں، تاکہ اللہ خوش ہوکر بارش برسادے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح چندہ کر کے کھانا بنانا کیسا ہے؟ اس کا شمار رسومات میں تو نہیں ہے اور یہ کھانا امیر غریب سب کھا سکتے ہیں یا صرف غریبوں کو کھلانا چاہئے، یا اس رسم کو سرے سے ہی ختم کر دینا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بارش طلب کرنے کا شرعی طریقہ نماز استسقاء ہے، نیز انفرادی طور پر گناہوں کے کفارہ کے لئے صدقہ بھی مستحب ہے۔

لیکن اس کے لئے چندہ کرنا اور جمع کر کے پلاؤ وغیرہ پکانے کی رسم ثابت نہیں ہے، اس کو لازم سمجھنا بدعت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/۳۷۷، اصلاح الرسوم ۱۲۳)

اور چوں کہ اسے صدقہ کے طور پر کیا جاتا ہے لہٰذا وہ غرباء کا حق ہے امیر اس کو نہ کھائیں۔

عن عبد اللّٰه بن زيد المازني رضي اللّٰه عنه يقول: خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى المصلى فاستسقىٰ، وحوّل رداء ہ حين استقبل القبلة. (صحيح مسلم / باب صلاة الاستسقاء رقم: ٢٠٧٠)

وشرعاً طلب إنزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بأن يحبس المطر ولم يكن لهم أودية وآبار وأنهار الخ. (شامي زكريا ٣/ ٧٠)

عن معاوية بن حيدة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن صدقة السر تُطفئ غضب الرب تبارك وتعالىٰ. (رواه الطبراني في الكبير، الترغيب والترهيب مكمل ٢٠٩ رقم: ١٣٣٥)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم في خطبته...... : إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن

ماجة ۶/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۴/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نذر و نیاز کے نام پر کھانا بنا کر امیر غریب سب کو کھلانا کیسا ہے؟

سوال (۱۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیاز کیا چیز ہے عام طور سے کوئی مکان بناتا ہے تب مکانوں کی نیاز کرتا ہے اور کھانا پکا کر کھلاتا ہے، ایسے ہی پریشانی وغیرہ آتی ہے تب نیاز کرتے ہیں، یہ نیاز کا کھانا خوشی وغم دونوں موقعوں پر بنتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ نیاز کے نام پر کھانا بنانا اور پھر امیر غریب سب کو کھلانا کیسا ہے، اگر یہ نیاز کے نام کا کھانا ٹھیک نہیں ہے تو پھر عوام کو کس انداز سے سمجھائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا التزام کے صدقہ کرنا جائز ہے مگر مروجہ نذر و نیاز اور فاتحہ اعمال بدعت ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۱۵۴)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ۱۲۶/۶، سنن أبي داؤد ۶۳۵/۲، سنن الترمذي ۹۶/۲، سنن ابن ماجة ۶/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۴/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نذر و نیاز اور صدقات کا گوشت طلبہ کی خوراک میں صرف کرنا؟

سوال (۱۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ میں لوگ نذر و نیاز اور صدقات ہمہ قسم کے بکرے اور ان کا گوشت بھیجتے رہتے ہیں، بعض حضرات تو بالکل چھوٹا بچہ بلی جیسا کاٹ کر بھیج دیتے ہیں، جس کا گوشت دیکھنے سے گھن آتی

ہے، بعض حضرات جان کے بدلہ جان کے عنوان پر ذبح کرکے مدرسہ بھیج دیتے ہیں، بعض حضرات بکرے یا بکری کو رات کو مریض کی چارپائی سے باندھ دیتے ہیں اور صبح کو ذبح کرکے مدرسہ بھیج دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ سب قسم کے گوشت طلبہ کی خوراک پر صرف کرنے جائز ہیں؟ اگر ناجائز ہوں تو ان کا کیا مصرف ہے اور گوشت کی اس صورت سے بچنے کی شرعاً کیا صورت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں نذر ونیاز کی ان چیزوں کا لینا جو اللہ تعالیٰ کے لئے مانی گئی ہیں اور صدقات واجبہ کا لینا اور اس کو طلبہ کی خوراک پر صرف کرنا درست ہے؛ کیوں کہ جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں، وہی لوگ مذکورہ چیزوں کے بھی مستحق ہوں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۲۷، فتاویٰ رشیدیہ ۵۴۸)

مصرف الزکوٰۃ وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة كما في القهستاني. (شامی کراچي ۲/۳۳۹، زكريا ۳/۲۸۳، البحر الرائق ۲/۲۴۵، الدر المنتقى بيروت ۱/۳۲۴)

اور بکری وغیرہ کے چھوٹے بچوں کا ذبح کرنا اگر نذر معین کے طریقہ پر ہو تو درست ہے اور اگر نذر غیر معین ہو تو اس میں قربانی کے شرائط کا لحاظ ضروری ہے؛ کیوں کہ جانوروں کی نذر اسی وجہ سے صحیح ہے کہ ان کی قربانی ہوتی ہے؛ لہٰذا نذر مطلق میں قربانی کے شرائط کا لحاظ کیا جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۰۴)

ولو قال: للّٰه علي أن أذبح جزوراً وأتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه، ووجهه لا يخفىٰ. (درمختار) وتحته في الشامية: (قوله ووجهه لايخفى) وهو أن السبع تقوم مقامه في الضحايا والهدايا. (شامی کراچی ۳/۷۴۰، زکریا ۵/۵۲۴)

اور جو لوگ جان کے بدلہ جان کے عنوان پر یا بکری وغیرہ کو رات میں مریض کی چارپائی سے باندھ کر صبح ذبح کرتے ہیں، تو چوں کہ اسکا ثبوت شریعت میں نہیں ہے، اس لئے یہ طریقہ

بدعت ہے؛ البتہ آفات ومصیبت کے وقت صدقہ وخیرات کی ترغیب آئی ہے، مگر عوام کا اس بارے میں اعتقاد یہ ہوگیا ہے کہ کسی جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے، اور جان کا بدلہ جان ہی سمجھتے ہیں، جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں؛ بلکہ یہ عوام کی خودساختہ بدعت ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ نہ بھی رکھتا ہوتو بھی اس میں اس عقیدہ کی تائید ہوئی ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے اور غریبوں کے لئے اس قسم کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۰، ایضاح المسائل ۱۳۹)

یہ عقیدہ اچھے اچھے دین داروں میں بھی پایا جاتا ہے، اس لئے علماء پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح پر خاص توجہ دیں اور مدارس دینیہ میں اس قسم کے جو بکرے دئے جاتے ہیں ان کو ہرگز قبول نہ کریں، علماء کرام کی چشم پوشی اور اس قسم کے بکروں کو قبول کر لینے سے اس گمراہی اور غلط عقیدہ کی تائید ہوتی ہے؛ لہٰذا اس قسم کے گوشت کو طلبہ کی خوراک پر خرچ نہ کریں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۷، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم في خطبته......: إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (مسند أحمد ١٢٦/٦، سنن أبي داؤد ٦٣٥/٢، سنن الترمذي ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/ ۷/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

مزارات اور قبروں سے متعلق

بدعات ورسومات

قبر کے اوپر اذان دینے سے متعلق ایک بدعتی کی تحقیق

اور علماء دیو بند کا موقف

سوال (۱۹۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے، جس کے بہت سے دلائل ہیں:

پہلی دلیل: قبر پر بعدِ دفن اذان دینا جائز ہے، احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے، مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز **باب مایقال عند حضرة الموت** میں ہے:

لقنوا موتاکم لا إله إلا الله محمد رسول الله. اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھلاؤ۔

دنیاوی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لئے دو بڑے خطرناک وقت ہیں، ایک تو جانکنی ہے، دوسرے سوالاتِ قبر کہ اگر جانکنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کیا دھرا سب برباد گیا، اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی، اس لئے زندوں کو چاہئے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنائیں، اور بعدِ دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جا کر اب اس امتحان میں کامیاب

ہو، لہٰذا اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ جو مرا نہ ہو اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ، پہلے معنی مجازی ہیں، دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں؛ لہٰذا حدیث کا یہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ، اور یہ دفن کے بعد کا وقت ہے۔ چناں چہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے:

أما عند أهل السنة فالحديث أي لقنوا موتاكم لا إلٰه إلا اللّٰه محمول على حقيقته......، وقد روي عنه عليه الصلوٰة والسلام أنه أمر بالتلقين بعد الدفن. شامی میں اسی جگہ ہے: **وإنما لاينهى عن التلقين بعد الدفن؛ لأنه لاضرر فيه بل فيه نفع، فإن الميت يستأنس بالذكر على ما ورد في الاٰثار۔**

اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفنِ میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے؛ تاکہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو اور اذان میں بھی کلمہ ہے؛ لہٰذا یہ تلقین میت ہے جو کہ مستحب ہے؛ بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے۔

(۲) درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے، ان میں سے ایک: **والغيلان إن ظهرت۔**

(۳) شامی میں اسی کے تحت ہے:

قد يسن الأذان لغير الصلاة......، عند إنزال الميت القبر قياساً علىٰ أول خروجه للدنيا. (شامی زکریا ۲/ ۵۰)

الحمد للّٰه الذي جعل الأذان علم الإيمان وسبب الإيمان وسكينة الجنان وسفات أجرن ومرضاة الرحمن، والصلاة والسلام الاتمان الأكملان على من رفع اللّٰه ذكره وأقضع قدره فيذكره زان كل خطبة وأذان على آلٰه وصحبه الذاكرين إياه مع ذكر مولاه في الحيوٰة والموت والوجدان والفوت وكل حين، وأن أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه الحنان المنان وأن محمداً عبده ورسوله سيد الإنس

والجان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلىٰ اٰله وصحبه الرفين لدينه ما أذان أذن لصوت أذان۔

قال الفقير عبد المصطفیٰ محمد قدرت الله سني حنفي القادري البركاتي الرضوي المنظري۔

بعض علماء دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا، ابن حجر مکی وعلامۃ خیر الملۃ والدین استاذ صاحب درمختار علیہ رحمۃ الغفار نے ان کا یہ قول نقل کیا: أما المكي ففي فتاواه وفي شرح العبادات وعارض وأما الرملي ففي حاشية البحر الرائق ومرض ۔حق یہ ہے کہ اذان مذکورہ فی السوال کا جواز یقینی ہے، ہرگز شرع مطہرہ سے اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں، اور جس امر سے شرع منع نہ کرے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا، قائلان جواز کے لئے اسی قدر کافی ہے، جو مدعی ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرے، پھر مقام تبرع میں آکر فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ بدلائل کثیرہ اس کی اصل شرع مطہرہ سے نکال سکتا ہے۔ وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے، شیطان رجیم وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے، امام ترمذی محمد ابن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیانِ ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں: إن الميت إذا سئل من ربک تراء ى له الشيطان فيشير إلى نفسه إني أنا ربک فلهذا ورد سوال التثبيت له حين سئل، اس لئے حکم آیا کہ میت کے لئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعاء کریں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ويؤيده من الأخبار قول النبي صلى الله عليه وسلم عند دفن الميت ''اللّٰهم جسره من الشيطان'' فلو لم يكن الشيطان هناک وسبيل ما وما صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بذلک ۔اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔ صحیح بخاری ومسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: إذا أذن المؤذن أدبر الشيطان سے واضح ہو کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا ہے کہ جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان

کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اذان کہی جاتی ہے اور جب مرتا ہے تو نماز ہوتی ہے، اور جو قبر پر اذان کہی جاتی ہے اس کی نماز کب ہوگی؟ اس جہالت کے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ نماز یعنی نماز جنازہ صرف قیام سے ہوتی ہے جو ادنیٰ افعال نماز ہے، قیامت کے دن ایک نماز صرف سجدے سے ہوگی جو اعلیٰ افعال نماز ہے، جس دن کشف ساق ہوگا، اور مسلمان سجدہ کریں گے منافقین نہ کرسکیں گے، جس کا بیان سورۂ قٓ میں ہے، قبر کی اذان اس نماز کی اذان ہے۔

محترم المقام واجب الاحترام جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہٗ عرض یہ ہے کہ ایک بدعتی نے مجھے یہ پرچہ اذانِ قبر کے بارے میں لکھ کر بھیجا ہے، مگر میرے پاس یہ سب کتابیں موجود نہیں ہیں کہ ہم ان حوالہ جات کو دیکھیں، آپ سے درخواست ہے کہ آپ دیکھ کر اس کی اصلیت کی تحقیق کریں اور اس کے دلائل کے جوابات مطلوب ہیں، اور ہم نے دیکھا ہے کہ یہ بدعتی صاحب "**جاء الحق وزهق الباطل**" کتاب سے اخذ کرتے ہیں، آپ برائے مہربانی ارشاد فرمائیں کہ اس کتاب کے جو حوالے ہیں کہاں تک صحیح ہیں؟ اور جاء الحق کتاب کے جوابات میں ہمارے علماء کی طرف سے کونسی کتاب ہے؟ یہ بھی ارشاد فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قبر پر اذان دینا سراسر بدعت ہے، قرونِ ثلاثہ اور حضرات سلف صالحین سے اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا؛ بلکہ علماء اہل سنت نے اس کے بدعت ہونے کی صراحت کی ہے۔ علامہ شامیؒ کفن ودفن کی سنتوں کا ذکر کرنے کے بعد صاحب درمختار کے بیان کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لایسن الأذان عند إدخال الميت في قبرہٖ كما هو المعتاد الاٰن، وقد صرح ابن حجر في فتاواہ بأنه بدعة وقال: ومن ظن أنه سنة قياساً على ندبهما للمولود إلحاقاً لخاتمة الأمر بابتدائهٖ فلم يصب. (شامی کراچی ۲۳۵/۲، زکریا ۱۴۱/۳)

ترجمہ:- مردہ کو قبر میں داخل کرنے کے بعد اذان دینا سنت نہیں ہے؛ بلکہ علامہ ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے کہ جو شخص پیدائش کے وقت اذان وتکبیر کے مستحب ہونے پر قیاس کرتے ہوئے مرنے کے وقت کی اذان کو مسنون کہتا ہے وہ درستی پر نہیں ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے درر البحار سے نقل فرمایا:

من البدع التي شاعت في بلاد الهند الأذان على القبر بعد الدفن. (فتاویٰ رشیدیه ١٤٥)

یعنی ہندوستان میں جو بدعتیں رائج ہیں ان میں ایک دفن کے بعد قبر پر اذان دینا بھی ہے۔

اور البحر الرائق میں فتح القدیر کے حوالہ سے لکھا ہے:

ويكره عند القبر كلما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائماً.

یعنی قبر پر ہر وہ فعل کرنا مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو، اور وہاں سنت سے ثابت صرف قبر کی زیارت کرنا اور کھڑے ہو کر دعاء پڑھنا ہے۔

(البحر الرائق کراچی ٢/١٩٦، زکریا ٢/٣٤٣)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ کسی بھی طرح اذان علی القبر کو دینی کام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (کذا فی کفایۃ المفتی ۴/۵۳، فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۶۶) اور ورقۂ سوال میں اس بدعت کو سنت قرار دینے کے لئے جو دلائل دئے گئے ہیں وہ صرف اور صرف تلبیس پر مبنی ہیں، ہر ایک نمبر سے متعلق اشارہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تلقین بعد الدفن سے اذان مراد نہیں ہے؛ بلکہ اس کے الفاظ خود علامہ شامیؒ نے نقل فرمائے ہیں۔

أما عند أهل السنة فالحديث: أي "لقنوا موتاكم لا إله إلا الله". وقد روي عنه عليه الصلاة والسلام أنه أمر بالتلقين بعد الدفن، فيقول: يا فلان بن فلان! اذكر دينك الذي كنت عليه من شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً

رسول اللّٰه، وأن الجنة حق والنار حق وأن البعث حق، وأن الساعة آتية لا ريب فيها، وأن اللّٰه يبعث من في القبور، وأنک رضيت باللّٰه ربا وبالإسلام ديناً، وبمحمد صلى اللّٰه عليه وسلم نبياً، وبالقرآن إماماً، وبالكعبة قبلة، وبالمؤمنين إخواناً. (شامي، باب صلاة الجنازة / مطلب: في التلقين بعد الدفن ٣/ ٨٠-٨١ زكريا)

(۲-۳) غیلان کا حکم میت پر صادق نہیں آتا اور اذان قبر کے مسنون ہونے کی تردید اسی جگہ ان الفاظ میں مکتوب ہے:

وقيل عند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا؛ لكن رده ابن حجر في شرح العباب. (شامی، باب الأذان / مطلب: في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة ۲/ ٥٠ زكريا، ١/ ٣٨٥ كراچی)

اس کے علاوہ مذکورہ تحریر میں یہ جاہلانہ دلیل دی گئی ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے؛ لہٰذا منکر نکیر کو بھی دفع کرے گی، نعوذ باللہ کیا ان لوگوں کے نزدیک منکر نکیر بھی شیطان ہیں اور کیا اچھے اعمال نہ کرنے کے باوجود باہر والوں کے اذان دینے سے میت کو عذاب سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ بایں عقل ودانش بباید گریست۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱/۱۶ھ

قبر پر اذان دینے کے لئے بخاری ومسلم کی حدیث سے استدلال؟

سوال (۱۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک جماعت قبر کے پاس اذان دینے کو بدعت کہتی ہے، جب کہ دوسری جماعت اس کی پرزور طریقہ پر حمایت کرتی ہے۔ حال ہی میں ہمارے شہر میں ان ہی حضرات کا ایک پروگرام ہوا، اس پروگرام میں مالیگاؤں شہر کے ایک مولانا نے اپنے وعظ وبیان میں کہا کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں خود موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کی قبر پر تکبیر کہی۔ اذان دینے کی وجہ انہوں

نے اس طرح بتائی کہ جب مردہ سے پہلا سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ اس وقت شیطان قبر میں اس کے سامنے ہی رہتا ہے، وہ اس مردہ کو بہکاتا ہے اور اپنے آپ کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے، میں ہوں تیرا رب (مطلب شیطان) لیکن اس وقت قبر کے اوپر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا مردہ کو سنائی دیتی ہے اور وہ شیطان کے بہکاوے میں نہ آتے ہوئے جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور شیطان اذان کی آواز سنتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے، تو اب آپ بتائیے کہ صراط مستقیم کی راہ کون سی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا بدعت ہے، شریعت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں اور سوال میں بخاری ومسلم کی جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا تعلق نماز جنازہ کی چار تکبیروں سے ہے، اس سے اذان مراد لینا کھلی ہوئی تحریف اور حدیث کی غلط تشریح ہے۔

لایسن الأذان عند إدخال المیت في قبره کما هو المعتاد الآن ، وقد صرح ابن حجر في فتاویه بأنه بدعة الخ. (شامی زکریا ۱۴۱/۳)

أن أبا هریرةؓ حدثه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صف بهم بالمصلی فصلی فکبر علیه أربع تکبیرات. (صحیح مسلم ۳۰۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۶ھ

قبر پر اذان دینے کے لئے ابن ماجہ کی حدیث سے استدلال کرنا؟

سوال (۱۹۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ مردہ کی تدفین کے بعد ان کی قبر پر اذان دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس کے متعلق ابن ماجہ کے اندر روایت موجود ہے، تو شریعت کی روشنی میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور اس کا

ثبوت احادیث کی کتابوں میں یا دیگر کتابوں میں ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ابن ماجہ شریف میں اس مضمون کی کوئی روایت ہمیں نہیں ملی، اور قبر پر اذان پڑھنے کا عمل بدعت ہے، قرآن وسنت اور سلف صالحین سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ (فتاویٰ دار العلوم ۵/۳۸۲، احسن الفتاویٰ ۱/۳۴۷، فتاویٰ رحیمیہ ۶/۲۹۷)

لایسن لغیرها أی من الصلوات وقیل: وعند إنزال المیت القبر قیاسا علی أول خروجه للدنیا، لکن رده ابن حجر في شرح العباب. (شامی زکریا ۲/ ۵۰)

في الاقتصاد علی ما ذکر من الوارد إشارة إلی أنه لا یسن الأذان عند إدخال المیت في قبره، کما هو المعتاد الاٰن، وقد صرح ابن حجر في فتاواه بأنه بدعة، وقال ومن ظن أنه سنة قیاساً علی مذهبها للمولود إلحاقاً لخاتمة الأمر بابتدائه فلم یصب. (شامی زکریا ۳/ ۱٤۱، شامی کراچی ۲/ ۲۳٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۶/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبر پر اذان دینے سے مردہ کو سوال جواب میں آسانی ہونے کا عقیدہ رکھنا؟

سوال (۱۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کہتا ہے کہ قبر پر اذان دینے سے مردہ کو سوال وجواب میں آسانی ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسکین بخش جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا کہنا غلط ہے، یہ بدعت ہے؛ لہٰذا اس کا ترک لازم اور ضروری ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

إشارة إلى أنـه لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن، وقـد صـرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة. (شامی کراچی ۲۳۵/۲، شامی زکریا ۱۴۱/۳، فتاویٰ رحیمیہ ۱۹۷/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۵/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عرس کرنا اور قبروں پر چادر چڑھانا؟

سوال (۱۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عرس کرنا اور قبروں پر چادر چڑھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عرس کرنا اور قبروں پر چادر وغیرہ چڑھانا قطعاً ممنوع اور بدعت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۲۱۲)

وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء كرهه الفقهاء. (العقود الدرية في تنقيح الفتاویٰ الحامدية ۳۲٤/۲)

وقال العيني: إن إلقاء الرياحين ليس بشيء. (فيض الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الجنائز / باب الجريد على القبر ٤٨٩/۲)

فيجب أن يحذر مما يفعلون على رأس السَّنَة من موته، ويسمونه حولاً، فيدعون الأكابر والأصاغر، ويعدّون ذٰلک قربة، وهي بدعة ضلالة...... وهٰذا الحول يسمونه أهل الهند عرس، وما عرفت له أصلاً، فإن العرس إنما يكون في الزواج، ومع ذٰلک فهٰذه الأحوال والأعراس لا تكاد تخلو من إرتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات. (تبليغ الحق ۸۹۸، بحواله: فتاویٰ محموديه ۲۲۵/۳ ڈابھیل)

عن عائشة رضي اللّٰـه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

مزار پرسجدہ کرنا اور چادر چومنا؟

سوال (۲۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے، مزار پر چادر چومنا یا بوسہ دینا یا سجدہ کرنا یا پھول اگربتی لگانا وغیرہ ان سب کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا مزار پر جانا جائز نہیں ہے، نیز مزار کی چادر چومنا بوسہ دینا بھی ناجائز ہے۔

اور مزاروں پر سجدہ کرنا اگر تعظیم کی غرض سے ہو تو حرام ہے، اور بقصد عبادت ہے تو شرک ہے، نیز قبر پر اگربتی لگانا بھی منع اور بدعت ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج. (مشكوٰة المصابيح / باب المساجد ومواضع الصلاة ٧١)

وحاصل الكلام أنها تكره للنساء بل تحرم في هذا الزمان إلى قوله: ولايمس القبر ولا يقبله، فإنه من عادة أهل الكتاب. (حاشية الطحطاوى ص: ٦٢٠)

وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن، وهل يكفران على وجه

العبادة والتعظيم كفر. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٩/٥٥٠ زكريا، أحكام القرآن الكريم للجصاص / باب السجود لغير الله ١/٣٢ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبروں پر پھول چڑھانا؟

سوال (۲۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ قبر پر پھول ڈالتے ہیں، کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟ بدعتی لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قبر پر درخت کی ٹہنی ڈالی تھی اس کی اچھی طرح سے تشریح کیجئے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھول ڈالنا حدیث سے ثابت نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر جو تر شاخ گاڑھی تھی، اس کا مقصد صاحب قبر کے عذاب میں تخفیف کرنا تھا، کیا یہ بدعتی حضرات جن مشائخ کی قبروں پر پھول ڈالتے ہیں، تو کیا اُن کے معذب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟

وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء كرهه **الفقهاء.** (العقود الدرية في تنقيح الفتاویٰ الحامدية ٢/٣٢٤)

وقال العيني: إن إلقاء الرياحين ليس بشيء. (فيض الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الجنائز / باب الجريد على القبر ٢/٤٨٩)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: مرّ النبي صلى الله عليه وسلم على قبرين، فقال: إنهما يعذبان...... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس على هٰذا واحداً وعلى هٰذا واحداً، وقال: "لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا".

(صحيح البخاري، الجنائز / باب الجريد على القبر ١/١٨١-١٨٢)

قال الطرطوشي: لأن ذٰلک خاص ببركة يده صلى اللّٰه عليه وسلم. (إعلاء السنن، الجنائز / باب استحباب غرز الجريد الرطبة على القبر ٢٨٩/٨)

قال المازري: يحتمل أن يكون أوحى إليه أن العذاب يخفف عنها هٰذه المدة. (فتح الباري، كتاب الوضوء / باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله ٤٢٥/١)

قلت:...... إن كانوا يدعون اتباع الحديث، فعليهم أن يضعوا الجرائد دون الرياحين، وعلى المعذبين دون المقربين؛ لأن الحديث إنما ورد في المعذبين. (البدر الساري على حاشية فيض الباري / باب من الكبائر ٣١١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۳/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبروں پر موم بتی اگربتی جلانا؟

سوال (۲۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبروں پر موم بتی واگربتی جلانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر پر موم بتی اور اگربتی جلانا جائز نہیں، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، شریعت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔

وإخراج الشموع إلى رأس القبور في الليالي بدعة. (الفتاویٰ العالمگیرية، كتاب الكراهية / الباب السادس عشر في زيارة القبور ٣٥١/٥)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج. (مشكوٰة المصابيح / باب المساجد ومواضع الصلاة ٧١)

والنهي عن اتخاذ السراج لما فيه من تضييع المال؛ لأنه لا نفع لأحد من

السراج، ولأنها من آثار جهنم، وأما للاحتراز عن تعظيم القبور. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب المساجد ومواضع الصلاة ٤٧٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۸/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کی طرف سر جھکانا اور مزارات کی قدم بوسی کرنا؟

سوال (۲۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قدم بوسی یعنی قبر کی طرف سر کا جھکانا اور اسے یعنی قبر کو چومنا پھر اسی طرح سے سر کی طرف بھی کرنا اور قبر کی طرف پیٹھ کر کے نکلنے کو معیوب سمجھنا؛ بلکہ اُلٹے یعنی قبر کی طرف منہ کر کے واپس باہر آنا، اور قبر پر چادر چڑھانا مرد اور عورتوں کے لئے کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولیاء اللہ مشائخ کے مزار کی قدم بوسی اور قبر کی طرف سر جھکانا یا سجدہ کرنا نیز قبروں اور مزار پر چادر وغیرہ چڑھانا کھلی ہوئی بدعت ہے، جو قطعاً حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح قبروں کی طرف پیٹھ کر کے نکلنے کو معیوب سمجھنا اور قبر کی طرف منہ کر کے واپس لوٹنے کا عقیدہ بے اصل اور خلافِ شرع ہے، اس طرح کے فاسد اور گمراہ کن عقیدہ سے ہر مسلمان مرد وعورت کو بچنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۵/۵۳۹-۵۴۸، بہشتی زیور ۱/۴۱)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج. (مشكوٰة المصابيح / باب المساجد ومواضع الصلاة ٧١)

وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران؟ على وجه العبادة والتعظيم كفر، وإن على وجه التحية لا، وصار آثماً مرتكباً، للكبيرة

والتواضع لغير اللّٰه حرام. (درمختار زکریا ۹/ ۵۵۰)

والإنحناء للسلطان أو لغيره مكروه؛ لأنه يشبه فعل المجوس. (هندية ۵/ ۳۶۹، شامي زکریا ۹/ ۵۵۱)

أما تقبيل الأرض فهو قريب من السجود إلا أن وضع الجبين أو الخد على الأرض أفحش وأقبح من تقبيل الأرض. (شرح فقه أكبر ۲۴۴)

ولا يمسح القبر ولا يقبله؛ فإن ذٰلک من عادة النصارىٰ. (هندية ۵/ ۳۵۱، طحطاوي على المراقي ۵۱۳)

تكره الستور على القبور. (شامي زکریا ۳/ ۱۴۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مزارات پر بیٹھ کر تلاوت کرنا؟

سوال (۲۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مزارات کی تصویر کھینچنا کیسا ہے؟ اور اکابر کے مزارات پر قرآن شریف لے جا کر تلاوت کرنا اور ذکر جہراً یا سراً کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مزار پر جا کر آہستہ آواز سے قرآن پڑھنے اور ذکر واذکار کرنے میں مضائقہ نہیں، مگر باقاعدہ قرآن لیجا کر تلاوت کرنا یا ذکر جہری کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ اس سے بدعت کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔

قراءة القرآن عند القبور عند محمدؒ لاتكره، ومشايخنا أخذوا بقوله الخ. (عالمگیری ۱/ ۱۶۶)

إن كل سنة تكون شعار أهل البدعة تركها أولىٰ. (مرقاة المفاتيح، الجنائز / باب المشي بالجنازة ۴/ ۱۴۶ تحت رقم: ۱۶۸۱ بيروت)

عـن عـائشة رضـي الـلّـه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسـلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲۶۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۸ھ

شیطان اور جنات کے اثرات زائل ہونے کے یقین سے مزارات پر جانا؟

سوال (۲۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عامل حضرات اور کچھ بزرگ جو مزارات سے استفادہ کے قائل ہیں، جنات اور شیطانوں کے اثرات کے ازالہ کے لئے مزارات پر حاضری کی ترغیب ومشورہ دیتے ہیں، کیا صرف مزارات پر شرعی طور پر فاتحہ پڑھ کر بیٹھ جائیں؟ جب کہ ان کی روحانی توجہ سے مرض کے اثرات کا ازالہ ہوجاتا ہے، اس طرح اگر حاضری کی جائے تو کچھ گناہ تو نہیں ہے، کئی بار تجربہ ہوا، فائدہ بھی ہوا؛ لیکن شرعی پکڑ کی بات ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مزارات پر جانے کا اصل فائدہ موت کی یاد ہے اور ممکن ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ صالحین کی قبور پر نازل ہونے والی برکات میں سے کچھ حصہ مل جائے؛ لیکن کسی مزار پر جانے سے شیاطین اور جنات کے اثرات زائل ہوجاتے ہوں، تو اس کا شرعاً بالکل ثبوت نہیں ہے، اس مقصد اور نیت سے مزار پر حاضری دینا بے اصل اور ممنوع ہے۔

وأما الأولیاء فإنهم متفاوتون فی القرب من اللّٰه تعالیٰ، ونفع الزائرین بحسب معارفهم وأسرارهم. (شامی زکریا ۳/ ۱۵۰، فتاویٰ رشیدیه ۱۰۴)

عـن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم – في

حديث زيارة قبر أمه –: فزوروا القبور؛ فإنها تذكر الموت. (صحيح مسلم رقم: ٩٧٦)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ٢٦٩٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بزرگوں کے مزارات پر کتبہ لگانا؟

سوال (۲۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بزرگوں کے مزارات پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قبر کے نشان کو باقی رکھنے اور تعارف کی غرض سے قبر پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے، مگر بلاضرورت اور ضرورت سے زائد اہتمام صحیح نہیں ہے، اسی طرح عام آدمیوں کی قبروں پر بھی کتبہ لگانے کی اجازت نہیں ہے۔

لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها، حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن. (درمختار)

وفي الشامية: لأن النهي عنها وإن صحّ فقد وجد الإجماع العملي بها، فقد أخرج الحاكم النهي عنها من طرق، ثم قال: هٰذه الأسانيد صحيحة وليس العمل عليها، فإن أئمة المسلمين من المشرق إلى المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل أخذ به الخلف عن السلف. ويتقوّى بما أخرجه أبوداؤد بإسناد جيد أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حمل حجَراً فوضعها عند رأس عثمان بن مظعون، وقال: أتعلَّم بها قبر أخي وأدفِنُ إليه من مات من أهلي". (سنن أبي داؤد رقم: ٣٢٠٦) **فأما الكتابة بغير عذر فلا.** (الدر المختار مع الرد المحتار، الصلاة / باب

صلاة الجنائز٣/١٤٤ زکریا، فتاویٰ قاضی خان ١/١٩٤، احسن الفتاویٰ ٤/١٩٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۱۱/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبرستان میں ناچ، گانا، قوالی اور قضاء حاجت وغیرہ کا حکم؟

سوال (۲۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ رسم ورواج کے مطابق قبرستان میں عرس کے نام سے ناچ گانا، ڈانس، سینما، تھیٹر اور جو دوکان دار دوکان لگانے کی غرض سے قبرستان کے میلے میں آتے ہیں، ان تمام لوگوں کا قبرستان میں پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا اور قبروں کو منہدم کردینا اور فاحشہ عورت سے قبرستان میں قوالی کہلوانا، جب کہ اور بھی خرافات وغیرہ ہوتی رہتی ہیں، ایسا کرنا کیا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناچ گانا، سینما، تھیٹر وغیرہ یہ سب امور سننا اور دیکھنا حرام ہیں، خواہ قبرستان میں ہوں یا کسی اور جگہ۔

اور قبرستان میں پیشاب، پاخانہ اور قبروں کو منہدم کرنا یہ چیزیں احترام انسانی کے خلاف ہیں، اس لئے قبرستان میں ایسے کام کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایۃ المفتی ۷/۱۲۰)

مروجہ قوالی سننا بھی جائز نہیں ہے؛ بلکہ حرام ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۴۳ ڈابھیل)

عن جابر رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن تجصص القبور...... وأن توطأ. (سنن الترمذي، الجنائز / باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور ١/٢٠٣)

يكره الجلوس على القبر ووطؤه. (شامي كراچی ٢/٢٤٥)

ويكره وطئ القبر والبول والغائط. (الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع

الأنهر / باب الجنائز ٢٧٦/١ كوئٹه، بدائع الصنائع، کتاب الصلاة / فصل في سنة الدفن ٦٥/٢)

استماع صوت الملاهي معصية والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر. واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق – إلى قوله – وغير ذٰلک حرام.

(درمختار مع الشامي ٣٩٤/٦–٣٩٥ کراچی، شامی زکریا ٥٠٤/٩)

فما ظنک به عند الغناء الذي يسمونه وجداً ومحبة فإنه مكروه لا أصل له في الدين، قال الشارح: زاد في الجوهرة: وما يفعله متصوفة زماننا حرام، لا يجوز القصد والجلوس إليه. (شامی کراچی ٣٤٩/٦، شامی زکریا ٥٠٣/٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۶/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبر میں عہد نامہ رکھنا

سوال (۲۰۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبر میں کچھ لوگ عہد نامہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے میت عذاب قبر سے محفوظ رہتی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قرآن وحدیث سے قبر میں عہد نامہ رکھنا ثابت نہیں ہے، اس کا التزام بدعت ہے۔

أنه تكره كتابة القرآن واسماء اللّٰه تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، وما ذاک إلا لاحترامه وخشية وطيه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى. (شامی زکریا ١٥٧/٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیسرے دن قبر کی زیارت اور ایصالِ ثواب پر ملا علی قاریؒ کی کتاب سے استدلال کرنا؟

سوال (۲۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''کشف الحقائق'' کی ایک عبارت سے میت دفن کے تیسرے دن ایصال ثواب اور زیارت قبور پر استدلال کرتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے منقول ہے۔ (کشف الحقائق) اور چنددانی کے مولانا مفتی نے کہا کہ حضرت ملا علی قاری نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکے کا اللہ کو پیارہ ہونے کے تیسرے روز قبر کے سامنے جو کی روٹی اور اونٹنی کا دودھ رکھ کر اللہ کا کلام (سورہ فاتحہ) پڑھ کر دعا مانگی اور جو کی روٹی اور دودھ صحابی حضرت ابوہریرہ کو دے کر کہا تم کھاؤ، اور سب میں تقسیم کرو اس سے معلوم ہوا کہ قبرستان میں کھانا کھانا اور تقسیم کرنا جائز ہے، مگر کچھ لوگ قبرستان میں کھانا کھانے کو حرام قرار دیتے ہیں تو وہ کس قسم کا کھانا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی متعین دن ایصال ثواب اور کھانا وغیرہ بنانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، ملا علی قاریؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے جو روایت نقل کی گئی ہے، وہ مطلقاً غیر معتبر ہے، اُن سے اس طرح کی کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (شامی کراچی ۲/۲٤٠، زکریا ۳/۱٤۸)

ويكره اتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراءة للختم أو القراءة أو الإخلاص، فالحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (بزازية على هامش الهندية ٤/٨١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۱/۲/۴ھ

سالار مسعود غازیؒ کے مزار پر ہونے والی رسومات

سوال (۲۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) بہرائچ میں واقع درگاہ حضرت شہید سالار مسعود غازیؒ سمیت قریب آدھا درجن مزاروں کی ہر سال پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ ٹھیکے دارانہ نیلامی کی جاتی ہے، درگاہ شریف انتظامیہ کے ذریعہ مزاروں کی نیلامی شرعی اعتبار سے کہاں تک جائز ہے؟

(۲) ان مزاروں کی سالانہ نیلامی کے بعد ٹھیکے داروں کے ذریعہ درگاہ شریف آنے والے عقیدت مندوں سے جبراً وصولی کی جاتی ہے، زائرین سے مزاروں پر یہ وصولی کہاں تک مناسب ہے؟

(۳) درگاہ شریف بہرائچ میں تعمیری وترقیاتی کاموں پر غیر مسلموں کی طرف سے کئے گئے دان کی رقم کا استعمال کہاں تک جائز ہے؟

(۴) درگاہ شریف کے پرکھ مزار سمیت سبھی مزاروں پر ہر ایک موقعہ پر عورتوں کو جانے کی کھلی چھوٹ ہے، شرعی اعتبار سے یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(۵) درگاہ شریف بہرائچ کی سیکڑوں بیگھا موقوفہ زمین ودیگر جائیداد پر زیادہ تر مسلمانوں کا ناجائز قبضہ ہے، شریعت میں اوقاف کی ملکیت پر ناجائز قبضہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مزارات پر عرس کرنا، میلے لگانا اور عرس کے موقع پر ٹھیکے داروں کو ٹھیکہ نیلام کرنا اور مزارات پر آنے والوں سے جبراً پیسہ وصول کرنا، نیز مزاروں پر عورتوں کا آنا جانا اور فواحش ومنکرات پھیلانا، نیز مزارات کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنا، یہ سب باتیں شرعاً حرام اور ناجائز ہیں، شریعت میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۰۱-۱۰۲، فتاوی رحیمیہ ۲/۳۰۸-۳۱۸، ۳۲۲، فتاوی عثمانی ۱/۱۲۲، کفایت المفتی ۴/۱۸۴)

لایجوز ما یفعله الجهال بقبور الأولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السراج والمساجد علیها، ومن الاجتماع بعد الحول کالأعیاد

ويسمونه عرساً. (تفسير مظهرى ٢/ ٦٥ زكريا)

ونهى عن اتخاذها عيداً، وهم يخالفونه ويتخذونها عيداً ويجتمعون لها كما يجتمعون للعيد أو أكثر. (مجالس الأبرار ١١٨/١٧، بحواله: محاضراتِ علميه برموضوع رضاخانيت ١٦٢)

وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام في هذا الزمان ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه فيه الفساد والفتنة، وإنما رخصت الزيارة لتذكر أمر الآخرة، وللاعتبار بمن مضى وللتزهد فى الدنيا. (عمدة القاري شرح صحيح البخارى ٧٠/٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱۱/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بزرگوں کے مزارات پر غائب شخص کا سلام پہنچانا؟

سوال (۲۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جناب سرکار دوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس میں تو غائب کا سلام پہنچایا جاتا ہے؛ لیکن کسی بزرگ یا ولی کے مزار پر غائب کا سلام پہنچانا کیسا ہے؟ مدلل جواب کی زحمت گوارا فرما رشکریہ کا موقع دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنحضرت ﷺ کو سلام پہنچانا صراحۃً روایتوں سے ثابت ہے؛ لیکن آپ کے علاوہ کسی امتی بزرگ یا ولی کو غائب کا سلام پہنچانا کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرا، البتہ چوں کہ قبرستان میں جاتے وقت مردوں کو سلام کرنا ثابت ہے۔ (حصن حصین ۱۵۴) اس سے سلام پہنچانے کا بھی ثبوت ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۷/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مزار پر جا کر پیروں سے مانگنا؟

سوال (۲۱۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی غیر اللہ سے مانگنا جیسے کسی مراز پر جا کر پیر سے کوئی مانگتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو ہم بھی ماں باپ یا کسی رشتہ دار سے مانگتے ہیں اور یہ بھی، تو غیر اللہ ہے اور یہ جائز ہے تو کیا وجہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر اللہ (خواہ زندہ ہو یا مردہ) سے ایسی چیز مانگنا جو اس کے دائرہ اختیار سے باہر اور صرف قدرتِ خداوندی کے ساتھ مختص ہے جائز نہیں ہے، نیز غیر اللہ سے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہی اصل میں دینے والا، مرض ہٹانے والا پریشانی دور کرنے والا وغیرہ وغیرہ ہے، شرک ہے، اسی بنا پر مزار پر جا کر پیروں سے مانگنے اور ان کی منت رکھنے کی سخت ممانعت ہے اور یہ فعل اسلام میں قطعاً حرام ہے، اور زندوں سے جو چیزیں مانگی جاتی ہیں وہ ایسی نہیں ہوتیں جو ان کے اختیار میں نہ ہوں، مثلاً روپیہ دینا، مدد کرنا وغیرہ، اور نہ یہ سمجھ کر زندوں سے مانگا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ وہی اصل میں داتا ہیں، لہٰذا ان سے مانگنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، ہاں اگر کسی زندہ کے بارے میں ایسی صفات کا عقیدہ رکھے جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں، تو ان سے بھی اس طرح مانگنا حرام ہوگا۔

ومن مظنات الشرک أنهم کانوا یستعینون بغیر اللّٰہ في حوائجهم من شفاء المریض وغناء الفقیر وینذرون لهم یتوقعون أنجام مقاصدهم بتلک النذور ویتلون أسمائهم رجاء ببرکتها. (حجة اللّٰہ البالغه ٦٢، ١٨٦/١ حجاز دیوبند) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴؍۳؍۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بزرگوں کے نام پر عرس منانا

سوال (۲۱۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اعراس بزرگانِ دین صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بزرگوں کا عرس منانا بلاشبہ بدعت اور ممنوع ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۵)

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحینؒ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تجعلوا قبري عيداً. (سنن أبي داؤد رقم: ٢٠٤٢، سنن الترمذي رقم: ١٠١٨، مسند أحمد ٣٦٧/٢، مشكوٰة المصابيح / باب الصلاة على النبي في التشهد ٨٦/١)

یعنی میری قبر کو عید مت بناؤ اور مجمع البحار میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

لا تجعلوا قبري عيداً أي لا تجعلوا زيارة قبري عيداً أو قبري مظهر عيد أي لا تجتمعوا لزيارة اجتماعكم للعيد فإنه يوم لهو وسرور وحال الزيارة بخلافه. (مجمع بحار الأنوار ٤٤٥/٢)

تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عرس منانے اور عید کے دن کی طرح آپ کے روضہ اطہر پر میلہ لگانے کی اجازت نہیں ہے، تو دوسروں کے لئے اس کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ غالبًا اسی بنا پر بعض بریلوی علماء بھی عرس کے وقت مزارات پر نہ جانے کا فتویٰ دیتے ہیں، چناں چہ مولانا حشمت علی صاحب نے اپنی تصنیف مجمع الوسائل ۱۱۰/۱ میں اسے تحریر کیا ہے۔ (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۳۲۰/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مزاروں پر جاکر مردوں کے وسیلے سے منت مانگنا؟

سوال (۲۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مزاروں پر جاکران کے وسیلے سے کوئی منت مانگنا جائز ہے یا نہیں، یا اس طرح کہنا صاحب قبر سے کہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کردیجئے کہ میرا فلاں کام ہوجائے، جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اللہ تعالیٰ سے براہِ راست دعا مانگے اور اسی بزرگ کو وسیلہ بنالے تو یہ درست ہے۔

اور بزرگوں سے خطاب کرکے یہ نہ کہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرا کام کرادیجئے؛ اس لئے کہ اس کے جواز اور عدم جواز کا مدار مسئلہ سماع موتی پر ہے، جو برابر مختلف فیہ رہا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۴۲، فتاویٰ دارالعلوم ۵/۴۴۱)

وقال في الشامي: وقد عد من آداب الدعاء التوسل على ما في الحصن. فيه: وقال السبكي: يحسن التوسل بالنبي إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية فابتدع مالم يقله عالم قبله. (شامی کراچی ٦/٣٩٧، زکریا ٩/٥٦٩، البحر الرائق ٨/٢٠٧، بدائع الصنائع زكريا ٤/٣٠٢، عين الهداية زكريا ٤/٣٥٧، روح المعاني ٦/١٢٨)

إن التوسل بجاه غير النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا بأس به أيضاً إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند اللّٰه تعالىٰ كالمقطوع بصلاحه وولايته، وأما من لا قطع في حقه بذٰلک فلا يتوسل بجاهه. (روح المعاني ٦/١٢٩، المائدة: تحت آية: ٣٥، مطبوعة مصطفائية ديوبند، المدخل ١/٢٥٤ مصر، بحواله: فتاوىٰ محموديه ميرٹھ ٣/١٣٢-١٤٦، امداد الفتاوىٰ زكريا ٤/٣٦)

وقال السبكي: يحسن التوسل بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى ربه ولم

ينكره أحد من السلف والخلف إلا ابن تيمية فابتدع ما لم يقله عالم قبله. (رد المحتار، الحظر والإباحة / فصل في البيع ٥٦٩/٩ زكريا، ٣٩٧/٦)

عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين في حياتهم وبعد وفاتهم بأن يقول في دعائه: اللّٰهم إني أتوسل إليک بفلان أن تجيب دعوتي وتقضي حاجتي إلى غير ذٰلک.

(المنهد على المفند ١٢-١٣، عقائد أهل السنة والجماعة مدلل ١٧٥ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۲/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کے سامنے جھک کر سلام کرنا اور مزار کو چومنا؟

سوال (۲۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صاحب قبر کے احترام میں تھوڑا جھک کر سلام کرنا اس طرح جیسے بادشاہوں کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا یا قدم بوسی کے نام پر مزار کو چومنا کہ بشکل سجدہ قدموں پر گر جانا جائز ہے یا نہیں، اس صورت میں کہ بشکل سجدہ قدموں میں گر جانے کو زید کہتا ہے کہ یہ سجدہ نہیں ہے؛ بلکہ احتراماً قدم بوسی ہے، سجدہ کے لئے تین چیزیں شرط ہیں: قبلہ رخ ہونا، نیت کرنا، تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنا۔ برائے کرم جواب دیں؛ تاکہ شرک واحترام کا فرق معلوم ہو سکے اور اسلاف نے بھی مزاروں پر حاضری دی ہے، ان کا کیا معمول تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کے سامنے جھک کر سلام کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور مزار کو چومنا اور سجدہ کی ہیئت اختیار کرنا اگر بنیت عبادت ہو تو موجب کفر ہے، ورنہ حرام اور سخت گناہِ کبیرہ ہے۔

تقبيل الأرض بين يدى العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والراضي بهٖ

آثمانِ؛ لأنه يشبه عبادة الوثن، وهل يكفران؟ على وجه العبادة والتعظيم كُفِّر، وإن على وجه التحية لا، وصار آثماً مرتكباً للكبيرة. (درمختار) وفي الشامي: وفي المحيط أنه يكره الإنحناء للسلطان وغيره. (شامی کراچی ۳۸۳/۶، زکریا ۵۵۰/۹، احسن الفتاویٰ ۳۶/۱)

عبارت بالا سے صاف معلوم ہوا کہ حرمت کے لئے محض سجدہ کی ہیئت اور بوسہ دینا کافی ہے خواہ وہ کسی طرح ہو؛ اس لئے زید کا یہ کہنا بلا دلیل ہے کہ سجدہ وہی کہلائے گا جس میں مذکورہ تین شرطیں پائی جائیں، یہ زید کی من گھڑت بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۶/۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبروں پر پھول مالا اور تر شاخ رکھنا؟

سوال (۲۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبروں پر پھول مالا یا چادر چڑھانا ایسے ہی تر شاخ یا گھاس وغیرہ کے پودے یہ سمجھ کر کے لگانا کہ یہ میت کے لئے تقلیل عذاب کا باعث ہے، کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تقلیل عذاب کی نیت سے قبروں پر شاخیں گاڑنے کا التزام واہتمام کرنا بدعت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گنہ گاروں کی قبروں پر جو شاخیں گاڑی تھیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور خصوصیت تھی، دوسرے لوگوں پر اس کو قیاس نہیں کیا جائے گا، یہی قول احوط اور مفتی بہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳۷۴/۱)

وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء كرهه الفقهاء. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ۳۲۴/۲)

وقال العيني: إن إلقاء الرياحين ليس بشيء. (فيض الباري شرح صحيح البخاري،

كتاب الجنائز / باب الجريد على القبر ٤٨٩/٢)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: مرّ النبي صلى الله عليه وسلم على قبرين، فقال: إنهما يعذبان...... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس على هٰذا واحداً وعلى هٰذا واحداً، وقال: "لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا".

(صحيح البخاري، الجنائز / باب الجريد على القبر ١٨١/١-١٨٢)

قال الطرطوشي: لأن ذٰلک خاص ببركة يده صلى الله عليه وسلم. (إعلاء السنن، الجنائز / باب استحباب غرز الجريد الرطبة على القبر ٢٨٩/٨)

قال المازري: يحتمل أن يكون أوحى إليه أن العذاب يخفف عنها هٰذه المدة. (فتح الباري، كتاب الوضوء / باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله ٤٢٥/١)

قلت:...... إن كانوا يدعون اتباع الحديث، فعليهم أن يضعوا الجرائد دون الرياحين، وعلى المعذبين دون المقربين؛ لأن الحديث إنما ورد في المعذبين. (البدر الساري على حاشية فيض الباري / باب من الكبائر ٣١١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۴/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متفرقات

درود تاج پڑھنا

سوال (۲۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: درود تاج پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: درود تاج میں بعض الفاظ شرکیہ ہیں اس لئے اسے ترک کر کے دیگر درود شریف جو صحیح سندوں سے منقول ہیں انہیں پڑھنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲۲/۳ ڈابھیل)

قال الملا علي القاري بعد بحث: فأرادوا تعليم الصلاة أيضاً على لسانه بأن ثواب الوارد أفضل وأكمل. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، الصلاة / باب الصلاة على النبي ﷺ وفضلها ٦/٣ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۳/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تکبیر میں شہادتین تک بیٹھے رہنے کو لازم سمجھنا بدعت ہے

سوال (۲۱۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ تکبیر کے وقت شروع میں ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ شہادتین تک بیٹھے رہتے ہیں، پہلے لوگ کھڑے ہونے کو سنت اور بیٹھنے کو مستحب کہتے ہیں، کیا مسئلہ ایسا ہی ہے، اگر کوئی حدیث ہو تو وہ بھی لکھ دیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہوجانا چاہئے؛ تاکہ صفوں کی درستگی کا کام بسہولت انجام دیا جاسکے، بعض احادیث سے بھی ابتداءِ تکبیر سے صحابہ کے کھڑے ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے شہادتین یا اس کے بعد تک بیٹھے رہنے کے التزام کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور اس پر اصرار بدعت ہے اور آج کل اہل بدعت کا شعار بن گیا ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۳۱۶)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يقلو: أقيمت الصلاة فقمنا وعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح مسلم ۱/۲۲۰)

ولها آداب: تركه لا يوجب إساءة ولا عتاباً. (درمختار زكريا ۲/۱۷۵)

من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة، أو منكر. (مرقاة المفاتيح، الصلاة / باب الدعاء عند التشهد ۳/۲٦ تحت رقم: ۹٤٦ بيروت، امداد الفتاوى ٥/۲۲٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۲/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ربن کاٹ کر دوکان وغیرہ کا افتتاح کرنا؟

سوال (۲۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی دوکان کے افتتاح کے وقت ربن وغیرہ کاٹنے کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان کے افتتاح کے وقت ربن وغیرہ کاٹنے کا جو رواج ہے اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور چوں کہ اس میں کفار کی مشابہت ہے اس لئے اس کا ترک کرنا لازم اور ضروری ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من تشبه بقوم فهو

منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۵/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسجد کے طاق اور محراب میں مٹھائی رکھنا؟

سوال (۲۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ مستورات مسلسل مسجد کی محراب میں بنے ہوئے طاق کو مٹھائی اور اگربتی وغیرہ سے بھرتی ہیں، بعدہ وہ مٹھائی مسجد میں آنے والے نمازی بہت کوشش کے ساتھ حاصل کر کے خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت مبارکہ کی رو سے یہ کہاں تک جائز ہے اور اس عمل کے کرنے والے اور اس مٹھائی کے کھانے والے کہاں تک درست ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خاص طاق میں مٹھائی وغیرہ رکھنا اور اگربتی جلانا اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے؛ بلکہ یہ عمل نعوذ باللہ مندروں میں دئے جانے والے چڑھاوے سے مشابہ ہے، عموماً جاہل عورتیں منت وغیرہ مان کر یہ بدعات انجام دیتی ہیں، مال دار اور صاحب استطاعت لوگ اس کو نہ کھائیں اور اس بدعت کو روکنے کی کوشش کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۳۶/۱۲، فتاویٰ رشیدیہ ۵۴۸)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١)

عن أبي سعيد الخدري ﷺ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه، وذٰلک أضعف الإيمان. (صحيح مسلم / كتاب الإيمان رقم: ٤٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۳/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

واجب الاکرام شخص کی قدم بوسی کرنا؟

سوال (۲۲۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ فتاوی محمودیہ ۱/۵۷ا پر تحریر فرماتے ہیں کہ: جو شخص واجب الاکرام ہو اس کی قدم بوسی کی اجازت ہے؛ لیکن اعتقاد میں غلو نہ ہو، تو حضرت یہ بات سمجھ کے باہر ہے۔ آج غیر مقلدوں کا ستارہ بلندی پر ہے اس لئے یہی سب باتیں عوام میں بتا کر عوام کو گمراہ کر رہے ہیں، اس لئے خلاصہ مفصل ارشاد فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محبت وعظمت کی بنا پر واجب الاحترام شخص کی قدم بوسی کی گنجائش اگر چہ بعض روایات سے مستفاد ہوتی ہے؛ لیکن آج کل چوں کہ عوام میں بے اعتدالی حد سے زائد ہے، اس لئے اس عمل کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی، اور اس کے جواز پر غیر مقلدوں کا اعتراض بے جا ہے؛ کیوں کہ جس عمل کی گنجائش حدیث وآثار سے ہو اس کو بلا شرط مطلقاً ممنوع نہیں کہا جاسکتا، چند روایات ملاحظہ ہوں:

عن زارع رضي اللّٰه عنه – وكان في وفد عبد القيس– قال: لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا، فنقبل يد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ورجله، وانتظر المنذر الأشج حتى أتى عيبته. (سنن أبي داؤد ۲/۷۰۹)

عن صفوان بن عسال رضي اللّٰه عنه قال: قال يهودي لصاحبه: إذهب بنا إلى هذا النبي، فقال صاحبه: لاتقل نبي، أنه لو سمعك، كان له أربعة أعين، فأتيا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فسألاه عن تسع آيات بينات – إلى قوله – قال: فقبلوا يديه ورجليه، وقالوا: نشهد أنك نبي الخ. (سنن الترمذي ۲/۱۰۲)

لأنه لم يكن ذلك من باب التحية والتعظيم ، بل من باب الاستحسان؛ لأنه وقع ذلك عنهم لما سألوه عن الآيات الستع، وأجابهم صلى اللّٰه عليه وسلم عنها،

وما روى أبوداؤد ولا حجة لهم فيه أيضا؛ لأنه لم يكن من باب التحية والتعظيم بل من باب المحبة والشوق، كما يدل عليه قول: فجعلنا نتبادر. (إعلاء السنن ١٧/٤٢٦)

وفي الشامية: قال الإمام العيني بعد الكلام: فعلم إباحة تقبيل اليد والرجل والرأس والكشح، كما علم من الأحاديث. (شامي زكريا ٩/٥٤٦)

وفي الدر: طلب من عالم أو زاهد أن يرفع إليه قدمه، ويمكنه من قدمه ليقبله أجابه، وقيل: لايرخص فيه، وتحته في الشامية: قوله: أجاب، لما أخرجه الحاكم: أن رجلاً إلى النبي صلى الله عليه وسلم (إلى قوله) فقال: ثم أذن له، فقبل رأسه ورجله. (شامي زكريا ٩/٥٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ